

خطبہ وکلمات تمہید

از مصنف

الحمد لله رب العالمين، نحمده، ونستعينه، ونستغفره، ونؤمن به، ونتوكل عليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل الله فلا هادي له، ونشهد أن لا إله إلا الله، ونشهد أن محمداً عبده ورسوله. أما بعد! فإن خير الحديث كتاب الله، وخير الهدي هدي محمد صلى الله عليه وسلم، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار، وصلى الله على خير خلقه محمد، وآله، وأصحابه أجمعين. أما بعد!

اللہ رب العالمین کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم اور احسان عظیم سے نوازتے ہوئے مجھے ”اللمحات إلى ما في أنوار الباري من الظلمات“ لکھنے کی توفیق بخشی۔ اس وقت مجھے اپنی اس زیر تصنیف کتاب یعنی ”اللمحات إلى ما في أنوار الباري من الظلمات“ کی پہلی جلد ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے بہت مسرت و خوشی ہو رہی ہے کہ ظاہری وسائل و ذرائع نہ ہونے اور مشکلات و مزاحم کے باوجود اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی عنایت و مہربانی سے اس کی طباعت و اشاعت کا انتظام کر دیا۔

میرے اندر اس کتاب کی تصنیف کا داعیہ و جذبہ حلقہ دیوبند سے شرح صحیح بخاری کے نام پر شائع ہونے والی ایک کتاب ”انوار الباری“ کے مطالعہ سے پیدا ہوا۔ یہ کتاب بیس بائیس سال سے ایک ایک جلد کر کے قسط وار شائع ہو رہی ہے، اب تک اس کی چودہ پندرہ جلدیں شائع ہوئی ہیں، ابتدائی دو جلدیں بطور مقدمہ ہیں، پوری کتاب چالیس جلدوں میں مکمل ہونے کی امید ہے، اور رفتار اشاعت بتلا رہی ہے کہ تکمیل اشاعت میں ساٹھ سال سے بھی زیادہ لگیں گے۔

انوار الباری کے مقدمہ اور متعدد جلدوں کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ شرح صحیح بخاری کے نام سے شائع کی جانی والی یہ کتاب صحیح بخاری اور اس کے جلیل القدر مصنف امام بخاری کی تردید و تنقید میں لکھی جا رہی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ واضح طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کتاب مذکورہ کا اصل مقصد تصنیف اہل حدیث و مسلک اہل حدیث پر نقد و نظر اور رد و قدح ہونے کے ساتھ ساتھ اہل الرأی و مذہب اہل الرأی و التقليد کی مدح و تائید بھی ہے۔ اس مقصد میں حصول کامیابی کے لیے مصنف نے وہی طریق کار انوار الباری میں اختیار کیا ہے، جو تقلید پرست اہل الرأی کا شیوہ و شعار ہے۔ یعنی اپنے تقلیدی موقف و نظریہ کی تائید و تصویب اور دوسروں کی تردید و تضعیف کے لیے علمی و تحقیقی حدود و قیود سے آزاد ہو کر مسخ اور رد حقائق!

مسخ اور رد حقائق کی کسی بھی مہم و تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، مصنف انوار الباری ان کا

استعمال پوری آزادی، مستعدی اور حوصلہ مندی سے کر رہے ہیں۔ اپنی اس مہم میں مصنف انوار الباری اپنے ہم مزاج اہل قلم کے تیار کردہ قدیم و جدید مواد اور لٹریچر سے مدد لے رہے ہیں، مگر اس سلسلے میں انھیں سب سے زیادہ مدد موجودہ صدی میں مسخ حقائق کے لیے چلائی گئی تحریک کے روح رواں علامہ زاہد کوثری اور ان کے اثر سے پیدا شدہ کوثری گروپ کی تحریروں سے مل رہی ہے۔

مصنف انوار بذات خود بھی کوثری گروپ کے ایک فرد ہیں اور کوثری تحریک کو کامیاب بنانے کا بے پناہ جذبہ و ذوق رکھتے ہیں، اور بہر قیمت اہل حدیث و مذہب اہل حدیث کو مٹا کر تقلید پرستی کی ترویج و اشاعت کو اپنا منصبی فریضہ سمجھتے ہیں۔ صحیح بخاری اور اس کے عظیم المرتبت مصنف اور محدثین کرام و مذہب اہل حدیث کے خلاف اپنی اس جارحانہ مہم جوئی اور زہر آلود تنقید و تردید اور اپنے تقلیدی مذہب کی بیجا نصرت و حمایت و مدح سرائی کے باوجود مصنف انوار الباری مدعی ہیں کہ خالص علمی و دینی و تحقیقی نقطہ نظر سے معتدل و متوازن شاہراہ پر چلتے ہوئے افراط و تفریط سے ہٹ کر اور اصول و ضوابط کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف صحیح و معتبر باتیں ہی انوار الباری میں قلم بند کی جا رہی ہیں۔

مصنف انوار الباری کے قول و عمل کے اس تضاد کی وضاحت اور ان کے خالص علمی، دینی و تحقیقی نقطہ نظر کے کشف حقیقت کے لیے ہم نے استخارہ و استشارہ کے بعد قلم اٹھانا ضروری سمجھا، کیونکہ تقلید پرستی کی تائید و مدح میں علمی اصول و ضوابط کو پامال کرتے ہوئے محدثین کرام اور مذہب اہل حدیث کے خلاف جارحانہ مہم جوئی اور مسخ حقائق کا نام خالص علمی و دینی و تحقیقی نقطہ نظر رکھ لینا، بہت سے مضمرات کا حامل ہے۔ اس طرح کی کتاب ظاہر ہے کہ ”ظلمات بعضہا فوق بعض“ (تہ بہ تہ تاریکیوں اور گھٹا ٹوپ اندھیروں) کی مصداق ہے، مگر مصنف انوار نے ”برعکس نام نہند زنگی کا فوز“ کی مثل کے مطابق اس کتاب کا نام ”انوار الباری“ (اللہ تعالیٰ کی روشنیاں) رکھ چھوڑا ہے۔

ہماری زیر نظر کتاب ”اللمحات إلى ما في أنوار الباري من الظلمات“ مصنف انوار الباری کی ظلمت آفرین کتاب انوار الباری کی ظلمات کا پردہ چاک کرنے کے لیے لکھی جا رہی ہے۔ امید ہے کہ ہماری اس کتاب سے انوار الباری کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو حق نہی، حق پسندی اور حق پرستی کی توفیق سے بہرہ ور کرے اور اس کتاب ”اللمحات إلى ما في أنوار الباري من الظلمات“ کو ہم سب کے لیے دنیا و آخرت میں مفید و نفع بخش بنائے۔ آمین، وما توفیقی إلا باللہ!

میرے اس کام میں جن مخلصین نے میری معاونت اور حوصلہ افزائی فرمائی ہے، میں ان کا بہت شکر گزار ہوں اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں دنیا و آخرت میں ان کے اس عمل صالح کا اجر جزیل عنایت فرمائے اور اپنے الطاف و عنایات سے نوازے۔ آمین۔

فقط

رئیس ندوی

مرکزی دارالعلوم بنارس

۲۰/۲۱ ذی قعدہ الحرام ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۴/۱۳ اکتوبر ۱۹۷۹ء

مصنف انوار الباری کی ایک حقیقت بیانی کا تذکرہ

شرح صحیح بخاری کے نام سے صحیح بخاری اور اس کے جلیل القدر مصنف امام بخاری کی تردید و تنقید میں اتنی لمبی چوڑی کتاب لکھنے والے مصنف انوار نے نہ جانے کیسے اس حقیقت کا اعتراف و اقرار اور ادراک و احسان کر لیا کہ صحیح بخاری اور امام بخاری کے خلاف ان کی یہ جارحانہ اور زہر آلود تنقیدی و تردیدی مہم بالآخر ناکام و نامراد اور بے وزن ثابت ہو کر رہے گی۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

”خلاصہ یہ کہ امام بخاری کی شخصیت اتنی بلند و برتر ہے کہ ہم نے یا ہم سے قبل دوسروں نے ان پر یا ان کی ”صحیح“ و دیگر تالیفات پر جتنا بھی نقد کیا ہے، اگر اس سے دس بیس گنا مزید بھی کر دیا جائے تو اس تمام سے بھی امام بخاری کی بلند شخصیت یا صحیح بخاری کی عظمت مجروح نہیں ہو سکتی۔ الخ“¹

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار الباری کی یہ بات بالکل صحیح ہے اور بذات خود اس امر کی دلیل ہے کہ امام بخاری، مذہب امام بخاری اور تصانیف امام بخاری کے خلاف انوار الباری میں پائی جانے والی ساری تنقیدیں بے وزن اور بے معنی ہیں، اور صرف یہی نہیں بلکہ موصوف کی عام باتوں کا بھی یہی حال ہے۔ مصنف انوار الباری نے اپنی کتاب انوار الباری کو علامہ انور شاہ کشمیری کے افادات کا مجموعہ بتلایا ہے۔ اور موصوف نے علامہ انور شاہ کے اس مجموعہ افادات میں علامہ انور شاہ کے بارے میں کہا ہے:

”شاہ صاحب نے اپنی عمر کے آخری سالوں میں امام بخاری کی زیادتیوں پر تنقید فرمائی اور فرمایا کہ اب ضعف کا وقت ہے، صبر کم ہو گیا اور ادب کا دامن چھوٹ گیا۔ مجھے کہنا پڑا کہ امام بخاری نے اکابر حنفیہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور ان کی جرح غیر معتبر ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ امام بخاری کو مذہب حنفی کی پوری واقفیت نہیں تھی، جس کی وجہ سے باب الحلیل وغیرہ میں ائمہ حنفیہ کی طرف مسائل کا انتساب غلط کیا۔“²

”ایک روز درس میں شاہ صاحب نے فرمایا کہ حافظ ابن حجر کی زیادتیوں پر مجھے ہمیشہ کلام کرنے کی عادت رہی، لیکن امام بخاری کا ادب مانع رہا اس لیے ہم نے اتنے دن تک حنفیہ کی نمک حرامی کی اب چونکہ اخیر وقت ہے، اس لیے کچھ کہہ دیتا ہوں اور اب صبر و ضبط یوں بھی ضعف پیری کے باعث کمزور ہو گیا۔ الخ“³

مصنف انوار الباری کے مذکورہ بالا بیانات کا حاصل یہ ہے کہ انوار الباری جن علامہ انور شاہ صاحب کے افادات کا مجموعہ ہے، انھیں جب تک ضعف پیری لاحق نہیں ہوا تھا، تب تک موصوف صبر و ضبط اور ادب کا دامن مضبوطی سے تھامے رہے اور جب تک موصوف صبر و ضبط اور ادب کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہے، تب تک بفضلہ تعالیٰ امام بخاری کے خلاف لب کشائی و تنقید سے باز اور محفوظ رہے اور اپنے ائمہ احناف کے ساتھ بتصریح خویش نمک حرامی بھی صبر و ادب کا دامن چھوٹنے

① (مقدمہ انوار الباری: ۵۲/۲)

② (مقدمہ انوار: ۱۱/۱)

③ (مقدمہ انوار: ۳۷/۲)

سے پہلے تک کرتے رہے، مگر آخری عمر میں ضعف پیری لاحق ہوتے ہی صبر و ضبط اور ادب کی دولت سے جب بتدریج محروم ہونے لگے تو موصوف ائمہ احناف کے وفادار اور نمک حلال بن کر امام بخاری کے خلاف لب کشائی و طعنہ زنی اور تنقید کرنے لگے۔ ہر صاحب عقل و ہوش باسانی سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص ضعف پیری لاحق ہونے سے پہلے اور صبر و ادب کے دامن کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ رہنے کے زمانے میں محض امام بخاری کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے ان حنفی اماموں کے ساتھ نمک حرامی کرتا رہا ہو، جن کی تقلید و عقیدت کا ہمہ وقت دم بھرا کرتا، ہو وہ شخص ضعف پیری لاحق ہونے کے سبب ادب و صبر کی دولت سے محروم ہونے کے زمانے میں امام بخاری کے ساتھ کیا سلوک روا رکھتا ہوگا؟

عقلمنداں را اشارہ کافی است

مصنف انوار الباری کے مذکورہ بالا بیانات سے واقفیت رکھنے والے اہل نظر پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ اپنے ان تقلیدی اماموں کے ساتھ عمر عزیز کے آخری زمانہ تک نمک حرامی کرنے والے کسی شخص کے مجموعہ افادات کا کیا وزن ہو سکتا ہے، جن کی تقلید و عقیدت کا بڑے زور شور سے بار بار بھاری بھر کم آواز میں اظہار کیا جائے؟ انوار الباری یا بلقظ دیگر مجموعہ افادات علامہ انور کشمیری کا مطالعہ کرنے والوں کو اس حقیقت سے آگاہ کر کے مصنف انوار الباری نے بڑا اچھا کیا کہ امام بخاری، مذہب امام بخاری اور تصانیف امام بخاری کے خلاف کتاب مذکور میں مجموعہ افادات علامہ شاہ انور کے نام سے جو تنقید و تردید اور رد و قدح موجود ہے وہ سب کی سب اس زمانے کی ہے جب شاہ صاحب موصوف باعتراف خویش ضعف پیری کے سبب صبر و ضبط اور ادب کی دولت سے محروم ہونے لگے تھے۔ نعوذ باللہ من غوائل التقليد و فضائحه۔

انوار الباری پر ترجمان دیوبند ”القاسم“ کا تبصرہ

ہم اپنے تمہیدی کلمات میں عرض کر چکے ہیں کہ ہماری زیر نظر یہ کتاب ”اللمحات إلى ما في أنوار الباری من الظلمات“ حلقہ دیوبند سے تقلید پرستی کی تائید اور محدثین کرام و مسلک اہل حدیث خصوصاً صحیح بخاری و امام بخاری کی تردید و تنقید میں شائع کی جانے والی کتاب ”انوار الباری“ کے ایضاح حقیقت کے لیے لکھی جا رہی ہے۔ لیکن اس سلسلے میں اپنی بات شروع کرنے سے پہلے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس جگہ انوار الباری پر دارالعلوم دیوبند کے ترجمان ماہنامہ ”القاسم“ کے تبصرہ و تقریظ کا ایک اقتباس نقل کر دیں، تاکہ ناظرین کرام کو مصنف انوار کے ہم مسلک ترجمان دیوبند کی زبانی انوار الباری کی حقیقت کا کچھ اندازہ ہو سکے۔ ترجمان مذکور کا ارشاد ہے:

”مؤلف ”انوار الباری“ نے جس عزم سے اس خدمت کا منصوبہ تیار کیا ہے، اس کا تقاضا تھا کہ مقدمہ اپنی ترتیب و تسبیق، ادب، انشاء زبان و بیان اور تحقیق و تنقید کے اونچے معیار پر کسا جاتا، مگر ترتیب و تسبیق کے لحاظ سے بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔ مضامین کی مناسبت کے پیش نظر مقدمہ میں کوئی تدریجی روش نہیں۔ بحث کے گوشے جن بنیادی نقاط کے گرد گھومتے ہیں ان کو تصنیفی نظم و ضبط کے ساتھ متعین نہیں کیا گیا ہے۔ اصل عنوانات اور ذیلی سرخیاں کچھ اس طرح مخلوط ہیں کہ ان میں باہم تمیز کرنا دشوار ہے۔ بہت سے پیرا گراف نامتام رہ گئے ہیں۔ ایک ہی مضمون کے چھوٹے چھوٹے حصے غیر ضروری عنوانات کے ساتھ غیر مرتب و منتشر طور پر ذکر کیے گئے ہیں۔ ذیلی عنوانات کا استعمال اتنی افراط کے ساتھ کیا گیا ہے کہ سرخی کی معنویت و افادیت پڑھنے والے کے ذہن میں نہیں رہتی۔ مضامین اور حوالوں میں حیرت ناک حد تک تکرار ہے۔ زبان و بیان کے اعتبار سے بہت جگہ اسلوب ادا میں ثقاہت و سلامت باقی نہیں، جو اس تاریخی و تحقیقی موضوع کا طرہ امتیاز ہے۔ مقدمہ کو پڑھ کر قاری کا ذہن ایک عجیب انتشار و اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے کہ آیا محدثین کا کوئی علمی و تاریخی موقف تھا یا نہیں؟ پھر پڑھنے والے کا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ اسلامی علوم کی تاریخ عملاً دو گروہوں کی تاریخ ہے محدثین و فقہاء، بسا اوقات یہ دونوں گروہ متحارب نظر آتے ہیں۔ اس کتاب کی تحقیق و تنقید کے پائے کے بارے میں ہم تفصیلی رائے ظاہر کرنے سے معذور ہیں، مگر اتنی بات واضح ہے کہ پوری کتاب کا لب و لہجہ بے شمار حوالوں کے باوصف مذمت اور منقبت کا لہجہ ہے ہر لہجہ پر محسوس ہوتا ہے کہ قلم مشتعل ہے، ذہن میں جھنجھلاہٹ اور جذبات یکسر احتجاج ہیں، حالانکہ مؤرخ و سیرت نگار اور تاریخ کی غلط شکلوں کو صاف کرنے والے محقق کے لیے اطمینان و سکون، صبر و استقلال، فراخ قلبی، سلامتی فکر، درستی قلم اور صحت نگارش کی جتنی سخت ضرورت ہے اتنی دوسرے اہل قلم کو نہیں... ابتداء میں کتاب الآثار کو امام الاعظم کی تالیف کہا، پھر اس کو ابو یوسف

کی طرف منسوب کر دیا، اس طرح کی تضاد بیانی بھی ہے۔ بالعموم مناقب کی کتابیں ضعیف روایتوں سے پاک نہیں ہوتیں، مگر مؤلف نے ایسی روایتوں سے احتراز نہیں کیا۔ فاضل مؤلف نے احناف و محدثین کے سلسلہ میں جو ریمارک دیے ہیں اور دریدہ دری کے ساتھ محدثین عظام کی کوتاہیوں پر قلم اٹھایا ہے، وہ ذخیرہ احادیث کو مرتب کرنے والے اکابر رجال کی دیانت و امانت کو بدگمانی کے داغ سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ ان کے تقویٰ و طہارت اور عظمت و جلالت کا وہ سارا تار و پود کمزور پڑ جاتا ہے جس نے ان کی خدمات میں وزن پیدا کیا۔ مقدمہ کا پہلا حصہ پڑھ کر کوئی مستقیم رائے قائم نہیں کر سکتا، پھر دوسرے حصے میں کیا تاثرات ہوں گے؟ ہمارے نزدیک اس بحث کے لیے جو روش ہو سکتی ہے وہ صاحب ترجمان السنہ کی ہے، اس سے آگے فتنہ کی آبیاری ہوگی۔ الخ^۱

تبصرہ القاسم کا خلاصہ:

ترجمان دیوبند کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ”انوار الباری“ کے مضامین میں تدریجی مناسبت تک نہیں، نہ اس میں تصنیفی نظم و ضبط ہی ہے، مضامین و سرخیاں بے ربط و بے معنی اور مکررات سے بھر پور ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کے اندر تحقیقی و تاریخی ثقافت، سلامتی فکر، درستی قلم اور صحت نگارش نہیں۔ اس میں تضاد بیانیوں، ضعیف اور غیر منقح روایات کی بھرمار ہے۔ اور اس میں یہ تاثر دیا گیا ہے کہ محدثین کا کوئی علمی و تاریخی موقف نہیں تھا اور یہ کہ فقہاء و محدثین دو متحارب گروہ ہیں، نیز لب و لہجہ میں اشتعال و جھنجھلاہٹ اور جذبات میں احتجاج کے ساتھ محدثین خصوصاً امام بخاری کی امانت و دیانت اور تقویٰ و طہارت اور عظمت و جلالت کو مجروح کر کے ان سے لوگوں کو بدگمان بنا دیا گیا ہے، اور یہ کتاب فتنے کی آبیاری کرتی ہے۔

انوار الباری پر ماہنامہ ”تجلی“ دیوبند کا تبصرہ:

انوار الباری کے بہت بڑے مداح ماہنامہ ”تجلی“ دیوبند نے بھی انوار الباری کے بعض دخیل و دسائس پر مطلع ہو کر مندرجہ بالا قسم کے خیالات ظاہر کیے ہیں۔ چنانچہ تجلی کے بعض جملے ہم نقل کر رہے ہیں:

”داخلی و خارجی محرکات کے تحت محترم موصوف (یعنی مصنف انوار الباری) ایسے بے شمار موضوعات و مضامین لا رہے ہیں جن کا تعلق نفس موضوع سے نہیں اور آج کل کا کوئی ماہر فن ان کی تالیف (یعنی انوار الباری) کو دیکھے تو شاید ناک بھوں چڑھائے کہ یہ کس قسم کی شرح بخاری ہے جو بخاری سے کم اور غیر بخاری سے زیادہ بحث کرتی ہے؟“

”آج ہمیں ان کے یعنی مصنف انوار الباری کے بعض افکار و خیالات پر ناقدانہ رخ سے کچھ عرض کرنا ہے اور یہ شکایت پیش کرنی ہے کہ انھوں نے یعنی مصنف انوار الباری نے اپنی وقیع علمی پرواز میں بعض ایسی ادائیں شاید غیر ارادی طور پر شامل کر لی ہیں، جو ثقافت فروتر اور متانت سے بعید ہیں، جو عالمانہ اور محققانہ شان سے ہم آہنگی نہیں رکھتیں، بلکہ ان میں اتھلا پن ہے، بے وزنی ہے۔“^۲

① (ماہنامہ القاسم بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۶۱ء (ص: ۳۵، ۳۸ کا خلاصہ)

② ”ماہنامہ تجلی“ ۱۹۷۳ء (ص: ۴۳)

”ہمیں بڑی ندامت و تکلیف ہو رہی ہے اس بات سے کہ محترم سید صاحب (مصنف انوار الباری) کی طرف خیانت جیسے گھٹیا جرم کا انتساب کریں، لیکن اپنی خرابی تقدیر کو کیا کریں، ہمیں یہ برا دن دیکھنا تھا! اخلاص و خیانت، تحقیق و بددیانتی گویا آگ اور پانی جمع ہیں، کیسا عجوبہ ہے کہ یہ تفریقین ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم انوار الباری کے کسی بھی مسئلہ کے بارے میں اطمینان سے محروم ہو گئے۔ اگر ایک دو جگہ صریح خیانت اور دیدہ و دانستہ حق پوشی کا قطعی ثبوت مل جائے تو سید صاحب ہی بتلائیں کہ باقی سارے دفتر پر کیونکر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟“¹

تجلی کا یہ شمارہ قابل دید ہے۔ پورا لطف پورے مضمون کو پڑھنے سے حاصل ہوگا۔ تجلی نے ”حاصل کلام“ کے عنوان سے مصنف انوار کی ایک بددیانتی پر اظہار خیال کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

”سید صاحب (مصنف انوار) کا اعتراض سراسر دھاندلی پر مبنی ہے، انھوں نے علمی خیانت کا ارتکاب کیا ہے، نقل و عقل دونوں اعتبار سے ان کا اعتراض اتنا بچکانہ و غیر ہوشمندانہ ہے کہ کسی صاحب علم و فن سے اس کا صدور حیرت ناک ہے۔“²

انوار الباری بنام مجموعہ افادات علامہ انور شاہ سے متعلق ماہنامہ القاسم و تجلی کے مذکورہ بالا بیانات ناظرین کرام کے سامنے ہیں، یہ دونوں پرچے مصنف انوار الباری ہی کی طرح حنفی المذہب، مقلد اور تقلید پرستی کا دم بھرنے والے ہیں، اس لیے انوار الباری کے بارے میں ان کے یہ بیانات ﴿شہد شاہد من اہلہا﴾ کے مصداق ہیں۔

② شمارہ مذکورہ (ص: ۶۵)

① تجلی کا شمارہ مذکورہ (ص: ۵۵)

محدثین کرام پر مصنف انوار الباری کی بعض الزام تراشیوں کا تذکرہ

ماہنامہ القاسم اور تجلی کے بتلائے ہوئے مذکورہ بالا اوصاف و مشتملات کی حامل کتاب انوار الباری کے مصنف کا کہنا یہ ہے کہ انوار الباری مخالفین و معاندین احناف کی اس جارحیت و غلط روی کا جواب ہے جو حسد و عناد کے سبب احناف کے خلاف امام صاحب کے زمانے سے لے کر آج تک چلی آرہی ہے۔ مصنف انوار کا دعویٰ ہے کہ احناف کے فضائل و محاسن کو دیکھ کر مخالفین و معاندین احناف نے محض حسد و عناد کی بنیاد پر احناف کے خلاف روز اول سے ایک محاذ بنا لیا ہے۔ اس سلسلے میں مصنف انوار کے مختلف اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ مصنف انوار فرماتے ہیں:

”در حقیقت امام صاحب اور آپ کے اصحاب و تلامذہ کے امتیازات و تفویقات ہی ان سے حسد کا بڑا باعث بن گئے، اور حاسدین و معاندین کی نظر میں ایک ہی سلوک ان سب حضرات کے حق میں موزوں و مزین ہو گیا کہ ان کی وقعت شان کو پوری کوشش سے گرا دیا جائے، اور پھر جو کچھ ناروا سلوک بعد کے بعض کوتاہ اندیش لوگوں سے ہوئے ان کا ذکر جا بجا تذکرہ محدثین (مقدمہ انوار الباری) میں آئے گا۔ امام صاحب اور آپ کے جلیل القدر اصحاب و تلامذہ کے بارے میں ایک بہت سخت مخالفانہ پروپیگنڈہ یہ کیا گیا کہ وہ اصحاب الرأی ہیں، اور اس کا مطلب یہ باور کرایا گیا کہ انھوں نے احادیث و آثار کے مقابلہ میں قیاس و رائے کا استعمال کیا ہے۔ حالانکہ یہ ایک حربہ تھا جس کا مقصد اس مقدس جماعت، خادم حدیث و سنت کے خلاف نفرت و عداوت پیدا کرنی تھی۔ اس زہر کا تریاق بھی تذکرہ محدثین یعنی مقدمہ انوار الباری میں ملے گا اور واقعات و حالات سے اس کی غلطی نمایاں کی جائے گی۔“^①

مصنف انوار الباری نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں جن لوگوں کو معاندین و حاسدین احناف قرار دے کر یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ لوگ محض حسد و عناد کی بناء پر احناف کی رفعتِ شان گرانے کی کوشش کرتے تھے، ان سے موصوف مصنف انوار کی مراد محدثین کرام اور علمائے اہل حدیث ہیں، جیسا کہ یہ حقیقت اہل نظر پر پوشیدہ نہیں اور موصوف کے بیانات میں اس کی صراحت بھی ہے، جیسا کہ تفصیل آرہی ہے۔

۲۔ مصنف انوار ایک جگہ فرماتے ہیں:

”ظاہر ہے کہ فقہ حنفی کا یہ کھلا ہوا فضل و تفوق ہی حاسدین و معاندین کے تنگ دلوں اور متعصب ذہنوں کے لیے سب سے بڑی وجہ عداوت بن گئی اور پھر انھوں نے اپنے ان اساتذہ و بزرگوں یعنی ائمہ احناف کے ساتھ جو سلوک روا

رکھے، ان کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ خود ناظرین کریں گے۔ اس کا رخیر کی تقسیم اس طرح ہوئی کہ کچھ محدثین نے اپنی حدیثی تالیفات میں اصحاب امام صاحب کی روایت و ذکر رخیر سے احتراز کیا۔ مذہب حنفی سے پوری واقفیت حاصل کیے بغیر بے تحقیق مسائل کی نسبت ان کی طرف کردی۔ کچھ محدثین نے حق شاگردی ادا کرنے کو ایک دو روایتیں لیں۔ شرح حدیث نے موافق احناف روایات کو گرانے میں کسر نہیں اٹھائی۔ تاریخ و رجال کے مؤلفین اور جرح و تعدیل کے مصنفین نے رجال احناف کو مسخ شدہ کر کے پیش کیا اور جھوٹی روایت کی آڑ لے کر طعن کیا۔ کچھ لوگوں نے کتابوں کی طباعت کے وقت حذف و الحاق یا تحیف کے ذریعہ رجال حنفیہ کے حالات میں تلبیس کی۔ الخ^۱؛

۳۔ ایک دوسری جگہ مصنف انوار بعنوان ”امام اعظم اور تدوین قانون اسلامی کا بے نظیر کارنامہ“ فرماتے ہیں: ”افسوس ہے کہ امام اعظم اور آپ کے چالیس شرکاء تدوین فقہ کا بر محدثین نے جو فقہ اسلامی کی تدوین کا بہترین کارنامہ انجام دیا تھا، اس کو بے وقعت بنانے کے لیے غلط کوششیں کی گئیں اور اس کی وجہ سے دور خیر القرون کی حدیث و فقہ کی بے مثال عظیم الشان خدمت اپنے صحیح تعارف سے محروم رہی، جس کی کچھ تلافی ہم نے اس مقدمہ انوار الباری میں کی ہے۔“^۲

۴۔ تیسری جگہ مصنف انوار فرماتے ہیں:

”دوسری صدی کے بعد اکثر محدثین نے احناف کے ذکر و اذکار کو نظر انداز کر دیا اور کچھ حضرات نے ان کی برائیاں بے سند اور جھوٹی اسناد سے بیان کیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات نہ تو تاریخی اعتبار سے محمود تھی، نہ حدیثی تعلق کے تحت گوارا۔ اور سب سے بڑا دینی و علمی نقصان اس کا یہ تھا کہ حدیث کی پر رونق بھری محفل سے ایک ایسی عظیم مؤثر جماعت کو باہر کر دیا گیا، جن کی حدیثی خدمات کسی طرح بھی نظر انداز کیے جانے کی مستحق نہ تھیں۔“^۳

۵۔ مصنف انوار مزید فرماتے ہیں:

”غرض ایک عنصر ایسے معاندین کا امام صاحب کے وقت ہی سے تھا جس کا کام صرف غلط فہمی پھیلا کر امام صاحب سے دوسروں کو بدظن کرنا تھا۔ ان لوگوں میں سے نعیم بن حماد استاذ امام بخاری، دوسرے شیخ حمیدی استاذ بخاری تھے۔“^۴

۶۔ ”ان کے علاوہ اسماعیل بن عرعہ تھے یہ اور دوسرے چند حضرات امام صاحب کے چند اعدائے عدو (سب سے بڑے دشمن و مخالف) تھے اور جھوٹی روایات امام صاحب کے خلاف چلا کر ان کی جانب سے لوگوں کو بدظن کرتے تھے۔“^۵

۷۔ ”اس کے بعد یہی چیزیں شیخ حمیدی اور امام بخاری وغیرہ کے ذریعہ علامہ ابن حزم و خطیب وغیرہ تک پہنچیں۔ خصوصیت سے علامہ ابن حزم کا طرز تحریر امام صاحب کے خلاف بڑی حد تک جارحانہ و غیر منصفانہ ہے اور ہمارے زمانہ کے محترم الحدیث بھائی بھی ان کو اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں۔“^۶

① مقدمہ انوار (۱/۶۷) ② مقدمہ انوار الباری (۱/۱۳)

④ مقدمہ انوار (۲/۲۷) ⑤ مقدمہ انوار (۲/۲۸، سطر: ۴ و ۵) ⑥ مقدمہ انوار (۲/۲۸، سطر: ۲۳ و ۲۴)

۸۔ ”یہ عجیب بات ہے کہ جھوٹی باتیں چلتی کرنے میں فرقہ روافض کے بعد امام صاحب کے معاندین اہل حدیث کا نمبر معلوم ہوتا ہے۔“^①

۹۔ ”غیر مقلدین نے رافضیوں کی طرح امام صاحب کی برائیاں تلاش کر کے پروپیگنڈہ کیا، جس سے سادہ لوح ناواقف لوگ غیر مقلدین کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔“^②

۱۰۔ تاریخ و رجال کی کتابوں میں مصنف انوار کو کچھ ایسی باتیں نظر آئیں جو ان کے تقلیدی مزاج کے خلاف تھیں یا ان کتابوں میں موصوف کو وہ باتیں نظر نہیں آئیں جو ان کے موافق مزاج تھیں، تو انھوں نے ان کی کتابوں کی طباعت و اشاعت کرنے والے غیر حنفی اہل علم پر الزام الحاق و تحریف لگاتے ہوئے کہا:

”واضح ہو کہ کتابوں میں الحاق اور ضروری اجزاء کے حذف کا باقاعدہ منظم فن استعمال ہوتا رہا ہے، جس کے حیرت انگیز کمالات شاطر دشمنوں اور حاسدوں نے بڑی بڑی جلیل القدر تالیفات کی کتابت و طباعت کے وقت دکھائے ہیں۔ یفن پروپیگنڈہ کا ایک بڑا جزو ہے، جس سے کسی سفید چیز کو سیاہ اور سیاہ کو سفید ثابت کر دینے کے جوہر دکھائے جاتے ہیں۔ یورپ کے عقلاء نے اس فن کو بڑی ترقی دی ہے مگر اسلامی دور کی تاریخ میں بھی اس نوع کے کارنامے بڑی کثرت سے ملتے ہیں، کیونکہ مسلمانوں کی بد قسمتی سے ایک فرقہ ابتداء ہی سے ایسا پیدا ہو گیا تھا جو جھوٹ کو کارثواب سمجھ کر پھیلاتا رہا اور ان کے اثرات دوسرے سادہ لوح مسلمانوں پر بھی پڑتے رہے، حالانکہ ایسے ہی جھوٹ کی روک تھام کے لیے صادق و صدوق سرور انبیاء ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

”کفنی بالمرء کذبا أن یحدث بکل ما سمع.“

یعنی ایک شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بے تحقیق آگے چلتا کر دے۔ اس قسم کی بے سند باتوں کے ذکر سے پہلے زمانہ میں تو امام صاحب کے دشمنوں اور حاسدوں نے فائدہ اٹھایا، تاکہ امام صاحب کی جلالت قدر کو کم کر کے دکھایا جائے، یا ان کی فقہ کی عالم گیر مقبولیت کو کم کیا جائے، اکثر اسلامی حکومتوں کا مذہب بھی فقہ حنفی رہا اور عہدہ قضا وغیرہ بھی حنفی علماء کے پاس رہے، یہ بات بھی حسد و عداوت کا بڑا سبب بنی۔ ”پھر نئے دور میں غیر مقلدین رونما ہوئے اور انھوں نے امام صاحب ﷺ کے ساتھ حسد و عداوت کا وہ معاملہ کیا کہ ریکارڈ ہی مات کر دیا۔ ان کی نظر میں ”ہنر چشم عداوت بزرگ تر عیے است“ والی بات پوری پوری صادق ہو گئی۔ اسی لیے ان حضرات (یعنی غیر مقلدین اور علمائے اہل حدیث) نے امام صاحب ﷺ کی علو قدر، عظمت شان اور علمی رفعت کو گرانے اور چھپانے میں کوئی دقیقہ بھی فرو گذاشت نہیں کیا، اور اس کارثواب میں دن رات ایک کر دیا، ان قدیم و جدید تلبیسات کا پردہ چاک کرنے کے لیے خدا کا شکر ہے کہ ہمارے شیوخ و اکابر نے ہر وقت توجہ کی اور برابر اپنی تالیفات اور درسی افادات میں اتحاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ ادا کیا۔

”قریبی دور میں مصر میں علامہ کوثری کی جلیل القدر شخصیت گزری ہے، جنہوں نے اس سلسلے میں گراں قدر

تالیفات کیں اور مصری رسائل میں لا تعداد تحقیقی مضامین شائع کیے، جن سے اہل علم کبھی مستغنی نہیں ہو سکتے، ان کی کتابوں سے معاندین کے حوصلے پست ہو گئے ہیں اور جب تک ان کی اشاعت ہوتی رہے گی، ان کے مطالعہ و استفادہ کی وجہ سے علمائے حق معاندین مذہب حنفی پر غالب رہیں گے۔ الخ^۱

الغرض علمائے اہلحدیث و غیر حنفی علماء کو مصنف انوار الباری نے مختلف انداز میں خوب مطعون کیا ہے اور ان کے خلاف زہر افشانی میں بڑی مستعدی دکھلائی ہے۔ مندرجہ بالا نمونہ جات سے کہیں زیادہ موصوف کی دیگر تحریریں علمائے اہلحدیث کے خلاف ہیں، مگر اس جگہ ہم صرف اسی مقدار پر اکتفاء کرتے ہیں اور اتنی ہی مقدار مصنف انوار کے طرز کلام کا اندازہ لگانے کے لیے کافی ہے۔

مصنف انوار الباری کی اپنی مدح سرائی:

علمائے اہل حدیث کے خلاف مندرجہ بالا قسم کی گہر افشانی کرنے والے مصنف انوار نے اپنی اور اپنی کتاب کی مدح سرائی اس طرح کی ہے:

۱- ”ہم نے خالص دینی و علمی نقطہ نظر سے کتاب بخاری کی اردو تشریح کا نیا باب کھولا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس میں آپ کو حدیث رسول کی صحیح عظمت محسوس ہوگی۔“^۲

۲- ”پورا مقدمہ پڑھ کر آپ اندازہ کریں گے کہ ہم نے افراط و تفریط سے ہٹ کر ایک معتدل شاہراہ سامنے کرنے کی کوشش کی ہے۔“^۳

۳- ”انوار الباری کا پورا کام ایک تحقیقی علمی خدمت کے طور پر کیا جا رہا ہے، مقدمہ میں اکابر امت کے معتبر حالات اور شرح میں ان کی تحقیقات عالیہ زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع سے بہتر سلیس اردو میں پیش کرنے کا تہیہ ہے۔“^۴

۴- ”غرض اس مقدمہ میں جہاں یہ مقصود ہے کہ کبار محدثین کے صحیح حالات سے روشناس کرایا جائے، وہاں یہ بھی خیال ہے کہ بہت سی غلط فہمیاں بھی رفع کر دی جائیں، جو حدیث، فقہ اور خصوصیت سے فقہ حنفی وغیرہ سے متعلق پیدا کر دی گئی ہیں۔“^۵

ناظرین کرام پر یہ مخفی نہیں کہ انوار الباری کی مذکورہ بالا عبارتوں میں مصنف انوار الباری کے کیے ہوئے دعاوی کا حاصل یہ ہے کہ انوار الباری میں افراط و تفریط سے ہٹ کر معتدل طریق کار اختیار کرتے ہوئے خالص علمی دینی اور تحقیقی نقطہ نظر سے صرف معتبر و صحیح باتیں لکھی گئی ہیں، جس سے حدیث نبوی کی صحیح عظمت محسوس ہوتی ہے، مگر القاسم و تجلی کے گزشتہ بیانات کا حاصل یہ ہے کہ مصنف انوار الباری نے انوار الباری میں اپنے کیے ہوئے ان دعاوی کی کلی طور پر مخالفت کر رکھی ہے۔ القاسم و تجلی کے بیان کی تصدیق کے طور پر فی الوقت ہم صرف ایک مثال انوار الباری سے پیش کر رہے ہیں۔

① مقدمہ انوار الباری (۱/۲۳، ۱۲۴) ② انوار الباری کی ہر جلد کا آخری صفحہ۔ ③ مقدمہ انوار (۱/۸)

④ مقدمہ انوار (۱/۲۴۰) ⑤ مقدمہ انوار (۱/۱۴)

مصنف انوار کے عملی تضاد کی ایک مثال: امام نعیم کی توثیق و تخریح میں موصوف کا متضاد رویہ:

- مصنف انوار امام بخاری کے مشہور استاد امام نعیم بن حماد خزاعی مروزی فارض اعر (متوفی ۲۲۸، ۲۲۹ھ) کو کذاب و ضاع کہہ کر مطعون کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
- ۱- ”سب اکابر رجال لکھتے ہیں کہ نعیم ترویج سنت کے لیے جھوٹی روایتیں کرتے اور امام صاحب پر طعن کرنے کے لیے جھوٹی حکایات گڑھا کرتے تھے۔“^①
 - ۲- ”ابو الفتح ازدی وغیرہ نے کہا کہ نعیم امام ابو حنیفہ کی تنقیص کے لیے جھوٹی روایات گھڑا کرتے تھے اور تقویت سنت کے خیال سے حدیثیں بھی بنا لیا کرتے تھے۔“^②
 - ۳- ”امام ذہبی میزان الاعتدال (۳/۳۳۹) پر ازدی سے نقل کرتے ہیں کہ نعیم تقویت سنت کے لیے حدیثیں وضع کرتے اور ابو حنیفہ کے معائب میں جھوٹی حکایتیں گھڑا کرتے تھے، جو سب جھوٹی ہوتی تھیں۔“^③
 - ۴- ”نعیم کے بارے میں کم سے کم یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ روایات منکر بیان کرتے اور خاص طور سے امام صاحب کے بارے میں جھوٹی حکایات گھڑ کر بیان کیا کرتے تھے۔“^④
 - ۵- ”نعیم جیسے وضاع سے امام صاحب کے بارے میں امام بخاری کو روایت ملیں اور انھوں نے ان کو نمایاں کر کے نقل کرنا ضروری سمجھا۔“^⑤
 - ۶- ”غرض ایک عنصر ایسے معاندین کا امام صاحب کے وقت ہی سے تھا جس کا کام صرف غلط فہمی پھیلا کر امام صاحب سے دوسروں کو بدظن کرنا تھا، ان لوگوں میں سے نعیم کا ذکر ہو چکا۔ دوسرے شیخ حمیدی تھے... ان کے علاوہ اسماعیل بن عرعرہ تھے، یہ اور چند حضرات امام نعیم وغیرہ امام اعظم کے اعدی عدو (سب سے بڑے دشمن) تھے اور جھوٹی روایات امام صاحب کے خلاف چلا کر ان کی طرف سے لوگوں کو بدظن کرتے تھے۔“^⑥
 - ۷- ”فرمایا (یعنی علامہ انور شاہ کشمیری نے) کہ ابن ابی اویس اور نعیم کو امام بخاری صحیح بخاری میں کیوں لائے؟ شاید ان کے نزدیک کذاب نہ ہوں۔“^⑦
 - ۸- ”نعیم سے کئی جگہ امام بخاری کے اصول میں روایات موجود ہیں اور پھر تعلیق ہی کا ذہنوں سے لینا کب درست ہے؟“^⑧
- مصنف انوار کے ان بیانات کا حاصل یہ ہے کہ امام نعیم کذاب ہیں۔ بیان نمبر (۱) میں یہ بات سبھی اکابر رجال یعنی تمام ائمہ جرح و تعدیل کی طرف منسوب کی گئی ہے اور نمبر (۷ و ۸) میں اگرچہ یہ بات صرف علامہ انور شاہ کشمیری کی طرف منسوب کی گئی ہے، چونکہ علامہ کشمیری کی بابت انوار الباری میں یہ بھی ارشاد ہے:
- ”علامہ کشمیری کی نظر زمانہ رسالت، صحابہ و تابعین سے گزر کر ائمہ مجتہدین و اکابر محدثین سے ہوتی ہوئی اپنے

① مقدمہ انوار (۱/۶۲) ② مقدمہ انوار (۱/۳۱، ۳۲) ③ مقدمہ انوار (۱/۱۵۸)
 ④ مقدمہ انوار (۲/۲۳) ⑤ مقدمہ انوار (۱/۳۲) ⑥ مقدمہ انوار (۲/۲۷، ۲۸)
 ⑦ مقدمہ انوار (۲/۳۵، سطر: ۳۰) ⑧ مقدمہ انوار (۲/۲۵، سطر: ۲۴)

زمانہ تک کے تمام اکابر محققین کے فیصلوں پر ہوتی تھی۔¹

اس لیے مصنف انوار کے نزدیک امام نعیم کی بابت علامہ کشمیری کا مندرجہ بالا بیان تمام ہی اکابر محققین و مجتہدین کے فیصلے کے مترادف ہے۔ نیز انوار الباری کی ہر جلد پر جلی خط سے ”مجموعہ افادات امام العصر حافظ حدیث علامہ محمد انور شاہ کشمیری و دیگر اکابر محدثین“ لکھا ہوا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ انوار الباری علامہ کشمیری و دیگر اکابر محدثین کے افادات کا مجموعہ ہے۔ اس اعتبار سے بھی امام نعیم بدعوی مصنف انوار سبھی اکابر رجال کے نزدیک کذاب قرار پاتے ہیں، لیکن ان سارے دعاوی کے بالکل برخلاف مصنف انوار علامہ کشمیری سے نقل کرتے ہیں:

”ان کے بارے میں، یعنی امام نعیم کے بارے میں، سب سے زیادہ معتدل رائے یہ ہے کہ وہ صدوق ہیں۔“²

مصنف انوار کے اس دعویٰ کا مطلب بھی ان کے سابقہ دعاوی کے مطابق یہ ہوا کہ امام نعیم کو سبھی اکابر رجال صدوق کہتے ہیں۔ یعنی مصنف انوار کے ایک دعویٰ کے مطابق سبھی اکابر نعیم کو کذاب اور دوسرے کے مطابق صدوق کہتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ مصنف انوار نے علامہ کشمیری اور سبھی اکابر کی طرف دو متضاد دعاوی منسوب کیے ہیں۔ معلوم نہیں کہ مصنف انوار ان متضاد دعاوی میں سے اپنے کو کس دعویٰ میں سچا مانتے ہیں؟

یہ ہے مصنف انوار کی خالص علمی، دینی، تحقیقی اور معتدل نقطہ نظر سے لکھی ہوئی صرف صحیح و معتبر باتوں میں سے ایک ادنیٰ سی مثال۔ اس تضاد کی مزید توضیح کے لیے غور فرمائیے کہ ایک طرف مصنف انوار کا یہ ارشاد ہے کہ:

”فرمایا (یعنی علامہ کشمیری نے) کہ ابن ابی اویس و نعیم کو بخاری میں کیوں لائے؟ شاید ان کے نزدیک کذاب نہ ہوں..... نعیم سے کئی جگہ بخاری کے اصول میں روایات موجود ہیں اور پھر تعلق ہی کا ذبوں سے لینی کب درست ہے؟“³

جس کا مطلب یہ ہوا کہ علامہ کشمیری امام بخاری پر اس لیے معترض ہیں کہ وہ نعیم جیسے کذاب کی روایت صحیح بخاری میں کیوں لائے اور انھوں نے نعیم کو معتبر مان کر روایت بخاری میں کیوں شامل کیا؟

مگر دوسری طرف مصنف انوار اپنے انھی علامہ کشمیری سے ناقل ہیں:

”فرماتے ہیں (یعنی علامہ کشمیری) کہ نعیم بخاری کے راوی ہیں، معمولی بات نہیں ہے، یوں ان کو نہیں گرایا جا سکتا..... حضرت شاہ صاحب نے اپنے رسالہ ”نیل الفرقدین“ میں بھی نعیم کی روایت لمحاوی کی بابت ترک رفع یدین کا ذکر فرما کر لکھا ہے کہ اس کی اسناد قوی ہے اور اس میں جو نعیم ہیں وہ رجال بخاری سے ہیں اور ان کے بارے میں سب سے زیادہ معتدل رائے یہ ہے کہ وہ صدوق ہیں۔“⁴

مصنف انوار کی مذکورہ بالا عبارت کا مطلب بھی واضح ہے کہ علامہ کشمیری بخاری کا راوی ہونے کے سبب امام نعیم کو صدوق کہتے ہیں۔ ناظرین غور فرمائیں کہ ایک طرف مصنف انوار اس بات کے مدعی ہیں کہ علامہ کشمیری نعیم کو کذاب کہتے ہیں اور امام بخاری پر اس لیے معترض ہیں کہ انھوں نے صحیح بخاری میں نعیم جیسے کذاب سے کیوں روایت کیا اور انھیں معتبر مانا؟ اور

② انوار الباری (۷/۴۵)

① مقدمہ انوار الباری (۱/۷)

④ مقدمہ انوار الباری (۷/۴۵)

③ مقدمہ انوار الباری (۲/۳۵)

دوسری طرف یہ فرماتے ہیں کہ علامہ کشمیری نے بخاری کا راوی ہونے کی بنا پر امام نعیم کو صدوق و معتبر کہا۔

اس طرح کی چیخ در چیخ تضاد بیانیوں سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ جب ایک طرف مصنف انوار کا دعویٰ یہ ہے کہ سبھی اکابر رجال نعیم کو کذاب کہتے ہیں، تو دوسری طرف اپنے امام العصر قرار دیے ہوئے علامہ کشمیری سے موصوف نے یہ کیسے نقل کر دیا کہ نعیم صدوق و معتبر ہیں؟ جن کی بابت وہ خود مدعی ہیں کہ ان کی نظر زمانہ رسالت سے لے کر اپنے زمانے کے تمام اکابر محققین کے فیصلہ پر ہوتی تھی۔ کیا یہ امام العصر حافظ حدیث علامہ کشمیری اکابر رجال میں سے نہیں ہیں؟ اگر مصنف انوار کی نظر میں علامہ کشمیری اکابر رجال میں سے ہیں تو مصنف انوار اپنے اس دعویٰ میں کیسے سچے ہیں کہ سبھی اکابر رجال نعیم کو کذاب کہتے ہیں؟ ناظرین کرام پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ مصنف انوار اگر علامہ انور شاہ کی طرف دونوں قسم کی متضاد باتیں منسوب کرنے میں سچے ہیں تو اس سے علامہ موصوف کی حیثیت بھی واضح ہو جاتی ہے، جن کی بابت وہ مدعی ہیں کہ ان کی نظر زمانہ رسالت سے لے کر اپنے زمانہ تک کے اکابر محققین کے فیصلوں پر ہوتی تھی۔ سبھی اکابر رجال کی طرف نعیم کے کذاب و وضاع ہونے کا قول منسوب کرنے والے مصنف انوار نے نہ صرف یہ کہ علامہ انور شاہ کشمیری سے ان کی توثیق نقل کی ہے، بلکہ مشہور امام جرح و تعدیل امام یحییٰ بن معین سے بھی نقل کیا ہے کہ ”نعیم ثقہ و صدوق ہیں“^①

مصنف انوار نے ابن معین کو متصلب حنفی و بلند پایہ محدث اور امام جرح و تعدیل قرار دیا ہے۔^②

لیکن اس طرح کے امام جرح و تعدیل سے یہ نقل کرنے کے باوجود کہ نعیم ثقہ و صدوق ہیں، مصنف انوار مدعی ہیں کہ تمام اکابر رجال کہتے ہیں کہ نعیم جھوٹی حکایات گھڑتے اور جھوٹی حدیثیں بنایا کرتے تھے۔ نیز مصنف انوار کا یہ ارشاد بھی ہے کہ ”ابن عدی نے ان کی یعنی امام نعیم کی غلطیوں کا تتبع کر کے کہہ دیا کہ ان کی روایت کردہ باقی سب احادیث مستقیم ہیں۔“^③

صاف ظاہر ہے کہ صرف ثقہ و صدوق راوی ہی کی روایت کردہ احادیث مستقیم ہو سکتی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ امام ابن عدی نے بھی بقول مصنف انوار امام نعیم کو ثقہ و صدوق کہا ہے اور یہ معلوم ہے کہ امام ابن عدی بھی معروف و مشہور اکابر رجال میں سے ہیں۔ دریں صورت ناظرین کرام فیصلہ فرمائیں کہ امام ابن معین، ابن عدی اور انور شاہ سے نعیم کی توثیق نقل کرنے کے باوجود مصنف انوار اپنے اس دعویٰ میں کتنے سچے ہیں کہ سب اکابر رجال کہتے ہیں کہ ”نعیم جھوٹی حکایات گھڑتے تھے؟“ صرف یہی نہیں بلکہ مصنف انوار یہ بھی لکھتے ہیں کہ ”حافظ ابن حجر نے بھی تہذیب میں نعیم کے حالات کے آخر میں لکھا ہے کہ ابن عدی ان کی اغلاط کا تتبع کرتے ہیں، لہذا یہ بات ان کے بارے میں قول فیصل کا درجہ رکھتی ہے۔“^④

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مصنف انوار ہی کی حسب تصریح حافظ ابن حجر کا بھی قول فیصل یہی ہے کہ نعیم ثقہ و صدوق ہیں۔ یعنی اپنی اس تصریح کے ذریعہ بھی مصنف انوار نے اپنے اس دعویٰ کی تکذیب کر لی کہ سبھی اکابر رجال نعیم کو کذاب و وضاع کہتے ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود مصنف انوار نے بھی نعیم کا ثقہ و صدوق ہونا تسلیم کرتے ہوئے صاف طور پر یہ کہہ دیا ہے کہ:

② انوار الباری (۱/۲۳۲، ۲۳۳)

① مقدمہ انوار الباری (۷/۴۶)

④ انوار الباری (۷/۴۶)

③ انوار الباری (۷/۴۵، ۴۶)

”جیسا کہ حافظ ابن حجر وشاہ انور صاحب نے ان (نعیم کے) کے بارے میں قول فیصل و معتدل رائے یہ دی کہ ان کی اغلاط کا تتبع کر دیا گیا ہے، ان کی روایت کردہ باقی سب احادیث مستقیم و قابل استدلال ہیں، لہذا ان کی روایت کردہ حدیث ترک رفع الیدین ضرور قابل استدلال و مستقیم قرار پائے گی۔ خصوصاً جب کہ امام بخاری جیسے امام الحدیث نے بھی ان کی روایت حدیث کو معتبر مان لیا ہے۔“^①

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اپنے مندرجہ بالا بیان میں مصنف انوار نے امام نعیم کو قابل استدلال، مستقیم و معتبر یعنی ثقہ و صدوق اور حجت قرار دیا ہے۔ اس طرح موصوف نے اپنے ان سارے بیانات کی خود تکذیب کر دی جن میں امام نعیم کو وضاع و کذاب وغیرہ کہا ہے۔ موصوف نے اپنے مندرجہ بالا اس بیان میں صاف طور پر اس امر کی تصریح کی ہے کہ صرف حافظ ابن حجر اور انور شاہ ہی نہیں بلکہ امام الحدیث امام بخاری تک نے امام نعیم کی توثیق کی ہے۔ لہذا جب خود مصنف انوار امام نعیم کو ثقہ و حجت قرار دے کر امام بخاری، ابن معین، ابن عدی، ابن حجر اور انور شاہ سے نعیم کی توثیق کے ناقل ہیں تو ان کا یہ دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے کہ سب اکابر رجال لکھتے ہیں کہ نعیم روایات گھڑا کرتے تھے؟

حاصل یہ کہ مصنف انوار کی یہ بات سونی صدی غلط اور حقیقت کے خلاف ہے کہ سب اکابر رجال نعیم کو کذاب کہتے ہیں، کیونکہ اکابر رجال میں سے کسی ایک نے بھی ایسی بات نہیں کہی ہے۔ نیز مصنف انوار کے اس قول کہ ”ابو الفتح ازدی وغیرہ نے کہا کہ نعیم ابو حنیفہ کی تنقیص کے لیے جھوٹی روایات گھڑتے تھے“ کی تکذیب اگرچہ خود مصنف انوار کے اس قول سے ہو گئی کہ نعیم کے بارے میں قول فیصل یہ ہے کہ وہ مستقیم اور قابل استدلال یعنی ثقہ ہیں، لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ ابو الفتح ازدی بذات خود کذاب و وضاع ہے، جیسا کہ اس پر مفصل گفتگو آگے آرہی ہے۔ ایسے شخص کے قول کو امام نعیم جیسے صدوق محدث کی تخریح کے لیے دلیل بنانا کسی معتدل مزاج اور سلیم الطبع صاحب علم کا کام نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں ”ابو الفتح“ کے ساتھ ”وغیرہ“ کے لفظ کا اضافہ بھی امانت و دیانت سے محروم شخص ہی اتنے عظیم المرتبت صدوق امام کی تخریح و تضعیف کرنے کی غرض سے کر سکتا ہے، کیونکہ لفظ ”وغیرہ“ کا اضافہ ابو بشر محمد بن احمد بن حماد دولاہی جیسے غیر ثقہ اور ضعیف راوی نے کیا ہے۔ (کما سیأتی) ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار ایک طرف امام بخاری کو اس لیے مطعون کرتے ہیں کہ وہ دوسرے اہل علم کی طرح امام نعیم کو معتبر کیوں مانے ہوئے ہیں اور دوسری طرف انھی نعیم کو ثقہ و صدوق قرار دینے کے لیے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ امام بخاری نے انھیں ثقہ و صدوق کہا ہے۔ پوری انوار الباری میں یہی طریق تحریر موجود ہے جس سے اس کتاب کی حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ پھر بھی چونکہ اس دنیا میں ایسے لوگ بکثرت پائے جا رہے ہیں جو اس کتاب کو قابل اعتبار اور لائق مدح سمجھتے ہیں، اس لیے توضیح حقیقت کے لیے ہماری یہ کتاب لکھی جا رہی ہے۔

مصنف انوار کی قدح امام بخاری:

مصنف انوار نے امام بخاری کو مطعون کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ:

”امام بخاری نے تاریخ اوسط میں بھی راہ مستقیم و معتدل سے الگ راہ اختیار کی ہے اور سب سے زیادہ عجیب امر

یہ ہے کہ امام بخاری کے یہاں کسی جز کو قبول کرنے کے واسطے انقطاع سند، عدم ضبط، تہمت کذب، جہالت عین، جہالت وضعف اور بدعت وغیرہ سے راویوں کا بے داغ ہونا ضروری و لازم ہے، لیکن ان سب شرائط و احکام کی پابندی امام اعظم ابوحنیفہ کے بارے میں بالکل ختم ہو جاتی ہے اور باوجود نقائص و عطل کے امام صاحب کے بارے میں کذا بین و ضامین کی روایت کے قبول و نقل و نشر کا سلسلہ جائز رکھا جاتا ہے۔^①

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں بتلایا ہے کہ امام بخاری نے معتدل و مستقیم راہ کو چھوڑ کر غیر معتدل و غیر مستقیم راستہ اختیار کیا اور سب سے بڑی عجیب بات امام بخاری نے بقول مصنف انوار یہ کہ روایات کے قبول کرنے کے لیے اپنے ہی بنائے ہوئے اصول و احکام کی کلی طور پر مخالفت کرتے ہوئے کذا بین اور وضامین کی گھڑی ہوئی خود ساختہ و اختراعی روایات کو قبول کر لیا اور نہ صرف ان ملذوبہ روایات کو قبول کیا، بلکہ ان کی نشر و اشاعت بھی کی۔ نیز یہ کہ امام بخاری نے امام ابوحنیفہ کی مذمت کی خاطر منقطع سند والی روایات اور غیر ضابط، جھوٹ سے متہم اور مجہول بدعتی رواۃ کے بیانات کو دلیل و حجت بنایا ہے۔

مصنف انوار کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے نزدیک امام بخاری راہ مستقیم سے منحرف اور کذا بین، وضامین اور جھوٹ سے متہم، مجہول اور غیر ضابط رواۃ کی گھڑی ہوئی جھوٹی باتوں یا ان کی بیان کردہ جھوٹی روایات کو قبول کرتے اور انہیں دلیل و حجت بناتے اور ان کی نشر و اشاعت کرتے تھے۔ اور جو شخص راہ مستقیم سے الگ دوسرا راستہ اپنا کر کذا بین و وضامین کی جھوٹی باتوں کو قبول کرے اور انہیں دلیل و حجت بنا کر ان کی نشر و اشاعت بھی کرے، اس شخص کے بارے میں ناظرین کرام مصنف انوار الباری سے یہ دریافت کریں کہ اس شخص پر آپ کی نقل کردہ یہ حدیث نبوی صادقہ آتی ہے یا نہیں کہ:

”کفنی بالمرء کذباً أن یحدث بکل ما سمع.“^②

یعنی ایک شخص کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بھی کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بے تحقیق آگے چلتا کر دے۔

ظاہر ہے کہ مصنف انوار یہی کہیں گے کہ ایسے شخص پر مندرجہ بالا حدیث نبوی ضرور صادق آتی ہے۔ دریں صورت ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ مصنف انوار نے امام الحدیث امام بخاری کے بارے میں اپنے مندرجہ بالا بیان کے ذریعہ قارئین انوار الباری کو کیا سبق پڑھایا ہے؟ صرف اسی بات سے ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ مصنف انوار الباری نے شرح صحیح بخاری کے نام سے لکھی جانے والی اپنی اس کتاب میں کس کس طرح کی گل افشانی، تحقیق پسندی اور حق پرستی سے کام لیا ہوگا؟

مصنف انوار کی مدح امام بخاری:

ایک طرف مصنف انوار نے امام بخاری کے خلاف مندرجہ بالا قسم کی زہر افشانی کی اور دوسری طرف یہ بھی کہا کہ:

”فخر موجودات ﷺ کی بلند پایہ احادیث کو امام بخاری نے جس حسن و خوبی اور صحت و اہتمام کے ساتھ مرتب فرمایا ہے اس کی نظیر اول و آخر میں نہیں ہے۔“^③

② مقدمہ انوار الباری (۱/۱۲۴)

① مقدمہ انوار الباری (۲/۲۲)

③ انوار الباری کی ہر جلد کا آخری صفحہ، سطر (۱۸)

”ایک نسخہ ”شفا“ مصائب و مشکلات کے وقت علماء کرام نے بخاری شریف پڑھنے کا معمول رکھا ہے اور یوں بھی پڑھے تو سرور کائنات ﷺ سے شرف ہم کلامی کی برکت حاصل ہو، سینے تو مبارک ارشادات کے انوار سے منور ہوئے، گھر میں رکھیے تو خیر و برکت کا عظیم سرمایہ، دین و دنیا کی سب سے بڑی عزت و سعادت اور قابل فخر دولت ہے۔“¹

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں صحیح بخاری کو نسخہ شفاء، خیر و برکت کا عظیم سرمایہ، دین و دنیا کی سب سے بڑی عزت و سعادت اور قابل فخر دولت قرار دینے کے ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ احادیث نبویہ کو جس حسن و خوبی اور صحت و اہتمام کے ساتھ امام بخاری نے مرتب فرمایا اس کی نظیر اول و آخر میں نہیں ملتی ہے۔ صحیح بخاری کے یہ محاسن وہ مصنف انوار الباری بیان کر رہے ہیں جو اپنی فطرت سے مجبور ہو کر امام بخاری کو صراط مستقیم و راہ معتدل سے منحرف کہتے اور انھیں کذابین کی روایات کو قبول و رائج کرنے والا اور جھوٹی باتوں کو پر لگانے والا قرار دیتے پھر رہے ہیں۔

والفضل ما شهدت بها الأعداء

پوری انوار الباری مصنف انوار کے اسی طرح کے قول و عمل کے تضاد کا مظہر ہے، حالانکہ شریعت میں اس کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

کتاب و سنت سے قول و عمل میں تضاد کی مذمت:

ارشاد ربانی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿۱﴾ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿۲﴾﴾ [الصف: ۲، ۳]

یعنی اے اہل ایمان! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، قول و عمل کا تضاد اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ ناراضگی کا سبب ہے۔

قرآن مجید میں اس مضمون کو مختلف انداز و پیرایہ میں بہت صراحت و وضاحت سے بیان کرتے ہوئے قول و عمل کے تضاد کو یہود و منافقین کی خاصیت و عادت بتلایا گیا ہے، احادیث نبویہ میں بھی اس کی پوری تصریح ہے، مگر ہم اس جگہ صرف ایک مشہور و معروف حدیث نبوی کی نقل پر اکتفا کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عن ابن مسعود أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما من نبي بعثه الله في أمة قبلي إلا كان له من أمته حواريون، وأصحاب يأخذون بسنته، ويقتدون بأمره، ثم إنها تخلف من بعدهم خلوف، يقولون ما لا يفعلون، ويفعلون ما لا يؤمرون، فمن جاهدكم ببده فهو مؤمن، ومن جاهدكم بلسانه فهو مؤمن، ومن جاهدكم بقلبه فهو مؤمن، وليس وراء ذلك من الإيمان حبة خردل“²

1 ملاحظہ ہو صفحہ مذکورہ (سطر: ۱۲، ۱۳)

2 صحیح مسلم، باب بیان کون النهی عن المنکر من الإيمان (۲/۲۲۷، ۲۲۸) و کتاب العلل للدارقطني وغیرہ۔

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جتنے بھی نبی اللہ نے مجھ سے قبل مبعوث فرمائے، ان سب کی امت میں سے کچھ ایسے حواری و اصحاب ہوتے تھے، جو ان کے طریق پر عمل کرتے اور ان کے حکم کی پیروی کرتے، مگر ان کے بعد کچھ ایسے ناخلف و نالائق لوگ بھی پیدا ہو جاتے تھے، جو اپنے دعویٰ و قول کے خلاف عمل کرتے اور ایسی باتیں کہتے جن کے کہنے کی انہیں اجازت نہیں ہوتی تھی۔ ان لوگوں کے ساتھ جس نے بذریعہ قول و عمل اور دل و جان جہاد کیا، وہ مومن ہے، لیکن جس نے ان سے بالکلیہ ہی جہاد ترک کر دیا وہ نور ایمان سے محروم ہے۔

اس حدیث نبوی کو رسول اللہ ﷺ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، جن کو مصنف انوار حنفی مذہب کا مورث اعلیٰ اور نہایت بلند پایہ فقیہ قرار دیتے ہیں۔ ان کے بارے میں مصنف انوار یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ غیر فقیہ صحابی ہونے کے سبب اصول شریعت کے خلاف احادیث بیان کرتے پھرتے تھے، جیسا کہ موصوف نے بہت سے صحابہ کے بارے میں یہی بات کہہ کر ان کی روایت کردہ احادیث نبویہ کو مردود قرار دینے کا ضابطہ و اصول بنا لیا ہے، جس کی تفصیل صفحات آئندہ میں آرہی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نقل کردہ اس حدیث نبوی میں قول و عمل کے تضاد کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے اس طریق کار کو ناخلف لوگوں کی عادت و فطرت بتلایا گیا ہے اور اسے انبیاء کرام کے طریق کار کی مخالفت قرار دے کر فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگوں سے جہاد کرنا مومن کا فریضہ ہے، نیز اس فریضہ پر عمل نہ کرنے والے کو ایمان سے محروم بتلایا گیا ہے۔ اسی فرمان نبوی نیز دیگر نصوص کتاب و سنت کے پیش نظر ہی ہم نے انوار الباری پر نقد و نظر کا عزم کیا ہے، تاکہ اس سے پیدا ہونے والے اثرات بد سے محفوظ رہا جاسکے۔

اہل تقلید کو عظمت بخاری کا احساس و اعتراف:

جب باعتراف مصنف انوار الباری صحیح بخاری نسخہ شفاء اور خیر و برکت کا عظیم ترین سرمایہ ہے تو اس کا تقاضا تھا کہ امت اسلامیہ میں اس کتاب اور اس کے مصنف کی بہت زیادہ پذیرائی ہوتی، چنانچہ یہ بات واقع بھی ہوئی جس کا اندازہ ترجمان دیوبند ”القاسم“ کے درج ذیل بیان سے ہوتا ہے:

”صحیح بخاری عجیب شان کی کتاب ہے اور اسے اللہ نے عجیب و غریب مقبولیت بخشی ہے، ہر عالم و عامی قرآن کے بعد جب نظر اٹھاتا ہے تو صحیح بخاری پر سب سے پہلے نظر پڑتی ہے۔ تقریباً ایک ہزار سال سے دنیائے اسلام میں اس کتاب کو کتاب اللہ کے بعد جو فوقیت و مرجحیت حاصل رہی ہے، اس کی وجہ سے اس کی بھاری بھر کم حیثیت اور اس کے مؤلف کی عظیم شخصیت اسلامی تاریخ پر چھا گئی“^۱

مذکورہ بالا عبارت میں ذکر شدہ عظمت بخاری کا اعتراف عام اہل تقلید نے بھی کیا ہے، ہم بنظر اختصار صرف اسی نقل پر اکتفاء کرتے ہیں۔

امام بخاری کی عظمت اہل تقلید کے لیے باعث مصیبت ہے:

مندرجہ بالا قسم کی امام بخاری کی عظمت کے اعتراف کے ساتھ بقول ”القاسم“ اہل تقلید کو یہ احساس بھی ہوا کہ:

”امام بخاری کی دینی خدمت، علمی ثقاہت اور شانِ جلالت کی بدولت ان کی شخصیت ایک ایسا مرعوب کن تاریخی باب بن گئی، جس کی سلوٹوں میں بہت سی اہم علمی و دینی خدمات کا طول و عرض اور متعدد جلیل القدر شخصیتوں کا قد و قامت دبا ہوا محسوس ہوتا ہے اور اپنی ذاتی عظمت کی بناء پر اگر ان کی خدمت کا کچھ وزن اور ان کی شخصیتوں کا وجود نمایاں بھی ہوا تو گزشتہ کئی صدیوں میں علم و قلم کے رکابداروں نے رہوار تاریخ کو اس رخ پر چلنے نہیں دیا، اس طرز عمل کا ہدف مقلدین بالخصوص فقہ حنفی کے پیرو بننے رہے ہیں۔ الخ“^①

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مذکورہ بالا عبارت میں عظمتِ بخاری کے سامنے جن علمی و دینی خدمات و شخصیات کو دبا ہوا بتلایا گیا ہے، وہ علمی و دینی خدمات و شخصیات بترتیب ترجمانِ دیوبند ”القاسم“ تقلیدی ائمہ اور تقلیدی مذاہب خصوصاً ائمہ احناف و مذہب احناف کی ہیں اور جن رکابدارانِ علم و قلم کی بابت یہ کہا گیا کہ انہوں نے تقلیدی شخصیات اور ان کی خدمات کو ابھرنے اور نمایاں نہیں ہونے دیا اس سے مراد علمائے اہلحدیث ہیں، جو تقلید پرستی و تقلیدی تنگ نظری سے دور رہ کر غیر جانب دارانہ تحقیق کی بنیاد پر مسلک کتاب و سنت و سلف امت کی حمایت میں ہمیشہ سرگرم عمل رہا کرتے اور ہر زمانہ میں اپنے مخالفین پر اس لیے چھائے رہتے ہیں کہ ان کی بابت ارشاد نبوی ہے:

”لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين حتى يأتيهم أمر الله وهم ظاهرون.“ (بخاری و مسلم)

یعنی میری امت کا ایک گروہ (مراد اہلحدیث) ہمیشہ حق کی حمایت کے سبب غالب رہے گا۔

خاتم المرسلین ﷺ کی اس پیش گوئی کے ہوتے ہوئے کسی شخص کی یہ توقع ہی فضول ہے کہ اہل تقلید اپنی مقلدانہ کوششوں میں اہلحدیث کے بالمقابل کبھی کامیاب ہو سکیں گے۔ افسوس کہ اپنی روش میں خوشگوار تبدیلی لانے کے بجائے اہلحدیث کے بالمقابل اپنی تقلیدی کوششوں کی ناکامی و شکست خوردگی کے احساس سے جھنجھلا کر ترجمانِ دیوبند ”القاسم“ نے مزید کہا:

”اس روش سے جو مسلسل کئی صدیوں سے دینی تاریخ کے سلسلے میں سامنے آتی رہی ہے، یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سیرت نگاری و تاریخ نویسی کی غلطیاں بالقصد ہی نہیں بلا قصد و ارادہ بھی ہوتی ہیں اور واقفیت کے باوجود یک رخی نگاہ اور یک طرفہ نقطہ نظر اچھے اچھے اہل علم و فضل کے نظریات کو متاثر و مسخ کر دیتا ہے۔ بہت سے مدعیان علم و فضل نے امام بخاری کے ذاتی آراء و نظریات کو بھی واجب التسلیم تسلیم کرانے کی کوشش کی، اس طرز عمل کا ہدف مقلدین بالخصوص فقہ حنفی کے پیرو بننے رہے ہیں، اس صورت کو سامنے رکھتے ہوئے اب تک اس موضوع پر اہل قلم نے بہت کچھ لکھا ہے اور اس الجھن کو صاف کرنے کی کوشش کی ہے، جس کی وجہ سے امام بخاری کی عظمت کے سامنے احناف خصوصاً امام ابوحنیفہ کی شخصیت سمٹی ہوئی نظر آتی ہے اور اس کے نتیجے میں احناف کو امت مسلمہ کے کارواں میں بہت ہی کم مایہ محسوس کرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔“^②

① القاسم، شماره مذکورہ (ص: ۳۳)

② صحیح البخاری: کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: لا تزال طائفة من أمتي...، رقم الحديث (۶۸۸۲) صحیح مسلم: کتاب الإمارة، باب قوله صلى الله عليه وسلم: لا تزال طائفة من أمتي...، رقم الحديث (۱۹۲۰)

③ القاسم، شماره مذکورہ (ص: ۳۳، ۳۴)

ناظرین کرام پر یہ بات مخفی نہیں ہوگی کہ عبارت مذکورہ بالا میں یہ بتلانے کی کوشش کی گئی ہے کہ علم و قلم کے جن رکابداروں یعنی علمائے اہلحدیث نے تقلیدی شخصیات اور ان کی خدمات کو ابھرنے اور نمایاں نہیں ہونے دیا، وہ مسخ شدہ نظریات، یک رخی نگاہ اور یک طرفہ نقطہ نظر رکھتے تھے، انھوں نے قصداً سیرت نگاری و تاریخ نویسی میں غلط روی اختیار کر کے مقلدین کو اپنا ہدف بنایا اور یک طرفہ نقطہ نظر اور مسخ شدہ نظریات کے ذریعہ عظمت بخاری کے سامنے امام ابوحنیفہ اور عام احناف کو بہت ہی کم مایہ اور بے وقعت محسوس کرانے کی کوشش کی۔ ظاہر ہے کہ اہلحدیث کو عبارت مذکورہ میں جن صفات مذمومہ کے ساتھ متصف بتلایا گیا ہے، بجز اللہ اہلحدیث ان قبائح سے محفوظ ہیں۔

البتہ اس عبارت سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ پوری دنیا پر چھا جانے والی امام بخاری کو اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی فوقیت و مرجعیت سے پریشان ہو کر اہل تقلید نے ہر زمانے میں بہت کچھ لکھ کر اہل تقلید کی عظمت کو اجاگر کرنا چاہا، مگر آج تک اس میں کامیابی نہیں ہوئی، لہذا بقول ”القاسم“ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اس چودھویں صدی میں انوار الباری لکھی جا رہی ہے۔

انوار الباری کی تالیف کا سبب ”القاسم“ کی زبانی:

چنانچہ ترجمان دیوبند ”القاسم“ میں مرقوم ہے:

”تصنیف انوار الباری کا مقصد یہ ہے کہ ایک خاص نقطہ نظر رکھنے والے مورخین نے احناف کی سرگزشتہ قلم بند کرنے میں جس عصبیت و ناانصافی کا ارتکاب کیا ہے، اس کا جائزہ لے کر احناف کی طرف سے بھرپور مدافعت کی جائے۔“¹

ان سارے بیانات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی جو عظمت بخاری بقول ”القاسم“ ایک مرعوب کن تاریخی باب بن گئی ہے اور اس کے سامنے احناف و ائمہ احناف کی اہمیت و عظمت دب اور سمٹ کر رہ گئی ہے، جس کو ابھارنے کی کوششوں کو علمائے اہلحدیث نے آج تک کامیاب نہیں ہونے دیا ہے، ان سب کا جائزہ لے کر احناف کو امام بخاری کے بالمقابل ابھارنے کے لیے انوار الباری لکھی جا رہی ہے، مگر ہم کہتے ہیں کہ امام بخاری کو اللہ کی دی ہوئی جس عظمت و مقبولیت اور فوقیت و مرجعیت سے مرعوب و پریشان ہو کر انوار الباری لکھی جا رہی ہے وہ ان شاء اللہ قیامت تک کسی انسانی تدبیر سے ختم نہیں کی جاسکے گی، خواہ انوار الباری جیسی لاکھوں کتابیں روزانہ لکھی جاتی رہیں، کیونکہ اللہ کی دی ہوئی اس عظمت بخاری کو برقرار رکھنے کی ذمہ داری علمائے اہلحدیث نے سنبھال رکھی ہے، جن کی بابت ارشاد نبوی ہے کہ یہ ہمیشہ غالب رہیں گے، کبھی مغلوب نہ ہوں گے۔

چرانے را کہ ایزد برفروزد
ہر آل کہ تف زندریش بسوزد²

نیز اگر القاسم اور مصنف انوار جیسے ہزاروں لاکھوں افراد مل کر اور علمائے اہلحدیث اور امام بخاری کو مذکورہ بالا مطاعن سے کہیں زیادہ الزامات سے مہتم اور مطعون کریں، پھر بھی ان شاء اللہ تعالیٰ وہ ناکام و نامراد ہی رہیں گے اور اہلحدیث کے

1 ماحصل از القاسم، شماره مذکور (ص: ۳۴)

2 جس چراغ کو خدا روشن رکھے، اس پتھوکنے والا اپنی ہی داڑھی جلا بیٹھے گا۔

بالمقابل اپنی ناکامی کا احساس اسی طرح انھیں قیامت تک پریشان کرتا رہے گا۔ آخر جب ”القاسم“ کو احساس ہے کہ انوار الباری کی تصنیف سے پہلے علمائے اہلحدیث امام بخاری کو اللہ کی دی ہوئی عظمت چھیننے والوں کی کوششیں ہمیشہ ناکام بناتے رہے ہیں، تو اس مقصد میں انوار الباری کیسے کامیاب ہو پائے گی؟ جبکہ ”القاسم“ ہی نے انوار الباری کو ثقاہت و سلامت روی سے محروم، متضاد و متعارض باتوں سے پُر اور فتنے کی آبیاری کرنے والی کتاب قرار دیا ہے۔ جب باعتراف ”القاسم“ اللہ کی بخشی ہوئی فوقیت، مقبولیت اور مرجعیت کے سبب صحیح بخاری اور امام بخاری کی عظمت اسلامی تاریخوں پر چھائی ہوئی ہے اور ان کی عظمت ایک مرعوب کن تاریخی باب بن چکی ہے۔ نیز جب باعتراف مصنف انوار صحیح بخاری نسخہ شفاء اور دین و دنیا کا عظیم ترین سرمایہ ہے، تو صحیح بخاری اور امام بخاری کے مقابلے میں اترنے والوں کا جو حشر ہوگا وہ ظاہر ہے۔

اگر فی الواقع مسخ شدہ نظریات رکھنے والے متعصب اہل قلم نے احناف اور مذہب احناف کو تعصب و نالانصافی کے ساتھ گرانے کی کوشش کی تھی تو اس کا ازالہ و تردید ضرور ہونی چاہیے، مگر انوار الباری درحقیقت کسی اور مقصد سے لکھی گئی ہے، جس کا اندازہ ناظرین کو ہو چکا ہوگا۔

خصوصیات انوار الباری مصنف انوار الباری کی زبانی

مصنف انوار کی زبانی انوار الباری کی متعدد خصوصیات کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آچکا ہے، چونکہ موصوف نے اسے شرح بخاری کا نام دیا ہے اور انھوں نے صحیح بخاری کو نسخہ شفاء اور دین کا عظیم ترین سرمایہ وغیرہ بھی کہا ہے، اس لیے اس کی شرح کے نام سے لکھی جانے والی اس کتاب انوار الباری کے بارے میں بلند بانگ دعاوی کرنے کو مصنف انوار نے اپنا اولین فریضہ سمجھتے ہوئے فرمایا:

”اردو زبان میں حدیث کی عظیم المرتبت کتاب صحیح بخاری کی کامل و مکمل شرح مرتبہ مولانا سید احمد رضا بجنوری چودہ سو سال بعد آفتاب نبوت کی کرنیں احادیث نبویہ کی ضیاء پاشیاں نئے انداز میں۔ ہم نے خالص دینی و علمی نقطہ نظر سے شرح بخاری کا نیا باب کھولا ہے، جس سے حدیث رسول کی اصل عظمت محسوس ہوگی۔ دور حاضر کے تمام مسائل الجھنیں اس طرح حل نظر آئیں گی کہ حدیث زندگی کے تمام شعبوں میں کار فرما ہو، فقہیات کا تمام مجموعہ احادیث نبویہ کا عطر محسوس ہوگا، فرق باطلہ کے لیے یہ مجموعہ صاعقہ محرقة ثابت ہوگا۔“¹

ناظرین کرام! ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے انوار الباری کو آفتاب نبوت کی کرنوں، احادیث نبویہ کی ضیاء پاشیوں اور خالص علمی و دینی نقطہ نظر سے لکھی ہوئی ایسی شرح صحیح بخاری قرار دیا ہے جس میں اصلی عظمت حدیث رسول محسوس ہوگی وغیرہ۔ مگر ناظرین کو اندازہ ہو چکا ہوگا کہ مصنف انوار کے یہ دعاوی کیا معنی رکھتے ہیں اور ہماری پوری کتاب سے تو ان کی حقیقت بالکل ہی سامنے آجائے گی۔

محدثین کو مصنف انوار کی گالیوں کی چند مثالیں:

- ناظرین ذرا انوار الباری کے مندرجہ ذیل اقتباسات پڑھ کر بتلائیں کہ اس کتاب کو آفتاب نبوت کی کرنیں، احادیث کی ضیاء پاشیاں اور خالص علمی و دینی نقطہ نظر سے لکھی ہوئی شرح بخاری و احادیث نبویہ کا عطر وغیرہ کہنا کہاں تک اور کس طرح جائز ہے؟
- ۱۔ ”یہ عجیب بات ہے کہ جھوٹی باتیں چلتی کرنے میں فرقہ روافض کے بعد امام صاحب کے معاندین و حاسدین اہل حدیث کا نمبر معلوم ہوتا ہے، یہ بات حد درجہ افسوس ناک ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔“²
 - ۲۔ ”اور غیر مقلدین نے رافضیوں کی طرح امام صاحب کی برائیاں تلاش کر کے پروپیگنڈہ کیا اور ہمارے صوفی صافی بزرگ حنفیوں نے اس کے مقابلہ میں امام صاحب کی خوبیوں کا پروپیگنڈہ کچھ بھی نہیں کیا، جس سے سادہ

② مقدمہ انوار (۱/۶۱، سطر: ۱۵، ۱۶)

① انوار الباری کی ہر جلد کے ورق آخر کا حاصل و تلخیص.

- روح ناواقف لوگ غیر مقلدین کے دام میں پھنس جاتے ہیں۔¹
- ۳۔ ”امام ابوحنیفہ کے خلاف رافضیوں کی طرح جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے والوں میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شمار کرتے ہوئے مصنف انوار نے کہا: ”کچھ ٹھکانہ ہے اس جھوٹ کا اور اس کے پر لگانے والے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔“²
- ۴۔ ”امام بخاری نے امام اعظم کے خلاف نہایت غلط روش اختیار کی۔“³
- ۵۔ ”ایسے ہی لوگوں (یعنی امام بخاری جیسے لوگوں) نے امام ابوحنیفہ کی طرف ان کو بدنام کرنے کے لیے بہت سی جھوٹی باتیں منسوب کیں، یہاں تک کہ یہ بھی کہا گیا کہ امام صاحب خنزیر بڑی کو حلال کہتے تھے، کچھ حد ہے اس عداوت و حسد کی؟ امام بخاری نے ایک دوسری جھوٹی روایت امام صاحب کی تنقیص میں نقل کی ہے۔“⁴
- ۶۔ ”امام بخاری کو امام حمیدی متعصب، جیسے تشدد اور مغلوب الغضب یا نعیم جیسے وضاع لوگوں سے امام صاحب کی تنقیص میں روایات ملیں اور انھوں نے ان کو نمایاں کر کے نقل کرنا ضروری سمجھا، امام بخاری نے ابوحنیفہ کے بارے میں بہت ہی غیر محتاط رویہ اختیار کیا۔“⁵
- ۷۔ ”امام بخاری نے اکابرین حنفیہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا، امام بخاری کو حنفی مذہب کی پوری واقفیت نہیں تھی، جس کی وجہ سے انھوں نے حنفیہ کی طرف مسائل کا انتساب غلط کیا۔“⁶
- ۸۔ ”ان (ابن ابی شیبہ) کا مقصد جارحانہ تنقید اور متعصبانہ نوک جھونک نہ تھی، مگر ان کے تلامذہ میں امام بخاری آئے تو امام صاحب کے بارے میں تنقیدی رنگ دوسرا ہوا (یعنی جارحانہ اور متعصبانہ) بخاری شریف میں معلومات نہ ہونے کی وجہ سے غلط انتساب اور بے ضرورت تشدد کا وجود ہے، مگر دوسرے رسائل میں امام صاحب وغیرہ کے بارے میں سخت کلامی تک پہنچ گئے اور امام صاحب اور ان کے اصحاب کو اہل علم کا درجہ دینے کو بھی تیار نہیں، حالانکہ امام صاحب کے تلامذہ ابن المبارک وغیرہ کی انتہائی تعریف کی۔“⁷
- ۹۔ ”سب سے زیادہ حیرت امام بخاری کے رویہ پر ہے کہ امام صاحب کو مرجیہ کہہ کر مطعون کرتے ہیں۔ اے“⁸
- ۱۰۔ ”دوسری صدی کے بعد اکثر محدثین نے احناف کے ذکر اذکار کو نظر انداز کر دیا اور کچھ حضرات نے ان کی برائیاں بے سند اور جھوٹی اسناد سے بیان کیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات تاریخی اعتبار سے محمود تھی نہ حدیثی تعلق کے تحت گوارا۔ اور سب سے بڑا دینی و علمی نقصان اس کا یہ تھا کہ حدیث کی پر رونق مجلس سے ایسی عظیم مؤثر جماعت (یعنی حنفیوں) کو باہر کر دیا گیا، جن کی حدیثی گراں قدر خدمات کسی طرح نظر انداز کیے جانے کی مستحق نہ تھیں۔ امام اعظم آپ کے اصحاب اور سینکڑوں تلامذہ محدثین جنہوں نے امام صاحب کی سرپرستی میں ساڑھے بارہ لاکھ فقہی مسائل کی تدوین کتاب اللہ اور احادیث نبویہ و آثار صحابہ و فتاویٰ تابعین کی روشنی میں کی، پھر ان میں بہت بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو ارباب صحاح کے شیوخ اور شیوخ الشیوخ ہیں، ان سب کو محض حسد و عصبیت کی

② حوالہ مقدمہ انوار (۱/۶۱ کی آخری سطر)

① مقدمہ انوار (۱/۶۱)

⑤ (۱/۳۲)

④ ملاحظہ ہو (۱/۳۱)

③ (۱/۳۱)

⑧ (۱/۳۰)

⑦ (۱/۹) و (۱/۲۳۵)

⑥ مقدمہ انوار (۱/۱۱)

وجہ سے نظر انداز کر دینا کسی طرح بھی موزوں نہ تھا۔ اس شرح کی تالیف کے وقت ہماری قطعی رائے ہے کہ تمام محدثین اولین و آخرین کو ایک نظر سے دیکھنا چاہیے اور اس میں کچھ بھی فرق کرنا حدیث کے مقدس علم پر ظلم ہے۔ تفسیر کتاب اللہ کی طرح معانی احادیث میں جزوی اختلافات ہوئے، ہو سکتے ہیں، مگر اس اجارہ داری کے زعم باطل کو کسی طرح گوارا نہیں کیا جاسکتا کہ ایک نقطہ نظر تو صراحاً سراسر حدیث نبوی کے مطابق ہے اور فلاں دوسرا طریق سراسر خلاف۔ پھر اس غلط طرز فکر میں جو ترقیات ہوئیں وہ اور بھی زیادہ قابل اعتراض ہیں۔ الخ^①

۱۱۔ ”امام بخاری کو کیا خبر تھی کہ امام صاحب اور آپ کے اصحاب کو حدیث کے میدان سے نکال کر پھینکنے کی مہم جو ان سے بلکہ ان کے شیخ حمیدی وغیرہ سے شروع ہو کر حافظ ابن حجر وغیرہ سے پاس ہو کر اس دور کے متعصب غیر مقلدین تک پہنچی وہ ناکام ہو کر رہے گی۔“^②

انوار الباری کے ان اقتباسات سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ مصنف انوار نے جملہ اہل حدیثوں کے ساتھ امام بخاری کو بھی جھوٹے روافض اور ناانصاف متعصبین کی صف میں کھڑا کیا ہے۔ حالانکہ انوار الباری کے اشتہاری بیان میں صحیح بخاری کو نسخہ شفاء دین و دنیا کا عظیم ترین سرمایہ، سب سے بڑی عزت و سعادت اور قابل فخر دولت کہا گیا ہے، امت اسلامیہ کو نسخہ شفاء، دین و دنیا کا عظیم ترین سرمایہ، سب سے بڑی عزت و سعادت اور قابل فخر دولت دینے والے امام بخاری کو جھوٹے روافض، ناانصاف متعصبین اور حاسدین کی صف میں کھڑا کرنے والے مصنف انوار نے اپنی بابت یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم نے خالص علمی، دینی، تحقیقی اور معتدل نقطہ نظر سے صرف صحیح و معتبر باتیں ہی لکھی ہیں۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

”پورا مقدمہ پڑھ کر آپ اندازہ کریں گے کہ ہم نے افراط و تفریط سے ہٹ کر ایک معتدل شاہراہ سامنے کرنے کی کوشش کی ہے۔“^③

”انوار الباری کا پورا کام ایک تحقیقی علمی خدمت کے طور پر کیا جا رہا ہے، مقدمہ میں اکابر امت کے معتبر حالات اور شرح میں ان کی تحقیقات عالیہ زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع سے بہتر سلیس اردو میں پیش کرنے کا تہیہ ہے۔“^④

مقدمہ انوار الباری کی ہر جلد کے آخری صفحہ پر مصنف انوار نے تحریر فرمایا ہے:

”ہم نے خالص دینی و علمی نقطہ نظر سے کتاب بخاری کی اردو تشریح کا نیا باب کھولا ہے، ہمارا دعویٰ ہے کہ ان تشریحات میں آپ کو حدیث رسول کی اصل عظمت محسوس ہوگی۔“

جس کتاب کی تحریروں کو احادیث رسول کی ضیاء پاشیوں، فرامین نبویہ کی توضیحات و تشریحات، مجموعہ احادیث کا عطر، تمام مسائل اور الجھنوں کا حل، فرق باطلہ کے لیے صاعقہ محرقة، اکابر محدثین کا مجموعہ افادات، احادیث رسول کی اصلی عظمت کا اجاگر کنندہ وغیرہ جیسے عظیم الشان الفاظ عالیہ سے تعبیر کیا گیا ہو اس میں ذخیرہ احادیث کے مرتبین خصوصاً امام بخاری کو فرقہ روافض میں شمار کرنے کے آخر کیا معنی ہوئے؟ جن کی کتاب کو اسی انوار الباری میں نسخہ شفاء، دنیا و آخرت کا عظیم سرمایہ وغیرہ قرار دے کر دعویٰ کیا گیا ہو کہ انوار الباری صحیح بخاری کی بے نظیر شرح ہے؟ کیا مصنف انوار کا خالص دینی و علمی و تحقیقی نقطہ نظر

① مقدمہ انوار (۸/۱) ۹

② مقدمہ انوار (۸/۱) ۹ کی آخری سطریں

③ مقدمہ انوار (۸/۱) ۲۴۰

④ مقدمہ انوار (۸/۱)

یہی ہے کہ ایک طرف امام بخاری کی عظمت و بلندی کا راگ الاپا جائے اور دوسری طرف امام بخاری اور جملہ محدثین کو گالیاں دی جائیں اور انھیں نشانہ طعن و تشنیع بنایا جائے؟

گزشتہ صفحات میں وارد شدہ تفصیل کو دیکھ کر ناظرین کرام کو اندازہ ہو چکا ہوگا کہ انوار الباری کس طرح کی شرح بخاری لکھی جا رہی ہے اور اس میں خالص علمی، دینی اور تحقیقی خدمت کے نام پر کیسی کیسی گل افشائیاں کرتے ہوئے عام محدثین خصوصاً امام بخاری کے خلاف زہر افشانی کی جا رہی ہے؟ اور سب سے بڑی بات یہ کہ کتاب مذکور میں عموماً تضاد بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ ایک طرف ظاہر کیا گیا کہ امام بخاری نے امت کو نسخہ شفا اور دین و دنیا کا بہترین سرمایہ دیا، جبکہ دوسری طرف دعویٰ کیا گیا کہ امام بخاری نیز عام اہل حدیث علماء جھوٹی باتوں کی اشاعت کرنے والے روافض کے طریق کار پر گامزن ہیں۔ ایک طرف امام نعیم کو کذاب اور وضاع کہا تو دوسری طرف موصوف کو ثقہ و صدوق کہا۔ اس طرح کی تحریروں سے انوار الباری بھری ہوئی ہے، آنے والے مباحث میں ناظرین کرام کے سامنے موصوف کی انھی تحریروں کی حقیقت پیش کی گئی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ بقول مصنف انوار ان کے استاذ علامہ انور شاہ کشمیری بقول خویش جب تک اپنے تقلیدی اماموں کے ساتھ نمک حرامی اور بے وفائی کرتے رہے، تب تک صبر و ادب کے دامن سے وابستہ رہے، مگر اپنے ان اماموں کے وفادار و نمک حلال بنتے ہی موصوف کے ہاتھ سے صبر و ادب کا دامن چھوٹنے لگا۔ معلوم نہیں کہ علامہ کشمیری کی ان تقلیدی اماموں کے ساتھ وفاداری و نمک حلالی میں کون سی ایسی کیمیاوی تاثیر موجود ہے، جس کے اثر سے آدمی صبر و ضبط اور ادب سے محروم ہونے لگتا ہے؟ اور امت مسلمہ کو نسخہ شفاء اور سرمایہ دین و دنیا عطا کرنے والے امام بخاری نیز دیگر محدثین کے خلاف زہر افشانی کرنے لگتا ہے؟ معلوم نہیں کہ تقلیدی اماموں کے ساتھ علامہ کشمیری نے کس زمانہ میں کن شرائط و قیود کے تحت کن اسباب و محرکات کی وجہ سے کس انداز و طریق کی وفاداری و نمک حلالی کا عہد و پیمان کیا تھا، جس کی خلاف ورزی کے مرتکب موصوف زندگی بھر رہے، لیکن جب بوڑھے ہو کر صبر و ضبط اور ادب سے محروم ہونے لگے تو اپنے اس عہد و پیمان کو نبھانے کے لیے کمر بستہ ہو گئے؟

انوار الباری کا ماخذ مصنف انوار کے حسب بیان:

انوار الباری کے فضائل و کمالات کے اظہار کا ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا گیا ہے کہ اسے ”مجموعہ افادات حضرت امام العصر، حافظ حدیث علامہ انور شاہ کشمیری و دیگر اکابر محدثین“ قرار دیا گیا ہے^①:

حالانکہ اس میں مصنف انوار نے اپنی اور اپنے ہی جیسے بعض لوگوں کی اختراع کردہ بہت سی باتیں بھی شامل کر دی ہیں جو علامہ انور شاہ اور اکابر محدثین کی بہت سی تصریحات کے بالکل خلاف ہیں۔ یہاں چند نمونوں کا ذکر خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

بقول انور شاہ امام صاحب نے کسی صحابی سے روایت نہیں کی:

چنانچہ انور شاہ صاحب نے تصریح کی ہے کہ:

وفي مسند الإمام أبي حنيفة الثنائيات أيضاً وقد مر أنه تابعي رؤية، و تبع التابعي رواية، فإنه ثبت رؤيته أنساً عند الكل، و ادعى العيني أنه رأى سبعة من الصحابة، و ردها العلامة القاسم

① ملاحظہ ہو: ”انوار الباری“ کی ہر جلد کا سرورق یعنی ٹائٹل پیج۔

بن قطلوبغا، وقال إنه لم يثبت له غير رؤية أنس، وقال الحافظ ابن حجر: إن العلامة القاسم بن قطلوبغا متقن، وهو في اصطلاحهم من لا يغلط في أسماء الرواة وألفاظ الحديث... ثم إن مسند الإمام إنما جمع بعده، والمتداول في الأيدي هو مسند الخوارزمي وهو المشهور بمسند الإمام. الخ^①

یعنی مسند امام ابی حنیفہ میں صحابہ سے امام ابوحنیفہ کی براہ راست روایات موجود ہیں، مگر ہمارا یہ بیان گزر چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ صرف ایک صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھے ہوئے ہیں، وہ کسی صحابی سے روایت نہیں کر سکے ہیں، اس لیے وہ محض باعتبار دیدار تابعی ہیں، ورنہ روایت کے اعتبار سے تبع تابعی ہیں، یعنی باعتبار روایت تابعی نہیں ہیں۔ اگرچہ عینی حنفی نے دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحب نے سات صحابہ کو دیکھا ہے، مگر علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی نے عینی کے اس دعویٰ کو مردود کہتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضرت انس کے علاوہ امام صاحب کا کسی اور صحابی کو دیکھنا ثابت نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نے علامہ قاسم بن قطلوبغا کو متقن کہا ہے، اور اصطلاح محدثین میں متقن ایسے محدث کو کہتے ہیں جس سے اسامی روایات اور الفاظ حدیث میں غلطی نہ ہو کرے... اور مسند ابی حنیفہ، جس میں صحابہ کرام سے امام ابوحنیفہ کی روایات موجود ہیں، امام صاحب کی موت کے بعد مرتب کی گئی ہے اور جو مسند ابی حنیفہ لوگوں میں متداول اور مروج ہے، وہ ساتویں صدی کے ایک شخص خوارزمی کی مرتب کردہ ہے۔“

علامہ انور شاہ کے علاوہ مشہور حنفی عالم علامہ طاہر پٹنی گجراتی مصنف مجمع بحار الانوار کا بھی یہی فیصلہ ہے^② جن کے علم و فضل کی مصنف انوار نے بڑی تعریف و توصیف کی ہے۔^③ شاہ عبدالعزیز دہلوی، ابوزہرہ اور علامہ شبلی جیسے حنفی عالموں کا بھی یہی فیصلہ ہے۔^④ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ انور شاہ نے پوری صراحت کے ساتھ کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ صرف ایک صحابی حضرت انس کو دیکھ سکے ہیں اور حضرت انس کو بھی صرف دیکھا ہے، ان سے حدیث کی روایت نہیں کر سکے ہیں۔ نیز شاہ صاحب کا یہ بھی فیصلہ ہے کہ عینی حنفی جیسے لوگوں کا یہ دعویٰ مردود ہے کہ امام صاحب نے سات صحابہ کو دیکھا ہے، جیسا کہ ان کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے:

”وادمی العینی أنه رأی سبعة من الصحابة، وردها العلامة القاسم بن قطلوبغا.“
شاہ صاحب نے مذکورہ بالا بات عینی کے دعویٰ کی تردید کے لیے کہی ہے۔

انور شاہ کی تصریحات سے مصنف انوار کی مخالفت:

اب ذرا انوار الباری موسوم بجموعہ افادات امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری کی درج ذیل تصریح بھی ملاحظہ ہو:
”امام ابوحنیفہ ۸۷ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گئے، وہاں حضرت عبداللہ بن الحارث ابن جزء صحابی سے ملے

② ملاحظہ ہو: مجمع بحار الأنوار (۳/ ۵۴۷)

① فیض الباری فی شرح البخاری، کتاب العلم (۱/ ۲۰۲)

④ حواشی حیات ابی حنیفہ للعلامة عطاء اللہ حنیف (ص: ۱۰۸)

③ مقدمہ انوار الباری (۲/ ۱۶۹)

اور حدیث سنی، پھر ۹۶ھ میں دوبارہ حج کو گئے، اور جو صحابہ زندہ تھے، ان سے ملے۔ در مختار میں ہے کہ امام صاحب نے میں صحابہ کو دیکھا۔ خلاصہ و اکمال فی اسماء الرجال میں ہے کہ چھبیس صحابہ کو دیکھا۔^①

”علامہ ابو القاسم بن ابی العوام نے بڑی تفصیل سے امام صاحب کے معاصر صحابہ کا تذکرہ کیا ہے، اس کے علاوہ مسند صفحہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام صاحب کی ایک روایت موجود ہے..... نیز حافظ موفق نے اپنی سند سے بھی امام ابو یوسف کے واسطے سے امام صاحب سے روایت کی ہے کہ میں نے حضرت انس سے سنا کہ..... اسی طرح موفق نے کئی روایات امام ابو یوسف وغیرہ کے واسطے سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام صاحب کی زبانی نقل کیں۔ اس سے مخالفین و معاندین کی یہ بات بھی رد ہوگئی کہ امام صاحب کی کوئی روایت کسی صحابی سے ثابت ہوتی تو آپ کے اصحاب اس کو ضرور روایت کرتے۔ ملاحظہ کر لیجئے کہ امام ابو یوسف ہی سے کتنی روایات منقول ہیں۔“^②

مصنف انوار کی زبانی نور شاہ معاند ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ:

مصنف انوار کے اس بیان کا مطلب بہت واضح ہے کہ امام صاحب نے چھبیس صحابہ کو دیکھا اور کئی ایک سے ملاقات و روایت کی اور جو لوگ مصنف انوار کے اس دعویٰ کو صحیح نہ مانیں وہ حنفی اماموں اور حنفی مذہب کے معاندین و مخالفین ہیں۔ اور ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کے استاد خصوصی اور خسر محترم علامہ نور شاہ کشمیری اور علامہ قاسم بن قطلوبغا حنفی وغیرہ مصنف انوار کے اس دعویٰ کو صحیح نہیں مانتے، بلکہ مردود اور مکذوب مانتے ہیں۔ لہذا نور شاہ کشمیری وغیرہ مصنف انوار کے دعویٰ و تصریح کے مطابق حنفی اماموں اور حنفی مذہب کے معاندین و مخالفین قرار پائے!

اسی طرح وہ تمام حنفی وغیر حنفی علماء و محدثین بقول مصنف انوار حنفی ائمہ و حنفی مذہب کے معاند و مخالف قرار پا گئے جو کسی صحابی سے امام صاحب کی شاگردی و روایت حدیث کے دعویٰ کو صحیح نہیں مانتے۔ حتیٰ کہ مصنف انوار نے جن حضرات کو انصاف پسند، حق پرست، غیر متعصب اور غیر معاند تسلیم کیا ہے، وہ بھی معاندین و مخالفین ابی حنیفہ قرار پائے مثلاً مصنف عقود الجمان، خیرات الحسان، و تبیض الصحیفہ وغیرہ، کیونکہ یہ حضرات بھی صرف اس بات کے قائل ہیں کہ امام صاحب صرف ایک صحابی حضرت انس کو دیکھ سکے ہیں اور کسی بھی صحابی سے ملاقات یا روایت نہیں کر سکے۔ (کما سیأتی)

ناظرین کرام فیصلہ فرمائیں کہ مجموعہ افادات نور شاہ کہہ کر شائع کی جانے والی کتاب انوار الباری میں علامہ نور شاہ کشمیری کی تصریحات کے بالکل خلاف یہ دعویٰ کہ امام ابو حنیفہ نے چھبیس صحابہ کو دیکھا اور کئی ایک سے ملاقات کر کے ان کے شاگرد بنے اور جو لوگ اس دعویٰ کو صحیح نہ مانیں وہ حنفی مذہب کے معاندین و مخالفین ہیں، کیا معنی رکھتا ہے؟ خصوصاً ایسی صورت میں کہ مصنف انوار کا دعویٰ ہے کہ انوار الباری میں افراط و تفریط سے ہٹ کر صرف معتبر و صحیح باتیں کہی گئی ہیں؟ کیا مصنف انوار کا خالص دینی، علمی و تحقیقی نقطہ نظر یہی ہے کہ مجموعہ افادات انور کے نام سے ایسی باتیں شائع کریں جو نور شاہ کشمیری کی تصریحات کے خلاف ہیں اور جن سے نور شاہ جیسے غالی ترین حنفی مقلد بھی امام ابو حنیفہ ائمہ احناف و حنفی مذہب کے مخالف و معاند قرار پائیں اور نور شاہ کے ساتھ جملہ محدثین و اہل علم بھی معاندین و مخالفین کے زمرہ میں آجائیں؟ کیا مصنف انور کا خالص دینی

و علمی نقطہ نظر یہی ہے کہ ایک ایسے شخص کو صحابہ کا شاگرد اور بلا واسطہ ان کی بیان کردہ احادیث کا راوی قرار دیا جائے جو فی الحقیقت ان کا شاگرد نہ ہو؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مصنف انوار نے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان صحابہ کی طرف غلط بات منسوب کی ہے۔ مصنف انوار کو یہ اختیار تو ضرور ہے کہ اپنے استاد انور شاہ یا کسی بھی صاحب علم سے اختلاف کریں، لیکن اپنے استاد و اکابر محدثین کے خلاف لکھی ہوئی اپنی بات کو اپنے استاد اور اکابر محدثین کے افادات و تصریحات و فرمودات کا مجموعہ قرار دینا یقیناً دیانتداری نہیں ہے۔

ناظرین دیکھ آئے ہیں کہ انور شاہ نے امام صاحب کو صحابہ کا شاگرد ثابت کرنے کے لیے ان کتابوں کا کوئی اعتبار نہیں کیا جن کو مصنف انوار نے دلیل و حجت بنا کر امام صاحب کو صحابہ کا شاگرد قرار دیا ہے۔ صرف اتنی ہی بات سے مصنف انوار کی علمی امانت و دیانت ظاہر ہو جاتی ہے۔ واضح رہے کہ از روئے تحقیق انور شاہ کا یہ دعویٰ بھی غیر صحیح ہے کہ تمام لوگوں کے نزدیک امام ابوحنیفہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی صحابی کو امام صاحب کا دیکھنا ثابت نہیں اور اہل تحقیق نے اسی بات کی تصریح بھی کی ہے۔ (کما سیاتی التفصیل)

علامہ قاسم بن قطلوبغا کا تذکرہ:

اوپر علامہ انور شاہ کی یہ تصریح آچکی ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ قاسم ابن قطلوبغا کو متقن محدث کہا ہے، اور علامہ انور شاہ کا اپنا فیصلہ یہ ہے کہ قاسم بن قطلوبغا حفاظ کے زمرہ میں آتے ہیں، اگرچہ وہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے مقام و درجہ کو نہیں پہنچ سکے۔^①

مگر انوار الباری کو مجموعہ افادات انور قرار دینے والے مصنف انور فرماتے ہیں:

”علامہ قاسم بن قطلوبغا کا مقام و مرتبہ علم و فضل میں حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ سے بڑھا ہوا ہے، پھر بھی کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ احناف میں محدثین کی کمی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ دوسروں کی طرح ان کے لیے پروپیگنڈہ کافن نہیں استعمال کیا گیا۔“^②

ناظرین خود فیصلہ کریں کہ تصریحات شاہ انور کے خلاف انوار الباری میں اپنی خود ساختہ باتیں لکھنے کے باوجود مصنف انوار اپنے اس دعویٰ میں کتنے سچے ہیں کہ انوار الباری علامہ انور کے افادات کا مجموعہ ہے؟ عجیب بات ہے کہ مصنف انوار ایک طرف علامہ قاسم کی تحقیقات کو بے وقعت بنا کر مدعی ہیں کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام کے شاگرد ہیں اور دوسری طرف علمائے اہلحدیث پر تعریض کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ احناف میں علامہ قاسم جیسے محدث کی موجودگی کے باوجود کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ احناف میں محدثین کی کمی ہے۔ حالانکہ ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ علامہ قاسم جیسے حنفی محدث کی ناقدری خود مصنف انوار کر رہے ہیں کہ ان کے جس فیصلہ کو انور شاہ کشمیری جیسے بزرگ نے اپنے خیالات کے اظہار کے لیے دلیل بنایا، اس کو انھوں نے رد کر دیا۔ اسی طرح مصنف انوار اس امر کے بھی مدعی ہیں کہ دوسری صدی کے بعد اکثر محدثین نے احناف کے ذکر و اذکار کو نظر انداز کر دیا، خصوصاً حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو حنفیوں کے معاملہ میں تنگ نظر اور متعصب قرار دیا۔

① فیض الباری (۲۰۲/۱)

② ملاحظہ ہو: أنوار الباری کا مقدمہ (۲۳۶/۱) تذکرہ ابن ابي شيبة (۱۵۴/۲) تذکرہ قاسم ابن قطلوبغا.

ابن قطلوبغا حنفی کی مدح سرائی غیر حنفی محدثین کی زبانی:

حالانکہ ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ بقول انور شاہ کشمیری حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت فراخ دلی کے ساتھ قاسم بن قطلوبغا کو متقن محدث قرار دیا ہے۔

واضح رہے کہ قاسم بن قطلوبغا حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، حافظ ابن حجر نے اپنے حنفی شاگرد کے فضل و کمال کا اتنی فراخ دلی سے اظہار کیا۔ پھر بھی وہ مصنف انوار کی نظر میں حنفیوں کے ساتھ متعصب و تنگ نظر ہی رہے! لطف کی بات یہ ہے کہ علامہ قاسم کے تعارف و ترجمہ کے لیے مصنف انوار کو ”الرسالة المستطرفة للكتناني“ اور ”شذرات الذهب للعماد“ سے مواد ملا اور دنیا جاتی ہے کہ یہ دونوں کتابیں غیر حنفی محدثین کی تالیف ہیں۔ اسی طرح امام سخاوی نے علامہ قاسم کا تعارف ”الضوء اللامع“ میں بہت تفصیل کے ساتھ تقریباً پانچ صفحات میں کرایا ہے اور ان کے علمی فضائل و محاسن نہایت شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے ہیں۔¹

اسی طرح امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”البدرة الطالع“ (۲ / ۴۵ و ۴۶) میں ان کا تعارف کرایا اور مقدمہ تحفۃ الاحوذی (ص: ۱۳۹) و ذیل تذکرۃ الحفاظ للسیوطی میں بھی ان کا ترجمہ موجود ہے اور سب کو معلوم ہے کہ سخاوی، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور صاحب تحفۃ الاحوذی سب کے سب غیر حنفی محدثین ہیں۔ ان سب نے اگرچہ علامہ قاسم حنفی کے علمی فضائل کا تذکرہ بخوبی کیا پھر بھی مصنف انوار کو شکایت ہے کہ حنفی محدثین کے ذکر و اذکار کو محدثین کرام نے نظر انداز کیا، یا یہ کہ محدثین کرام احناف کے تذکرہ میں تعصب و تنگ نظری سے کام لیتے تھے، حالانکہ مذکورہ بالا جن محدثین نے قاسم بن قطلوبغا کا تذکرہ فراخ دلی سے کیا ہے، وہ زمرہ محدثین میں نہایت بلند مقام رکھتے ہیں۔

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

بقول انور شاہ فقہ اکبر ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں:

علامہ انور شاہ نے امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور مشہور و معروف حنفی فقیہ ابو مطیع رحمۃ اللہ علیہ کو علم حدیث میں غیر معتبر و ناقابل حجت قرار دیا اور فقہ اکبر نامی کتاب کو انھی ابو مطیع کی تصنیف کہا اور واضح طور پر تصریح کی کہ فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

”وأما ما نسب إليه في الفقه الأكبر فالمحدثون على أنه ليس من تصنيفه، بل من تصنيف تلميذه أبي مطيع البلخي، وقد تكلم فيه الذهبي، وقال: إنه جهمي، أقول: ليس كما قال، ولكنه ليس بحجة في باب الحديث، لكونه غير ناقد... والصواب أنها ليست للإمام.“²

یعنی امام ابو حنیفہ کی طرف فقہ اکبر کا انتساب بقول محدثین کرام غلط ہے، بلکہ یہ کتاب ان کے شاگرد ابو مطیع رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے، جس کو امام ذہبی نے مجروح قرار دے کر جہمی بھی کہا۔ اور میں کہتا ہوں کہ یہ جہمی نہیں ہیں، البتہ حدیث میں حجت و معتبر نہیں کیونکہ یہ صاحب نقد نہیں تھے اور بھی کئی کتابیں مثلاً کتاب العالم والمتعلم،

² فیض الباری: کتاب الإیمان (۱ / ۵۹)

¹ الضوء اللامع (۶ / ۸۴، ۹۶)

وسیط صغیر، و سیط کبیر وغیرہ بھی امام صاحب کی طرف غلط طور پر منسوب ہیں۔ صحیح و صواب بات یہ ہے کہ یہ کتابیں امام صاحب کی تصنیف کردہ نہیں ہیں۔

حاصل یہ کہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فقہ اکبر کو امام صاحب کی تصنیف نہیں مانتے، مگر مصنف انوار اسے امام صاحب ہی کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح شاہ صاحب نے مذکورہ بالا جن کتابوں کو امام صاحب کی تصانیف ہونے سے انکار کیا ہے اور امام صاحب کی طرف ان کے انتساب کو غلط بتلایا ہے، مصنف انوار ان سب کتابوں کو نہ صرف یہ کہ امام صاحب کی تصنیف مانتے ہیں بلکہ دوسروں سے بھی منوانا چاہتے ہیں۔¹

بائیں ہمہ مصنف انوار انوار الباری کو مجموعہ افادات علامہ انور قرار دیتے ہیں!!

مصنف انوار کی زبانی ابو مطیع کی مدح سرائی:

اسی طرح شاہ صاحب نے ابو مطیع کو علم حدیث میں غیر معتبر وغیر حجت قرار دیا ہے، مگر مصنف انوار ابو مطیع کو ان معتبر و ثقہ فقہائے احناف میں شمار کرتے ہیں جنہوں نے امام صاحب کے ساتھ مل کر فقہ حنفی کی تدوین کی۔ یعنی مصنف انوار کے نزدیک موصوف بہت معتبر ہیں، ورنہ ان کی مدون کردہ فقہ کو اپنا دین و مذہب ہرگز نہ قرار دیتے۔

مزید یہ کہ مصنف انوار نے ابو مطیع کے فضائل و مناقب میں مبالغہ آرائی کرتے ہوئے موصوف کو علامہ کبیر، محدث و فقیہ شہیر اور فقہ حنفی کی چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن رکین وغیرہ قرار دیا اور یہ دعویٰ کیا ہے کہ ابو مطیع امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بڑا اہتمام رکھتے تھے۔ اور امام عبداللہ بن المبارک سے نقل کیا کہ ابو مطیع کا احسان تمام دنیا والوں پر ہے۔ تدوین فقہ کے کام کی وجہ سے ابن المبارک ابو مطیع کی بڑی تعظیم و توقیر کرتے تھے۔ اسی طرح ابو یوسف بھی ان کی بڑی تعظیم کرتے تھے، ابن رزین کا بیان ہے کہ میں ان کے ساتھ بغداد پہنچا، تو امام ابو یوسف نے ان کا استقبال کیا اور گھوڑے سے اتر گئے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر مسجد لے گئے اور علمی مسائل پر گفتگو کی۔²

نیز مصنف انوار نے مختلف مقامات چہل رکنی مجلس تدوین کے ہر رکن کو مشہور و معتبر محدث و فقیہ پر قرار دیا ہے۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان کے ذریعہ اپنے اس دعویٰ کی تکذیب کی کہ انوار الباری مجموعہ افادات انور ہے، کیونکہ اولاً علامہ انور شاہ نے فقہ اکبر کو امام ابو حنیفہ کی تصنیف کے بجائے ابو مطیع کی تصنیف قرار دیا اور ابو مطیع کو غیر معتبر و غیر حجت بتلایا۔ ثانیاً مصنف انوار نے اپنے اس بیان کے ذریعہ اپنے اس دعویٰ کی تکذیب کی کہ انوار الباری میں طریق اعتدال و انصاف کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف صحیح، معتبر اور تحقیقی باتیں لکھی گئی ہیں، کیونکہ فقہ اکبر کو تصنیف ابی حنیفہ کہنا اور ابو مطیع بلخی کو معتبر ماننا غیر صحیح اور خلاف تحقیق ہے۔ نیز ابو مطیع کے فضائل میں مصنف انوار نے جو باتیں لکھی ہیں وہ سب کی سب مکذوب، غیر معتبر، غیر صحیح اور خلاف تحقیق ہیں۔ از روئے تحقیق ثابت ہے کہ ابو مطیع ایک کذاب، وضاع، جھوٹا، بد عقیدہ، جہمی اور مرجی شخص تھا، اسے اہل سنت اور سنتوں سے بغض و عناد بھی تھا۔ (کما سیأتی)

ابو مطیع بلخی کا تذکرہ:

امام ابو حاتم رازی (مولود ۱۹۵ھ و متوفی ۲۷۷ھ) نے ابو مطیع بلخی کو کذاب و مرتجی کہا ہے۔ بقول محمود بن غیلان

”ضرب ابن معین و أبو خيثمة على اسمه وأسقطوه وقال ابن معين ليس بشيء“

یعنی ابن معین اور ابو خيثمة نے اسے متروک قرار دے کر ساقط کر دیا۔ امام غلیلی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

”كان الحفاظ من أهل العراق وبلخ لا يرضونه“^①

واضح رہے کہ جن امام ابن معین نے ابو مطیع کو سخت ضعیف قرار دے کر متروک و ساقط بتلایا ہے اور جن کی موافقت دوسرے ائمہ نے بھی کی ہے، انھیں مصنف انوار نے نہایت بلند پایہ امام الجرح والتعديل اور متصلب خفی کہا ہے۔ (کما سیأتی)

اسی طرح مصنف انوار نے امام ابو حاتم کوفن جرح و تعديل کا امام تسلیم کیا ہے۔^②

اور امام جوزجانی نے فرمایا کہ یہ شخص (ابو مطیع) ان لوگوں میں سے تھا جو حدیث وضع کرتے اور سنتوں سے بغض رکھنے والے تھے۔ نیز یہ فرقہ مرجیہ کے سرداروں میں سے تھا۔ امام ابن حبان نے بھی ابو مطیع کے بارے میں اسی قسم کا کلام کیا امام ساجی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو متہم بالکذب قرار دیا ہے، امام نسائی، امام احمد بن حنبل، ابن سعد، ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم نے متفقہ طور پر اس کو ضعیف، غیر ثقہ اور مرتجی کہا ہے، امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو چھٹی بھی کہا۔ نیز یہ کہا کہ ”ترکوه“ یعنی اس کو اہل علم نے متروک قرار دیا ہے۔ امام ابوداؤد کے اس ارشاد کا ظاہری مفاد دوسرے اقوال ائمہ کے پیش نظر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص یعنی ابو مطیع بلخی کو عام محدثین نے متروک قرار دیا اور بعض لوگوں نے اس پر کفر کا فتویٰ بھی عائد کیا، حتیٰ کہ اس شخص (ابو مطیع) نے جہمیوں اور مرجیوں کے عقیدہ کی تقویت کے لیے یہ حدیث بھی وضع کی کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ رکھنا کفر اور شرک ہے۔“^③

حتیٰ کہ اس شخص نے اپنے استاذ امام ابو حنیفہ کی شان میں فرمایا کہ ”کذب واللہ“ بخدا امام ابو حنیفہ جھوٹے ہیں، نیز اس نے امام ابو حنیفہ پر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ جنت و دوزخ کے فنا ہوجانے کا عقیدہ رکھتے تھے۔^④ اس شخص نے امام نضر بن شمیل سے کہا کہ قرآن میں اسلام و ایمان اگرچہ دو طریق پر نازل ہوئے ہیں مگر میرے نزدیک صرف ایک طریق پر ہے۔ اس کی اس بات پر نضر نے کہا کہ تمہاری بات غلط ہے، یا اللہ، رسول اور جبرئیل کی؟ اس پر یہ خاموش رہا، احمد بن سيار نے کہا کہ یہ شخص مرجیہ کے رؤساء میں سے ہے۔^⑤ مصنف انوار نے جس روایت کو ابن المبارک کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا ہے

① ملاحظہ ہو: لسان المیزان (۲/ ۳۳۴، ۳۳۵) و میزان۔ نیز ملاحظہ ہو: اللالی المصنوعة في الأحاديث الموضوعية (۱/ ۲۲، ۲۳)

کتاب الإیمان، مطبوعہ علوی لکھنؤ، و کتاب الموضوعات لابن الجوزي (۱/ ۱۳۰) و شرح عقیدہ طحاویہ (ص: ۳۸۵)

② مقدمہ انوار (۲/ ۸۱، ۸۲)

③ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اللالی المصنوعة (ص: ۲۲، ۲۳، کتاب الإیمان) و میزان الاعتدال (۱/ ۲۶۹) لسان المیزان

(۲/ ۳۳۴، ۳۳۵) تاریخ خطیب (۸/ ۲۲۳ تا ۲۲۵) طبقات ابن سعد، قسم دوم (۸/ ۱۰۵) الفوائد البهية في تراجم

الحنفية (ص: ۵۷، ۵۸) کتاب الکتی للدولابی (۲/ ۱۱۷)

④ خطیب (۱۳/ ۳۸۶)

⑤ خطیب (۸/ ۲۲۵)

کہ ابو مطیع کا احسان تمام دنیا والوں پر ہے، اس کا تعلق مجلس تدوین سے تو خیر دور کا بھی نہیں، لیکن یہ روایت قطعی طور پر مکذوب و خانہ ساز ہے، کیونکہ اس کی سند کا دارو مدار حاتم بن میمون سقطی پر ہے۔^①

اور سقطی مذکور کے بارے میں امام ابو حاتم نے فرمایا ہے: ”لا یجوز الاحتجاج به“ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: ”منکر، کانوا یتفقون مثل هؤلاء الشیوخ“ امام ابن عدی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی سقطی مذکور کو ضعیف کہا ہے۔^② واضح رہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جسے منکر کہتے ہیں اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس سے روایت حلال نہیں۔^③ سقطی سے یہ روایت محمد بن فضل بلخی نے نقل کی ہے اور یہ بھی سخت ضعیف ہے۔^④

حاصل یہ کہ ابن المبارک کی طرف منسوب کردہ یہ روایت بھی غیر معتبر ہے، جسے مصنف انوار نے خالص علمی اور دینی خدمت کے نام پر معتبر کہہ کر دلیل و حجت بنا لیا ہے، یعنی کہ مصنف انوار نے امانت و دیانت کی مٹی پلید کر ڈالی ہے۔

نیز مصنف انوار کا یہ دعویٰ کہ بقول ابن رزین (صحیح ابن زریق ہے) ابو یوسف نے ابو مطیع کا گھوڑے سے اتر کر استقبال کیا اور مسجد میں لے جا کر ان سے علمی گفتگو کی۔ ایک کھلی ہوئی تلبیس اور ابن زریق کی جانب منسوب کردہ ایک مکذوبہ روایت میں تحریف ہے، کیونکہ اس روایت میں ابن زریق کا یہ بیان ہے کہ میں (قاسم بن زریق) اور ابو مطیع بغداد آئے تو ابو یوسف سے ہماری ملاقات ہو گئی اور ابو یوسف نے ابو مطیع سے پوچھا کہ کیسے آئے؟ پھر ابو یوسف اپنی سواری سے اتر گئے اور دونوں یعنی ابو یوسف اور ابو مطیع مسجد میں گئے۔ ”فأخذنا فی المناظرة“ یعنی دونوں آپس میں مناظرہ کرنے لگے۔^⑤

ناظرین کو معلوم ہے کہ مناظرہ دو مخالف فریقین میں کسی متنازعہ فیہ مسئلہ کے لیے ہوتا ہے۔ لہذا اس روایت کا یہ مطلب بتلانا کہ ابو یوسف نے ابو مطیع کی تعظیم و تکریم کی اور استقبال کے لیے گھوڑے سے اتر گئے اور انھیں مسجد میں لے جا کر علمی گفتگو کی، درحقیقت اس روایت میں کھلی ہوئی تحریف ہے۔ اس میں تو اس بات کا اشارہ بھی نہیں کہ ابو یوسف نے تعظیم کی خاطر ابو مطیع کا استقبال کیا اور گھوڑے سے اتر گئے۔ اس روایت کے متن کے ساتھ مصنف انوار کا یہ رویہ ناظرین کرام پیش نظر رکھیں۔ پھر اس کی سند کے بارے میں اس حقیقت کو ملحوظ رکھیں کہ اس روایت کو عبدالصمد بن الفضل نے ابن زریق سے بصیغہ ”بلغنی“ نقل کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں کے مابین کئی یا کم از کم ایک مجہول راوی ہے اور امام مسلم رحمہ اللہ نے مقدمہ صحیح مسلم میں اس معنی کی کئی احادیث نبویہ نقل کی ہیں کہ ابلیس کے کچھ چیلے انسانوں کی شکل میں خانہ ساز روایات بیان کریں گے اور یہ روایات لوگوں میں مشہور ہوں گی، مگر جب ان کے اصل راویوں کی تلاش ہوگی، تو نہیں ملیں گے۔ حاصل یہ کہ مجہول روایت مقبول نہیں۔

اسی طرح قاسم بن زریق کا حال بھی نامعلوم ہے اور عبدالصمد بن الفضل (متوفی ۲۸۳ھ) کو امام ذہبی نے اپنی کتاب ”دیوان الضعفاء والمترکین“ (ص: ۱۹۴) میں داخل کر کے فرمایا کہ ”لا یصح“ یعنی ان کی حدیث صحیح نہیں اور

① ملاحظہ ہو: تاریخ خطیب (۸/ ۲۲۴)

② تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، میزان الاعتدال (۱/ ۱۹۹) و تہذیب التہذیب (۲/ ۲۱۶، ۲۱۷) و تقریب التہذیب و خلاصہ.

③ میزان (۱/ ۵) ترجمہ أبان بن جبلة ④ لسان المیزان (۵/ ۳۴۲ و ۵/ ۴۰۵) ⑤ خطیب (۸/ ۲۲۳)

اپنی دوسری کتاب میزان میں کہا کہ ”لہ حدیث یستنکر، وهو صالح الحال إن شاء اللہ“^① یعنی اس سے ایک ایسی حدیث مروی ہے جو منکر سمجھی جاتی ہے اور ان شاء اللہ وہ ”صالح الحال“ راوی ہے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: ”فما أدري هوذا أم غيرہ“^② صالح الحال کا لفظ جس راوی کے بارے میں استعمال کیا گیا ہو اس کی روایت بلا متابع و شاہد مقبول نہیں (کتب مصطلح حدیث) یعنی یہ لفظ توثیق کا کوئی قوی صیغہ نہیں۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی تعیین سے لاعلمی ظاہر کی اور ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی حدیث کو مستنکر بتلایا اور صالح الحال کے ساتھ ان شاء اللہ کے لفظ کا اضافہ کر کے ان کی تعیین میں شک کا اظہار کر دیا۔

حاصل یہ کہ اس روایت کی سند میں کئی علل پائی جاتی ہیں:

۱- ابن زریق غیر معروف ہیں۔

۲- ابن زریق اور عبد الصمد کی درمیانی سند نامعلوم ہے۔

۳- عبد الصمد بن الفضل بھی مجہول یا متکلم فیہ ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے صرف ایک راوی کے مجہول ہونے کی بنا پر حدیث کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا تھا۔^③ پھر تقلید ابی حنیفہ کا دم بھرنے اور دعویٰ تحقیق و امانت داری رکھنے کے باوجود مذکورہ بالا روایت کو خالص علمی و دینی خدمت کے نام پر معتبر قرار دے کر دلیل و حجت بنا لینا کیا معنی رکھتا ہے؟

امر بالمعروف اور ابو مطیع:

جس روایت کی بنا پر ابو مطیع کو امر بالمعروف پر بہت زیادہ عامل بتلایا گیا ہے، وہ محمد بن الفضل بلخی کے بیان کردہ ایک قصہ سے ماخوذ ہے کہ خلیفہ وقت نے نابالغ بچے کو ولی عہد بنایا۔ اس کی خبر جب ابو مطیع کو ملی تو انہوں نے اس کے خلاف زور دار تقریر کی۔^④ مگر یہ محمد بن فضل بلخی، جن کا نام تاریخ خطیب میں کتابت کی غلطی سے بار محمد بن فضیل (بیاء التصغیر) چھپ گیا ہے۔^⑤ ان کو امام ابن النجار نے غیر معروف اور امام ابن طرخان نے سخت ضعیف قرار دیا ہے۔^⑥

نیز محمد بن فضل کے استاذ عبد اللہ بن محمد عابدی بھی غیر معروف ہیں۔ مصنف انوار کی ہی طرح دائرۃ المعارف حیدرآباد میں تصحیح و تعلیق کی ذمہ داریوں کو سنبھالے ہوئے علمائے احناف نے لسان المیزان (۲/ ۲۳۴ و ۳۳۹) کے حاشیہ پر لکھا ہے:

”الفوائد البہیہ میں کتاب ”العبر للذہبی“ کے حوالے سے امام ابو داؤد کا یہ قول منقول ہے کہ ابو مطیع بہت بڑے آمرین بالمعروف میں سے تھے اور جو شخص ایسا ہوگا وہ سنن نبویہ سے بغض کیوں رکھے گا؟ بلکہ محدثین نے ابو مطیع کے محض حنفی ہونے کی بناء پر ان کے مثالب بیان کیے ہیں۔“

① میزان الاعتدال. ② لسان المیزان (۲۲/۴)

③ ملاحظہ ہو: التعلیق الممجد علی موطأ الإمام محمد رحمہ اللہ، باب بیع التمر بالرطب.

④ خطیب (۲۲۴/۸) میزان الاعتدال (۱/۲۶۹)

⑤ یہ تصحیح میزان الاعتدال (۱/۲۶۹) و لسان المیزان (۲/۳۳۴) کی مدد سے کی گئی ہے۔

⑥ ملاحظہ ہو: لسان المیزان (۵/۳۴۲، ۴۰۵، ترجمہ محمد ابن نصر بن عیسیٰ باہلی)

ہم کہتے ہیں کہ الفوائد البہیہ (ص: ۵۸) میں بحوالہ کتاب العبر للذہبی رحمۃ اللہ علیہ امام ابوداؤد کا یہ قول منقول ہے کہ ”ابو مطیح جہمی تھا، اس کو محدثین نے متروک قرار دیا ہے۔“^۱ ذہبی نے میزان الاعتدال (۱/ ۲۶۹) میں بھی ابو مطیح کی بابت امام ابوداؤد کا یہی قول نقل کیا ہے کہ ”یہ شخص جہمی تھا اور اسے محدثین نے متروک قرار دیا ہے۔“ میزان میں اس جرح شدید کے علاوہ ابوداؤد سے ابو مطیح کی بابت کوئی کلمہ مدح منقول نہیں۔ ناظرین کرام اسی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مصنف انوار کے برادران اہل تقلید اپنی حوالہ کتابوں کی عبارتوں کو نقل کرنے میں کتنے دیانت دار ہیں؟

الفوائد البہیہ میں ابو مطیح کی بابت امام ابوداؤد کے مذکورہ بالا ارشاد کے بعد یہ لفظ موجود ہے کہ ”وبلغنا أنه من كبار الأمرین“ الخ یعنی ہم کو یہ بات پہنچی ہے کہ ابو مطیح کبار امر بالمعروف کرنے والوں میں سے ہے۔ یہ مقولہ امام ابوداؤد کا نہیں بلکہ درحقیقت اس کے قائل امام ذہبی ہیں، جنہوں نے محمد بن فضل بلخی کے اس طویل قصہ کو، جو ابو مطیح کے بہت بڑے واعظ ہونے پر دلالت کرتا ہے، اختصار کے پیش نظر مختصر الفاظ یعنی ”وبلغنا أنه الخ“ میں بیان کرتے ہوئے اشارہ کر دیا ہے کہ یہ مقولہ محتاج سند ہے، کیونکہ ”بلغنا“ کا صیغہ خود بتلاتا ہے کہ اس کی سند تلاش کرنی چاہیے، اگر سند مضبوط ہے تو قابل وثوق و اعتماد ہے، ورنہ نہیں۔ کما هو مصرح فی کتب الأصول۔

اور ہم بتلا آئے ہیں کہ ابو مطیح کے امر بالمعروف ہونے کی بنیاد جس روایت پر ہے وہ مکذوبہ ہے، کیونکہ اس کا دار و مدار محمد بن فضل جیسے غیر معتبر راوی پر ہے۔ اور اگر بالفرض ابو مطیح کا بہت بڑا امر بالمعروف و واعظ ہونا ثابت ہو تو اس سے اس کے کذاب، وضاع، جہمی، مرجی اور غیر ثقہ ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی، کیونکہ کتنے واعظین اور امرین بالمعروف کذاب و وضاع ہوا کرتے ہیں، جو جہمی و خارجی ہونے کے سبب سنن نبویہ اور اہل سنت سے بغض رکھنے کے باوجود جادو بیان مقرر ہوتے ہیں اور اپنے مواعظ کو دلچسپ و اثر انگیز بنانے کے لیے وضع حدیث کا کاروبار کرتے ہیں۔^۲

ابو مطیح کے امر بالمعروف ہونے کے مفروضہ کی بنیاد پر لسان المیزان کے حنفی حاشیہ نگاروں کا یہ قول کہ ”امر بالمعروف کا اہتمام کرنے والا شخص سنتوں سے کیسے بغض رکھے گا؟“ اس لیے مردود ہے کہ اس شخص نے یہ حدیث وضع کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان میں کمی و زیادتی کا عقیدہ رکھنا شرک و کفر ہے۔^۳

حالانکہ قرآن مجید کی متعدد آیات، احادیث نبویہ اور آثار صحابہ و تابعین سے ایمان میں کمی بیشی کا ثبوت موجود ہے۔ (کما سیأتی التفصیل) اس جگہ تفصیل میں پڑے بغیر ہم بطور اشارہ صرف ایک اہم بات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں، وہ یہ کہ مصنف انوار الباری مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو فقہ حنفی کا مورث اعلیٰ قرار دیتے ہیں اور مدعی ہیں کہ مذہب حنفی کی عمارت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہ پر قائم ہے۔^۴

اور امام احمد بن حنبل کی کتاب الایمان میں بسند صحیح عبداللہ بن عکیم سے مروی ہے:

① نیز ملاحظہ ہو: کتاب العبر للذہبی رحمۃ اللہ علیہ (۱/ ۳۳۰، واقعات ۱۹۹ھ)

② کتب مصطلح الحدیث۔

③ الموضوعات لابن الجوزی (۱/ ۱۳۰) و میزان (۱/ ۲۶۹) و اللالیع المصنوعة (ص: ۲۲، ۲۳)

④ مقدمہ انوار الباری (۱/ ۳۸ و ۱۵۳، ۱۵۴ وغیرہ)

”عن ابن مسعود أنه كان يقول: اللهم زدنا إيماناً و يقيناً و فقهاً.“
یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ دعا پڑھا کرتے تھے کہ اے اللہ ہمارے ایمان، یقین اور فقہ میں اضافہ و زیادتی پیدا کر۔
امام طبرانی نے بسند صحیح یہ قول نقل کیا ہے:

”قال ابن مسعود: اليقين الإيمان كله، والصبر نصف الإيمان.“¹

”یعنی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یقین پورے کا پورا ایمان اور صبر آدھا ایمان ہے۔“

مندرجہ بالا دونوں روایات صحیحہ کا حاصل معنی یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایمان میں کمی، بیشی اور تجزی کی عقیدہ رکھتے تھے۔ مصنف انوار کا دعویٰ جب یہ ہے کہ مذہب حنفی کے مورث اعلیٰ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں اور فقہ حنفی کی عمارت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہ کی بنیاد پر قائم ہے تو ضروری تھا کہ اس بنیادی عقیدہ کے معاملہ میں حنفی مذہب حضرت ابن مسعود کے مذکورہ بالا عقیدے کے موافق ہوتا اور مصنف انوار الباری کے دعویٰ کے مطابق فقہ حنفی کی تدوین کرنے والی چہل رکنی مجلس تدوین کے سبھی اراکین بشمول ابو مطیع بلخی ایمان میں کمی، بیشی اور تجزی کے معتقد ہوتے، مگر حنفی مذہب حضرت ابن مسعود کے اس عقیدے کا نہ صرف مخالف ہے، بلکہ اس کی تدوین کرنے والی چہل رکنی مجلس تدوین کے رکن رکیں ابو مطیع بلخی نے ابن مسعود کے اس عقیدے کے کفر و شرک ہونے پر ثبوت فراہم کرنے کے لیے ایک حدیث گھڑ کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دی۔ بلفظ دیگر ابو مطیع نے مذہب حنفی کے مورث اعلیٰ جلیل القدر صحابی کو کافر و مشرک ثابت کر دکھانے کے لیے ایک حدیث تک وضع کر ڈالی، اور نہ صرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ بلکہ عام صحابہ و تابعین کے خلاف بھی اس شخص نے یہی جارحانہ کارروائی کی، کیونکہ نصوص کتاب و سنت کی پیروی میں عام صحابہ و تابعین کا یہی عقیدہ و مسلک تھا، صرف اتنی بات سے لوگ مصنف انوار کی حقیقت بیانی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

مصنف انوار کے استاذ علامہ انور کشمیری نے کہا ہے کہ ”میں نے میزان الاعتدال میں ابو مطیع کی وضع کردہ اس روایت کو دیکھا اسے حافظ ذہبی نے ساقط قرار دیا ہے۔“²

نیز علامہ انور شاہ لکھتے ہیں:

”اگرچہ مشہور ہے کہ ہمارے امام ابو حنیفہ ایمان میں کمی بیشی کے منکر تھے مگر مجھے اس کی صحت میں تردد ہے، کیونکہ اس سلسلے میں امام صاحب سے کوئی چیز صحیح طور پر منقول نہیں ہے۔ حافظ ابن تیمیہ نے امام صاحب کو ایمان میں کمی بیشی کا معتقد بتلایا ہے، مگر ان کی نقل پر اعتماد کرنے میں مجھے اس لیے تردد ہے کہ موصوف پر غلبہ تفرّد تھا، وہ غلط سلسلے باتیں لکھنے میں غیر محتاط تھے، لیکن طبقات الحنفیہ (جواہر الموضیہ) میں ابراہیم بن میمون بلخی اور احمد بن عمران استرآبادی جیسے کبار حنفی اماموں کو ایمان میں کمی بیشی کا معتقد بتلایا گیا ہے۔“³

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ علامہ انور اولاً ابو مطیع کو ساقط الاعتبار مانتے ہیں، ثانیاً یہ کہتے ہیں کہ بعض اکابر حنفی ائمہ بھی ایمان میں کمی بیشی کے معتقد تھے، حتیٰ کہ بقول ابن تیمیہ امام صاحب بھی اس کے معتقد تھے۔ بہر حال محشی لسان المیزان

① ملاحظہ ہو: فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الإيمان (۱/ ۴۸) ② فیض الباری (۱/ ۵۹)

③ فیض الباری (۱/ ۵۹، ۶۰) جواہر الموضیہ (۱/ ۵۱، ۵۲ و ۸۵، ۸۶)

مصنف انوار سے پیچھے رہے کہ انھوں نے ابو مطیع سے صرف بغض و عناد کی نفی کرنے کی کوشش کی تھی، کذاب و غیر معتبر ہونے کی نہیں، مگر مصنف انوار نے انھیں فقہ حنفی کا مدون قرار دے کر حنفیوں کا معتد علیہ امام بنا دیا۔

ناظرین دیکھ آئے ہیں کہ ابو مطیع کو امام ابو داؤد نے جہمی کہا ہے اور دوسرے ائمہ نے مرجی مگر درحقیقت دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے، جہمیت و ارجاء درحقیقت ایک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں، جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اس کے باوجود مصنف انوار کے استاذ علامہ انور کشمیری نے کہا ہے کہ ابو مطیع کو امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے جو جہمی کہا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ حالانکہ ناظرین دیکھ آئے ہیں کہ ابو مطیع کو امام ذہبی نے اپنی طرف سے جہمی نہیں کہا ہے، بلکہ ائمہ جرح و تعدیل میں سے نہایت مشہور محدث امام ابو داؤد سے نقل کیا ہے کہ یہ شخص جہمی تھا۔

امام احمد نے اس کے جہمی ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

”حکوا أنه يقول: الجنة والنار ستفنيان، وهذا كلام جهم.“¹

یعنی اہل علم نے ابو مطیع کا یہ عقیدہ نقل کیا ہے کہ جنت و جہنم فانی ہیں اور یہ جہم کا عقیدہ ہے۔

مصنف انوار کے استاذ کوثری نے اس روایت پر یہ کلام کیا ہے کہ امام احمد جن سے یہ روایت نقل کرتے ہیں ان کا نام معلوم نہیں ہو سکا، اس لیے یہ روایت معتبر نہیں ہے۔² حالانکہ اس میں کلام کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ امام احمد نے جن لوگوں سے یہ روایت نقل کی ہے، اگرچہ ان کے نام معلوم نہیں، مگر یہ معلوم ہے کہ امام احمد انھی لوگوں سے روایت کرتے ہیں جو ان کے نزدیک ثقہ ہیں۔³

علاوی ازیں امام احمد نے یہ روایت ”حکوا“ کے صیغہ جمع کے ساتھ نقل کی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے یہ روایت ایک جماعت سے نقل کی ہے جو کم سے کم تین افراد پر مشتمل ہے، اور ایک ایسی پوری جماعت کی روایت، جو امام احمد کے نزدیک ثقہ ہو، یقیناً معتبر ہے، خصوصاً اس صورت میں کہ امام احمد نے یہ روایت معرض استدلال میں نقل کی ہے۔

چہل رکنی مجلس تدوین فقہ اور ابو مطیع بلخی:

لطف کی بات یہ ہے کہ ابو مطیع اہل علم کی حسب تصریح ۱۱۵ھ میں پیدا ہوا۔ اور مصنف انوار کا دعویٰ ہے کہ ۱۱۵ھ میں پیدا ہونے والا یہ ابو مطیع چہل رکنی مجلس تدوین فقہ حنفی کے ان اراکین میں سے تھا جو مجلس تدوین کی تاسیس کے وقت مشاہیر فقہاء و کبار محدثین کی حیثیت سے تدوین فقہ کے لیے منتخب کیے گئے تھے، اور مصنف انوار کے مختلف دعویٰ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مجلس کی تاسیس ۱۲۰ھ میں یا اس سے بھی پہلے ہوئی تھی۔ (کما سیأتی التفصیل)

ظاہر ہے کہ جس مجلس کی تاسیس ۱۲۰ھ میں یا اس سے بھی پہلے ہوئی اس کی تاسیس کے وقت اس کے اراکین میں ابو مطیع کا فقیہ، مجتہد و محدث کی حیثیت سے شریک ہونا ناممکن ہے، کیونکہ ۱۲۰ھ سے پہلے ابو مطیع کی عمر پانچ سال سے بھی کم ہوگی اور

1 میزان الاعتدال. 2 تانیب (ص: ۷۲ تا ۱۷۴)

3 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: التنکیل (۱/ ۴۲۸ - ۴۳۰، ترجمہ محمد بن اعین ابو الوزیر) و فتح المغیث (ص: ۱۳۴)

4 خطیب، لسان وغیرہ.

پانچ سال سے کم عمر بچے کا فقیہ، مجتہد اور محدث کی حیثیت سے کسی علمی مجلس کا رکن ہونا ناممکن ہے۔ مگر مصنف انوار حنفی مذہب کی مدح سرائی کی خاطر ناممکن کو ممکن بنانے پر تازہ دم نظر آتے ہیں۔ چہل رکنی مجلس تدوین کی پوری کہانی سو فیصدی جھوٹ اور افسانوی ہے، جس پر مفصل بحث آئندہ صفحات میں آ رہی ہے۔

ابو مطیح اور مصنف مشائخ بلخ:

ناظرین کرام نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ ابو مطیح کو ائمہ جرح و تعدیل نے غیر ثقہ و کذاب حتیٰ کہ علامہ انور شاہ جیسے غالی حنفی مقلد نے بھی ساقط الاعتبار قرار دیا ہے، لیکن مصنف انوار کی طرح کوشی گروپ کے ایک اور صاحب قلم ڈاکٹر محمد محروس نے اپنی کتاب ”مشائخ بلخ من الحنفیة“ کے متعدد مقامات پر اس کذاب اور غیر ثقہ جہمی کی مدح سرائی کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ موصوف مجروح و ساقط نہیں تھے، بعض لوگوں نے صرف جہمیت کا ان پر غلط الزام لگایا ہے۔¹

حالانکہ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ موصوف کا جہمی العقیدہ ہونا ثابت شدہ حقیقت ہے، اسی طرح موصوف کا غیر ثقہ ہونا بھی ثابت ہے۔ مصنف مشائخ بلخ نے بے سند مکذوبہ طور پر بیان کی ہوئی یہ بات بھی نقل کر دی ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے ابو مطیح کی مدح کی ہے۔²

مصنف انوار نے امام ابو حنیفہ کے بعض تلامذہ سے نقل کیا ہے کہ ہم نے جو بات بھی مسائل فقہیہ کے سلسلے میں کہی ہے وہ بات امام ابو حنیفہ نے بھی ضرور کہی ہے۔ مصنف انوار نے اپنی یہ بات بڑے فخر سے حنفی مذہب اور حنفی اماموں کے اثبات فضیلت کے لیے کہی ہے۔ اس پر مفصل گفتگو آگے آ رہی ہے۔ یہاں اشارہ کے طور پر عرض ہے کہ مصنف مشائخ بلخ نے ابو مطیح کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ آب کثیر و قلیل کی حد فاصل بیس ہاتھ لمبا اور بیس ہاتھ چوڑا حوض ہے، یعنی اس سے کم پانی آب قلیل ہے اور زیادہ آب کثیر ہے۔³

حالانکہ مشائخ بلخ کے مصنف کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب نے یہ تحدید نہیں کی ہے، اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں، حتیٰ کہ بعض احناف نے وہ درود کی تحدید کو بھی خالی از دلیل قرار دیا ہے۔⁴

امام صاحب اور ان کے تلامذہ کے ان اختلافات کی معلوم نہیں مصنف انوار کیا توجیہ فرماتے ہیں، آخر امام صاحب کے بہت سے تلامذہ آئین بالجہر، رفع الیدین اور فاتحہ خلف الامام کے بھی قائل تھے، تو کیا امام صاحب بھی آئین بالجہر اور رفع الیدین کرتے اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھتے تھے؟ اور امام صاحب کے بعض تلامذہ بلا شک جہمی العقیدہ اور رافضی تھے، دریں صورت مصنف انوار کیا فرماتے ہیں کہ امام صاحب بھی اپنے ان تلامذہ کے عقائد و افکار کے کسی زمانہ میں حامل تھے؟

امام بخاری کے استاذ نعیم بن حماد کی شان میں انور شاہ اور مصنف انوار کی گستاخیاں:

امام بخاری کے استاذ امام نعیم کی بابت مصنف انوار اور علامہ انور کی متعدد باتوں کا ذکر آچکا ہے، اس جگہ علامہ انور کا

ایک اور بیان ملاحظہ ہو:

② مشائخ بلخ (۱/ ۸۰ و ۱۰۶ وغیرہ)

① ملاحظہ ہو: مشائخ بلخ من الحنفیة (۱/ ۱۰۶ وغیرہ)

④ مشائخ بلخ (۱/ ۲۱۷)

③ مشائخ بلخ (۱/ ۲۱۸)

”امام بخاری کے استاذ نعیم بن حماد خزاعی انھی ابو مطیع کے کاتب (منشی) تھے، اس لیے نعیم بن حماد، امام ابو حنیفہ کے مخالف بھی تھے اور امام صاحب کے مثالب میں دوسروں کی بیان کی ہوئی جھوٹی باتوں کو بلا تکلف بیان کرتے تھے، کیونکہ امام صاحب کے مثالب بیان کرنے میں وہ (نعیم) لذت محسوس کرتے تھے، ورنہ وہ بذات خود ثقہ، صدوق اور معتبر امام تھے، ان کی روایت کردہ احادیث معتبر و معتمد علیہ ہیں۔“^①

پہلے بھی یہ کہا جا چکا ہے کہ مصنف انوار نے بھی شاہ انور سے یہی نقل کیا ہے کہ امام نعیم صدوق، ثقہ اور حجت ہیں، کیونکہ وہ صحیح بخاری کے راوی ہیں، حتیٰ کہ کتب طبقات الحنفیہ میں نعیم کو حنفی بھی کہا گیا ہے۔^②

اس کا مطلب یہ ہوا کہ علامہ انور شاہ نعیم کو وضاع و کذاب نہیں مانتے، صرف یہ سمجھتے ہیں کہ وہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں دوسرے کذاب لوگوں کی وضعی روایات کو بلا احتیاط مزہ لے کر بیان کر دیا کرتے تھے، مگر علامہ شاہ انور کے اس تصریحی فرمان کے برعکس مصنف انوار، انوار الباری کو مجموعہ افادات انور قرار دینے کے باوجود فرماتے ہیں:

”ازدی وغیرہ نے کہا ہے کہ نعیم ابو حنیفہ کی تنقیص میں جھوٹی روایات گھڑا کرتے تھے اور تقویت سنت کے خیال سے حدیثیں بھی بنا لیا کرتے تھے۔“^③

نیز یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ مصنف انوار نے شاہ صاحب کی طرف یہ بھی منسوب کیا ہے کہ وہ امام نعیم کو کذاب کہتے تھے، یعنی موصوف مصنف انوار خود بھی تضاد بیانی کرتے اور اسے اپنے شاہ صاحب کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں، مصنف انوار کے اس طرز عمل سے بھی ان کی صداقت و دیانت اور امانت کا پورا پورا پتہ لگتا ہے۔

موصوف انور شاہ صاحب کا یہ فرمان بھی عجیب ہے کہ چونکہ امام نعیم ابو مطیع کے منشی تھے، اس لیے مثالب ابی حنیفہ میں جھوٹے لوگوں کی گھڑی ہوئی باتوں کو بیان کرنے میں لذت محسوس کرتے۔ کیونکہ علمائے رجال میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا ہے کہ امام نعیم ابو مطیع کے منشی تھے، البتہ بعض اہل علم نے یہ بات ضرور کہی ہے کہ وہ ابو عصمہ نوح بن مریم کے منشی تھے۔^④

اور ابو عصمہ بھی کذاب، وضاع اور بقول مصنف انوار حنفی فقیہ اور مجلس تدوین فقہ حنفی کے رکن رکین تھے۔^⑤ مگر سوال یہ ہے کہ علامہ انور کی یہ تعلیل کس دلیل پر مبنی ہے کہ امام نعیم چونکہ ابو مطیع کے کاتب (منشی) تھے، اس لیے مثالب ابی حنیفہ میں جھوٹے لوگوں کی گھڑی ہوئی روایات کے نشر و اشاعت میں لذت محسوس کرتے تھے؟ کیا کسی جھوٹے شخص کے ثقہ و صدوق کاتب کے لیے یہ بات لازم ہوتی ہے کہ وہ اس جھوٹے کے استاذ محترم کے مثالب بیان کرے؟

یہ عجیب بات ہے کہ ”امام العصر و حافظ حدیث علامہ“ کے لقب سے ملقب ہونے کے باوجود علامہ انور شاہ صاحب نے امام نعیم کی بابت میزان الاعتدال کے اس قول کہ ”إن نعیمًا هذا كان يزور حكايات في أبي حنيفة“ کا مطلب یہ بتلایا ہے کہ ”امام نعیم رحمہ اللہ، مثالب ابی حنیفہ رحمہ اللہ میں دوسرے جھوٹے لوگوں کی گھڑی ہوئی باتوں کو بیان کرنے میں لذت

① فیض الباری (۴/۱۴۵) باب کم غز النبی صلی اللہ علیہ وسلم (۱/۳۴۵)

② ملاحظہ ہو: أنوار الباری (۷/۴۵، ۴۶)

③ مقدمہ أنوار الباری (۱/۳۱ آخری سطر، اور نعیم جیسے وضاع الخ) مقدمہ أنوار الباری (۱/۳۲)

④ تہذیب التہذیب (۱۰/۴۵۸) خطیب (۱۳/۳۰۷) ⑤ مقدمہ أنوار (۱/۱۶۹، ۱۷۰)

محسوس کرتے تھے، ورنہ بذات خود وہ جھوٹے نہیں تھے۔“ حالانکہ لغت و ادب کی کسی دلیل سے بھی یہ نہیں ثابت کیا جاسکتا کہ میزان الاعتدال کی مذکورہ عبارت کا مطلب وہی ہے جو شاہ صاحب نے بتلایا ہے۔ نیز یہ عجیب بات ہے کہ ابو مطیع کے جہمی ہونے پر قائم شدہ دلائل سے اعراض کر کے موصوف کو غیر جہمی قرار دینے والے علامہ انور نے یہ دیکھنے کی ذرا بھی ضرورت نہیں محسوس کی کہ امام نعیم پر الزام تزویر و کذب بیان کرنے والے بذات خود کیسے ہیں؟ حالانکہ امام نعیم کے بارے میں میزان الاعتدال (۳/۲۴۱) کے اندر یہ قول ازدی سے نقل کیا گیا ہے اور ازدی مذکور کا مختصر سا تعارف یہ ہے۔

ابو الفتح ازدی کا ترجمہ و تعارف:

”ازدی یعنی ابو الفتح محمد بن حسین ازدی (متوفی ۳۶۷ھ، ۳۷۴ھ) کی بابت امام خطیب اور سمعانی نے فرمایا ہے کہ اس نے امیر بغداد کے لیے حدیث وضع کی تھی، یعنی یہ بذات خود کذاب تھا۔ امام براقانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا اور عبدالغفار رموی نے کہا ہے کہ موصل کے اہل علم اس کو بہت ضعیف کہتے تھے اور اسے کچھ نہیں سمجھتے تھے۔^① حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری زیر ترجمہ اسرائیل بن موسیٰ کہا: ”والأزدي لا يعتمد إذا انفرد“ اور احمد بن شعیب کے ترجمہ میں کہا: ”لا عبرة بقول الأزدي لأنه هو ضعيف، فكيف يعتمد في تضعيف الثقات؟“ تہذیب میں زیر ترجمہ احمد مذکور کہا: ”الأزدي غير مرضي“ علی بنانی رحمہ اللہ کے ترجمہ میں کہا: ”زائع عن القصد“ حاصل یہ کہ ازدی غیر معتبر و غیر ثقہ ہے۔ حافظ ابن عبدالہادی نے بھی اسے وضاع و کذاب کہا ہے۔^② خود میزان الاعتدال کے مصنف امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ازدی مذکور کو ضعیف قرار دیا اور فرمایا: ”وله كتاب كبير في الجرح والضعفاء، عليه فيه مواخذات.“^③ یعنی جرح وضعفاء کی بابت اس شخص کی ایک بڑی سی کتاب ہے جس میں اس کی بہت سی باتوں پر علمی مواخذات ہیں۔ چنانچہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے میزان الاعتدال کے سب سے پہلے ترجمہ میں اس امر کی تصریح کر دی ہے کہ ازدی کی جرح ناقابل قبول ہے، کیونکہ وہ خود ہی مجروح ہے، فرماتے ہیں:

”وأبو الفتح بسرف في الجرح، وله مصنف كبير إلى الغاية في المجروحين، جمع فأوعى، وجرح خلقا بنفسه لم يسبقه أحد إلى التكلم فيهم، وهو متكلم فيه.“^④ یعنی یہ شخص جرح کرنے میں حد سے تجاوز کرتا ہے مجروحین کے سلسلہ میں اس کی ایک بڑی سی کتاب ہے، اس میں اس نے بہت سے ایسے لوگوں کو مجروح قرار دیا ہے جن کو اس سے پہلے کسی شخص نے بھی مجروح نہیں کہا تھا۔ یہ شخص بذات خود مجروح ہے۔

تذکرۃ الحفاظ میں بھی امام ذہبی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ ”وہی جماعۃ بلا مستند طائل“^⑤ یعنی اس ازدی

① خطیب (۲/۲۴۳، ۲۴۴) کتاب الأنساب للسمعاني (۱/۵۱)، لسان المیزان (۵/۱۳۹، ۱۴۰)

② الصارم المنكي (ص: ۱۵۵)

③ میزان الاعتدال (۳/۴۶)

⑤ تذکرہ (۳/۱۷۶)

④ (میزان: ۴/۱)

شخص نے بلا دلیل پوری ایک جماعت ہی کو مجروح قرار دے دیا ہے۔ اس کو بقول عبدالغفار ارموی علمائے موصل ضعیف، غیر معتبر اور لاشی محض سمجھتے تھے۔ تذکرہ کے بعض نسخوں میں ”وہاہ جماعة“ کا لفظ تسامح و کاتب کی غلطی سے چھپ گیا ہے، اس سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہو سکتی ہے، وہ ہماری اس تفصیل کو ملحوظ رکھیں تو غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہوں گے۔

ناظرین کرام! آپ ہماری اس تفصیل سے شاہ صاحب کی تحقیق پسندی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مولانا عبدالحی فرنگی محلی بھی تو حنفی ہیں، انھوں نے ازدی مذکور کو ضعیف و مجروح مان کر اس کی جرحوں کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔¹

لطف کی بات یہ ہے کہ ازدی مذکور کو مصنف انوار کے جہمی استاذ کوثری نے ”رافضی المذہب والرأی“ قرار دے کر اس کی جرح کو غیر معتبر کہا ہے۔²

مگر اس کے باوجود یہی کوثری، مصنف انوار اور ان کے امام العصر حافظ حدیث علامہ انور شاہ معلوم نہیں کن اصول جرح کے پابند ہیں کہ امام نعیم رحمۃ اللہ علیہ کی بابت ازدی کے بیان کو غیر معتبر کہہ کر مردود نہیں قرار دے سکے۔ بہر حال علامہ انور شاہ کا یہ طرز عمل ایک بہت بڑا عجوبہ ہے کہ انھوں نے ازدی کے بیان کی تاویل کرتے ہوئے کہا کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نعیم رحمۃ اللہ علیہ بذات خود جھوٹے تھے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جھوٹوں کی جھوٹی باتوں کے پھیلائے میں لذت گیر ہوتے تھے، حالانکہ کسی ثقہ محدث کے خلاف کسی کذاب کی جرح کو دلیل بنانا، پھر اس کی تاویل، جو درجہ تحریف کو پہنچی ہوئی ہو، کرنا اہل علم کے شایان شان نہیں۔ ازدی کے وضاع و کذاب ہونے میں علامہ البانی نے تامل کیا ہے۔³ حالانکہ حافظ خطیب اور سمعانی وغیرہ نے اس کے وضاع و کذاب ہونے کی صراحت کی ہے۔ جیسا کہ اوپر گزرا ہے۔

واضح رہے کہ امام نعیم رحمۃ اللہ علیہ پر ازدی کی جرح کے معاملے میں مصنف انوار کے استاذ امام العصر کا یہ رویہ موصوف کے دوسرے استاذ کوثری کے رویہ سے مختلف ہے، کیونکہ کوثری نے ایک طرف ازدی کو ”لمحات النظر“ میں رافضی المذہب کہہ کر ناقابل اعتبار بتلایا ہے، مگر تانیب (ص: ۱۰۷) میں امام نعیم رحمۃ اللہ علیہ کو مجروح ثابت کرنے کے لیے اسی ازدی کو حجت و معتبر مان لیا ہے۔ نعوذ باللہ من الخذلان!

نیز یہ بات گزر چکی ہے کہ مصنف انوار کے دعویٰ کے مطابق علامہ انور شاہ نے اپنے ایک بیان میں نعیم کو کذاب اور دوسرے بیان میں ثقہ و صدوق امام قرار دیا ہے۔

دولابی کا تذکرہ:

ابو بشر محمد بن احمد بن حماد دولابی (مولود ۲۲۳ھ، متوفی ۳۱۰ھ) نے ایک مجہول شخص سے ازدی کی طرح کا قول نعیم کی بابت نقل کیا ہے۔⁴ مگر چونکہ دولابی کی نقل کردہ یہ جرح ایک ”مجہول شخص“ سے منقول ہے، اس لیے حافظ ابن حجر نے اس جرح کو مردود قرار دیا ہے، لیکن اہل علم نے دولابی کو بھی مجروح بتلایا ہے۔ چنانچہ امام دارقطنی نے تصریح کی ہے:

”تکلموا فیہ لما تبین من امرہ الاخیر“⁵

1 ملاحظہ ہو: الأجوبة الفاضلة (ص: ۱۷۸، ۱۷۹) 2 لمحات النظر (ص: ۳۴)

3 سلسلۃ الأحادیث الضعیفة (۱/ ۲۴۳) 4 تہذیب التہذیب (۱۰/ ۴۶۱، ۴۶۲)

5 لسان المیزان (۵/ ۴۲) و میزان الاعتدال (۳/ ۱۷) و تذکرۃ الحفاظ (۲/ ۳۳۱) و دیوان الضعفاء (ص: ۲۶۴)

یعنی اہل علم کو جب دولابی کی آخری عمر کے حالات بد معلوم ہوئے، تو انھوں نے اسے مجروح قرار دے دیا۔ امام دارقطنی کی اس تصریح سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک عام اہل علم نے دولابی کو مجروح قرار دیا ہے، حتیٰ کہ ابن عدی نے کہا کہ امام نعیم کی تخریح کرنے میں دولابی متہم یعنی کذاب ہے¹۔

حافظ ابن حجر کا خیال ہے کہ نعیم کی تخریح میں دولابی کے بجائے ان کے ”شیخ مجہول“ متہم ہیں، مگر ہم کہتے ہیں کہ اگر بالفرض نعیم کے باب خاص میں دولابی کو بری مان لیا جائے تو امام دارقطنی کے اس فرمان کے ہوتے ہوئے کہ ”اہل علم نے دولابی کو مجروح قرار دیا ہے۔“ دولابی کو کسی طرح بھی غیر مجروح نہیں مانا جاسکتا۔ امام ابن یونس نے بھی دولابی کو ضعیف کہا ہے، اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا:

”قد أبدع في رميه نعيما بالكذب“²

یعنی دولابی نے امام نعیم کو مجروح بالکذب قرار دینے میں عجیب و انوکھی روش اختیار کی ہے۔

مصنف انوار کی کھلی ہوئی تخریف:

ان تمام امور کے باوجود مصنف انوار نے کہا ہے کہ امام دارقطنی نے کہا کہ کچھ لوگوں نے دولابی پر کلام کیا، مگر ہم کو بجز خیر کے کچھ ظاہر نہیں ہوا³۔

حالانکہ ناظرین دیکھ آئے ہیں کہ امام دارقطنی نے عام اہل علم سے دولابی کی تخریح نقل کی ہے۔ بایں ہمہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ ہم نے افراط و تفریط سے ہٹ کر معتدل شاہراہ سامنے کرنے کی کوشش کی ہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف انوار کو یہ بھی دعویٰ ہے کہ دولابی پر ابن عدی وغیرہ نے بوجہ تعصب کلام کیا ہے⁴۔

کیا مصنف انوار کا خالص علمی، دینی و تحقیقی نقطہ نظر یہی ہے کہ بذات خود امام دارقطنی رحمہ اللہ کی تصریح کے بالکل خلاف ان کی طرف دولابی کی مدح میں جھوٹی بات منسوب کریں اور اس کے باوجود تعصب کا الزام امام ابن عدی وغیرہ جیسے ائمہ جرح و تعدیل پر لگائیں؟

یہ عجیب بات ہے کہ مصنف انوار عمومی طور پر زمرہ احناف میں شمار ہونے والے لوگوں کی مدح سرائی میں مبالغہ آرائی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، خواہ ان کے حنفی ممدوحین کذاب ہی کیوں نہ ہوں!!

ابوعصمہ نوح بن ابی مریم کا تذکرہ:

مثلاً ابوعصمہ نوح ابن ابی مریم کو لیجیے۔ ان کو حنفی ہونے کے مفروضہ کی بناء پر مصنف انوار اپنا قابل فخر امام اور حنفی فقہ کی مجلس تدوین کا رکن رکین مانے ہوئے ہیں، حالانکہ آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا ابوعصمہ مذکور امام ابوحنیفہ کے مذہب سے لوگوں کی توجہ ہٹانے کے لیے احادیث وضع کرنے کا کاروبار کرتے تھے۔

1 تہذیب التہذیب (۱۰/۴۱۲)

2 تذکرۃ الحفاظ (۲/۳۲۱)

3 مقدمہ انوار (۲/۸۵)

4 مقدمہ انوار (۲/۸۵)

امام نعیم بن حماد رضی اللہ عنہ کا تذکرہ:

مگر انھی ابو عصمہ کے کاتب امام نعیم رضی اللہ عنہ ہیں، ان کو بھی ”الجواهر المضیة فی طبقات الحنفیة“ میں ذکر کیا گیا ہے۔ مصنف انوار کے استاذ نور شاہ نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے کہ نعیم کو زمرۃ احناف میں شمار کیا گیا ہے، مگر مصنف انوار نے نہ جانے کیوں نعیم کو طبقۂ احناف کا امام کبیر، محدث شہیر اور فقیہ بے نظیر قرار دے کر مفروضہ چہل رکنی مجلس تدوین فقہ کے اراکین میں نہیں داخل کیا؟ بلکہ انھیں حنفی مذہب اور امام ابو حنیفہ کا مخالف بتلاتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ وہ مثالب ابی حنیفہ میں روایات گھڑتے اور جھوٹ پھیلاتے تھے۔ پھر تضاد بیانی کا شکار ہو کر موصوف مصنف انوار نے نعیم کو ثقہ و صدوق بھی کہا۔ (کما مر) واضح رہے کہ ”الجواهر المضیة“ میں کہا گیا ہے کہ: امام نعیم رضی اللہ عنہ امام کبیر تھے، وہ امام ابو حنیفہ سے وتر کی فریضت کا قول نقل کرتے ہیں۔ یہی امام زفر رضی اللہ عنہ کا بھی قول ہے، اور امام ابو حنیفہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ امام احمد نے کہا کہ نعیم رضی اللہ عنہ ثقات سے تھے، چونکہ یہ فرائض کے بڑے ماہر تھے، اس لیے ان کو ہم ”فارض“ کہتے ہیں۔ ان سے حکومت وقت نے قرآن کو مخلوق کہلوانا چاہا، مگر انھوں نے انکار کر دیا، بنا بریں حکومت نے انھیں محبوس و مقید کر دیا۔ وہ زندگی کے آخر تک مقید رہے اور جیل خانہ ہی میں ۲۲۸ھ میں فوت ہو گئے۔^① رحمہ اللہ

امام جرح و تعدیل ابن معین نے امام نعیم رضی اللہ عنہ کو ثقہ و صدوق کہا ہے:

اس میں شک نہیں کہ امام نعیم ایک جلیل القدر ثقہ و صدوق محدث تھے۔ امام یحییٰ بن معین نے فرمایا:

”حدثنا نعیم بن حماد ثقة صدوق، رجل صدق، أنا أعرف الناس به كان رفيقي بالبصرة.“^②

مصنف انوار نے ابن معین کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے ہوئے، ذہبی رضی اللہ عنہ سے یہ قول فخر کے ساتھ نقل کیا ہے:

”ابن معین متصلب حنفی تھے۔ سید الحفاظ ابن معین رضی اللہ عنہ کی عجیب علمی شان ہے کہ جس سے موافق و مخالف ہر ایک نے فائدہ اٹھایا، امام اعظم اور آپ کے اصحاب عظام کے خلاف جو حسد و عناد اور تعصب وغیرہ کی بنیادوں پر ڈھرے بندیاں کی گئیں ان کے مقابلے میں حافظ ابن معین نے انتہائی تدبر اور صبر و ضبط سے کام لیا۔ آپ کی مدح و توثیق اور اسی طرح نقد و جرح انتہائی محتاط تھی۔ اپنے اکابر ائمہ اور اساتذہ کے بارے میں بہت مختصر کلمات مدح فرماتے تھے۔“^③

مگر ایسے متصلب حنفی اور صاحب اوصاف کثیرہ کی توثیق و مدح کے باوجود بھی مصنف انوار نے امام نعیم رضی اللہ عنہ کو ازدی اور دولابی جیسے مجرمین کی جرح کے سبب کذاب و وضاع قرار دیا اور تضاد کا شکار ہو کر انھیں ثقہ و صدوق بھی کہا۔ حالانکہ عام اہل علم نے انھیں صدوق اور مطلقاً ثقہ کہا ہے۔ امام نسائی رضی اللہ عنہ نے اگرچہ امام نعیم رضی اللہ عنہ کو ضعیف کہا ہے مگر وہ علم و معرفت سنن میں ان کے فضل و تقدم کے معترف تھے اور انھیں صدوق و جلیل القدر محدث تسلیم کرتے تھے، جیسا کہ دوسرے اہل علم کرتے تھے۔^④

① الجواهر المضیة (۲/۲۰۲)

② خطیب (۱۳/۳۱۲، ۳۱۳) و تہذیب (۱۰/۴۵۹)

③ مقدمہ انوار (۱/۲۳۲، ۲۳۳)

④ تہذیب (۱۰/۴۶۱)

اگر موصوف پر کسی کو کچھ کلام ہے تو محض خطا اور وہم کے سبب، ورنہ ازدی اور مقلدین ازدی جیسے کذابین کے علاوہ انہیں کسی نے بھی کذب و زور سے مہتم نہیں کیا۔ امام احمد، ابو حاتم، ابن ابی حاتم، ابن معین، عیسیٰ، ابن عدی، ابن حبان وغیرہم نے ان کی توثیق و مدح کی ہے۔ امام دارقطنی نے فرمایا: ”إمام في السنة، كثير الوهم“ امام نعیم رحمہ اللہ نے فرقہ جہمیہ اور فقہاء اہل الرأی کی تردید میں کئی کتابیں لکھی تھیں¹ اور یہ معلوم ہے کہ مصنف انوار کبار جہمیوں مثلاً ابو مطیح، بشر مرسی اور کوثری وغیرہ کو اپنا ممدوح بنائے ہوئے ہیں، اس لیے امام نعیم رحمہ اللہ سے مصنف انوار کا خفا ہونا لازمی ہے، کیونکہ مصنف انوار کے پیشوا کوثری نے امام نعیم کے عیوب میں یہ بھی شمار کیا ہے کہ انہوں نے جہمیہ کے رد میں تیرہ کتابیں لکھی ہیں²۔

خلاصہ کلام یہ کہ مصنف انوار نے فقہ اکبر کو امام ابو حنیفہ کی تصنیف اور امام نعیم رحمہ اللہ کو کذاب و وضاع قرار دے کر انور شاہ صاحب کشمیری کی مخالفت کی ہے۔

مسانید ابی حنیفہ کا اجمالی تذکرہ:

اسی طرح شاہ صاحب نے مسانید ابی حنیفہ کے تصنیف ابی حنیفہ ہونے سے صاف انکار کیا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر کوئی تصنیف امام صاحب کی جانب منسوب کی جاسکتی ہے، تو وہ امالی ابو یوسف ہیں³۔ اپنے اس بیان کے ذریعہ شاہ صاحب نے مسانید ابی حنیفہ، کتاب الآثار اور امالی ابو یوسف وغیرہ سب کو تصنیف ابی حنیفہ ماننے سے انکار کر دیا ہے۔

انور شاہ سے مصنف انوار کی صریح مخالفت:

مگر مصنف انوار نے مسانید ابی حنیفہ اور کتاب الآثار کو تصنیف ابی حنیفہ قرار دیتے ہوئے کافی طول بیانی سے کام لیا ہے۔⁴ حتیٰ کہ ان کتابوں کو تصانیف ابی حنیفہ قرار دیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ:

”حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے موطا امام مالک کو مرتبہ کے اعتبار سے صحاح میں سے اول قرار دیا ہے اور ان کی اصل کہا ہے۔ جبکہ موطا مالک رحمہ اللہ امام اعظم کی وفات کے بعد مدون ہوا ہے، اور اس سے پہلے امام صاحب کی کتاب الآثار امام ابو یوسف، محمد، حسن بن زیاد اور امام زفر کی روایت سے الگ الگ مدون ہو چکی تھیں۔ اسی طرح امام ابو یوسف، محمد، ابن زیاد اور حماد بن امام اعظم نے امام صاحب سے مسانید کو بھی روایت کیا اور یہ سب بلا واسطہ امام صاحب رحمہ اللہ کے انحصار سے ہیں، اور بظاہر ان سب کی کتب آثار و مسانید امام صاحب رحمہ اللہ کی زندگی میں تیار ہو گئی تھیں۔ اور انہی کتابوں اور دوسری کتب مدونہ فقہیہ کے بارے میں یہ نقل ہوا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ امام صاحب کی کتابوں کی تلاش کرتے اور ان میں نظر کرتے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا امام صاحب رحمہ اللہ سے حدیث میں تلمذ بھی ثابت شدہ ہے۔⁵ یہ بھی صریح طور سے نقل ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے ساٹھ ہزار مسائل امام اعظم رحمہ اللہ کے مدونہ حاصل کیے تھے۔ ان سب امور پر نظر کی جائے تو موطا مالک کی اصل

1 تہذیب (۱۰/۴۶۰) 2 تانیب (ص: ۱۰۷) التنکیل (۱/۴۹۳)

3 فیض الباری (۱/۳۰۲)، باب من کذب کتاب العلم

4 ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (۱/۱۳ و ۵۴ و ۷۸ و ۱۵۵ و ۱۲۵ و ۱۲۶ و ۱۲۸ وغیرہ) 5 اقوم المسالك للكوثري.

امام صاحب کی کتب آثار اور مسانید کو قرار دینا چاہیے۔^①

مگر یہ عجیب بات ہے کہ مصنف انوار اپنے ایک دوسرے بیان میں خود ہی کتاب الآثار کے تصنیف ابی حنیفہ ہونے کے منکر ہیں، یعنی مصنف انوار کتاب الآثار کو تصنیف ابی حنیفہ مانتے بھی ہیں اور نہیں بھی مانتے۔ ع۔

جناب شیخ کا نقش قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی

چنانچہ فرماتے ہیں:

”بعض ممتاز اہل علم نے امام محمد کی کتاب الآثار کو بھی امام اعظم کی تصنیف قرار دیا ہے اور شاید امام ابو یوسف کی کتاب الآثار کے بارے میں بھی یہی خیال ہو، مگر ہمارے ناقص خیال میں ابھی تک اس کی صحیح توجیہ نہیں آئی، کیونکہ اول تو متقدمین علماء نے ان کو امام صاحب کی تصنیفات میں شمار نہیں کیا۔ دوسری یہ کہ ان میں روایت کرنے والے امام محمد و ابو یوسف ہیں، جس سے صاف ظاہر ہے کہ مؤلف و مصنف بھی یہی ہیں۔“^②

مصنف انوار کے اصول سے مسانید ابی حنیفہ تصنیف ابی حنیفہ نہیں:

مصنف انوار نے اپنے اس بیان میں صاف طور سے کتاب الآثار تصنیف ابی حنیفہ ہونے سے انکار کرتے ہوئے اس کی

دو وجہ بتلائی:

اول: یہ کہ متقدمین علماء نے اس کو امام صاحب کی تصانیف میں شمار نہیں کیا۔

دوم: یہ کہ اس میں روایت کرنے والے امام محمد اور ابو یوسف ہیں۔

اگر کتاب الآثار کے تصنیف ابی حنیفہ نہ ہونے کا سبب بقول مصنف انوار یہ ہے کہ متقدمین علماء نے اس کو تصانیف ابی حنیفہ میں شمار نہیں کیا اور اس میں روایت کرنے والے امام محمد و ابو یوسف ہیں، تو یہ دونوں سبب ان مسانید ابی حنیفہ یا جامع المسانید میں بھی جمع ہیں جن کو مصنف انوار نے اپنے اس بیان کے دو ہی صفحہ بعد ”جامع المسانید للإمام الأعظم“ کے عنوان کے تحت بڑے زور و فخر سے تصنیف ابی حنیفہ قرار دیا ہے۔ ”مسانید ابی حنیفہ یا جامع المسانید“ کو بھی مصنف انوار جیسے تضاد بیانی کرنے والوں کے علاوہ متقدمین یا متاخرین علماء میں سے کسی نے بھی تصانیف ابی حنیفہ میں شمار نہیں کیا ہے، بلکہ علم و فن کی تھوڑی بہت سوچ بوجھ رکھنے والے عالی متاخر مقلدین نے بھی مسانید ابی حنیفہ، جامع المسانید اور اس قسم کی کتابوں کے تصنیف ابی حنیفہ ہونے سے انکار کیا ہے۔ انھی میں علامہ شبلی اور انور شاہ کشمیری بھی ہیں۔ صرف مصنف انوار جیسے لوگ ہی انھیں ایک طرف تصنیف ابی حنیفہ کہتے ہیں اور دوسری طرف ایسی بات کہتے ہیں جس سے لازم آئے کہ یہ کتابیں تصنیف ابی حنیفہ نہیں ہیں۔

خوارزمی نے مسانید ابی حنیفہ کی ہر روایت کی جو تخریج جامع المسانید میں دی ہے، وہ اس امر کی دلیل قاطع ہے کہ مروجہ

① مقدمہ انوار (ص: ۱۲ و ۵۴، ۱۵۵)

② مصنف انوار نے اس جگہ ان ممتاز اہل علم کا نام نہیں بتلایا جو امام محمد کی ”کتاب الآثار“ کو تصنیف ابی حنیفہ قرار دیتے ہیں! خانہ ساز جھوٹی باتوں کو ”ممتاز اہل علم“ کی طرف منسوب کر دینا بلاشک و شبہ اس عظیم المرتبت نام کی توہین و تذلیل ہے۔ (مؤلف)

③ مقدمہ انوار (۱/۱۲۶)

مسانید ابی حنیفہ میں سے کوئی بھی تصنیف ابی حنیفہ نہیں ہے، ورنہ خوارزمی کو ہر روایت کی تخریج کر کے بتلانے کی ضرورت نہیں پیش آتی کہ فلاں فلاں سند سے یہ روایت امام صاحب سے مروی ہے۔

مسانید اور کتاب الآثار پر مفصل گفتگو آگے آرہی ہے۔ اسی طرح مصنف انوار کے اس خیال کی تردید بھی مدلل طور پر آگے آرہی ہے کہ امام مالک امام صاحب کی کتابوں کی تلاش کرتے اور ان پر نظر کرتے تھے، اور انہوں نے امام صاحب سے ساٹھ ہزار مسائل حاصل کیے، صرف گزشتہ تقابیل ہی سے ناظرین کو اندازہ ہوگا کہ مصنف انوار اپنے دعویٰ میں کتنے سچے ہیں؟

ہر مذہب و ملت میں قبیح ہونے کے باوجود جھوٹ کا اثر و نفوذ:

یہ حقیقت ہے کہ تمام ادیان و ملل اور شرائع میں ممنوع ہونے کے باوجود جھوٹ کا رواج ہر دور میں رہا ہے۔ اس کے موجد ابلیس نے اپنے آپ کو جس طرح صادق القول، خیر خواہ اور مخلص ظاہر کیا: ﴿إِنِّي لَكَمَا لَمَنِ النَّصِيحِينَ﴾ اسی طرح اس کے تابعین بھی کرتے رہے ہیں۔ امت محمدیہ (علی صاحبها الصلوة والسلام) میں بھی کچھ لوگ بہت بڑے پیمانے پر ایجاد و ترویجِ اکاذیب کا کام ہمیشہ کرتے رہے، حالانکہ قرآن مجید میں ارشاد الہی ہے:

﴿ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ [النحل: ۱۰۵]

یعنی صرف وہی لوگ جھوٹ گھڑتے ہیں جو ایمان سے محروم ہوتے ہیں۔

حتیٰ کہ جھوٹی حدیث وضع کرنے کے جرم میں بارگاہ رسالت سے ایک شخص کو قتل کی سزا بھی ہوئی تھی^①۔
نیز حدیث متواتر میں ارشاد نبوی ہے: ”وضع حدیث کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے۔“^②

اس کے باوجود ترویجِ اکاذیب کے شائقین نے پوری فنکاری سے کام لے کر اکاذیب کے بہت بڑے انبار کو احادیث نبویہ، آثار صحابہ، فرامین تابعین، اقوال ائمہ متبوعین اور ارشادات سلف صالحین کے نام سے موسوم و مروج کر دیا، جن کے مہلک اثر سے امت کو بچانے کے لیے اگرچہ ہر دور میں اہل علم نے کوشش کی، مگر اچھا خاصہ طبقہ اس زہر کا شکار ہو گیا۔ جھوٹ کا عیب اتنا واضح ہے کہ کفار و مشرکین بھی اسے بہت معیوب سمجھتے ہیں۔ جبکہ انھیں اپنے مذہب کفر و شرک کے حق و صحیح ہونے کا دعویٰ ہوا کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جو لوگ ترویجِ اکاذیب کو اپنا شیوہ و شعار بنائے ہوئے ہیں، وہ بھی جھوٹ کو بہت زیادہ معیوب قرار دیتے ہیں، مگر اپنی عادت و ضرورت سے مجبور ہو کر اس کاروبار میں مصروف بھی رہا کرتے ہیں۔ خود مصنف انوار نے بھی جھوٹ کی بڑی مذمت کی ہے، لیکن ناظرین کرام کو معلوم ہو جائے گا کہ موصوف نے اپنے تقلیدی مقصد کی خاطر بڑے پیمانے پر ترویجِ اکاذیب کا کاروبار جاری کر رکھا ہے۔

① مشکل الآثار (۱/ ۱۶۴، ۱۶۵) وطبرانی و ضیاء مقدسی۔

② ملاحظہ ہو: الموضوعات لابن الجوزی (۱/ ۵۵ تا ۹۲) و عام کتب حدیث۔

وضع حدیث اور معتزلہ وروافض

وضع حدیث کا کاروبار بڑے پیمانے پر فرقہ جہمیہ اور فرقہ معتزلہ زیادہ کیا کرتا تھا۔ یہ دونوں فرقے اصل کے اعتبار سے روافض تھے۔^① مناقب ابی حنیفہ للکوردی (۱/ ۱۰۷) میں ہے کہ ”المعتزلة اخوان الرافضة“ یعنی معتزلہ روافض کے بھائی ہیں، نیز معتزلہ و جہمیہ کا جماعی مزاج یہود سے ملتا ہے۔^②

اور یہ بات معلوم ہے کہ روافض بکثرت وضع حدیث کرتے بلکہ بعض حالات میں یہ لوگ اسے کار خیر بھی سمجھتے ہیں، بنا بریں اسلاف کرام خصوصاً امام ابوحنیفہ و مالک و شافعی و احمد رحمہم اللہ، ان کی روایت و شہادت مردود مانتے ہیں۔^③ انہی روافض کے ہم مزاج معتزلہ اور جہمیہ تھے۔

معتزلی حکومت کا قیام:

معتزلہ اور جہمیہ کی سعی مسلسل و سازش سے دوسری صدی کے بعد معتزلی حکومت قائم ہو گئی، جو تقریباً چالیس برس تک برقرار رہی۔ معتزلہ و جہمیہ اگرچہ ہر دور میں سرگرم کار رہے لیکن اپنی حکومت کے زمانے میں اپنے مسلک و مذہب کی ترویج و اشاعت بڑے پیمانے پر بزور شمشیر و سیاست کرتے رہے۔ غیر جہمی و غیر معتزلی علماء کے درس و تدریس، تعلیم و تعلم اور تبلیغ و ارشاد پر پابندی لگائی، انھیں قید و بند اور زد و کوب کیا، حتیٰ کہ بکثرت قتل بھی کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگوں نے حکومت کی خوشنودی، رضا جوئی اور سرکاری دربار تک رسائی حاصل کرنے کی خاطر معتزلی مسلک اختیار کیا اور بہت سے لوگ خوف سے معتزلی اور جہمی بن گئے۔

امام نعیم بن حماد (جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) کو بھی جہمی و معتزلی حکومت نے محسوس و مقید رکھ کر قتل کر دیا تھا، تصریح کوثری ممدوح و پیشوائے مصنف انوار امام نعیم نے جہمیہ کے رد میں تیرہ کتابیں لکھیں تھیں۔ (کما مر)

معتزلی حکومت کا سرکاری مذہب:

موجودہ صدی کے مشہور حنفی امام کوثری نے کہا ہے:

”بزور شمشیر و سیاست معتزلی مذہب کی ترویج و اشاعت کرنے والی معتزلی حکومت کے اراکین و افراد حنفی تھے،

① منهاج السنة (۱/ ۱۰، ۱۱) و مجموعة الرسائل الكبرى لشيخ الاسلام ابن تيمية رحمه الله (۱/ ۷۵ تا ۸۰)

② مجموعة الرسائل لابن تيمية (۱/ ۷۷، ۷۸) و تاريخ الجهمية (ص: ۴۴) والفصل لابن حزم.

③ الكفاية في علم الرواية للخطيب (ص: ۲۵ تا ۲۸) ميزان الاعتدال (۱/ ۱۵) ترجمة إبراهيم بن الحكيمة وغيره)

④ جہمی حکومت کا بانی مامون الرشید ۱۹۸ھ ہی میں تخت نشین ہو گیا تھا، مگر جہمی عقائد و نظریات کا اظہار ۲۱۲ھ کے بعد کرنے لگا تھا۔ (محمد رئیس ندوی)

جن میں امام ابوحنیفہ کا پوتا اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہ بھی شامل تھا۔^①
مصنف انوار بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ اس حکومت کے قاضی و حکام اکثر حنفی تھے۔^②
امام ابوقدامہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

”بغداد کے جملہ اہل ہوا اور روافض کے ساتھ اہل الرأی (احناف) بھی جہمی و معتزلی مذہب کی اشاعت میں امام احمد بن حنبل کے خلاف صف آرا تھے، صرف بشر بن الولید حنفی جہمیوں کے ساتھ نہیں تھے۔“^③

دراصل چالیس سالہ معتزلی حکومت اس کے وزیر اعظم احمد بن ابی دؤاد (مولود ۱۶۰ھ و متوفی ۲۴۰ھ) کے ہاتھ تھی، وہ بذات خود معتزلی و جہمی ہونے کے ساتھ ساتھ حنفی المذہب بھی تھا۔^④ معتزلی حکومت کی جانب سے شائع کردہ ایک طویل نظم میں صاف طور پر صراحت کی گئی ہے کہ ہم جس مذہب کی تبلیغ و اشاعت بزور شمشیر و حکومت کر رہے ہیں، وہ حنفی مذہب ہے۔^⑤ جہمی حکومت کے بانی مامون رشید کو مصنف انوار نے حنفی المذہب قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ہارون رشید نے مامون کو فقہ حنفی کی اعلیٰ پیمانہ پر تعلیم دلائی تھی اور مامون کو خود بھی فقہ حنفی سے بڑی مناسبت تھی، حتیٰ کہ امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف سے مدافعت میں وہ بڑے بڑے محدثین کو لاجواب کر دیتا تھا۔^⑥ مامون نے کہا کہ اگر ہم امام ابوحنیفہ کے اقوال کو کتاب و سنت کے خلاف پاتے تو انہیں معمول بہ نہ بناتے۔^⑦ مصنف انوار نے اپنے اس بیان کے ذریعہ خود بانی حکومت جہمیہ کے حنفی ہونے کا اقرار کیا ہے۔

وضع حدیث پر معتزلی حکومت کا جبر:

اوپر کوثری کا یہ بیان گزرا کہ معتزلی حکومت کے سرکاری مذہب کی اشاعت میں امام ابوحنیفہ کے پوتے اسماعیل نے بھی مساعادت کی اور متعدد روایات سے ثابت ہے کہ موصوف اسماعیل معتزلہ کے بنیادی عقیدہ خلق قرآن کو اپنا دین و ایمان قرار دینے کے ساتھ یہ پروپیگنڈہ کیا کرتے تھے کہ میرے دادا اور باپ امام ابوحنیفہ اور حماد کا دین و ایمان بھی یہی تھا۔ اس پر بشر بن الولید نے کہا کہ یہ تمہارا مذہب و مسلک تو ضرور ہے، مگر تمہارے باپ و دادا کا نہیں۔^⑧
سبط ابن الجوزی اور لسان المیزان کے حاشیہ نگار احناف نے کہا ہے کہ اسماعیل نے یہ غلط بات حکومت کے جبر و دباؤ میں آ کر خوف کی بنا پر جان بچانے کے لیے کہی تھی۔^⑨

احناف کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ معتزلی حکومت جبراً وضع روایت کرواتی تھی، مگر حقیقت یہ ہے کہ اسماعیل پر جبر ثابت نہیں، پھر بھی وہ یہ پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ میرے باپ دادا یعنی امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحب زادے حماد بن نعمان خلق قرآن کے معتقدین تھے۔ (کما سیأتی)

البتہ دوسروں پر جبر کرنے واضح ثبوت ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جن رافضی صفت معتزلہ و جہمیہ کا مزاج ہی وضع

① تانیب الخطیب (ص: ۲) ② انوار الباری (۱/۳۰) ③ تاریخ خطیب (۷/۸۳ ذکر بشر بن الولید)

④ لسان المیزان (۱/۱۷۱ بحوالہ فہرست ابن ندیم) و جواهر المضیة فی طبقات الحنفیة (۱/۵۶، ۵۷)

⑤ قضاة مصر للکندی (ص: ۴۵۱، ۴۵۲) ⑥ مقدمہ انوار (۱/۹۴) ⑦ مقدمہ انوار (۱/۹۴)

⑧ الانتقاء لابن عبد البر (ص: ۱۶۶) ⑨ لسان المیزان مع حواشی مطبوعہ حیدر آباد ترجمہ اسماعیل.

حدیث تھا، انہوں نے اپنے جذبات کی تسکین کی خاطر کیا کچھ نہ کیا ہوگا؟ جبکہ اس کام کی طرف ترغیب دلانے کے لیے یہ مسئلہ بھی گھڑ لیا گیا تھا کہ جو شخص امام صاحب کی مدح میں مبالغہ آرائی نہ کرے اس سے بدظنی رکھنی چاہیے۔¹ حتیٰ کہ مدح ابی حنیفہ میں مبالغہ آرائی کو افضل الاعمال قرار دے لیا گیا۔² حالانکہ بفرمان نبوی انبیاء و مرسلین کی مدح سرائی میں مبالغہ آرائی بدترین جرائم میں داخل ہے اور اسے شریعت نے یہود و نصاریٰ کا شیوہ و شعار کہا ہے۔ (صحاح)

افسوس کہ مسلمانوں کے ایک طبقہ نے یہود و نصاریٰ کا شیوہ و شعار اور طریق کار اختیار کر کے وضعی روایات کے بھاری انبار کو ائمہ احناف خصوصاً امام ابو حنیفہ کے فضائل و مناقب اور ان کے فقہی و فروعی مسائل کے دلائل قرار دے دیا اور انہیں امت میں مروج کیا۔ نیز کتابوں میں بھی مرتب کیا گیا اور امام صاحب کی طرف بھی بہت سی روایات کو منسوب کر کے کہہ دیا گیا کہ یہ وہ احادیث و آثار ہیں جو امام صاحب کی روایت کردہ ہیں۔

روایات کے صحیح ہونے کا ایک علمی معیار:

اس میں شک نہیں کہ کچھ روایات اور اقوال فی الواقع امام صاحب سے منقول ہیں۔ اسی طرح ان کے فضائل و مناقب میں بھی سلف کے بعض اقوال بطریق صحیح مروی ہیں، مگر ان کے صحیح و معتبر قرار دیے جانے کی دو شرطیں ہیں:

اولاً: جن کتابوں میں یہ روایات درج ہیں، ان کے مصنفین بذات خود ثقہ و معتبر ہوں۔

ثانیاً: ان مصنفین کی بیان کردہ اسانید صحیح، متصل اور علت قادحہ سے خالی ہوں۔

ان دونوں شرطوں میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو تو روایت صحیح نہیں ہوگی۔ یہ ایسی بات ہے جس سے کسی بھی صاحب علم و فضل کو ذرہ برابر اختلاف نہیں۔ ان امور کو ملحوظ رکھ کر انوار الباری اور اس قسم کی جملہ کتابوں کا جائزہ لیا جائے تو حقیقت خود بخود منکشف ہو جائے۔ ہم نے انوار الباری کی حقیقت و اشکاف کرنے کا عزم کر رکھا ہے، کیونکہ اس میں بقول ترجمان دیوبند محدثین کرام کو مجروح و مطعون کرنے کے ساتھ فتنے کی آبیاری کی گئی ہے اور ائمہ احناف کے فضائل و مناقب میں ضعیف روایات کو اس انداز میں مرتب کیا گیا ہے کہ محدثین کرام کی امانت و دیانت اور تقویٰ و طہارت کے تار و پود بکھر کر رہ گئے ہیں۔ انوار الباری بقول ترجمان دیوبند چونکہ تصنیفی نظم و ضبط اور تدریجی ترتیب و تسیق اور زبان و بیان کی ثقاہت اور سلامت روی سے خالی و عاری ہے اور اس کے مضامین غیر مربوط ہیں، اس لیے اس غیر مربوط، ترتیب و تسیق اور تحقیقی و تاریخی ثقاہت سے محروم کتاب کا جائزہ لینے والے کو بھی خاصی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ چنانچہ اصل کتاب اگرچہ صفحہ پچاس سے شروع ہوتی ہے، اور اس کے پہلے کے صفحات بنام پیش لفظ سو سے زائد عناوین پر مشتمل بطور تمہید و مقدمہ ہیں، مگر تمہید و مقدمہ میں وہی سارے مضامین نہایت غیر مربوط، زہریلے اور دل آزار انداز میں پائے جاتے ہیں جو ساری کتاب میں مکرر سے کر رہے اور بار بار دہرائے گئے ہیں۔ ہم انوار الباری کی تنقید میں نظم و ترتیب قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔

ظاہر ہے کہ تصنیفی ترتیب سے خالی و عاری اور مکررات سے پُر تاریخی و تحقیقی ثقاہت سے محروم کتاب پر تنقیدی تصنیف کو دائرہ ترتیب میں لانا دشوار ہے، پھر بھی کوشش کی جائے گی کہ مکررات کا ایک ہی جگہ اس انداز میں جائزہ لیا جائے کہ ترتیب

قائم رہے، اسی مقصد کے تحت ہم اس کتاب پر گفتگو شروع کر رہے ہیں۔ البتہ پہلے بعض کذابین کا تعارف کرایا جا رہا ہے جن کا ہمارے موضوع سے زیادہ تعلق ہے تاکہ آئندہ مباحث کے سمجھنے اور سمجھانے میں سہولت ہو۔

جابر جعفی:

امام ابو حنیفہ کا ارشاد ہے کہ ”میں جب کوئی مسئلہ اپنی رائے و قیاس سے بیان کرتا ہوں تو جابر بن یزید جعفی (متوفی ۱۲۸ھ) اس کے مطابق کوئی خود ساختہ حدیث پیش کر دیتا ہے، اس نے کہا ہے کہ میرے پاس ایسی ہزاروں حدیثیں ہیں جنہیں میں نے ابھی تک ظاہر نہیں کیا۔ میں نے اس سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں دیکھا۔“^①

ظاہر بات ہے کہ رافضی ہونے کے باوجود اتنے بڑے پیمانے پر فقہ حنفی کے مطابق وضع حدیث کا کاروبار کرنے کا مقصود یہ تھا کہ دین کو بگاڑا جائے۔ واضح رہے کہ جعفی مذکور معترلی حکومت قائم ہونے سے پہلے فوت ہو گیا تھا۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ معترلی حکومت کے دور میں معترلہ نے کیا کچھ نہ کیا ہوگا۔

اسحاق بن نجیح ملطی:

جعفی مذکور کی طرح اسحاق ملطی بھی امام صاحب کے قیاسی مسائل کے مطابق وضع حدیث کا عادی تھا۔ امام احمد نے فرمایا:

”إسحاق أكذب الناس، يحدث عن النبي صلى الله عليه وسلم برأي أبي حنيفة.“^②

یعنی یہ کذاب ترین شخص رائے ابی حنیفہ کے مطابق احادیث بیان کرتا تھا۔

لطف یہ کہ قیاس ابی حنیفہ کی موافقت میں وضع حدیث کرنے کے باوجود اس نے یہ حدیث بھی وضع کی کہ ”جو شخص دین میں رائے و قیاس سے کام لے اسے قتل کر دو۔“^③ اس کی وضع کردہ روایات کی ترویج و اشاعت اسی جیسا ایک دوسرا وضاع جو باری بھی کیا کرتا تھا۔

ابو علی احمد بن عبد اللہ بن خالد شیبانی جو باری:

کتب رجال میں مرقوم ہے:

”قال ابن حبان: تعلق به (أي بإسحاق الملطي) أحمد بن عبد الله الجوثباري، فكان

يروى عنه ما وضعه إسحاق، ويضع عليه ما لم يضع.“^④ الخ

یعنی امام ابن حبان نے کہا کہ جو باری موصوف اسحاق ملطی کی وضعی احادیث روایت کرتا اور خود بھی وضع کرتا۔ وہ

دجالین میں سے ایک دجال ہے، جس نے ہزاروں احادیث مختلف اماموں کی طرف منسوب کر دیں، حالانکہ ان

میں سے کسی نے بھی اس کی وضع کردہ احادیث میں سے کوئی حدیث بیان نہیں کی تھی۔“

① میزان الاعتدال (۱/ ۱۷۶) ② میزان الاعتدال (۱/ ۹۴) تاریخ خطیب (۶/ ۳۲۳)

③ تاریخ بغداد (۶/ ۳۲۲) میزان الاعتدال (۱/ ۹۴)

④ الموضوعات لابن الجوزي (۱/ ۱۳۲، ۱۳۳) لسان الميزان (۱/ ۱۹۲) اللآلي الموضوعة (ص: ۲۳) معجم البلدان

(۲/ ۱۵۷، ۱۵۸، لفظ جو باری)

امام غلیلی اور ابن عدی نے کہا: یہ شخص (یعنی ابوعلی احمد بن عبداللہ شیبانی جو بناری) ابن کرام کی پسند کی احادیث وضع کرتا تھا اور ہزاروں وضعی احادیث ایجاد کر کے ان کی روایت کرتا تھا۔ امام ابو سعید نقاش رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”اس سے بڑا وضاع میں نے نہیں دیکھا۔“ امام حاکم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”حضرت ابو ہریرہ سے امام حسن بصری کے سماع کی بابت اہل علم کو اختلاف ہوا، تو اس نے فوری طور پر یہ حدیث وضع کی کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ حسن بصری نے ابو ہریرہ سے سماع حدیث کیا ہے۔“ امام ذہبی رضی اللہ عنہ نے کہا:

”دجال مفتر، وضع حدیثاً کثیراً، وهو في عصر البخاري.“¹

اسی کذاب نے مذہب امام شافعی کی مقبولیت دیکھ کر یہ حدیث وضع کی کہ حضور ﷺ نے امام ابو حنیفہ کو سراج الامہ اور امام شافعی کو دجال سے بھی زیادہ مضر بتلایا ہے۔

مصنف انوار نے اسی کذاب اور اس جیسے دوسرے کذابین کی مذکورہ وضعی حدیث کو دلیل بنا کر انوار الباری کے ٹائٹل پیج پر امام صاحب کو ”سراج الامہ“ کہا ہے، مگر اس کے دوسرے حصہ کے ذکر سے مصنف انوار اور ان کے ہم طبقہ نے پرہیز کیا ہے، حالانکہ یہ پوری روایت ہی وضعی ہے اور اس کے کسی بھی حصہ کو حجت بناتے ہوئے ہر آدمی کو پرہیز کرنا چاہیے۔

مامون بن احمد بن خالد سلمیٰ ہروی:

موصوف مامون وضع حدیث میں جو بناری کا استاذ تھا اور آن کی آن میں حدیث وضع کرتا اور اس کے کذاب چیلے اس کی روایت کرتے تھے²

محمد بن سعید بورتی (متوفی ۲۸۸ھ):

وضع حدیث میں بورتی مذکور کو بھی شہرت حاصل ہے۔ امام حاکم وغیرہ نے کہا ہے:

”قد وضع المناكير على الثقات ما لا يحصى.“³ یعنی اس نے بے شمار احادیث وضع کی ہیں۔

ابو حنیفہ ”سراج امتی“ والی حدیث کے وضع اور اشاعت کرنے والوں میں یہ بھی شامل ہے۔

ابوبکر محمد بن یزید سلمیٰ طرسوسی مستملیٰ:

طرسوسی مذکور بھی وضع حدیث میں مشہور ہے۔ امام ابن عدی نے کہا ہے:

”يسرق الحديث ويزيد فيه ويضع“⁴

یعنی یہ شخص احادیث کا سرقہ کر کے ان میں اضافے کرتا ہے، اور وضع بھی کرتا ہے۔

امام خطیب نے اسے متروک بتلا کر کہا ہے کہ اس کی منکر روایات محمد بن حامد بن محمد بن ابراہیم بن اسحاق ابو احمد سلمیٰ

خراسانی بیان کیا کرتا تھا۔⁵

1 دیوان الضعفاء والمتروكين (ص: ۴) 2 لسان الميزان (۷/۲، ۸) واللائع المصنوعة (ص: ۲۸۰)

3 خطيب (۵/۳۰۸ تا ۳۱۰) لسان الميزان (۹/۱۷۸، ۱۷۹) دیوان الضعفاء والمتروكين للذهبي (ص: ۲۷۴)

4 لسان الميزان (۵/۴۲۰) و ميزان الاعتدال.

5 خطيب (۲/۲۸۹، تذکرہ محمد بن أحمد سلمیٰ) و لسان الميزان (۵/۱۱۲)

حامد بن آدم مروزی (متوفی ۳۳۹ھ):

وضع حدیث میں حامد مروزی بھی مشہور ہے۔ بعض نے اسے حامد کی بجائے حاتم بھی کہا ہے اسے امام جوزجانی، ابن عدی، سلیمانی اور ابن معین نے وضاع کہا ہے۔^①

ابوعلی حسن بن علی بن محمد بن اسحاق بن زرار الیمانی دمشقی:

ابوعلی دمشقی بظاہر ایک مجہول شخص ہے، مگر علی بن بابویہ، اسواری وغیرہ جیسے مجہولین سے مکذوبہ روایت نقل کرنے میں سرگرم ہے۔ امام ابن عساکر نے اس دمشقی اور اس کے استاذ اسواری کو وضاع حدیث بتلایا ہے۔^② اس کی مکذوبہ روایات کو مشہور حنفی و معتزلی امام ابوسعید اسماعیل بن علی السمان (متوفی ۴۲۵ھ) بکثرت روایات کرتا ہے، جس کا اندازہ جامع مسانید ابی حنیفہ کے دیکھنے سے ہوتا ہے۔ احناف نے سمان کو حنفی معتزلی تسلیم کیا ہے۔^③

احمد بن المغلس کا مفصل ترجمہ و تعارف:

امام خطیب رضی اللہ عنہ نے ابن مغلس کے تعارف میں کہا ہے:

”أحمد بن محمد بن المغلس أبو العباس الحمايني، يعرف بابن الصلت، أبو العباس بغدادي يروي عن ثابت الزاهد، وإسماعيل ابن أبي إدريس، وأبي عبيد القاسم بن سلام، ومن بعدهم، يضع الحديث.“ الخ^④

یعنی موصوف ابو العباس حماني ابن الصلت المعروف بابن المغلس، ثابت وغیرہ سے روایت کرتا ہے اور حدیث وضع کرتا ہے اور ہم اس کا ذکر پہلے بھی کر چکے ہیں۔

چنانچہ تاریخ خطیب (۳۴/۵، ۳۵) میں ہے:

”وبعض الناس يقول فيه: أحمد بن الصلت، وبعضهم يقول: أحمد بن عطية، وقد ذكرناه فيما تقدم، قال الدارقطني: ابن الصلت هذا يضع الأحاديث، قال ابن عدی: ابن الصلت ينزل الشرقية، يحدث عن ثابت الزاهد، و عبد الصمد بن النعمان، وغيرهما، من قدماء الشيوخ، قوم قد ماتوا قبل أن يولد بدهر، ما رأيت في الكذابين أقل حياء منه، رأيت في سنة سنة سبع وتسعين ومائتين، وقد أسلفنا ذكر ذلك.“ (انتھی ملخصاً)

یعنی اس شخص کا تذکرہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ امام دارقطنی نے اس کی بابت فرمایا کہ یہ احادیث وضع کرتا تھا۔ امام ابن عدی نے کہا کہ یہ شخص ”الشرقیہ“ میں اقامت گزریں رہتا تھا، ثابت زاهد، عبد الصمد بن نعمان وغیرہ جیسے قدماء شیوخ سے روایت کرتا ہے، حالانکہ جس قسم کے قدیم شیوخ سے روایت کرتا ہے وہ اس کی ولادت سے پہلے ہی مر چکے

② لسان الميزان (۲/۲۴۰)

① لسان الميزان (۲/۱۶۳)

③ الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية لعبد القادر القرشي (۱/۱۵۶، ۱۵۷) ④ تاریخ بغداد (۵/۱۰۴)

تھے۔ پھر بھی وہ ان کے شاگرد ہونے کا مدعی تھا۔ جھوٹے لوگوں میں اس سے زیادہ بے حیا قسم کا جھوٹا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ میں نے اسے ۲۹۷ھ میں دیکھا تھا، تو اندازہ ہوا کہ اس کی عمر ساٹھ سال یا اس سے کچھ زیادہ ہی ہوگی۔ معلوم ہوا کہ ابن المغلس کو خطیب کے علاوہ امام دارقطنی اور ابن عدی نے بھی وضاع و کذاب قرار دیا ہے۔ اس کی کذب بیانی کا یہ عالم تھا کہ ان مشائخ و ائمہ سے بھی تلمذ و شاگردی کا مدعی تھا جن کی وفات اس کی ولادت سے بھی پہلے ہو چکی تھی!

ابن المغلس کے سال ولادت کی تعیین:

اس کذاب آدمی کا سال ولادت متعین طور پر معلوم نہیں ہو سکا، لیکن امام ابن عدی کے بیان سے اس کا تقریبی اندازہ ضرور ہوتا ہے۔ امام ابن عدی نے اسے ۲۹۷ھ میں دیکھا تھا، تو اس کی عمر ساٹھ سال یا اس سے دو چار سال زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ اس کی عمر اس وقت پینسٹھ سال تھی تو اس کا سال ولادت ۲۳۲ھ متعین ہوتا ہے، لیکن اسے امام ثابت بن محمد زاہد (متوفی ۲۱۵ھ) اور امام عبدالصمد بن نعمان (متوفی ۲۱۶ھ) وغیرہ جیسے شیوخ سے بھی تلمذ و شاگردی کا دعویٰ تھا، جو اس کی ولادت سے پندرہ سولہ سال پہلے ہی انتقال کر چکے تھے۔ اگر یہی فرض کے لیجئے کہ ۲۹۷ھ میں اس کی عمر پینسٹھ سال تھی، جو خلاف قیاس ہے، تو بھی ان دونوں اماموں سے اس کی شاگردی کا دعویٰ کذب محض ہی قرار پاتا ہے اور اس قسم کے کتنے قدیم شیوخ سے اسے دعویٰ تلمذ تھا۔

مثلاً امام فضل بن دکین (متوفی ۲۱۸، ۲۱۹ھ) وغیرہ، بلکہ جب ابن المغلس کا سال ولادت صحیح ترین تخمینہ کے مطابق ۲۳۲ھ ہے، تو اس کا تلمذ ان علماء سے بھی صحیح نہیں مانا جا سکتا، جن کی وفات (۲۳۳ھ، ۲۳۲ھ) یا اس سے پہلے ہوئی ہے، حالانکہ اس شخص نے ۲۳۳ھ میں یا اس سے پہلے فوت ہونے والے ائمہ سے بھی سماع و تلمذ اور لقاء و تحدیث کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ مثلاً قاسم بن سلام (متوفی ۲۲۲ھ) اور ابن معین (متوفی ۲۳۳ھ) وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے کذاب ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں کیا جا سکتا۔ اسی بناء پر اسے امام ابن عدی نے کہا کہ جھوٹوں میں اس سے زیادہ بے حیا قسم کا جھوٹا میں نے نہیں دیکھا۔ اور اس کے غیر ثقہ ہونے کی صراحت امام دارقطنی، حاکم، ابونعیم، ابوالفتح، ابن ابی الفوارس، ابن حبان، زرقانی، عبدالباقی وغیرہم نے بھی کی ہے۔ امام ابن عدی سے اوپر ابن مغلس کے کذاب ہونے کی تصریح نقل کی گئی ہے، ان کی پوری بات درج ذیل ہے:

”ما رأیت فی الکذابین أقل حیاء منه، کان ینزل إلى الوراقین فیحمل من عندهم رزم

الکتب، ویحدث عن اسمہ فیہا، ولا یبالی متی مات، وهل مات قبل أن یولد أو لا؟“^①

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابن المغلس کس قسم کا جھوٹا انسان تھا۔ ابن عدی کا سال ولادت ۲۷۷ھ اور سال وفات ۳۶۵ھ ہے۔

ابن المغلس پر امام ابن قانع کی جرح:

مشہور و معروف حنفی امام عبدالباقی بن قانع بغدادی (مولود ۲۶۵ھ و متوفی ۳۱۵ھ) نے کہا:

”ابن الصلت لیس بثقة.“^②

② میزان الاعتدال (۱/۶۶) و خطیب (۴/۲۰۹)

① لسان المیزان (۱/۲۷۱)

مصنف انوار کا ایک سفید جھوٹ:

واضح رہے کہ امام عبدالباقی حنفی ہیں۔ مصنف انوار نے ان کے ثقہ و حنفی ہونے کی تصریح کی ہے اور حسب عادت ان کی بابت غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے کہہ دیا کہ ان کا ذکر تہذیب التہذیب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کیا ہے۔^① اور مصنف انوار نے یہ غلط بیان جو اہر المضمیہ کے حنفی حاشیہ نگاروں کی تقلید میں کی ہے۔^②

اس طرح کی غلطی مصنف انوار کی اصطلاح میں اگر حنفی لوگوں سے سرزد ہو تو ”تحقیق و انصاف پسندی ہے لیکن اس سے معمولی تعین تسامح کسی اہلحدیث اور غیر حنفی محدث سے سرزد ہو تو اس کا نام ”الحاق و تحریف“ وغیرہ ہے، دراصل ابن قانع کا تذکرہ حافظ ابن حجر نے لسان المیزان (۳/۳۸۳، ۳۸۴) میں کیا ہے۔

ابن المغلس پر امام ابن حبان کی جرح:

امام ابو حاتم محمد بن حبان ہستی (مولود ۲۸۰ھ و متوفی ۳۵۴ھ) نے فرمایا:

”راودنی أصحابنا أن علی أذهب إليه، وأسمع منه فأخذت جزء الأنتخب فيه فرأيتہ حدث عن يحيى بن سليمان بن فضلة عن مالك، وعن هناد فعلمت أنه يضع الحديث، فلم أذهب إليه، ورأيتہ يروی عن جماعة ما أحسبه رآهم.“^③

یعنی میرے ساتھیوں نے چاہا کہ میں ابن المغلس کی مجلس درس میں شرکت کروں۔ میں نے اس کی ایک کتاب لے کر سرسری جائزہ لینا چاہا۔ اس کتاب کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ وہ وضع حدیث کرتا ہے اور ایک ایسی جماعت سے روایت کرتا ہے جس کے افراد میں سے اس نے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔

ابن المغلس پر امام حاکم کی جرح:

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم (مولود ۳۲۱ھ و متوفی ۴۰۳ھ) نے کہا:

”کئی ایسے اساتذہ سے یہ روایت کرتا ہے جن سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی، بلکہ ان لوگوں سے ملاقات کے دعویٰ ہی میں یہ جھوٹا ہے۔“^④

ابن المغلس پر دوسرے ائمہ فن کی جرح:

امام احمد بن محمد بن غالب البرقانی (مولود ۳۳۳ھ و المتوفی ۴۲۵ھ) نے اس کو ایسے متروکین میں شمار کیا ہے جن کے متروک ہونے پر امام دارقطنی نے بھی موافقت کی ہے۔^⑤

اسی طرح امام ابو نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی (مولود ۳۳۳ھ و متوفی ۳۴۰ھ)، امام ابو الفتح محمد بن احمد بن ابی الفوارس (مولود ۳۸۸ھ)، امام ذہبی اور ابن حجر وغیرہ نے بھی اسے کذاب، وضاع اور جھوٹا بتلایا ہے۔

① مقدمہ انوار الباری (۲/۸۹) ② ملاحظہ ہو: الجواهر المضیة (۱/۲۹۳)، حاشیہ بر ترجمہ ابن قانع

③ لسان المیزان (۱/۲۷۰) ④ لسان المیزان (۱/۲۷۰) ⑤ لسان المیزان (۱/۲۷۰) تاریخ بغداد (۴/۲۰۷)

ابن المغلس کی حمایت میں کوثری اور مصنف کشف الظنون کے بیان کا جائزہ:

اس کے باوجود مصنف انوار کے استاذ کوثری نے ابن المغلس کو ثقہ قرار دیا ہے، جبکہ ائمہ مذکورین کی جرح شدید کے مقابلے میں کسی صاحب فن نے اسے ثقہ نہیں کہا۔ کوثری کی طرح ایک اور حنفی نے فرط تعصب سے کہہ دیا کہ:

”وقد ضعفه الخطيب في تاريخ بغداد كما هو عادته مع الحنفية.“¹

یعنی خطیب نے تاریخ بغداد میں ابن المغلس کو ضعیف قرار دیا، جیسا کہ حنفیوں کے ساتھ ان کی عادت ہے۔

اس بیچارے صاحب کشف الظنون کو یہی معلوم نہیں کہ خطیب نے تاریخ بغداد میں پچاسوں حنفی فقہاء و محدثین کی توثیق و تحسین کی ہے اور انھیں حجت و معتبر قرار دیا ہے خطیب کی ولادت سے بہت پہلے ائمہ جرح و تعدیل ابن المغلس کو کذاب، وضاع اور جھوٹا قرار دے کر دنیا سے جا چکے تھے، حتیٰ کہ حنفیوں ہی کے ایک امام فن ابن قانع نے بھی اسے ”لیس بثقة“ کہا ہے، اور ابن قانع خطیب سے پہلے گزرے ہیں۔ اب اگر ایسے کذاب و وضاع کو امام خطیب نے بھی کذاب و وضاع کہہ دیا تو کوثری اور صاحب کشف الظنون جیسے حنفیوں کو بہت تکلیف پہنچتی ہے، کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اسے لوگوں نے حنفی ہونے کی بناء پر کذاب و وضاع کہا ہے۔ صاحب کشف الظنون کو یہ ہمت نہیں تھی کہ خطیب کی نقل کردہ جرحوں کے مقابلے میں ابن المغلس کے ثقہ ہونے پر دلیل پیش کر سکیں، صرف ان کا شکوہ کر کے رہ گئے، لیکن کوثری نے ایک قدم بڑھ کر اسے ثقہ قرار دے دیا۔²

ابن المغلس کے بارے میں کوثری کی دیانت داری:

ہر دیانت دار آدمی سوچ سکتا ہے کہ جو شخص ائمہ جرح و تعدیل کے کذاب و وضاع قرار دیے ہوئے شخص کو ثقہ کہے، وہ بذات خود کتنا ثقہ اور دیانت دار ہو سکتا ہے؟ ابن المغلس کو غیر ثقہ قرار دینے والے محدثین خصوصاً خطیب رحمہ اللہ کے خلاف زہر افشانی کرتے ہوئے کوثری نے کہا ہے:

”ابن المغلس کا گناہ یہ ہے کہ اس نے مناقب ابی حنیفہ پر کتاب لکھ دی، اسی گناہ کے باعث محدثین نے اسے ضعیف کہہ دیا۔“³

مناقب ابی حنیفہ کے مصنف صیمری کا ذکر:

حالانکہ مناقب ابی حنیفہ پر خطیب کے حنفی استاذ قاضی ابو عبد اللہ الحسن بن علی صیمری نے بھی کتاب لکھی تھی، جن کی بابت خطیب نے فرمایا:

”كان صدوقا وافر العقل جميل المعاشره عارفا بحقوق أهل العلم حسن العبارة جيد النظر.“⁴

1 کشف الظنون (۲/۵۲۸، تذکرہ کتب مناقب ابی حنیفہ)

2 تانیب (ص: ۱۶۵، ۱۶۶، مع حاشیہ و ترحیب)

3 تانیب (ص: ۱۶۵، مع حواشی)

4 خطیب (۸/۷۸، ۷۹)

مناقب ابی حنیفہ کے مصنف ابن کاس نخعی کا ذکر:

اسی طرح خطیب کے ایک استاذ الاساتذہ ابو القاسم علی بن محمد بن کاس نخعی الکوفی حنفی (متوفی ۳۲۴ھ) نے بھی مناقب ابی حنیفہ پر کتاب لکھی، جس کا تذکرہ مصنف انوار اور صاحب کشف الظنون نے بھی کیا ہے۔^① مگر خطیب نے اس حنفی (مصنف مناقب ابی حنیفہ) کو ثقہ، فاضل اور عارف بالفقہ وغیرہ قرار دیا ہے۔^②

ان دونوں حنفی اماموں کی کتاب مناقب ابی حنیفہ سے خطیب نے بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ صرف ان دونوں مثالوں ہی سے کوثری اور صاحب کشف الظنون کی بھرپور تکذیب و تردید ہو جاتی ہے، جنہیں دعویٰ ہے کہ خطیب یا دوسرے محدثین نے ابن المغلس کو محض حنفی اور مصنف مناقب ابی حنیفہ ہونے کی بنا پر غیر ثقہ کہا ہے۔ ائمہ دین کے خلاف نیا راستہ نکالتے ہوئے کوثری نے ابن المغلس کے ثقہ ہونے پر یہ دلیل قائم کی ہے کہ ان ائمہ دین نے اسے محض اس گناہ کے سبب غیر ثقہ کہا کہ اس نے مناقب ابی حنیفہ پر کتاب لکھ دی۔ ہر دیانت دار شخص کوثری کی اس دلیل کو بلا تامل بے معنی قرار دے گا۔ ناظرین کرام اپنے ضمیر سے خود استصواب کر کے اس کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔

ابن المغلس کی توثیق پر کوثری کی ایک عجیب دلیل کا جائزہ:

ابن المغلس کی ثقاہت پر کوثری نے بزم خویش ایک دلیل یہ پیش کی ہے کہ: ”امام ابن ابی خنیثمہ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا کہ اس شخص (ابن المغلس) کی احادیث و روایات لکھا کرو، کیونکہ وہ ہمارے ساتھ علمی مجلسوں میں شریک ہو کر ستر سال تک علم لکھتا رہا ہے۔“^③ حالانکہ یہ دلیل بھی ابن المغلس کی توثیق کے لیے بالکل لغو ہے اور اس کا انتساب ابن ابی خنیثمہ کی طرف صحیح نہیں، کیونکہ ابن ابی خنیثمہ تک اس روایت کی سند مکذوب و موضوع ہے۔ چنانچہ اس مکذوبہ داستان کو نقل کرنے کے بعد امام خطیب فرماتے ہیں:

”لا أبعد أن تكون هذه الحكایة موضوعة، وفي إسنادها غير واحد من المجهولين.“^④

یعنی اس افسانے کے موضوع ہونے کو میں مستبعد نہیں سمجھتا، کیونکہ اس کی سند میں کئی ایک مجہول راوی ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ اس افسانے کی سند میں ابوبکر محمد بن حمدان الصباح نیشاپوری نام کا ایک آدمی ہے، جسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے خطیب کے حوالہ سے مجہول کہہ کر سکوت اختیار کیا۔^⑤ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مجہول ہونے پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ بھی متفق ہیں۔ اس مجہول نے اپنے جس استاذ سے یہ روایت نقل کی ہے وہ حسن بن محمد بن نصر بن عثمان ابو محمد رازی ہے، اسے کذاب کہا گیا ہے۔^⑥ اور ابن ابی خنیثمہ کے جس بیٹے ”عبداللہ“ کی طرف یہ افسانہ منسوب ہے، وہ بھی مجہول ہے۔^⑦

حاصل یہ کہ یہ افسانہ بقول خطیب فی الواقع موضوع ہے، مگر اسے کوثری نے ابن المغلس کے ثقہ ہونے کی دلیل بنا لیا ہے، حالانکہ اس سے اس کی ثقاہت ثابت نہیں ہوتی۔ (والتفصیل فی التنکیل) جب ابن المغلس کے بارے میں کوثری

① مقدمہ انوار (۱/۱۲۶) و کشف الظنون (۲/۵۲۹)

② خطیب (۱۲/۷۰، ۷۱)

③ تانیب الخطیب (ص: ۱۶۵) ④ تاریخ خطیب (۴/۲۰۹) ⑤ لسان المیزان (۵/۱۴۵)

⑥ لسان المیزان (۲/۲۵۳) ⑦ التنکیل (۱/۱۷۳) و تہذیب تاریخ لابن عساکر (۲/۵۷)

نے اتنی بے راہ روی اختیار کر رکھی ہے تو موصوف امام صاحب کی بابت جو بھی کر گزریں کم ہے اسی ابن المغلس کے ترجمہ میں ابن حبان رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہا ہے:

”ابن المغلس، یحییٰ بن سلیمان بن نعلہ اور ہناد (متوفی ۲۴۳ھ) سے روایت کرتا ہے۔ اسی سے میں سمجھ گیا کہ یہ جھوٹا ہے۔ یہ بہت سے ایسے لوگوں سے روایت کرتا ہے جن کو اس نے دیکھا بھی نہیں۔“¹

امام ابن حبان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شخص مذکور کا ہناد سے سماع و لقاء کا دعویٰ بھی جھوٹ ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۴۳ھ میں بھی یہ اس عمر کو نہ پہنچا تھا کہ اساتذہ علوم کی مجالس درس میں شریک ہو سکے۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس کا سال ولادت صحیح ترین اندازہ سے ۲۳۲ھ قرار پاتا ہے۔ دریں صورت بوقت وفات اس کی عمر پچھتر سال ہوگی، لیکن اہل علم کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی ولادت ۲۳۲ھ کے بعد ہی ہوئی ہوگی۔ واللہ أعلم بالصواب!

ظاہر ہے کہ ۲۳۲ھ کے بعد پیدا ہونے والا آدمی اساتذہ علوم کی درسگاہوں میں عموماً ۲۴۷ھ، ۲۴۸ھ میں شریک ہونے لگتا ہے۔ اگر فرض کیجیے کہ یہ شخص ۲۴۰ھ سے اساتذہ کی مجالس میں علوم لکھنے کے لیے بیٹھنے لگا تو امام ابن ابی خنیثہ کی طرف منسوب روایت کے پیش نظر یہ شخص زیادہ سے زیادہ ان کے ساتھ ۲۷۹ھ تک علوم لکھتا رہا ہوگا، کیونکہ امام ابن ابی خنیثہ (مولود ۱۸۵ھ) کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اساتذہ کی مجالس میں اسے ابن ابی خنیثہ نے زیادہ سے زیادہ اڑتیس انتالیس سال علوم لکھتے دیکھا ہوگا، لیکن افسانوی روایت میں کہا گیا ہے کہ ستر سال تک یہ شخص امام ابن ابی خنیثہ کے ساتھ علوم لکھتا رہا، صرف اتنی سی بات سے بھی اس روایت کا مکذوبہ ہونا ظاہر ہو گیا ہے۔

ناظرین کرام! ابن المغلس کی بابت اس تفصیل کو یاد رکھیں، مصنف انوار اور ان جیسے لوگوں نے اس کذاب کی اختراعی روایات کو بکثرت دلیل و حجت بنایا ہے۔

حارثی و اباء نجیری کا ذکر:

² مشہور واضعین میں اباء نجیری بھی شامل ہے، جس نے تین سو سے زائد وضعی احادیث کو امام ابوحنیفہ کی روایت کردہ بتلایا۔ اور اس کی ان ساری روایات کو دوسری مکذوبہ روایات کے ساتھ حارثی ابو محمد عبداللہ بن محمد بن یعقوب بخاری (متوفی ۳۴۰ھ) نے ”مسند ابی حنیفہ“ میں جمع کر رکھا ہے۔ فضائل ابی حنیفہ پر بھی اس کی ایک کتاب ”کشف الأسرار“ ہے۔ اس کا تعارف مصنف انوار نے دوسری جگہ میں کرایا ہے، ہم بھی آگے چل کر اس کا حال بیان کریں گے، اجمالاً یہ معلوم رہے کہ یہ بے حد وضاع و کذاب ہے۔

ابوالعباس احمد بن محمد بن سعید بن عقده رافضی (مولود ۲۴۹ھ، متوفی ۳۳۲ھ):

امام ابن الجوزی نے کہا:

”ابن عقده رافضی، رمی بالكذب۔“³

1 لسان المیزان (۱/ ۲۷۰)

2 لسان المیزان.

3 الفوائد المجموعہ مع حواشی علامہ معلمی یمانی (ص: ۳۵۲ تا ۳۵۴)

ابن عقده اس قدر بد دین تھا کہ دوسروں کو بھی وضع حدیث پر آمادہ کرتا اور مکذوبہ کتابیں لکھ کر دوسروں کو دے کر ان سے کہتا کہ ان کی روایت کرو، پھر انھیں کے حوالے سے خود ان کتابوں کی روایت کرتا۔ اسی لیے امام ابوبکر بن ابی غالب فرماتے کہ ”لا یتدین بالحدیث“ امام دارقطنی نے کہا: ”لم یکن فی الدین بالقوی، ہو رجل سوء“ امام ابو عمرو بن حیویہ نے اسے متروک اور عبدان ابوازی نے اسے محدثین کی صف سے خارج قرار دیا ہے۔ امام مطین نے اسے کذاب کہا ہے اور ابوبکر بن عبداللہ نے کہا کہ اس کے نقل کردہ اقوال جرح و تعدیل میں حجت نہیں^①۔

اس شخص نے بھی دوسرے کئی کذابین کی طرح ”مسند ابی حنیفہ“ نامی کتاب لکھی، بتقریح خواری جامع مسانید ابی حنیفہ کی اکثر روایات اسی کی جمع کردہ ”مسند ابی حنیفہ“ میں ہیں^②۔ مصنف انوار نے اپنے طور پر موصوف کا تعارف کرایا ہے، ہم بھی وہیں مصنف انوار کے تعارف کا جائز لیں گے۔

قاضی ابوبکر محمد بن عمر المعروف بابن الجعابی (مولود ۲۸۴، متوفی ۳۵۵ھ):

ابن الجعابی مذکور ابن عقده کا شاگرد تھا، اگرچہ حفظ علوم اور تصنیف کتب میں مشہور تھا، مگر آخر میں حفظ سے محروم ہو گیا اور اس نے اپنی ساری تصانیف نذر آتش کرادیں۔ امام حاکم نے کہا ہے:

”قلت للدارقطني: بلغني عن ابن الجعابي أنه تغير عما عهدنا قال: إي تغير، قلت بالله هل اتهمته؟ قال إي والله، قلت حتى خفت أنه ترك المذهب؟ قال: ترك الصلوة والدين.“^③

یعنی امام دارقطنی نے فرمایا کہ یہ شخص پہلی روش سے بدل گیا اور جھوٹ بولنے لگا، خرابی دماغ کا بھی شکار ہو گیا، حتیٰ کہ دین اور نماز سب کو چھوڑ بیٹھا۔

لسان المیزان (۳۲۳/۵) میں اتنا اضافہ ہے کہ اس شخص نے صرف امام خلیل کی طرف خود ساختہ اسانید سے ایسی بیس احادیث منسوب کیں جن کی کوئی اصل نہیں۔ نیز امام ابوبکر برقانی نے یہ بھی فرمایا کہ:

”ما سمعت إلا خيرا أي بعدهم.“^④ ”یعنی اس میں کوئی خیر نہیں۔“

میزان الاعتدال (۱۱۳/۳) میں ہے کہ یہ فاسق و بد دین تھا۔ تاریخ خطیب (۳۰/۳) میں ہے کہ یہ شخص مجلس ابوالفضل بن عمید میں شراب خوری بھی کرتا تھا اور نشہ میں بد مست رہا کرتا تھا۔ صاحب غرائب اور رافضی تھا۔ جس کے سبب اس کے مرنے پر روافض کی طرف سے نوحہ خوانی ہوئی۔ تذکرۃ الحفاظ (۱۳۲/۳) میں ہے کہ یہ قاضی بنا تو قاضی کی حیثیت سے بھی ٹھیک نہیں رہا اور اس نے متکلمین سے بھی گٹھ جوڑ کر لیا۔ علماء حدیث نے اسے ساقط قرار دیا۔ دمشق گیا تو رافضی ہونے کے سبب لوگوں نے اسے بھگا دیا۔ ”الانتصار والترجيح“ نام کی کتاب فضائل ابی حنیفہ میں اس نے بھی لکھی ہے^⑤۔

② جامع المسانید (۳۹۶/۲)

① تاریخ بغداد (۱۴/۵) لسان المیزان (۲۶۳/۱) التنکیل للعلمی (۱/۱۶۹)

④ لسان المیزان (۴/۳۲۳)

③ تذکرۃ الحفاظ (۳/۱۳۲) سؤالات الحاکم (ص: ۱۵۳)

⑤ کشف الظنون (۱/۱۷۳) و سیرۃ النعمان للعلامة شبلي.

ابو القاسم بن ابی العوام (متوفی ۳۳۲ھ):

ابو القاسم عبداللہ بن محمد بن احمد بن یحییٰ بن الحارث المعروف بابن ابی العوام سعدی مصری (متوفی ۳۳۵ھ) بظاہر ایک مجہول شخص ہے۔ امام طحاوی، نسائی اور دولابی سے روایت کرتا ہے۔ بنام ”فضائل أبی حنیفة و أصحابه“ اور ”مسند أبی حنیفة“ دو کتابیں لکھیں۔ جنہیں اس کا لڑکا محمد بن عبداللہ اور اس سے اس کا لڑکا احمد ابو العباس روایت کرتا تھا، مگر یہ تینوں دادا، پوتا اور بیٹا مجہول ہیں، البتہ پوتا مصر کی رافضی باطنی حکومت کا منظور نظر قاضی تھا، جو حنفی ہونے میں شہرت کے باوجود رافضی حکومت کا اس شرط پر قاضی بن گیا کہ مذہب رافضی کے مطابق احکام صادر کرے گا، اس کی نگرانی کے لیے چار رافضی علماء رکھے گئے کہ خلاف معاہدہ کوئی حرکت نہ کر بیٹھے، یہ ۳۲۹ھ میں پیدا ہوا اور ۴۱۸ھ میں مرا۔ ۴۰۵ھ تا ۴۱۱ھ قاضی رہا۔^۱ ایسے مجہول سلسلہ رواۃ کی جن میں سے ایک رافضی حکومت کا آلہ کار تھا، روایات اور کتابت کا پایہ اعتبار مخفی نہیں۔

حسین بن محمد بن خسرو (متوفی ۵۲۲ھ):

موصوف حسین بن محمد بن خسرو معتزلی حنفی تھا اور رافضی بھی۔ چنانچہ طبقات الروافض میں ابن ابی واسطی نے اس کا ذکر کیا ہے اور بتلایا ہے کہ مناقب اہل بیت میں اس نے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس نے ایک نسخہ احادیث تیار کیا جس میں علی بن محمد بن عبید اللہ عن ابی بکر محمد بن عمر کے حوالہ سے احادیث جمع کیں، مگر بقول امام ذہبی رحمہ اللہ:

”النسخة کلها مکذوبة علی الدقیقی“^۲ ”یعنی یہ پورے کا پورا نسخہ مکذوب (جھوٹ کا پوٹ) ہے۔“

امام ابن عساکر نے کہا ہے کہ موصوف حسین نے بہت سی روایات بیان کی ہیں، مگر وہ کوئی بھی علم نہیں جانتا تھا۔ ابن ناصر نے کہا کہ وہ حاطب اللیل اور معتزلی تھا۔ اس نے ”مسند ابی حنیفة“ کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی ہے اور اسی نام سے ایک دوسری کتاب لکھ کر موصوف نے قاضی محمد بن عبدالباقی مارتانی کی طرف منسوب کر دی ہے۔

ابو القاسم یونس بن طاہر بن محمد بن یونس بن الخیوی النضری:

مذکورہ بالا کذاہین میں سے بھی کہیں زیادہ ترویج اکاذیب کا شائق و شیدا نضری موصوف تھا، جس کی تخریح و توثیق میں اگرچہ کسی امام جرح و تعدیل کا کوئی قول نہیں، مگر یہ شخص مذکورہ بالا کذاہین اور وضاعین کے اکاذیب کی ترویج میں بہت سرگرم عمل تھا۔ اس کے راجح کردہ اکاذیب کو موفق مکی معتزلی اور اس کے تلمیذ التلمیذ ابوالمؤید خوارزمی مصنف جامع مسانید ابی حنیفة نیز اس قسم کے دوسرے لوگوں نے اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔^۳

نضری کا مکذوبہ احادیث کو احادیث نبویہ کہہ کر راجح کرنا اس کے کذب ہونے کی دلیل صریح ہے۔ ڈاکٹر محمد محروس نے مشائخ بلخ میں موصوف نضری کا سال وفات ۴۱۱ھ بتلایا ہے اور اسے محدثین و فقہاء میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی کئی تصانیف ہیں، ان میں سے ایک ”البہجة فی ذکر أصحاب أبی حنیفة“ بھی ہے۔^۴

① طلیعة التنکیل (ص: ۲۷، ۲۸) و رفع الإصر عن قضاة مصر (ص: ۱۱۰ تا ۱۱۲) و کتاب قضاة مصر لکندی (ص:

(۴۹۷، ۴۹۶)

② لسان المیزان (۳۱۲/۲) ③ ماحصل از التنکیل (۴۴۸، ۴۴۹)

④ مشائخ بلخ (۱/۷۱ و ۹۲) بحوالہ فضائل بلخ (ص: ۳۱۶، ۳۵۴)

موفق معتزلی کا جمع کردہ انبار اکاذیب:

ائمہ احناف کے فضائل و مناقب میں مروج شدہ وضعی روایات کو بہت بڑے پیمانے پر رواج دینے والے مشہور معتزلی موفق بن احمد کی خطیب خوارزم (مولود ۲۸۴ھ و متوفی ۵۶۸ھ) ہیں، موفق کے معتزلی و رافضی ہونے کی صراحت کردری حنفی نے اس طرح کی ہے:

”صدر الأئمة، أخطب الخطباء، الخوارزمي المعتزلي القائل بتفضيل علي رضي الله عنه
على سائر الصحابة“¹

یعنی خوارزمی معتزلی تھا اور تمام صحابہ پر حضرت علیؑ کی فضیلت کا قائل تھا۔ یعنی رافضی تھا۔
اوپر تفصیل گزر چکی ہے کہ معتزلہ و روافض وضع حدیث میں بڑے بیباک ہوتے ہیں، نیز اکاذیب کی ترویج و اشاعت کو اپنا شیوہ و شعار سمجھتے ہیں۔ اور کردری ہی نے کہا ہے کہ معتزلہ باخوان الروافض ہیں، جو ترویج اکاذیب کو کارثواب سمجھتے ہیں۔²
کوثری نے کہا ہے:

”من لا يقول بقولهم يكون على طرف لسانهم.“³

یعنی جو معتزلہ کی ہاں میں ہاں نہ ملائے وہ ان کی زبان سے مطعون قرار پاتا ہے۔

موفق مذکور مشہور معتزلی حنفی محمود جار اللہ زحشری صاحب تفسیر کشاف کا شاگرد و تربیت یافتہ ہے۔⁴ موفق نے مناقب ابی حنیفہ کے طرز پر فضائل علی میں بھی ایک کتاب لکھی ہے، جس میں جاہل و اضعین کی وضع کردہ کئی کئی اوراق پر مشتمل طویل طویل روایات جمع کر دیں ہیں۔⁵ موفق کے معتزلی استاذ زحشری حنفی نے بھی مناقب ابی حنیفہ پر ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ”شقائق النعمان“ ہے۔⁶

امام صاحب کے فضائل و مناقب میں وضعی روایات عموماً کتب مناقب ابی حنیفہ میں اور ان کی طرف منسوب وضعی احادیث مسانید ابی حنیفہ میں مدون کی گئی ہیں۔ امام صاحب کی طرف منسوب روایات کا اپنے طور پر امام ابو حاتم محمد بن حبان بستی (متوفی ۳۵۴ھ) نے اپنی دو کتابوں (۱) علل ما استند إليه أبو حنیفة. (۲) علل مناقب أبي حنیفة و مثالبہ“ میں جائزہ لے کر بتلا دیا کہ امام صاحب نے کوئی دو سوا حدیث روایت کی ہیں۔⁷
مگر ہم اس موضوع پر مفصل و مدلل گفتگو آگے چل کر کریں گے۔

1 مناقب أبي حنیفة للکردري (۱/۸۸)

2 کردری (۱/۱۰۷)

3 تانیب (ص: ۳۸)

4 الجواهر المضيئة (۲/۱۸۸)

5 لسان الميزان (۲/۲۴۳، ۲۴۴، ذکر حسن بن غفیر مصری)

6 كشف الظنون (۲/۵۲۸)

7 التنكيل (۱/۴۳۵، ۴۳۸)

مذکورہ بالا واضعین حدیث کی وضع کردہ بعض احادیث کا تذکرہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ بطور مثال مذکورہ بالا راویوں کی بعض خانہ ساز روایات کا تذکرہ کیا جائے جو مناقب ابی حنیفہ میں یا ان کے فقہی مسائل کی تائید میں وضع کی گئیں اور جو بناری اور مامون بن احمد کا ذکر آچکا ہے۔ دونوں نے نصوص کتاب و سنت کے خلاف مذہب حنفی کی تائید میں درج ذیل روایت گھڑ کر نبی معصوم ﷺ کی طرف منسوب کی۔

ایمان میں کمی بیشی نہ ہونے سے متعلق وضعی حدیث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: ”الإيمان لا يزيد ولا ينقص.“¹ یعنی ایمان نہ بڑھتا ہے اور نہ گھٹتا ہے۔ مامون اور جو بناری کی اس وضعی حدیث کی طرح ابو مطیع حکم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (جس کا مفصل تذکرہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے) نے بھی ایک حدیث وضع کی، بلکہ اس نے اس میں مزید اضافہ کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی ایجاد کیے کہ ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ شرک و کفر اور اسلام سے خروج ہے۔² اور اس سے مزید ذرا آگے بڑھ کر محمد بن قاسم طالقانی نے یہ حدیث وضع کی کہ ایمان میں زیادتی کا عقیدہ منافقت اور کمی کا عقیدہ کفر ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والے اگر توبہ نہ کریں تو تلوار سے ان کی گردنیں اڑا دو۔³

امام شافعی کی قدح و امام ابو حنیفہ کی مدح میں وضعی حدیث:

نصوص کتاب و سنت کے خلاف وضعی روایات کے ان موجدین سے مامون و جو بناری نے مل کر درج ذیل حدیث بھی وضع کی:

”عن أنس مرفوعا: يكون في أمتي رجل يقال له محمد بن إدريس الشافعي أضر على أمتي من إبليس، ويكون في أمتي رجل يقال له النعمان بن ثابت أبو حنيفة هو سراج أمتي.“⁴

یعنی میری امت میں محمد بن ادریس (مراد امام شافعی) ابلیس سے بھی زیادہ مضر اور امام ابو حنیفہ میری امت کے چراغ ہوں گے۔

اس وضعی حدیث کو ایک تیسرے کذاب محمد بن سعید مروزی بورتی (جس کا تذکرہ گزر چکا ہے) نے انھی الفاظ و معانی کے ساتھ گھڑ کر مروج کیا۔⁵ اور بعض نے اس کے لیے مختلف اور متعدد اسانید وضع کر کے رائج کیا۔ امام خطیب نے محمد بن سعید بورتی کی مذکورہ مکرورہ روایت کی نقل کے بعد کہا:

① اللآلیء المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي، كتاب الإيمان (ص: ۲۲، ۲۳) والموضوعات لابن الجوزي (۱/ ۱۳۱، ۱۳۲)

② اللآلیء المصنوعة (ص: ۲۲، ۲۳) الموضوعات لابن الجوزي (۱/ ۱۳۰)

③ اللآلیء المصنوعة (ص: ۲۳) الموضوعات (۱/ ۱۳۳) ④ اللآلیء المصنوعة، باب بقیہ المناقب (ص: ۲۸۰)

⑤ اللآلیء المصنوعة (ص: ۲۸۰)

”ما كان أجراً لهذا الرجل على الكذب؟ كأنه لم يسمع حديث النبي صلى الله عليه وسلم: من كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار.“¹

یعنی یہ شخص وضع حدیث کرنے پر کتنا جری تھا؟ گویا اس نے یہ فرمان نبوی سنا ہی نہیں کہ جو عمداً وضع حدیث کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

امام خطیب کا یہ فرمان تمام واضعین حدیث کی وضعی روایات پر منطبق ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود بھی تقلید ابی حنیفہ کا دم بھرنے والے متعدد افراد مثلاً مصنف جامع المسانید خوارزمی، عبداللہ بن یعقوب حارثی، حسین بن محمد بن خسرو، ابوالقاسم یونس نضری، موفق معتزلی رافضی، کردری، بجالی، غزنوی، مصنف جامع المسانید اور اس قسم کے دیگر لوگوں نے اس کو حدیث نبوی کہہ کر داخل کتاب کیا ہے۔² اور یہ سب کچھ خدمت علم و دین کے نام پر! حیرت ہے کہ وضع حدیث پر اس قدر شرعی وعید کے باوجود مذکورہ بالا قسم کی وضعی حدیثوں کو مقبول بنانے پر بعض خفی کتب فقہ میں زور دیا گیا ہے۔³ اور اس قسم کی کتب فقہ کے مطالعہ کو تہجد و تعلیم قرآن سے افضل بتلایا گیا ہے۔⁴ اسی لیے مصنف انوار، کوثری اور بدرالدین عینی جیسے لوگوں نے اس قسم کی وضعی روایات کی ترویج و اشاعت کو اپنا شیوہ و شعار بنا لیا ہے۔ موصوف محمد بن سعید بورتی کو امام حاکم نے بھی کذاب اور وضاع کہا ہے۔⁵ کردری نے یہ کہنے کے باوجود کہ:

”إن الحاکم صاحب الجرح والتعديل قد تمسك بكلامه كل المحدثين.“ الخ⁶

یعنی حاکم کی باتوں کو تمام محدثین حجت مانتے ہیں۔

بورتی کی گھڑی ہوئی حدیث کو حجت بنا لیا۔ بورتی نے اپنی وضع کردہ اس روایت کے لیے جو سند فٹ کی ہے یعنی ”حدثنا سليمان بن جابر حدثنا بشير بن يحيى أنبأنا الفضل بن موسى الخ“ اس میں سلیمان اور بشیر غیر معروف ہیں۔ اس سے اہل علم کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ بورتی مجہول رواۃ کے نام سے احادیث گھڑتا تھا۔ اس کذاب کی طرح اس روایت کو دوسرے کذاب ابو عبداللہ مامون بن خالد نے بھی بیان کیا، جو آن کی آن میں مکذوبہ سند فٹ کر کے روایت گھڑنے کا عادی تھا۔⁷ اسی کذاب نے یہ حدیث گھڑی کہ نماز میں بوقت رفع الیدین کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے، نیز اس نے یہ حدیث وضع کی کہ ”الإيمان قول، والأعمال شرايعه.“⁸

الغرض اس قسم کے کذابین نے منظم سازش کے ذریعہ انبار اکاذیب کو احادیث نبویہ کہہ کر مروج کیا۔ امام صاحب کے ”سراج الأئمة“ ہونے والی روایت کو تاریخ خطیب سے نقل کر کے موفق اور ان کے مقلد خوارزمی و کردری نے حسب عادت ایک بہت بڑی علمی اور دینی دیانت داری کا مظاہر کیا ہے۔ وہ یہ کہ اس روایت کے ایک راوی احمد بن عمر بن روح نہروانی کو خطیب

1 تاریخ خطیب (۵/۳۰۸ تا ۳۱۰)

2 مناقب أبي حنيفة للموفق (ص: ۱۰ تا ۲۰) و کردري (ص: ۲۱ تا ۳۶) و جامع المسانيد للخوارزمي (۱/۱۲ تا ۲۰)

3 در مختار (۱/۳۶، ۳۷) 4 دُر مختار (۱/۲۷، ۲۸) 5 لسان الميزان (۵/۱۷۸)

6 کردری (۱/۲۳) 7 اللآلئ المصنوعة (۱/۲۸۰) و جامع المسانيد (۱/۱۷)

8 لسان الميزان (۱/۱۹۳ وغیرہ)

نے صدوق کہا، تو ان حضرات نے خطیب کے اس قول کو بذوق و شوق نقل کیا، مگر خطیب نے اس روایت کے متعلق جو یہ کہا کہ:

”لم أكتب هذا الحديث إلا من هذا الوجه، وهو باطل موضوع، و محمد بن يزيد متروك

الحديث، و سليمان بن قيس، وأبو المعلى مجهولان وأبان بن عياش رمي بالكذب“¹

یعنی یہ حدیث موضوع و باطل ہے، اس کا راوی محمد بن یزید متروک اور دو راوی سلیمان و ابو المعلى مجہول اور ایک

راوی ابان کذاب ہے۔²

تو امام خطیب کے اس کلام کو موفق، خوارزمی اور کردری میں سے کسی نے نقل کرنے کی زحمت نہیں اٹھائی۔ ان ساری

عمل کے ساتھ محمد بن یزید سے اس روایت کے ناقل محمد بن حامد بن ابراہیم السلمی خراسانی کی بابت خطیب کا ارشاد ہے:

”حدث عن محمد بن يزيد أحاديث مناكير.“³

مگر موفق اور ان کے تبعین نے خطیب کے ان فرامین کو بھی نقل کرنا گوارا نہیں کیا۔ موفق اور ان کے مقلدین نے اس

معنی کی ایک روایت ابن عمر سے بسند محمد بن یزید عن سعید بن بشير عن حماد عن رجل عن نافع عن ابن عمر نقل کی ہے۔⁴

حالانکہ محمد بن یزید کے متروک ہونے کے ساتھ اس کی سند کے مسلسل تین رواۃ (یعنی سعید، حماد، رجل) مجہول ہیں، اس

سے بڑھ کر یہ کہ موفق اور ان کی تقلید میں مصنف جامع المسانید نے ابن مبارک کے حوالہ سے یہ نقل کیا:

امام ابو حنیفہ کے سابق الامت ہونے سے متعلق وضعی حدیث:

امام ابن المبارک نے کہا:

”أنا ابن لهيعة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: في كل قرن من أمتي سابقون،

وأبو حنيفة سابق في زمانه.“⁵

یعنی میری امت کی ہر صدی میں سابقین ہوں گے اور ابو حنیفہ اپنے زمانے کے سابق ہوں گے۔

اس روایت کے اکثر رجال حسب سابق غیر معروف ہیں۔ البتہ اس کا ایک راوی حامد بن آدم معروف ہے، جس کی

بابت ابن معین نے کہا: ”كذاب لعنه الله“ سلیمانی نے کہا: ”اشتهر بوضع الحديث“⁶ یعنی یہ ملعون قسم کا مشہور و ضاع

و کذاب ہے۔ اور اس نے ابن لہیعہ (یعنی عبداللہ بن لہیعہ مولود ۹۶ھ و متوفی ۱۷۴ھ) کی طرف یہ روایت کذب و بہ طور پر منسوب کر

دی۔ ابن لہیعہ تبع تابعی تھے۔ انھیں تقریب التہذیب کے طبقہ سابع میں ذکر کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ موصوف بالاتفاق

تبع تابعی ہیں۔ نیز موصوف ابن لہیعہ صدوق تھے، مگر آخری عمر میں مختلط ہو گئے اور موصوف مدلس بھی تھے اور مدلس کی جو روایت

بلا تضریح سماع و تحدیث ہو بالاتفاق غیر مقبول ہے، خصوصاً جس روایت کو بلا ”عن“ نقل کیا ہو، وہ قبیح ترین تدلیس ہے۔⁷

1 تاریخ خطیب (۲/۲۸۹)

2 نیز ملاحظہ ہو: اللآلیء المصنوعة (۱/۲۸۰) لسان المیزان (۲/۳۲۰)

3 خطیب (۲/۲۸۸) لسان (۵/۱۱۲)

4 موفق (۱۳/۱) جامع المسانید (۱۶/۱)

5 موفق (۱۶/۱) جامع المسانید (۱۸/۱)

6 لسان (۲/۱۶۳)

7 کتب مصطلح الحدیث.

اس روایت کا بھی یہی حال ہے کہ بلا ”عن“ بلا تصریح تحدیث مذکور ہے۔ پھر بھی ابن لہیعہ کی ذات اس روایت سے بری ہے، اس کا ذمہ وار حامد کذاب ہے، مگر کردری نے نہایت بے باکی سے ابن لہیعہ کو تابعی کہا ہے۔ مزید یہ بھی فرمایا: ”اگر تم کہو کہ اس روایت کے راوی ابن لہیعہ صغار تابعین سے تھے، جن کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے نہیں ہوئی، تو ہم کہیں گے کہ تابعی صغیر ہو یا کبیر، اس کی بیان کردہ منقطع حدیث محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک مرسل ہوتی ہے، جو ہمارے مذہب میں مقبول ہے۔ اصحاب الشافعی نے ایسی مرسل احادیث کو معطل و غیر مقبول قرار دینے کے باوجود یہ خیال خام کیوں قائم کر رکھا ہے کہ وہ اہل حدیث ہیں، بلکہ جہاں اللہ ہم اہل حدیث و اہل رائے دونوں ہیں، کیونکہ ہم مرسل احادیث کو حجت مانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔“¹

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اہل حدیث کہلانے کے شوق میں کردری صاحب نے اکاذیب کو احادیث نبویہ کہہ کر قبول کر لیا ہے۔ افسوس ان پر جو ”لعنة الله على الكاذبين“ کی حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ کردری صاحب اس جگہ خواہ مخواہ کے لیے صغیر و کبیر تابعی کی منقطع یا مرسل روایت کے حجت ہونے نہ ہونے کی بحث میں پڑ گئے، جب کہ یہ روایت نہ صغیر تابعی سے مروی ہے نہ کبیر سے بلکہ جسے صغیر تابعی کہا جا رہا ہے، وہ تبع تابعی ہیں اور ان کی طرف یہ روایت حامد کذاب نے غلط طور پر منسوب کر دی ہے۔ (کما مر)

یہ عامل بالحدیث صاحب ”ابو حنیفہ سراج امتی“ والی مکذوبہ روایت کو نص شرعی قرار دے کر ایک اور گتھی سلجھانے بیٹھ گئے کہ ”خاتم النبیین ﷺ کو جب سراج منیر کہا گیا ہے تو امام صاحب کو سراج کہنا درست ہے یا نہیں!“ حالانکہ مکذوب بات کو نص قرار دینا ہی جرم عظیم ہے۔ فرمان نبوی ہے: ”من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار“ مگر موصوف فرماتے ہیں کہ اس حدیث پر کسی قسم کا اعتراض ”نص شرعی“ پر اعتراض ہے۔²

حالانکہ مکذوبہ و خانہ ساز باتوں کو نص قرار دینے والوں کی قرآن نے سخت ملامت کی ہے:

﴿يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ [البقرہ: ۷۹]

یعنی یہ کہ اہل کتاب اپنی خانہ ساز باتوں کو نص قرار دے لیتے ہیں۔

اور جھوٹ گھڑنے والوں کی بابت نص قرآنی ہے:

﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكُذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ [النحل: ۱۰۵]

موفق رافضی نے زیر بحث روایت کو دوسری مکذوبہ سند سے باس لفظ نقل کیا ہے:

”یکون في آخر الزمان رجل یکنی بأبي حنیفہ.“ الخ³

یعنی امام ابوحنیفہ آخری زمانے میں ہوں گے۔ الخ

اور دنیا جانتی ہے کہ امام صاحب آخری نہیں پہلی دوسری صدی کے آدمی تھے۔

2. ما حصل از مناقب أبي حنیفہ للکردری (۱/۲۳، ۲۵)

1. کردری (۱/۲۳، ۲۴)

3. موفق (۱/۱۴، ۱۵)

امام ابو حنیفہ کے لیے مہر نبوت ثابت کرنے کی سعی مذموم:

حد یہ کہ بعض روایات میں امام صاحب کو ”مہر ختم نبوت“ سے بھی بہرہ ور ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ چنانچہ کہا: ”امام صاحب نے خواب دیکھا کہ قبر نبوی کھود کر استخوان نبوی اپنے سینے سے لگا رہے ہیں۔ اس خواب سے امام صاحب خائف ہو کر بصرہ امام محمد بن سیرین (امام المعمرین) کے پاس گئے، انھوں نے کہا کہ یہ خواب ابو حنیفہ نام کا آدمی ہی دیکھ سکتا ہے۔ امام صاحب نے کہا میں ابو حنیفہ ہوں، موصوف نے امام صاحب کی پیٹھ دیکھی جس میں مسہ (مہر ختم نبوت بھی مسہ کی طرح تھی) نظر آیا، لہذا انھوں نے فرمایا کہ تم ہی ابو حنیفہ ہو۔ جن کی بابت ارشاد نبوی ہے کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سنت کو زندہ کرے گا۔“¹

یہ روایت ابو القاسم العسری نے گھڑی اور اس کے لیے ایک مجہول و مظلم سند وضع کی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا قسم کی روایت امام ابو حنیفہ کو رسول و نبی کا ہم پلہ قرار دینے کے لیے وضع کی گئی ہے۔

تورات میں ذکر ابی حنیفہ سے متعلق وضعی حدیث:

موفق رافضی نے عبدالکریم بن مسعر سے یہ بھی نقل کیا کہ:

”سمعت جماعة من أهل العلم يقولون: مكتوب في التوراة صفة كعب الأبحار، والنعمان بن ثابت، ومقاتل بن سليمان.“²

یعنی میں نے اہل علم کی ایک جماعت کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ تورات میں کعب احبار، ابو حنیفہ اور مقاتل بن سلیمان کی صفات لکھی ہیں۔

موفق رافضی نے جس عبدالکریم بن مسعر کے نام سے یہ مکذوبہ خود ساختہ روایت بیان کی ہے، اس کا وجود بھی فرضی ہے۔ امام ابو نعیم نے فرمایا:

”أولاد مسعر خمسة وهم عبدالله، وكدام، ومحمد، والقاسم، والوليد.“³

یعنی مسعر کے پانچ بیٹے ہیں: عبداللہ و کدام، محمد، قاسم، ولید۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسعر کے پانچ بیٹوں میں سے کسی کا نام عبدالکریم نہیں تھا، کذا بین نے فرضی طور پر اس نام سے یہ مکذوبہ روایت ایجاد کر لی ہے۔

مدح ابی حنیفہ میں کلبی کی طرف منسوب وضعی حدیث:

موفق نے اس کے بعد محمد بن السائب کلبی سے نقل کیا ہے کہ وہ بکثرت مدح ابی حنیفہ کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ان کا تذکرہ بعض آسمانی کتابوں میں ہے۔⁴ ظاہر ہے کہ کلبی اس روایت سے بری ہے، مگر وہ رافضی، مرجی، کذاب اور وضاع ضرور

① موفق (۱۶/۱) جامع المسانید (۱۸/۱)

② موفق (۱۶/۱)

③ خطیب (۳/۲۹۹، تذکرہ محمد بن مسعر)

④ موفق (۱۷/۱)

تھا۔ اس کو مرجی ہونے کی بنا پر امام ابراہیم نخعی (امام ابو حنیفہ کے استاذ الاستاذ) نے اپنی درسگاہ سے نکال دیا تھا، مگر اس رافضی، مرجی اور کذب کی طرف منسوب کر کے موفق نے کعب احبار سے بھی یہ مکذوبہ روایت نقل کی کہ میں تذکرۃ ابی حنیفہ کتب آسمانی میں پاتا ہوں۔¹ غرضیکہ جو بھی یاد آیا اس کے نام سے مدح ابی حنیفہ میں جھوٹی روایات گھڑی گئیں، حتیٰ کہ کچھ فرضی ناموں کے حوالے سے بھی وضع احادیث کا کام کیا گیا۔

مدح ابی حنیفہ میں حضرت علی کی طرف منسوب وضعی حدیث:

موفق نے حضرت علی سے بھی نقل کیا کہ کوفہ سے ابو حنیفہ نام کا ایک شخص برآمد ہوگا، جس کا قلب علم و حلم سے مملو ہوگا۔² ظاہر ہے کہ اس مکذوبہ روایت کے لیے بھی جو سند فٹ کی گئی ہے وہ خود ساختہ ہے۔ اس سند کو فٹ کرنے والا بھی نضری کذاب ہے اور اس کے رواۃ میں بھی محمد بن سعید بورتی کذاب موجود ہے۔

مذکورہ روایت کو وضع کرنے کا ایک اہم مقصد مدح کوفہ بھی ہے، کیونکہ روافض اور عام اہل فتن کا اصل موطن کوفہ ہی تھا، کوفہ پر تفصیلی گفتگو آئندہ آئے گی۔ کوئی روافض کی دیکھا دیکھی روافض خراسان نے بھی درج ذیل روایت اختراع کی:

امام صاحب کے بدر اور خراسانی ہونے سے متعلق وضعی حدیث:

ابن عباس سے مروی ہے:

”یطلع بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر علی جمیع خراسان، یکنی أبا حنیفة.“³
یعنی زمان نبوی کے بعد خراسان میں ایک ماہتاب کامل طلوع ہوگا جس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی۔

اس روایت کو گھڑنے کا مقصد یہ تھا کہ امام صاحب کی جائے ولادت کوفہ کے بجائے خراسان ثابت کی جائے، چنانچہ بعض لوگوں نے یہی کہا ہے کہ امام صاحب خراسان کے شہر نسائے میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے، جب جوان ہوئے تو کوفہ آئے۔⁴ یہ مکذوبہ روایت عام احتاف کے یہاں مقبول نہ ہو سکی، مگر کردری نے اسے بھی رد کرنا گوارا نہ کیا، چنانچہ موصوف نے اس کی توجیہ میں سخن سازی سے کام لے کر کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل خراسان علوم ابی حنیفہ کو اہل خراسان خصوصی توجہ سے حاصل کریں گے۔⁵ اس روایت کو بھی ابوالقاسم نضری ہی نے اپنی مکذوبہ سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مدح ابی حنیفہ میں ابراہیم نخعی کی طرف منسوب وضعی روایت:

کذا بین نے امام صاحب کے استاذ خاص حماد کی طرف یہ منسوب کیا کہ انھوں نے امام صاحب سے کہا: ہم سے امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا تھا کہ وہ زمانہ رحمت خداوندی کی بارش کا ہوگا جس میں نعمان ابو حنیفہ ہوں گے۔⁶ یہ حدیث بھی نضری مذکور ہی کی گھڑی ہوئی ہے، جس کے لیے اس نے جھوٹی سند وضع کی ہے۔ ایک روایت یہ بھی موجود ہے کہ حماد مذکور امام ابو حنیفہ کے کہنے سے چالیس ہزار روپے کے بدلے مرجی مذہب کے سرپرست اور سردار بن گئے تھے۔ اس روایت پر مفصل بحث آگے آرہی ہے، کیونکہ اس کو جہمیوں کے ماڈرن ایڈیشن یعنی کوثری گروپ نے حجت بنا رکھا ہے۔

① موفق (۱۸/۱) ② موفق (۱۸/۱) ③ موفق (ص: ۷۸) جامع المسانید (۱۷/۱) و کردری.

④ الخیرات الحسان. ⑤ کردری (۳۱/۱) ⑥ موفق (۱۸/۱، ۱۹) جامع المسانید (۱۷/۱)

مدح ابی حنیفہ میں ابن عباس کی طرف منسوب وضعی حدیث:

موفق رافضی نے ابن عباس سے ایک دوسری مذبذب روایت یہ نقل کی کہ امام ابوحنیفہ مجدد دین ہوں گے۔

مدح ابی حنیفہ میں جعفر صادق کی طرف منسوب وضعی روایت:

نیز امام جعفر صادق سے بھی اس طرح کی بات نقل کی¹۔

بعض کذابین نے کہا کہ ولادت امام ابی حنیفہ کے تھوڑے دنوں بعد والد ابی حنیفہ کا انتقال ہو گیا تو والدہ ابی حنیفہ نے جعفر صادق سے شادی کر لی۔ امام صاحب انھی کی سرپرستی میں پلے بڑھے²۔ حالانکہ جس سال امام ابوحنیفہ پیدا ہوئے اسی سال جعفر صادق بھی پیدا ہوئے۔ پھر انھوں نے والدہ ابوحنیفہ سے، جب کہ یتیم بچے تھے، کب اور کیونکر شادی کی؟ ان ساری مذبذب روایات کے تذکرہ سے بتلانا یہ مقصود ہے کہ قرآن و حدیث کی تہدید شدید و تو عید بلیغ کے باوجود بہت سے خانہ ساز اکاذیب کو اقوال الہی، فرامین نبویہ، فرمودات صحابہ و تابعین اور ارشادات ائمہ متبوعین قرار دے کر مسلمانوں میں مروج کر دیا گیا اور مسلمانوں کی ایک فریب خوردہ جماعت ان اکاذیب کے زہریلے اثرات کا شکار ہو گئی، حتیٰ کہ بہت سے لوگ مدح ابی حنیفہ میں مبالغہ آرائی کو افضل الاعمال کہنے لگے³۔ اور جو لوگ مدح ابی حنیفہ میں مبالغہ آرائی نہ کریں، ان سے بدظنی کو شیوہ و شعار قرار دے بیٹھے⁴۔

تذکرہ مندل میں مصنف انوار کی لکھی ہوئی ایک طویل عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص یہ گمان کرے کہ کسی مسئلہ میں امام صاحب سے خطا سرزد ہو گئی وہ چوپایہ جانور سے زیادہ گمراہ اور بدعتی ہے⁵۔ مندرجہ بالا مذبذب احادیث کی طرح امام صاحب کی طرف مذبذب طور پر صحابہ سے متعدد روایات بھی کذابین اور وضاعین نے منسوب کر دی ہیں، جنہیں کوثری اور عینی جیسے مقلدین نے احادیث نبویہ قرار دے لیا ہے۔ ہم ان روایات کا بھی اجمالاً تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔

1 موفق (۱/۱۹، ۲۰)۔

2 کردری۔

3 موفق و کردری۔

4 مقدمہ انوار (۱/۱۶۸)۔

5 موفق و کردری۔

صحابہ کرام سے امام صاحب کی روایات

یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ جو اسانید اور کتابیں تلامذہ ابی حنیفہ کی طرف منسوب ہیں، ان میں سے کسی میں بھی کسی صحابی سے امام صاحب کی ملاقات اور شاگردی بلکہ دیکھنے سے متعلق کوئی روایت نہیں ہے۔ اس قسم کی روایات ان مسانید و کتب میں ہیں جو امام صاحب کے تلامذہ کے علاوہ دوسروں کی طرف منسوب ہیں اور ان کی اسانید میں سے ہر ایک میں بقول صاحب عقود الجمان (جن پر متاخرین احناف کو بہت اعتماد ہے) کذاب، وضاع، غیر ثقہ، مجہول، متروک اور رواۃ ہیں۔ لطف یہ کہ انھی مسانید میں یہ روایت بھی ہے: امام صاحب سے دریافت کیا گیا: ”من أدرکت من الکبرآء“ یعنی آپ نے کن اکابر کو پایا ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ قاسم، سالم، طاؤس، عکرمہ، مکحول، عبداللہ بن دینار، حسن بصری، عمرو بن دینار، ابوزبیر، عطاء، قتادہ، ابراہیم، نافع، شععی وغیرہم اور ان جیسے افراد۔¹

مذکورہ بالا روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب نے کسی صحابی کو نہیں پایا، کسی صحابی کو دیکھا نہ کسی سے ملاقات و روایت کی، کیونکہ اس روایت میں امام صاحب نے جن اکابر کو پانے کا ذکر کیا ہے، ان میں کوئی صحابی نہیں، سب کے سب تابعی ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ کوئی تابعی خواہ کتنا ہی کبیر ہو معمولی ترین صحابی کی عظمت و فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔ اگر امام صاحب نے کسی بھی صحابی کو دیکھ پایا ہوتا، یا کسی سے ملاقات و روایت کی ہوتی تو اس کا تذکرہ ان اکابر کی فہرست میں ضرور کرتے، جن کو انھوں نے پایا تھا۔ لہذا مسند ابی حنیفہ کو تصنیف ابی حنیفہ کہنے والوں پر خصوصاً اور ان مسانید کو مرویات ابی حنیفہ قرار دینے والوں پر عموماً لازم ہے کہ وہ روایت مذکورہ کی بنیاد پر یہ ایمان و عقیدہ رکھیں کہ امام صاحب کسی صحابی کو نہیں دیکھ سکے نہ کسی سے ملاقات و روایت کر سکے ہیں۔ البتہ اہل علم کے نزدیک یہ روایت مکذوبہ ہے، کیونکہ یہ حارثی کذاب سے مروی ہے۔ حارثی نے اس مکذوبہ روایت کے لیے جو سند وضع کی ہے اس میں صالح بن ابی ریح اور ابو حمزہ خالد بن انس انصاری نام کے دو راوی مجہول ہیں۔ حتیٰ کہ مصنف جامع مسانید بھی ان کا کوئی تعارف نہیں کرا سکے، حالانکہ ان کا یہ دعویٰ اور وعدہ ہے کہ ہم مسانید ابی حنیفہ کے رواۃ و رجال کا تعارف کرائیں گے۔²

مگر ان دونوں رواۃ یعنی صالح بن ابی ریح اور ابو حمزہ خالد بن انس کے تعارف سے مصنف جامع المسانید نے خاموشی اختیار کی، اسی طرح بہت سے رواۃ و رجال مسانید کے تعارف سے موصوف نے سکوت اختیار کیا ہے۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ یہ رواۃ و رجال مجہول تھے، ان کے تراجم مل ہی نہیں سکتے تھے، لیکن بہتر یہ تھا کہ وہ اس کا اعتراف کرتے کہ ان رجال و رواۃ کے تراجم ہمیں نہیں مل سکے، مذکورہ بالا دونوں راویوں (صالح بن ابی ریح و خالد بن انس) کے تراجم ہم کو کتب رجال میں

¹ مسند أبی حنیفہ للخصفکی مع شرح ملا علی قاری (ص: ۹۵، ۹۶) جامع المسانید (۱/۳۲۳) باب الموارث والوصایا.

² ملاحظہ ہو: جامع المسانید (۲/۳۴۰)

اگرچہ نہیں ملے، لیکن صالح بن ریح نام کے ایک راوی کی بابت امام دارقطنی کا قول ہے: ”لا شئی“^① ممکن ہے کہ زیر بحث صالح بن ابی ریح یہی شخص ہو اور جامع المسانید میں اس کے نام میں ریح کے ساتھ ”أبی“ کے لفظ کا اضافہ نسخ کی کارفرمائی سے ہو گیا ہو، اگر ایسا ہی ہے تو زیر تذکرہ روایت کے مکذوبہ ہونے کی یہ بھی ایک قوی دلیل ہوئی۔ اسی طرح خالد بن انس نامی ایک راوی کو بلا ذکر کنیت میزان (۱/۲۹۵) اور لسان (۲/۳۷۳) میں مجہول بتایا گیا ہے۔ ان وجوہ یعنی حارثی کذاب اور دو مجہول یا مجروح رواۃ کے سبب ظاہر ہے کہ زیر تذکرہ روایت قطعی طور پر مکذوبہ ہے۔

الغرض اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب کسی صحابی کو دیکھ سکے نہ کسی سے روایت و ملاقات کر سکے اور اس روایت کے مکذوبہ ہونے کے باوجود دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ امام صاحب فی الحقیقت کسی صحابی کو نہیں دیکھ سکے تھے، چہ جائیکہ کسی سے ملاقات و روایت کر سکے ہوں؟ امام صاحب سے بسند صحیح مروی ہے:

”میں نے عطا تابعی سے افضل کسی کو نہیں دیکھا“^②

اپنے اس فرمان میں امام صاحب نے تصریح کی ہے کہ میں نے عطاء سے افضل کسی کو نہیں دیکھا اور یہ معلوم ہے کہ عطاء تابعی تھے۔ اس کا مقتضی یہ ہے کہ امام صاحب نے کسی صحابی کو نہیں دیکھا، ورنہ وہ عطاء تابعی کی بابت یہ ہرگز نہیں کہتے کہ میں نے ان سے افضل کسی کو نہیں دیکھا۔ امام صاحب کے اس فرمان سے ان تمام دعاوی کی تردید ہوتی ہے جن میں کسی صحابی کی روایت و روایت کو امام صاحب کے لیے صحیح مانا گیا ہے۔ ان لوگوں پر تعجب ہے جو امام صاحب کے اس فرمان کو چھوڑ کر دوسروں پر اعتماد کر کے کہتے ہیں کہ امام صاحب نے حضرت انس یا کسی صحابی کو دیکھا ہے، اور صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ روایت بھی کی ہے، حتیٰ کہ موفق رافضی نے آٹھ صحابہ سے امام صاحب کی براہ راست روایات ذکر کی ہیں، اور جامع المسانید کے مرتب خوارزمی، کردری، سبط ابن الجوزی اور عینی نے موفق رافضی کی تقلید میں ان مکذوبہ روایات کو زینب کتاب کر لیا اور ان کی تصحیح کی بھی کوشش کر رکھی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام ابو حنیفہ کی ملاقات سے متعلق ایک روایت:

خوارزمی، عینی اور کردری کے پیشتر و موفق رافضی و معتزلی نے مشہور عالم کذاب احمد بن محمد بن الصلت بن المغلس الحمانی (جس کا تعارف ہو چکا ہے) کے حوالے سے امام ابو نعیم فضل بن دین (شاگرد ابی حنیفہ) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ ۹۵ھ میں انھوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو دیکھا اور ان سے ملاقات و روایت کی۔^③

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا سال وفات:

حالانکہ امام جریر بن حازم (متوفی ۱۷۰ھ) نے کہا ہے کہ میں نے شعیب بن حجاب (متوفی ۱۳۰ھ) شاگرد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا انتقال کب ہوا؟ شعیب نے جواب دیا: ۹۰ھ میں۔^④ جریر و شعیب کا یہ قول مختصر

① میزان الاعتدال (۲/۴۵۶) لسان المیزان (۳/۱۶۹)

② الجواهر المضية في طبقات الحنفية (۱/۳۰) نصب الراية في تخریج أحادیث الهدایة (۱/۲۴۸) کتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم ترجمة إمام أبي حنيفة و تهذيب التهذيب و جزء القراءة للبيهقي (ص: ۱۰۸، ۱۰۹)

③ موفق (۱/۲۷) ④ تذكرة الحفاظ (۱/۳۸) و اصابه (۱/۷۱، بحوالہ ابن شاہین)

الفاظ میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (اصابہ کے مصنف بھی یہی ہیں) نے تہذیب التہذیب میں نقل کیا ہے۔ مگر دائرۃ المعارف حیدر آباد کے حنفی ناشرین نے حسب عادت تصحیف و تحریف کر کے جریر و شعیب کے اس قول کو ۹۰ھ کے بجائے ۹۵ھ کر دیا ہے۔¹ اس قسم کی تصحیفات و تحریفات دائرۃ المعارف کے حنفی مصححین و ناشرین نے بکثرت کی ہیں، جن کی تفصیل آتی رہے گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خصوصی تلامذہ حضرت قتادہ اور حمید وغیرہ نے کہا کہ حضرت انس کا انتقال ۹۱ھ میں ہوا ہے اور بعض اولاد انس وغیرہ نے کہا کہ ۹۲ھ میں اور بعض ۹۳ھ میں (تاریخ صغیر للبخاری، ص: ۱۰۱، ۱۰۲ و تاریخ کبیر و ابن سعد: ۱۶/۷، تہذیب التہذیب: ۱/۳۷۸، ۳۷۹، و اصابہ و استیعاب والعبیر للذہبی: ۱/۱۰۸) یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہوا اگرچہ زیادہ صحیح ۹۱ھ، ۹۲ھ ہی والا قول ہے، کیونکہ یہ قول حضرت انس رضی اللہ عنہ کے خصوصی تلامذہ و اولاد سے منقول ہے۔ موفق رافضی نے کہا ہے:

”وہذا خلاف ما تقدم من رواية الحافظ الجعابي، فإنه قال مات أنس سنة ۹۳ھ، وهو الصحيح، فإن أبا نعيم الحافظ الأصبهاني وغيره قالوا: اختلف في وفاة أنس بن مالك، فقيل إحدى وتسعين، وقيل: اثنتين وتسعين، وقيل: ثلاث وتسعين، ولم يختلفوا فوق الثلاث والتسعين، فالصحيح ما ذكره الجعابي، رحمه الله، فإنه كان إماما في الحديث، والتواريخ، وأيام العرب.“²

یعنی ابن المغلس کا یہ بیان کہ امام صاحب نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ۹۵ھ میں دیکھا اور ان سے سماع و روایت کی، حافظ جعابی کے گزرے ہوئے اس قول کے خلاف ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا انتقال ۹۳ھ میں ہوا اور یہی بات صحیح بھی ہے، کیونکہ حافظ ابو نعیم وغیرہ نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سال وفات ۹۱ھ، ۹۲ھ، ۹۳ھ کے مختلف اقوال ہیں۔ ۹۳ھ سے اوپر کوئی قول نہیں ہے۔ لہذا بات وہی صحیح ہے جو جعابی نے کہی ہے، کیونکہ وہ حدیث، تواریخ اور ایام عرب کے امام تھے۔

جامع المسانید کے مصنف خوارزمی نے بھی ابن المغلس کی بات کا کوئی اعتبار نہ کر کے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کے متعلق صرف ۹۱ھ اور ۹۲ھ کے اقوال کی نقل پر اکتفاء کیا ہے۔³

اور کوئی شک نہیں کہ بضریح اہل علم ابن مغلس کذاب و وضاع تھا۔ اس کے کذاب ہونے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ یہ شخص اگرچہ ابو نعیم کی وفات کے بعد پیدا ہوا، مگر پوری جرأت کے ساتھ ان سے سماع حدیث و تلمذ کا دعویٰ کرتا تھا۔ اسی طرح دوسرے کئی ائمہ سے بھی سماع و لقاء کا مدعی تھا، جن کی وفات اس کی ولادت سے پہلے ہو چکی تھی۔

افسوس ایسے کھلے ہوئے کذابین پر بھی اعتماد کیا گیا اور ان کے ایجاد کردہ اکاذیب کو احادیث نبویہ، آثار صحابہ، اقوال تابعین اور فرامین ائمہ متبوعین قرار دے لیا گیا۔ ان مکذوبہ روایات کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وفات کے دو

1 تہذیب التہذیب (۱/۳۷۸) 2 موافق (۱/۲۷)

3 ملاحظہ ہو: جامع المسانید (۱/۲۶) و كذلك مناقب أبي حنيفة للكردري (۱/۶)

سال بعد امام ابوحنیفہ نے ان سے سماع کیا۔ نعوذ باللہ من ذلك!

جس طرح موفق نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سال وفات کی تعیین میں بظاہر تحقیق پسندی سے کام لے کر ابن المغلس کے قول مذبذب کو رد کر دیا، اسی طرح اگر وہ تمام روایات و امور میں کرتے تو شاید ان کے بعد آنے والے خوارزمی، کردری، یعنی، سبط ابن الجوزی اور کوثری وغیرہ کو اس قسم کی غلط روی و غلط کاری کی جرأت و جسارت نہ ہوتی۔

ابن المغلس نے مزید کہا ہے کہ بشر بن الولید نے ابو یوسف سے روایت کی کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نبوی سنی کہ ”الذال علی الخیر کفاعله“^① یعنی امام صاحب نے کہا کہ میں نے حضرت انس سے ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے اس کا ایسا جواب دیا۔ حالانکہ نعیم شخص جس طرح امام ابو نعیم کو نہیں دیکھ سکا تھا، کیونکہ وہ ان کی وفات کے بعد پیدا ہوا، اسی طرح بشر و ابن سماعہ سے بھی نہیں مل سکا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ابن المغلس نے اس روایت میں یہ ظاہر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مسائل کی تحقیق کرتے تھے، مگر ترویج اکاذیب میں ابن المغلس کے مشہور پیروکار کوثری کا ارشاد ہے کہ امام صاحب اپنی ”عقلیت جبارہ“ کے سبب حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ان کی طرح کے کئی صحابہ کی روایت کردہ احادیث نبویہ کو اپنے قیاس کے مقابلے میں اس لیے قبول نہیں کرتے تھے کہ موصوف ان صحابہ کو غیر فقیہ سمجھتے تھے۔^②

سوال یہ ہے کہ جب بقول کوثری امام صاحب حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کی روایت کردہ احادیث ہی قبول نہ کرتے تھے تو ان سے تحقیق مسائل کیوں فرمانے لگے؟ ابن المغلس نے یہ بھی کہا ہے کہ بشر بن الولید نے بیان کیا کہ ابو یوسف نے کہا کہ امام ابوحنیفہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نبوی روایت کی ہے: ”طلب العلم فریضة علی کل مسلم“^③

اسی قسم کے اکاذیب کی بنیاد پر مصنف جامع المسانید خوارزمی نے کہا کہ:

”جب حضرت انس کی وفات ۹۳ھ یا اس سے پہلے ۹۱ھ، ۹۲ھ میں ہوئی، جس وقت امام صاحب کی عمر گیارہ بارہ سال ہوگی تو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات و روایت کے وقوع میں کونسی چیز مانع ہو سکتی ہے۔“^④

مطلب یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام صاحب کی روایت و ملاقات کی روایات صحیح ہیں، حالانکہ نصوص کتاب و سنت میں کذابین و غیر ثقہ لوگوں پر اعتماد کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہی چیز حضرت انس رضی اللہ عنہ سے امام صاحب کی روایت و ملاقات کو صحیح ماننے سے مانع ہے۔ اس سے قطع نظر ابن المغلس کے حسب بیان معلوم ہوا کہ وفات انس کے کم از کم دو سال بعد امام صاحب نے حضرت انس سے ”طلب العلم فریضة علی کل مسلم“ والی حدیث نبوی سنی، جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان پر طلب علم فرض ہے۔

ظاہر ہے کہ اس علم سے مراد حنفی نقطہ نظر سے ”علم فقہ“ ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ امام صاحب کو ۹۵ھ ہی میں یہ فرمان نبوی معلوم ہو گیا تھا کہ علم فقہ کا حصول فرض ہے اور امام صاحب کے جتنے بڑے فقیہ، تبع سنت اور عامل بالحدیث ہونے کی شہرت ہے، اس کا تقاضا تھا کہ موصوف ۹۵ھ سے حصول فقہ میں مشغول ہو جاتے، مگر ابن المغلس اور اس جیسے لوگوں کا

① موفق (۲۶/۱)

② الترحیب و سیأتی التفصیل.

③ موفق (۲۸/۱ و ۳۲) جامع المسانید (۱/۲۳ تا ۵۸) و کردری وغیرہ. ④ جامع المسانید (۱/۲۶)

پروپیگنڈہ یہ بھی ہے کہ موصوف امام صاحب ۱۰۲ھ، ۱۰۳ھ میں سب سے پہلے پہلی بار فقہ پڑھنے کی طرف متوجہ ہو کر درس گاہ حماہ میں داخل ہوئے، اس سے پہلے وہ علم کلام سے اشتغال رکھتے تھے۔^①

موفق رافضی نے جعابی سے نقل کیا ہے:

”أنبأنا أبو بكر أحمد بن موسى بن عمران من كتابه حدثني محمد بن سعيد العوفي ثنا أبي أنبأنا أبو يوسف عن أبي حنيفة قال: رأيت أنس بن مالك في المسجد قائماً، قال: وولد أبو حنيفة سنة ۸۰ھ، ومات أنس وجابر بن يزيد سنة ۹۳ھ.“^②

یعنی امام صاحب نے کہا کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ جعابی نے کہا کہ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اور جابر بن یزید رضی اللہ عنہ ۹۳ھ میں فوتے ہوئے۔

اس روایت کے مدار علیہ راوی جعابی (ابوبکر محمد بن عمر بن محمد بن سبرہ مولود ۲۸۲ھ و متوفی ۳۵۵ھ) کو کتب رجال میں فاسق، بد دین اور ساقط الاعتبار شیعہ اور روپیہ لے کر غلط باتوں کا لکھنے والا، تارک صلوة، شراب خور، صاحب عجائب و غرائب وغیرہ قرار دیا گیا ہے، اگرچہ اس کے علم و عمل، حفظ اور وسعت معلومات کی تعریف بھی کی گئی ہے۔^③

موصوف جعابی کو مرتے وقت شائد اپنی کتابوں میں جمع شدہ اکاذیب پر مواخذہ خداوندی کا احساس ہوا، اس لیے وہ وصیت کر گیا کہ میری ساری کتابیں نذر آتش کر دی جائیں، چنانچہ اس کی وصیت کے مطابق اس کی تصنیف کردہ ساری کتابیں نذر آتش کر دی گئیں۔ جعابی کی کتابوں میں سے ایک کتاب ”الانتصار والترجیح“ بھی ہے، جو خاص طور پر امام صاحب کے فضائل و مناقب میں لکھی گئی تھی۔ اس کا ذکر علامہ شبلی نے بھی کیا ہے۔^④

ظاہر ہے کہ اسے بھی جعابی نے قابل سوختنی قرار دیا تھا۔ اپنی کتابوں کے شرور و فتن کو مٹانے کے لیے جعابی نے یہ کام اچھا کیا کہ انھیں وہ نذر آتش کر گیا، مگر افسوس ہے ان لوگوں پر جو ان نذر آتش کردہ کتابوں کی روایات کو حجت بنائے ہوئے ہیں۔ جعابی مذکور نے یہ روایت جس ابوبکر احمد بن موسیٰ بن عمران سے نقل کی ہے، اس کا حال معلوم نہیں، شاید بحالت نشہ غلط طور پر اس کا نام لے لیا، غالباً وہ احمد بن موسیٰ ابوالحسن جرجانی (متوفی ۳۰۶ھ) ہے، جو جعابی کا معاصر تھا۔ اس کی بابت ابوسعید نقاش نے قسم کھا کر کہا کہ: ”إنه ليضع الحديث“ یعنی وہ وضع حدیث کرتا تھا۔

امام حاکم نے بھی یہی بات کہی کہ ”ليضع الحديث، ويركب الأسانيد على المتون“ امام حمزہ سہمی نے کہا:

”روی مناكير عن شيوخ مجاهيل لم يتابع عليها فكذبوه.“^⑤

ظن غالب ہے کہ جعابی نے جس احمد بن موسیٰ سے روایت نقل کی ہے وہ یہی احمد ہے، مگر نشہ میں وہ اس کی کنیت ابو الحسن کے بجائے ابوبکر لکھ گیا، ورنہ اگر یہ نہیں ہے تو وہ کوئی مجہول شخص ہے، جس کا حال معلوم نہیں۔ اس نام و کنیت کے ایک آدمی کا ذکر تاریخ خطیب (۵/ ۱۲۸، ۱۳۹) میں ہے، مگر کسی امام جرح و تعدیل سے اس کی توثیق یا تخریج منقول نہیں، یعنی کہ

① کتب مناقب أبي حنيفة و سياأتي التفصيل . موفق (۱/ ۴۴، ۴۵) و کردری .

② تذكرة الحفاظ (۳/ ۱۳۹ تا ۱۴۰) لسان الميزان (۵/ ۳۲۲ تا ۳۲۴)

③ لسان (۱/ ۲۳۵، ۲۳۶ و ۳۱۴)

④ سيرة النعمان (ص: ۱۴)

موصوف مجہول ہیں۔ جعابی نے اس مجہول شخص کو بھی صاحب کتاب بتلایا ہے، مگر جعابی کی بات قابل اعتماد نہیں، بحالت نشہ وہ ہر طرح کی لغو طرازی کر سکتا ہے۔ جعابی نے اس مجہول کے توسط سے روایت مذکورہ محمد بن سعد عوفی (متوفی ۲۷۵ھ) سے نقل کی، جو بقول دارقطنی ”لا بأس بہ“ (ثقة) اور بقول خطیب ”لین“ تھے۔^① یعنی عوفی مذکور زیادہ مجروح نہیں، مگر یہ روایت انہوں نے اپنے باپ سعد بن محمد عوفی سے نقل کی جو بھی ہونے کے ساتھ سخت ضعیف حتیٰ کہ اس لائق تھے کہ ان کی حدیث لکھی بھی نہ جائے، یعنی ایک طرح سے متروک تھے۔^② سعد نے یہ روایت ابو یوسف (شاگرد ابی حنیفہ) سے نقل کی، جس کا مطلب یہ ہے کہ ابن سعد عوفی نے یہ روایت دو واسطوں کے ساتھ امام صاحب سے نقل کی ہے، ان میں سے ایک کی بابت معلوم ہو گیا کہ جہمی ہونے کے ساتھ سخت غیر ثقہ تھے اور دوسرے واسطے ابو یوسف کا تعارف آگے آئے گا۔

اس تفصیل کا حاصل یہ نکلا کہ روایت مذکورہ موضوع ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم بعنوان ”امام صاحب کے تابعی ہونے کی بحث“ اس موضوع پر تحقیقی گفتگو کریں گے کہ کسی بھی صحابی کو امام صاحب کا دیکھنا ثابت نہیں ہے۔ یہاں صحابہ سے امام صاحب کی روایت کا تذکرہ اس غرض سے کر رہے ہیں کہ امام صاحب کی طرف منسوب کردہ صحابہ سے روایات کا نمونہ ناظرین کے سامنے آجائے۔ وضاعین اور کذابین نے آٹھ صحابہ سے امام صاحب کی طرف روایات منسوب کی ہیں، ان میں سے ایک صحابی حضرت انس سے امام صاحب کی روایت کا تذکرہ ہوا اور باقی کا تذکرہ اور ان پر تفصیلی جائزہ آئندہ صفحات میں آ رہا ہے۔ حضرت انس کے بعد موفق معتزلی نے حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء صحابی سے امام صاحب کی روایت نقل کی ہے، اس روایت پر مفصل گفتگو بھی ”امام صاحب کے تابعی ہونے کی بحث“ میں آئے گی۔

حضرت جابر سے امام صاحب کی روایت پر بحث:

موفق نے تیسرے صحابی حضرت جابر سے امام صاحب کی روایت کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے:

”مشائخ نے اگرچہ ان سات صحابہ میں جابر کو بھی شمار کیا ہے جن سے امام صاحب نے براہ راست روایت حدیث کی ہے مگر یہ ان کا وہم ہے، کیونکہ متفقہ طور پر ثابت ہے کہ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور جابر ۷۹ھ میں فوت ہوئے، پھر جابر سے امام صاحب کی روایت کیسے متصور ہو سکتی ہے؟ لہذا ثابت ہوا کہ مشائخ کو اس بات میں وہم ہو گیا ہے۔ اس کے وہم ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ جابر سے امام صاحب کی روایت معنعن آتی ہے اور معنعن روایت میں تدلیس کو دخل ہوا کرتا ہے، یہ بات اہل حدیث کے یہاں مشہور ہے۔“^③

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت جابر سے امام صاحب کی براہ راست روایت موفق کو خلاف درایت محسوس ہوئی، مگر اس سے پہلے کی دونوں روایتوں کا بھی درایتاً یہی حال ہے، لیکن ان محقق صاحب کو گزشتہ دونوں روایتوں میں یہ بات سمجھ نہیں آئی، لطف یہ کہ موصوف نے چند ہی صفحات کے بعد امام صاحب کی طرف منسوب اس جھوٹی روایت کو نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ میں فلاں فلاں سات صحابہ سے ملا، ان میں عبداللہ بن انیس (متوفی ۵۴ھ) جابر بن عبداللہ (متوفی ۷۹ھ)

① لسان (۱۷۴/۵) خطیب (۳۲۲/۵)

② لسان (۱۸/۳، ۱۹، ۱۲۶/۹) خطیب (۱۲۷، ۱۲۶/۹) موفق (۲۹/۱)

(بقول موفق) معقل بن یسار (متوفی قبل ۶۰ھ) بھی ہیں^①

اس روایت میں صاف طور سے تصریح لقاؤ و سماع ہے۔ اگرچہ موفق نے اس روایت کو نقل کر کے پھر کہا ہے کہ اس روایت میں معقل اور جابر کا ذکر وہم ہے، مگر اس سے بہر حال ان کے اس دعویٰ کی تکذیب ہوتی ہے کہ ”جابر سے امام صاحب کی روایت معنعن ہے بتصریح سماع نہیں۔“ لطف کی بات یہ کہ جابر والی معنعن روایت کی عزت رکھنے کے لیے موفق صاحب امام صاحب کو مدلس ماننے کے لیے بھی تیار ہو گئے، حالانکہ احناف کے فخر الاسلام قسم کے لوگوں نے تالیس کو تلبیس کہا ہے^②۔ جامع المسانید کے مرتب خوارزمی اور کردری نے یہ بھی گوارہ نہیں کرنا چاہا کہ ایسی بدیہی البطلان مکذوبہ روایت کو بھی مکذوبہ مانیں، اس لیے کہا کہ حضرت جابر اگرچہ باختلاف روایت ۷۷ یا ۷۸ھ میں فوت ہوئے، مگر امام صاحب کا سال ولادت بعض اقوال میں ۶۱ھ بھی بتلایا گیا ہے، لہذا اس اعتبار سے یہ روایت بھی صحیح ہو سکتی ہے۔^③

ایسے مدعیان علم کو کیا کہا جائے جو امام صاحب سے مروی اس روایت کو بھی صحیح مانے ہوئے ہیں کہ میری ولادت ۸۰ھ میں ہوئی؟ پھر امام صاحب (جن کی تقلید وہ اپنے اوپر فرض کئے ہوئے ہیں) کی بات سے عدول کر کے مکذوبہ روایات کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یہ متناقض بات بھی فرما رہے ہیں کہ امام صاحب ۶۱ھ میں پیدا ہوئے۔ گل افشانی کا سلسلہ اتنا طویل ہے کہ ۶۱ھ میں امام صاحب کی ولادت کا قول اگرچہ ایک غیر معتبر سند سے منقول ہے، جس کی کسی نے بھی بقول امام خطیب متابعت نہیں کی، مگر بعض لوگ حق تحقیق اد کرتے ہوئے بطور حاشیہ آرائی فرماتے ہیں:

”وقال بعضهم، منهم ابن علیة: أنه ولد سنة إحدى وستين.“^④

یعنی بعض لوگ کہتے ہیں، جن میں سے ابن علیہ بھی ہیں، کہ امام صاحب کی ولادت ۶۱ھ میں ہوئی۔

حالانکہ یہ قول متقدمین میں سے ابن علیہ کے علاوہ کسی سے بھی منقول نہیں اور ابن علیہ کی طرف بھی یہ قول مکذوب طور پر

منسوب ہے۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ نیز موفق و کردری نے کہا:

”والصحيح هي الرواية الأولى، وهي المجمع عليها.“^⑤

یعنی امام صاحب کا ۸۰ھ میں پیدا ہونا اجماعی بات ہے اور یہی بات صحیح بھی ہے۔ ۶۱ھ والی بات اجماع کے

خلاف اور غیر صحیح ہے۔

حاصل یہ کہ موفق اور کردری جیسے عالی مقلدین کے مطابق بھی ۸۰ھ امام صاحب کا سال ولادت اجماعی ہے۔ اس کے برعکس امام صاحب کے سال وفات پر کسی نے بھی اجماع کا دعویٰ نہیں کیا، بلکہ امام صاحب کے شاگرد امام مکی بن ابراہیم بلخی سے بسند صحیح مروی ہے کہ امام صاحب ۱۵۳ھ میں فوت ہوئے اور ابن معین نے کہا ۱۵۱ھ میں وفات پائی^⑥۔ اگر کوئی کہے کہ اس بات کے پیش نظر کہ امام صاحب ستر سال کی عمر میں فوت ہوئے، مکی بن ابراہیم کے مذکورہ بالا بیان کے مطابق امام صاحب کا

① موفق (۱/۳۴-۳۷) ② مقدمہ انوار (۲/۴۷ تذکرہ امام بخاری)

③ کردری (۱/۱۸) جامع المسانید (۱/۲۶، ۲۵، ۲۶ و ۲/۳۴۶، ۳۴۷)

④ حاشیہ موفق (ص: ۲۹) و جامع المسانید. ⑤ موفق (۱/۵) کردری (۱/۵)

⑥ خطیب (۱۳/۴۲۳)

سال ولادت ۸۳ھ قرار پاتا ہے تو کوثری اور مقلدین کوثری کے اصول سے بالکل درست ہوگا، مگر یہ عجیب بات ہے کہ ولادت کے بارے میں اجماعی قول سے انحراف کرنے والے کوثری نے وفات کے بارے میں کمی اور ابن معین وغیرہ کے اقوال کی نقل کو اغلاط مکشوفہ و عدم ضبط بتلا کر کہا ہے کہ ان اقوال کو نقل کرنے کی ضرورت خطیب کو نہیں تھی، کیونکہ معتمد علیہ مؤرخین کا اس پر اجماع ہے کہ امام صاحب کی وفات ۱۵ شعبان ۱۵۰ھ میں ہوئی۔^۱

کوثری کی یہ حقیقت پسندی قابل دید ہے کہ کمی و ابن معین جیسے ائمہ فن سے منقول شدہ اقوال کو اغلاط مکشوفہ وغیرہ قرار دے کر ان کی نقل پر بھی چین بچیں ہیں، مگر ولادت کے اجماعی قول سے انحراف کر کے خانہ ساز باتوں کو دلیل بنائے پھرتے ہیں، اور اہل علم کے اختلاف کے باوجود موصوف ۱۵ شعبان ۱۵۰ھ کو امام صاحب کا اجماعی سال وفات بتلا رہے ہیں۔ مشہور مؤرخ و نسب و محدث امام سعید بن کثیر بن عقیق (مولود ۱۴۶ھ و متوفی ۲۲۶ھ) نے کہا ہے کہ امام صاحب ۱۵۰ھ میں بھر ستر سال بمابہ رجب فوت ہوئے۔^۲ واضح رہے کہ امام ابن عقیق فن تاریخ پر کتاب کے مصنف ہیں۔^۳ اس سے کوثری کے اس زعم باطل کی تکذیب ہوتی ہے کہ ماہ شعبان کی پندرھویں تاریخ کو امام صاحب کا وفات پانا اجماعی ہے، امام ذہبی نے کہا کہ امام صاحب کا ماہ رجب ۱۵۰ھ میں فوت ہونا صحیح ہے۔^۴

کوثری کے خصوصی معتمد علیہ موفق نے کہا:

”أكثر الروايات المعتمد عليها على أن وفاته كانت في رجب سنة خمسين ومائة وهو رواية إمام أهل الحديث في زمانه أبي بكر الخطيب البغدادي إلا في رواية الحافظ الجعابي فإنه روى عن عبد الله بن محمد بن سعيد بن عباس بن محمد عن الفضل بن دكين أنه توفي في رجب سنة إحدى وخمسين ومائة، قلت: وهذه رواية شاذة فإن أبا نعيم قال: ”وقالوا“، ولم يسنده إلى من يوثق به.“^۵

یعنی اکثر معتمد علیہ روایات میں امام صاحب کا ماہ وفات رجب اور سال ۱۵۰ھ بتلایا گیا ہے۔ یہی اہل حدیث کے امام زماں امام خطیب کی بھی روایت ہے، لیکن جعابی نے فضل بن دکین کا یہ قول نقل ہے کیا کہ امام صاحب بمابہ رجب ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے، فضل بن دکین کی یہ روایت شاذ ہے، کیونکہ انھوں نے اس روایت کے قائلین کا نام نہیں بتلایا کہ وہ قابل اعتماد ہیں یا نہیں؟

کوثری کے معتمد علیہ موفق کی اس عبارت میں کوثری کے اس دعویٰ کی تکذیب ہے کہ ماہ شعبان میں امام صاحب کا انتقال کرنا اجماعی ہے۔ نیز موفق نے امام خطیب کو اہل حدیث کا امام زماں قرار دے کر قابل اعتماد مانا ہے، جبکہ کوثری خطیب رضی اللہ عنہ کو نشانہ طعن و تشنیع بنائے ہوئے ہے۔ نیز موفق نے ۱۵۰ھ کو اکثریتی قول بتلایا ہے، اجماعی نہیں۔ الغرض موفق کی پوری عبارت کوثری کی تکذیب کرتی ہے، البتہ موفق کا یہ کہنا کہ فضل بن دکین نے ۱۵۱ھ والے قول کی سند نہیں بیان کی، عجیب

① تأییب (ص: ۱۶۹)

② خطیب (۱۳/۴۲۲)

③ اکمال لابن ماکولا (۶/۲۲۶)

④ مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ۳۰)

ہے۔ کیونکہ فضل بن دکین کو سند بیان کرنے کی حاجت کیا تھی، جب کہ وہ امام صاحب کے خصوصی تلامذہ میں سے تھے، البتہ فضل کی طرف اس قول کی نسبت صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کی سند میں بجابی کذاب اور وضاع ہے۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ بہر حال یہاں کوثری کی بے راہ روی دکھلانی مقصود ہے کہ اس کا طریق تحقیق اس انداز کا ہے۔ کوثری نے سبط ابن الجوزی رافضی کذاب کی کتاب الاختصار سے نقل کیا ہے کہ امام ابو نعیم اصہبانی رحمہ اللہ نے امام صاحب کے لیے روایت تسلیم کی ہے۔^① حالانکہ اس کذاب رافضی کی تحریر معتبر نہیں۔ اس کا مفصل تعارف آئندہ صفحات میں آئے گا۔

۶۱ھ کو امام صاحب کا سال ولادت قرار دینے والی جماعت مدعی ہے کہ صحابہ سے امام صاحب کی ملاقات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔^② مگر یہ عجیب بات ہے کہ ۶۱ھ میں پیدا ہو کر صغریٰ میں ”طلب العلم فریضة“ اور ”من ینفقہ فی الدین“ قسم کی احادیث سننے، عامل بالحدیث، فقیہ اور زریک ہونے کی بھاری شہرت کے باوجود موصوف امام صاحب ۱۰۲ھ تا ۱۰۳ھ تک یعنی اپنی عمر کے چالیس سال سے زیادہ مدت تک علم کلام (جسے خود موصوف نے زندقہ و بددینی کہا ہے) میں مصروف رہے، بعد ازیں علم فقہ کے حصول میں اٹھارہ سال مصروف رہ کر ۱۲۰ھ میں بعمر ساٹھ سال فارغ ہو کر رونق افروز مسند درس ہوئے۔ واضح رہے کہ حضرت جابر سے امام صاحب کی زیر بحث روایت کا دارو مدار ابو علی حسن بن علی دمشقی پر ہے، جو کذاب یا مجہول ہے۔^③ اسی شخص نے مذکورہ بالا روایت خود ساختہ جھوٹی سند کے ساتھ بیان کی ہے۔

حضرت عبداللہ بن انیس رحمہ اللہ صحابی سے امام صاحب کی روایت:

اسی دمشقی کذاب نے ایک چوتھے صحابی حضرت عبداللہ بن انیس رحمہ اللہ (متوفی ۵۴ھ) سے امام صاحب کی روایت بایں لفظ ذکر کی ہے:

”امام صاحب نے فرمایا ۹۴ھ میں حضرت عبداللہ بن انیس رحمہ اللہ کوفہ آئے، اس وقت میری عمر چودہ سال تھی، اس وقت میں نے انھیں دیکھا اور ان سے روایت کی۔“^④

اس مکذوبہ روایت کی بابت صرف اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ کردری جیسے کذب نواز سے بھی یہ کہے بغیر نہ رہا گیا کہ: ”لکن فی ملاقات ابن انیس بہ إشکال لأن أهل السیر و التوارخ مجمعون علی أنه مات بالمدينة عام أربع وخمسين قبل ولادة الإمام بسنين.“^⑤

یعنی ابن انیس سے امام صاحب کی ملاقات پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اہل سیر و توارخ متفق ہیں کہ امام صاحب کی ولادت سے کئی سال پہلے صحابی موصوف ۵۴ھ میں انتقال کر گئے۔

حالانکہ کردری اپنی عادت معروفہ کے مطابق اس مکذوبہ روایت کو ”حدیث صحیح و نص قطعی“ قرار دے کر اہل سیر و توارخ کے اجماع کو رد کر سکتے تھے، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا لیکن ان کی کتاب پر دائرۃ المعارف کے حاشیہ نگاروں نے بحوالہ تذبذب

① موفق (۲/ ۱۸۲، ۱۸۳) و کردری. ② تانیب (ص: ۱۵)

④ لسان المیزان (۲/ ۲۴۰) ⑤ موفق (ص: ۳۰ و ۳۲) و بسند آخر (۱/ ۳۵) و کردری و جامع المسانید للخوارزمی.

⑥ کردری (۱/ ۱۹)

التهدیب کہا کہ ”بقول ابن یونس حضرت عبداللہ بن انیس ۸۰ھ میں فوت ہوئے، جسے حافظ عسقلانی نے معتذر قرار دیا ہے، مگر فرمان ابی حنیفہ سب کی باتوں پر غالب ہے، یعنی کہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کا ۹۴ھ کے بعد تک زندہ رہنا ہی صحیح ہے۔“^۱

حشی کی کذب نوازی کی داد دیجیے کہ وہ امام صاحب کی طرف مکذوبہ طور پر منسوب بات کو صحیح قرار دینے کے درپہ ہے، جب کہ حضرت ابن انیس کی صاحبزادی خالدہ صحابیہ سے بسند صحیح مروی ہے کہ میرے باپ کا انتقال حضرت ابوقادہ (متوفی ۵۳ھ) کے پندرہ دن کے بعد ہوا۔^۲

ایک صحابیہ اور جمیع اہل علم کی تصریح کے بالمقابل مکذوبہ باتوں پر اعتماد کرنے والوں کو اپنے دین و ایمان کی خبر لینا چاہیے، کیونکہ فرمان نبوی ہے کہ جھوٹی حدیث بیان کرنے والے کا ٹھکانہ جہنم ہے اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكُذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴾ [النحل: ۱۰۵]

یعنی صرف وہی لوگ افترا پردازی کرتے ہیں جو ایمان نہیں رکھتے۔

ذات نبوی پر افتراء کرنے والے شخص کو بارگاہ نبوی سے قتل کی سزا دی گئی تھی۔^۳

۸۰ھ میں ابن انیس کے انتقال والے قول کی غلطی اصابہ (۲/ ۲۷۸، ۱۷۹) میں حافظ عسقلانی نے واضح کر دی۔ اس سال وفات کو صحیح ماننے کی صورت میں بھی چونکہ ان سے امام صاحب کی روایت محال و مکذوب قرار پانے کے لائق تھی، اس لیے اس مکذوبہ روایت کو صحیح قرار دینے کے لیے حشی نے دعویٰ کیا کہ ۹۴ھ کے بعد ہی ابن انیس کا انتقال ہوا۔

حضرت سہل صحابی سے امام صاحب کی روایت:

حشی کی دیانتداری کا حال یہ ہے کہ کردری نے صاف طور سے حضرت سہل بن سعد انصاری صحابی سے امام صاحب کی ملاقات کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ صحابی مذکور ۸۶ھ میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے، جب امام صاحب پہلی بار ۹۶ھ میں حجاز گئے۔^۴ مگر کردری کے اس بیان کا مطلب حشی نے یہ نکالا کہ جن صحابہ سے امام صاحب نے روایت و ملاقات کی ان میں سہل رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔^۵

حضرت ابوالطفیل عامر بن وائلہ سے امام صاحب کی روایت:

اسی طرح کردری نے صرف اتنا کہا تھا کہ امام صاحب نے حضرت ابوالطفیل عامر بن وائلہ کا زمانہ پایا، مگر حشی نے اس کا مطلب یہ بتلایا کہ ان سے بھی امام صاحب ملے۔^۶

عائشہ بنت عجرد سے امام صاحب کی روایت:

اسلاف کے طریق کار کی پیروی میں انوکھی گل افشانی کرتے ہوئے کہا کہ:

کوثری گروپ کے ایک فرد موسوم مولانا تقی الدین مظاہری نے اپنے لسان المیزان میں ترجمہ عائشہ بنت عجرد کے تحت

① ملخص حاشیہ کردری (۱۹/۱)

② تاریخ صغیر للبخاری (ص: ۵۴، ۵۵)

③ مشکل الآثار (۱/ ۱۶۴، ۱۶۵) والطبرانی، التنکیل (۱/ ۲۹)

④ کردری (۱/ ۱۱)

⑤ حاشیہ مناقب اُبی حنیفہ للکردری (۱/ ۱۱)

⑥ کردری معہ حاشیہ (۱/ ۱۲)

یحییٰ بن معین رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ: إن أبا حنيفة صاحب الرأي سمع عائشة بنت عجرد تقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم. "یعنی امام صاحب نے عائشہ بنت عجرد کو کہتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹڈی اللہ کا سب سے بڑا شکر ہے۔ یہاں امام صاحب کا سماع حضرت عائشہ سے واضح طور پر ثابت ہے۔" الخ¹

ہم کہتے ہیں کہ مظاہری موصوف کی دیانتداری قابل دید ہے:

اولاً: یہ کہ لسان المیزان کے مقدمہ میں تصریح ہے کہ:

"فإني أسقطتهم لجلالة الصحابة ولا أذكرهم في هذا الصنف."²

یعنی اس کتاب میں کسی صحابی کا ترجمہ نہیں ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عائشہ بنت عجرد کا ذکر لسان المیزان میں صحابیہ کی حیثیت سے نہیں ہے۔ پھر عائشہ مذکورہ کو مظاہری صاحب کا صحابیہ کہنا کہاں کی دیانتداری ہے؟ اور جب یہ عورت صحابیہ نہیں تو اس سے امام صاحب کی روایت بالفرض ثابت ہو بھی جائے تو اس سے امام صاحب کی تابعیت کیسے ثابت ہو سکتی ہے؟

ثانیاً: امام ذہبی نے عائشہ کی بابت کہا ہے:

"لا تكاد تعرف، قال الدارقطني: لا تقوم به حجة، ويقال: لها صحبة، ولم يثبت ذلك، بل أرسلت فأوهمت أنها صحابية."³

یعنی یہ عورت معروف نہیں ہے۔ امام دارقطنی نے فرمایا کہ یہ حجت نہیں، کہا جاتا ہے کہ اسے شرف صحابیت حاصل ہے مگر یہ بات صحیح نہیں ہے، بلکہ اس نے حضور سے مرسل روایت کر کے لوگوں کو وہم میں مبتلا کر دیا کہ اسے صحبت حاصل ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بقول ذہبی و دارقطنی یہ عورت صحابیہ نہیں ہے اور جب یہ صحابیہ نہیں تو بالفرض اس سے امام صاحب کی روایت ثابت ہو جائے تو بھی امام صاحب کا تابعی ہونا ثابت نہیں ہوگا۔ جب مظاہری صاحب نے اپنی محولہ کتاب میں امام دارقطنی و ذہبی کی پوری صراحت دیکھی کہ یہ عائشہ صحابیہ نہیں ہے تو اس کے صحابیہ ہونے کا ثبوت دیے بغیر اس سے روایت کی بنیاد پر امام صاحب کو کیسے تابعی کہہ دیا؟

ثالثاً: لسان المیزان میں مظاہری صاحب کو یہ تو نظر آیا کہ امام یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ ابوحنیفہ صاحب الرأی نے عائشہ سے سنا کہ اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنی۔ لیکن مظاہری صاحب موصوف کو اس روایت کے ذکر کے بعد اس روایت کے ناقل امام ابو موسیٰ (متوفی ۵۸۰ھ) کا درج شدہ یہ قول نظر نہیں آیا کہ:

"ذكروها في التابيعات، وقد قال الشافعي في الأم. الخ"⁴

یعنی اس عورت کو اہل علم نے تابعی عورتوں میں شمار کیا ہے اور امام شافعی نے فرمایا کہ یہ عورت غیر معروف عورتوں میں سے ہے۔

② مقدمہ لسان المیزان (۶/۱)

① محدثین عظام (ص: ۵۳)

④ لسان المیزان (۳/۲۳۸)

③ لسان المیزان (۲/۲۲۷) ترجمہ عائشہ رضی اللہ عنہا نیز ملاحظہ ہو: سنن دارقطنی (۱/۲۲۹)

اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی اور ابو موسیٰ بھی اس عورت کے غیر صحابیہ ہونے پر دارقطنی و ذہبی کے خیال سے متفق ہیں۔ دریں صورت مظاہری کا اس عورت کو صحابیہ کہنا کون سی دیانت داری ہے؟

رابعاً: لسان المیزان کی یہ عبارت جب مظاہری صاحب نے خود نقل کی ہے کہ ابن معین کا قول ہے کہ ”إن أبا حنيفة صاحب الرأي سمع عائشة الخ“ تو کیا مظاہری صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ امام یحییٰ بن معین کا لقاء و سماع امام ابو حنیفہ سے ممکن نہیں، کیونکہ ابن معین وفات ابی حنیفہ کے آٹھ سال بعد ۱۵۸ھ کے آخر میں پیدا ہوئے^①

جس کا مطلب ہے کہ اس سند میں امام ابو حنیفہ اور یحییٰ بن معین کے مابین انقطاع ہے۔ کیا ایسی منقطع السند روایت کو حجت بنا سکتے ہیں، جب مذکورہ ائمہ کرام نے عائشہ کے غیر صحابیہ ہونے کی تصریح کر دی ہے بہر حال یہ روایت اسی صورت میں تسلیم کی جاسکتی ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ امام صاحب اپنی وفات کے زمانہ بعد زندہ ہو کر ابن معین سے ملاقات کر کے بتلانے آئے تھے کہ میں نے عائشہ سے حدیث سنی ہے اور حیرت ہے کہ امام صاحب نے یہ بات اپنی وفات کے زمانہ بعد ابن معین کو تو بتلائی مگر اپنی زندگی میں اپنے معاصرین و تلامذہ میں سے کسی کو نہیں بتلائی، حالانکہ یہ بات ایسی تھی جسے امام صاحب کو اپنے تمام تلامذہ اور ملنے جلنے والوں سے بہت فخر کے ساتھ بیان کرنی چاہیے تھی۔ حاصل یہ ہے کہ عائشہ کے صحابیہ ہونے کا قول محض مکذوب اور وہم ہے۔

خامساً: مظاہری صاحب نے کمال دیانتداری سے کام لے کر لسان المیزان سے عائشہ کے صحابیہ ہونے اور اس سے امام صاحب کی روایت کا تذکرہ کیا، حالانکہ صحابہ کے تراجم پر جو مخصوص کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی مظاہری صاحب نے کھول کر نہیں دیکھا کہ عائشہ مذکورہ کا حال معلوم کریں۔ تراجم صحابہ کی مشہور کتاب اصابہ (۲/۳۷۲) کے طبقہ رابعہ میں اس عورت کا صرف نام لکھا ہوا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ موصوفہ کو اگر وہم کی بنا پر صحابیہ کہا گیا ہے تو اس وہم کی بنیاد بھی قوی نہیں ہے۔^②

طبقات ابن سعد (۸/۳۵۶) میں بھی موصوفہ کا ذکر موجود ہے، مگر بطور صحابیہ نہیں۔ اسد الغابہ (۵/۵۰۵) میں بھی اس عورت کا ذکر ہے، مگر صحابیہ ہونے کا فیصلہ نہیں، بلکہ تجرید اسماء الصحابہ للذہبی (۲/۳۰۲) میں کہا ہے کہ اسے محض وہم و شذوذ کے سبب ابن معین نے صحابیہ میں شمار کیا ہے۔ حاصل یہ کہ یہ عورت صحابیہ نہیں ہے۔

سادساً: لسان المیزان (۴/۱۴۰) سنن دارقطنی (۱/۴۳) تعجیل المنفعة (ص: ۳۸۳ و ۳۶۶) اور جامع مسانید ابی حنیفہ (۱/۲۶۹) کتاب الطہارۃ وغیرہ میں ہے کہ عائشہ سے امام صاحب نے بواسطہ عثمان بن راشد روایت کی ہے اور یہ کہ عائشہ بھی ابن عباس سے روایت کرتی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ امام صاحب نے عثمان بن راشد کے واسطے سے عائشہ سے روایت کی ہے۔ اس کے خلاف بلا واسطہ والی روایت چونکہ غلط طور پر منسوب ہوگئی ہے، اس لیے تابعیت ثابت نہ ہوگی۔ واضح رہے کہ جس عثمان بن راشد سے امام صاحب نے یہ روایت نقل کی ہے وہ ضعیف ہے۔^③ اور اسے کتب

② مقدمہ إصابہ جلد اول.

① تہذیب التہذیب (۱۱/۲۸۷)

③ لسان المیزان و تعجیل المنفعة.

مناقب ابی حنیفہ میں امام صاحب کا استاذ کہا گیا ہے۔^①

اس کا مطلب یہ ہے کہ مصنف انوار کا یہ پروپیگنڈہ غلط ہے کہ امام صاحب تورع و تقویٰ کے سبب کسی ضعیف و غیر ثقہ سے نہیں روایت کرتے تھے۔ نیز یہ کہ کسی ضعیف راوی پر امام صاحب کے اعتماد نہ کرنے کا پروپیگنڈہ بھی یہیں سے باطل ہو گیا۔ حاصل یہ کہ عائشہ کا صحابیہ ہونا ہی مکذوب اور وہم ہے، پھر عائشہ سے امام صاحب کی براہ راست روایت بھی ثابت نہیں، مگر ان امور کے ساتھ کوثری گروپ کے ایک صاحب کا مناقب ابی حنیفہ للموفق (۳۱/۱) پر حاشیہ ملاحظہ ہو کہ:

”وفي تجريد أسد الغابة: إنما هي سمعت ابن عباس في الغسل، قال الدارقطني: ليس لها سواه، رواه أبو حنيفة عن عثمان بن راشد عنها، وقيل: روى عنها، قال ابن معين: لها صحبة.“^②

محمی نے اصل عبارت میں سے ”عائشة من الأوهام“ اور ”قال ابن معين: لها صحبة“ کے بعد لفظ ”شذ“ کو اڑا دیا تاکہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو سکے کہ عائشہ کے صحابیہ ہونے کے پروپیگنڈہ کی بنیاد وہم اور ابن معین سے مروی شاذ قول پر ہے۔ حاصل یہ کہ یہ پوری کی پوری پارٹی ترویج اکاذیب میں مصروف ہے، جن کذابوں نے عائشہ والی زیر بحث روایت گھڑی انھوں نے یا انھیں جیسے لوگوں نے صحابی عبداللہ بن ابی اوفی و معقل بن یسار سے بھی روایات گھڑی ہیں، اس لیے اس موضوع پر مزید گفتگو کی ضرورت نہیں ہے۔ اس تفصیل سے مسانید ابی حنیفہ کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ لطف یہ کہ مصنف جامع المسانید بھی مسانید ابی حنیفہ کے تصنیف ابی حنیفہ ہونے کے مدعی نہیں، مگر کوثری گروپ کے رکن رکیں مصنف انوار الباری اور ان جیسے بعض حضرات کی جرأت نرالی ہے کہ وہ مسانید ابی حنیفہ کو تصنیف ابی حنیفہ قرار دے کر بہت سے دوسرے اکاذیب کو خالص علمی، دینی، تحقیقی اور صحیح و معتبر باتیں قرار دیے ہوئے ہیں، ہم انھی حضرات کی گل افشانیوں پر تحقیقی نظر کرنے کے ارادے سے یہ کتاب لکھ رہے ہیں۔

ناظرین! مصنف انوار کا یہ دعویٰ ملاحظہ کر آئے ہیں کہ امام مالک شاگرد ابی حنیفہ ہیں اور یہ کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے امام ابو حنیفہ سے ساٹھ ہزار مسائل حاصل کیے۔ مصنف انوار کے اس دعویٰ کی صداقت مندرجہ ذیل صرف ایک روایت صحیحہ سے واضح ہو جائے گی، ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

تلامذہ امام مالک سے امام ابو حنیفہ کا تلمذ:

امام ابن ابی حاتم نے کہا ہے کہ:

”امام ابوبکر محمد بن نصر جاردی حنفی نیشاپوری (متوفی ۲۹۲ھ) نے امام احمد بن حفص بن عبداللہ سلمی سے اور انھوں نے اپنے باپ^③ سے نقل کیا کہ امام ابراہیم^④ بن طہمان (متوفی ۱۶۸ھ) نے کہا کہ میں مدینہ منورہ سے

① موفق (۴۸/۱) - جامع المسانید (۵۰۵/۲) وغیرہ) ② موفق (۳۱/۱)

③ ان دونوں باپ بیٹے کے تراجم تہذیب و تمدن میں موجود ہیں، دونوں ثقہ و صدوق اور قابل اعتبار ہیں۔

④ ابراہیم موصوف امام مالک کے شاگرد امام ابو حنیفہ کے استاذ ہیں، اس کی تصریح تاریخ خطیب (ص: ۱۰۵) میں موجود ہے، ان کا ترجمہ تاریخ خطیب کے علاوہ تہذیب و تمدن، جواہر المصنوعہ وغیرہ میں بھی ہے، موصوف ثقہ امام ہیں۔

پڑھ کر واپس ہوا تو امام ابوحنیفہ سے ملنے کے لیے آیا، انھوں نے پوچھا! وہاں کے کن اہل علم سے آپ نے علوم لکھے؟ ابراہیم نے بعض کے نام بتلائے۔ امام صاحب نے پوچھا: امام مالک سے؟ ابراہیم نے کہا: ان سے بھی! امام صاحب نے فوراً کاغذ و قلم لے کر ان کے ذریعہ بطریقہ الاما امام مالک کے علوم حاصل کر کے قلمبند کر لیے۔¹ یہ روایت محدثین کے اصول و ضوابط کے مطابق قطعی طور پر صحیح ہے، اس میں کسی قسم کی کوئی علت نہیں۔ امام ابن ابی حاتم نے اسے نقل کرنے کے بعد کہا ہے:

”ما كتب أبو حنيفة عن إبراهيم بن طهمان عن مالك بن أنس، ومالك حي إلا وقد رضيه، ووثقه، ولا سيما إذ قصد من بين جميع من كتب عنه بالمدينة مالك بن أنس وسأله أن يملئ عليه حديثه، فقد جعله إماماً لنفسه ولغيره.“²

یعنی حیات امام مالک میں امام ابوحنیفہ نے امام مالک کے شاگرد ابراہیم سے علوم مالک صرف اسی بنیاد پر حاصل کیے کہ وہ امام مالک سے راضی تھے، انھیں ثقہ و امام سمجھتے تھے۔

مسانید ابی حنیفہ (جسے کوثری گروپ تصنیف ابی حنیفہ کہتا ہے) میں ہے کہ امام ابوحنیفہ نے بواسطہ بہلول بن عمرو الصیرمی امام مالک سے حدیث روایت کی۔³

”تزيين الممالك بمناقب امام مالك“ (ص: ۲۱) میں بہلول کو تلامذہ مالک اور مناقب ابی حنیفہ للموفق (۱/۲۰) میں اساتذہ ابی حنیفہ میں شمار کیا گیا ہے۔ تزيين الممالك (ص: ۶۹) میں ہے کہ امام مالک سے امام ابوحنیفہ کی متعدد روایات ہیں۔ مسند ابی حنیفہ⁴ میں بھی امام مالک سے ابوحنیفہ کی روایات موجود ہیں، مگر تعجب ہے کہ مسانید ابی حنیفہ کو معتبر و تصنیف ابی حنیفہ ماننے والے مصنف انوار اور ان کے ہم خیال ان روایات کے باوجود امام ابوحنیفہ کو امام مالک کا شاگرد نہیں مانتے۔ ہمارے نزدیک جامع المسانید اگرچہ معتبر نہیں، لیکن دوسرے دلائل سے امام ابوحنیفہ کا تلامذہ امام مالک کا شاگرد ہونا ثابت ہے۔ (کما مر و سیأتی)

مگر کوثری گروپ مسخ حقیقت اور تکلیس موضوع کا مرتکب ہو کر مدعی ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ ہی شاگرد ابی حنیفہ ہیں!!

امام دارالہجرۃ کی حیثیت سے امام مالک کی مسند نشینی کا سن و سال:

واضح رہے کہ امام ابوحنیفہ کے دو جلیل القدر اساتذہ امام شعبہ اور امام ایوب سختیانی نے متفقہ طور پر کہا ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ حیاتِ نافع (متوفی ۱۱۷ھ) میں مسند درس و افتاء پر رونق افروز ہو چکے تھے۔ چنانچہ شعبہ سے بسند صحیح منقول ہے:

”دخلت المدينة، ونافع حي، ولمالك حلقة“⁴

اس معنی کا قول ایوب سختیانی سے بسند صحیح الانتقاء (ص: ۲۲) میں منقول ہے۔ ظاہر ہے کہ حیاتِ نافع میں مسند درس پر متمکن ہونے والے امام مالک کی درسگاہ و فواتِ نافع کے بعد اور زیادہ ترقی کر گئی ہوگی۔ چنانچہ شعبہ ہی سے منقول ہے کہ

① مقدمة الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (۳/۱)

② ماحصل از مقدمة الجرح والتعديل (۴/۱)

④ تقدمة الجرح والتعديل لابن أبي حاتم، ص: ۲۶

③ جامع المسانيد (۳۰۵/۲)

وفاتِ نافع کے ایک سال بعد مدینہ گیا تو ”الحلقة لمالك“ دہلی حلقہ پس امام مالک ہی کا تھا۔¹

امام ابوخلید عتبہ بن حماد بن خلید دمشقی سے بسند صحیح مروی ہے کہ امام مالک نے فرمایا کہ میں نے موطاً ساٹھ سال میں تصنیف کی ہے۔²

اگر امام مالک نے یہ بات اپنی وفات کے صرف چند سال پہلے کہی ہو تو لازم آتا ہے کہ موصوف نے (۱۱۴ھ، ۱۱۵ھ) میں موطاً کی تصنیف شروع کر دی تھی، ظاہر ہے کہ مسند آرائے درس ہونے کے بعد ہی موصوف مصروف تصنیف ہوئے ہوں گے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ موصوف حیاتِ نافع میں مسند درس پر رونق افروز ہو چکے تھے۔ قاضی عیاض و دیگر بہت سے اہل علم کی تصریح ہے اور کوثری گروپ کے کتنے اسلاف کو تسلیم ہے کہ امام مالک اپنی عمر کے سترھویں سال مسند درس پر متمکن ہو گئے تھے۔³

اس بات کی مفصل تحقیق آگے آرہی ہے کہ امام مالک بقول خویشی ۹۰ھ میں پیدا ہوئے اس سے لازم آتا ہے کہ موصوف ۱۰۷ھ میں مسند درس پر بیٹھ چکے تھے، مگر کوثری گروپ کے ایک فرد ابو زہرہ نے اس سن و سال میں امام موصوف کے مسند نشین ہونے کا بلاوجہ انکار کرنے کی سعی کی ہے، حالانکہ قدیم و جدید ہر زمانے میں اس سن و سال کے کتنے افراد کے مسند نشین درس ہونے کی مثالیں موجود ہیں۔ امام موصوف مدینہ منورہ کے ستر جلیل القدر ائمہ محدثین و فقہاء مثلاً یحییٰ بن سعید انصاری و ربیعہ وغیرہ (اساتذہ ابی حنیفہ) کی اجازت و حکم سے مسند نشین درس ہوئے تھے۔⁴

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام مالک کی مسند نشینی کے وقت امام ابوحنیفہ درسگاہِ حماد میں معمولی طالب علم کی حیثیت سے زیر تعلیم تھے اور ۱۲۰ھ میں بوقتِ وفاتِ حماد جب موصوف امام ابوحنیفہ فارغ التحصیل ہوئے تو امام مالک کی مدرسے کو تیرہ سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا۔ اور امام مالک کی شان تدریس یہ تھی کہ اہل علم نے موصوف ہی کو اس حدیث نبوی کا مصداق بتلایا ہے کہ دنیا بھر کے طالبین علوم علمی پیاس بجھانے کے لیے تلاشِ بسیار کے باوجود مدینہ منورہ کے عالم سے بڑا عالم نہیں پاسکیں گے۔⁵ یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ بھی علومِ مالک کے لیے بے قرار ہو کر کوفہ آنے والے بعض تلامذہ مالک سے علوم مالک حاصل کرتے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

امام مالک کے بعض شاگردوں کا شاگرد ہونے کے باعث امام ابوحنیفہ بقول اشہب بن عبدالعزیز خدمتِ مالک میں بادب بچوں کی طرح بیٹھتے تھے۔⁶

کوثری اور تبعین کوثری نے روایتِ اشہب پر یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ وفاتِ ابی حنیفہ کے وقت اشہب دس سال کے کم سن بچے تھے اور وہ مصر کے باشندہ تھے۔ اس کم سنی میں وہ مصر سے مدینہ منورہ آ کر خدمتِ مالک میں امام ابوحنیفہ کو کیونکر دیکھ سکے ہوں گے؟⁷ حالانکہ مصر سے بھی دور دراز ممالک کے لوگ مواسم حج میں اپنے دس سالہ بچوں ہی کو نہیں بلکہ چار پانچ سالہ بچوں

① الجرح التعديل (۱/ ۲۰۵ قسم اول) و تاريخ صغير للبخارى (ص: ۱۳۱) و سنن دارقطني (۲/ ۳۹) و حلية الأولياء (۶/ ۳۱۹) والانتقاء وغيره)

② حلية الأولياء (۶/ ۳۳۱) و تهذيب التهذيب (۷/ ۵۹) ترجمة عتبة و تزئين الممالك)

③ ترتيب المدارك و مقدمه شرح موطأ لزرزقاني و مقدمه اوجز المسالك شرح موطأ و مقدمه تعليق الممجد وغيره.

④ حلية الأولياء و كتب رجال مناقب. ⑤ مسند أحمد (۲/ ۲۹۹)

⑥ طبقات الحفاظ و تذكرة الحفاظ للذهبي (۱/ ۲۰۹) ⑦ احقاق الحق للكوثری وغيره.

کے ساتھ خدمتِ مالک میں حاضری کو باعثِ سعادت سمجھتے تھے۔ اس قسم کے مواقع پر اہلب کا امام ابوحنیفہ کو خدمتِ مالک میں دیکھنا مستبعد نہیں، مگر خوئے بدر بہانہ بسیار! جب امام ابوحنیفہ کا مالک کے بعض شاگردوں کا شاگرد ہونا ثابت ہے تو یہ بات بظاہر خلاف قیاس ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس تلمیذ التلمیذ سے علمی استفادہ کیا ہو اور خلاف قیاس وہی بات قابل قبول ہوتی ہے جس کے لیے دلائل قویہ موجود ہوں اور امام مالک کے شاگرد ابی حنیفہ نہ ہونے پر معتبر دلائل وقرائن قائم ہیں۔

امام مالک کا امام ابوحنیفہ سے تلمذ کیوں نہیں؟

مثلاً یہ کہ امام مالک نے کسی کوئی سے روایت نہیں لی اور نہ وہ اسے پسند کرتے تھے، لہذا بغیر دلیل معتبر امام مالک کو امام ابوحنیفہ جیسے کوئی شخص کا شاگرد کہنا غلط ہے۔ دوسرے یہ کہ امام مالک جس شخص کو مجروح قرار دیتے تھے اس سے روایت نہیں کرتے تھے، اور اس بات کی مفصل تحقیق آگے آرہی ہے کہ امام مالک بھی امام ابوحنیفہ کو مجروح کہتے ہیں۔ نیز امام ابوحنیفہ کو مجروح کہنے سے پہلے امام موصوف سے امام مالک کے مستفید ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لہذا امام مالک کو تلمیذ ابی حنیفہ قرار دینا غلط ہے۔ بایں ہمہ کوثری گروپ کے افراد امام مالک کے تلمیذ ابی حنیفہ ہونے کے مدعی اور امام ابوحنیفہ کے تلمیذ مالک ہونے کے منکر ہیں۔

ناظرین کرام! تفصیل کا انتظار کریں۔ اس جگہ ناظرین کرام انوار الباری سے متعلق چند حقائق کا مشاہدہ کرتے چلیں۔

مصنف انوار کا عملی تضاد:

انوار الباری کے اشتہاری بیان میں کہا گیا ہے:

”صحیح بخاری حدیث کی عظیم المرتبت کتاب ہے اور دین کی عمارت دو مضبوط بنیادوں قرآن مجید اور حدیث صحیح پر کھڑی ہے۔“

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ دین کی ان دونوں مضبوط بنیادوں میں مسلمانوں کو ایسی روش اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے، جو انوار الباری میں اختیار کی گئی ہے۔ یعنی صحابہ کرام کی روایت کردہ احادیث نبویہ کو خلاف شرع کہنا، ان کے بالمقابل قیاس ورائے کو دلیل و حجت بنانا، کذاب و وضاع و بد عقیدہ لوگوں..... کی مدح سرائی کرنا، ائمہ ثقافت کو کذاب قرار دینا، تقلیدی مذہب کی حمایت میں محدثین کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنا، غیر معتبر و غیر صحیح باتوں کو دلیل و حجت بنا لینے کے باوجود یہ پروپیگنڈہ کرنا کہ ہم صرف صحیح و معتبر باتیں لکھتے ہیں اور جھوٹے قسم کے دعویٰ کرنا وغیرہ جیسا کہ ناظرین کرام کو گزشتہ صفحات سے اندازہ ہو چکا ہوگا کہ انوار الباری میں نہایت غیر محتاط، غیر محمود اور شرعی نقطہ نظر سے قابل مواخذہ روش اختیار کی گئی ہے۔ خاص طور سے کتاب و سنت کے نصوص صریح میں تقلید پرستی سے تباہ کن منع کیا گیا ہے، حتیٰ کہ جن اماموں کی تقلید کی جاتی ہے وہ خود بھی تقلید پرستی سے منع کر گئے ہیں، مگر مصنف انوار جیسے اہل تقلید منع تقلید میں ان کی تقلید نہیں کرتے، بلکہ حمایت تقلید پرستی میں انوار الباری جیسے ضخیم کتاب لکھ کر اس کی بابت کہتے ہیں: ”چودہ سو سال بعد احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیا پاشیاں نئے انداز میں!“

حالانکہ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ انوار الباری احادیث نبویہ کی ضیا پاشیاں کرنے کے بجائے جہمیوں اور جھوٹوں کی قصیدہ خوانی، مدح سرائی اور اسی قسم کی دوسری مختلف ظلمت آفریں چیزوں پر مشتمل ہے۔ انوار الباری کے اشتہار میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

”جس طرح دینی و دنیوی قانون کے لیے توضیحات و تشریحات کی ضرورت ہے، قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کی شرح و تفسیر کی بدرجہ اولیٰ ضرورت تھی۔“

مگر ناظرین کرام کو گزشتہ صفحات سے اندازہ ہو گیا ہوگا اور آئندہ صفحات سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ انوار الباری میں کس طرح احادیث مقدسہ کی شرح کی گئی ہے!؟

دعویٰ مصنف انوار کہ اردو میں انوار الباری جیسی کوئی شرح بخاری نہیں:

اشتہار مذکور میں لکھا ہے:

”کتب حدیث کی عربی و فارسی وغیرہ زبانوں میں صدہا شرح تصنیف ہوئیں، مگر اس کا دامن حدیث کی کما حقہ اس خدمت سے خالی تھا۔“

یہ اشتہاری بات صرف اس معنی میں درست ہو سکتی ہے کہ انوار الباری سے پہلے اس کے طرز پر صحیح بخاری اور اس کے جلیل القدر مصنف نیز جملہ محدثین پر رد و قدح اور قلب و مسخ حقائق کے لیے کوئی کتاب نہیں لکھی جاسکتی تھی، حتیٰ کہ عربی و فارسی زبان میں بھی نہیں، یعنی عمدۃ القاری، تیسیر القاری، فیض الباری جیسی حنفی شروح بھی اس معنی میں حدیث کی کما حقہ خدمت نہیں، جس معنی میں انوار الباری ہے۔ البتہ انوار الباری کے عالم وجود میں آنے سے پہلے علماء اہلحدیث بہت سی کتب حدیث کے اردو تراجم و شروح خصوصاً تسہیل القاری شرح بخاری و شرح مسلم للنووی کا ملخص ترجمہ مع ضروری فوائد اور شروح صحاح ستہ وغیرہ شائع کر چکے ہیں، جن کی تفصیل علامہ نوشہروی رحمۃ اللہ علیہ کے مقالہ ”علماء اہلحدیث ہند کی علمی خدمات“ میں موجود ہیں۔

اشتہار میں مزید کہا گیا ہے:

”اسلام کا مکمل قانون دینی و دنیاوی زندگی میں قرآن مجید کی جہاں تاب روشنی کے بعد حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی تویر ہے۔“

ناظرین کرام کو یہ بات جلد معلوم ہوگی کہ قرآن مجید و حدیث نبوی میں اگرچہ اکاذیب کو صحیح و معتبر باتیں کہہ کر مروج کرنے سے بتاکید بلیغ منع کیا گیا ہے، لیکن انوار الباری کی بنیاد ہی اکاذیب پر قائم ہے۔

نیز اشتہار میں کہا گیا ہے:

”جس میں یعنی حدیث میں مسائل فقہیہ کے علاوہ عقائد، عبادات، معاملات اور معاشرت و اخلاق انسانی کے دینی و دنیوی زندگی کے تمام مسائل غرض تمام اسلامی معاشرے کی مکمل و صحیح ترین تصویر سامنے آ جاتی ہے۔“ الخ

مصنف انوار کی اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ عقائد، عبادات، معاملات وغیرہ مسائل فقہیہ کے علاوہ کوئی اور چیز ہیں،

حالانکہ ان تمام چیزوں سے متعلق کتاب و سنت کے قوانین ہی کو مسائل فقہیہ کہا جاتا ہے۔ فقہ کے موضوع پر ہدایہ وغیرہ جیسی کتابوں کے اندر عبادات و معاملات وغیرہ ہی سے متعلق مسائل جمع کیے گئے ہیں۔

صحیح بخاری کی مدح سرائی مصنف انوار کی زبانی:

اشتہار میں کہا گیا ہے:

”فخر موجودات ﷺ کی بلند پایہ احادیث کو جس حسن و خوبی اور صحت و اہتمام کے ساتھ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب فرمایا ہے، اس کی نظیر اول و آخر میں نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے خالص دینی و علمی نقطہ نظر سے بخاری کی اردو تشریح کا نیا باب کھولا ہے۔“

مگر ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار کا خالص دینی و علمی نقطہ نظر یہ ہے کہ ایک طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جیسے اماموں کی عظمت و جلالت کا راگ الاپا جائے اور دوسری طرف ان کو روافض، حاسدین اور متعصبین کی صف میں کھڑا کیا جائے۔ اسی طرح کی بے شمار متضاد باتیں مصنف انوار کے خالص دینی و علمی نقطہ نظر سے انوار الباری میں تحریر کی گئی ہیں۔ اس اشتہار میں کہا گیا ہے کہ:

”ان تشریحات میں حدیث رسول کی بڑی عظمت محسوس ہوگی۔ دور حاضر کے تمام مسائل اور الجھنیں اس طرح حل نظر آئیں گی کہ حدیث زندگی کے تمام شعبوں میں کار فرما ہو، فقہیات کا تمام مجموعہ احادیث رسول کا ایک عطر محسوس ہوگا۔“

حالانکہ انوار الباری میں اکاذیب کو احادیث نبوی و صحیح و معتبر باتیں کہہ کر حقائق کو پوری طرح مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے اور تقلیدی مذہب کی حمایت میں احادیث کے رد و ابطال اور محدثین کی توہین و تذلیل کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، حتیٰ کہ حضرت ابو ہریرہ اور بہت سے صحابہ کرام کی بیان کردہ احادیث نبویہ کو خلاف شرع قرار دیا گیا ہے اور اس طرح کے سینکڑوں اقدامات کیے گئے ہیں جن کی پوری تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔ کیا ایسی کتاب یعنی انوار الباری میں عظمت حدیث محسوس کی جا سکتی ہے اور اسے حدیث کا عطر کہا جا سکتا ہے؟ ایسی کتاب میں عطر حدیث محسوس کرنے والوں کا خالص دینی و علمی نقطہ نظر اگر یہ ہو کہ محدثین کرام کو حاسد و متعصب کہہ کر مطعون کیا جائے تو تعجب نہیں۔ مصنف انوار نے کہا ہے کہ ”فرق باطلہ کے لیے یہ مجموعہ صاعقہ محرقتہ ثابت ہوگا۔“ مگر ہم بتلائیں گے کہ اس مجموعہ انوار سے فرق باطلہ کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس میں جہمیہ و مرجیہ کی قصیدہ خوانی میں مبالغہ آرائی کی گئی ہے۔ اس اشتہار میں صحیح بخاری کو نسخہ شفاء کہہ کر دعویٰ کیا گیا ہے کہ مصائب و مشکلات کے وقت تمام علماء نے بخاری شریف پڑھنے کا معمول رکھا ہے۔“ کہ مگر ناظرین پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی ہے کہ اس نسخہ شفاء اور اس کے مرتب کی تردید ہی میں انوار الباری لکھی جا رہی ہے۔

اشتہار میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ: ”بخاری شریف کی قدیم شروح سے اہم مباحث فصاحت کے ساتھ درج ہوں گے۔“

ناظرین کرام! آئندہ صفحات میں مصنف انوار کے مندرجہ بالا دعویٰ کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں گے۔

اشتہار میں کہا گیا ہے:

”اپنے اکابر حضرت گنگوہی، شیخ الہند، مولانا مدنی کی تقاریر، درس ترمذی و بخاری کے افادات علمیہ شامل ہوں گے۔
محدث یگانہ مولانا نور شاہ کی مطبوعہ تقاریر و درس ترمذی و بخاری و ملفوظات بھی شامل ہوں گے۔“

نیز ارشاد ہے:

”انوار الباری کی تالیف کا مقصد یہ ہے کہ اردو میں اپنے اکابر سلف کے حدیثی افادات شرح و بسط کے ساتھ پیش کیے جائیں۔“¹

اس جگہ مصنف انوار کے اکابر کے افادات کا ایک نمونہ کوثری کے درج ذیل بیان میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

بہت سے صحابہ کرام کی روایت کردہ احادیث حنفی مذہب میں حجت نہیں ہیں:

کوثری نے کہا:

”وأسماء الصحابة الذين رغب الإمام عما انفردوا به من الروايات المذكورة في المؤمل لأبي شامة الحافظ، وليس هذا إلا تحرياً بالغافي المرويات يدل على عقلية أبي حنيفة الجبارة.“²
یعنی کتنے صحابہ کرام کی روایت کردہ احادیث کو امام ابوحنیفہ نے قبول نہیں کیا ہے، امام صاحب کا یہ کارنامہ ان کے بہت بڑے عقلمند ہونے کی دلیل ہے۔

کوثری کے اس بیان سے مصنف انوار کے اکابر کے حدیثی افادات کی کیفیت ظاہر ہوتی ہے۔ جب صحابہ کی شان میں اور ان کی روایت کردہ احادیث کی بابت مصنف انوار کے اکابر کے یہ بیانات ہیں تو صحیح بخاری کی شرح میں اپنے ان اکابر کے افادات کے بل بوتے پر مصنف انوار نے کیا کچھ کہا ہوگا؟ اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اور جب صحابہ کے ساتھ مصنف انوار کے اکابر کا یہ حال ہے تو عام محدثین خصوصاً امام بخاری کی شان میں مصنف انوار کے اکابر میں سے علامہ نور شاہ کا درج ذیل بیان کچھ بھی تعجب خیز نہیں۔ ملاحظہ ہو:

محدثین پر علامہ نور شاہ کا شمیری کی کرم فرمائی:

مصنف انوار نے کہا ہے:

”حضرت الاستاذ المعظم شاہ قدس سرہ یعنی شاہ انور اس امر سے بہت دل گیر تھے کہ ابوحنیفہ اور محدثین احناف کو گرانے کی سعی ہر زمانے میں کی گئی اور مذہب حنفی کے خلاف ناروا حملے مسلسل ہوتے رہے۔ اس سلسلے میں درس بخاری کے وقت اکثر حافظ ابن حجر کے تعصب و بے انصافی کا شکوہ فرمایا کرتے تھے۔ امام بخاری کے بارے میں محتاط تھے، لیکن آخری سالوں کے درس میں امام بخاری کی زیادتیوں پر بھی تنقید فرمائی اور فرمایا اب ضعف کا وقت ہے، صبر کم ہو گیا، اور ادب کا دامن چھوٹ گیا۔ مجھے کہنا پڑا کہ امام بخاری نے اکابر حنفیہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا

② الترحيب للكوثري (ص: ٢٤) و التنكيل (١/١٣)

① مقدمہ انوار (٧/١)

اور ان کی جرح غیر معتبر ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ امام بخاری کو مذہب حنفی کی پوری واقفیت نہ تھی، جس کی وجہ سے ”باب الحیل“ وغیرہ میں حنفیہ کی طرف مسائل کا انتساب غلط کیا۔“

”حضرت شاہ صاحب ”کے“ درسی خصوصیات میں سے یہ بات بہت نمایاں تھی کہ وہ نہ صرف مذہب حنفی کی طرف سے بہترین دفاع کرتے تھے، بلکہ تائید مذہب حنفی کے لیے محدثانہ محققانہ طرز سے اونچی سطح کے کافی دلائل و براہین جمع فرما دیا کرتے تھے۔ بعض اوقات خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے مذہب حنفی کی بنیادوں کو اس طرح مضبوط کر دیا ہے کہ مخالفانہ و معاندانہ ریشہ دوانیاں بیکار ہو گئی ہیں۔ میرے نزدیک ایک دو مسئلوں کے سوا فقہ حنفی کے تمام دلائل و حجج دوسرے مذاہب سے زیادہ قوی ہیں۔“¹

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ شاہ صاحب نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں امام بخاری کو نا انصاف، فن جروح و تعدیل میں غیر معتبر، حنفی اماموں پر ظلم و زیادتی کرنے والا اور مذہب حنفی سے عدم واقفیت کے باوجود حنفی اماموں کی طرف مسائل کو غلط طور پر منسوب کرنے والا وغیرہ قرار دیا ہے اور محدثین پر الزام لگایا ہے کہ ان کی طرف سے ہر زمانہ میں احناف کو گرانے کی کوشش اور حنفی مذہب کے خلاف مسلسل ناروا حملے کیے گئے۔ شارح بخاری حافظ ابن حجر کو بھی متعصب و نا انصاف کہا گیا، ہم شاہ صاحب موصوف کی ان باتوں کا تحقیقی جائزہ آئندہ صفحات میں لیں گے۔

سبب تالیف انوار الباری مصنف انوار کی زبانی:

مصنف انوار اپنے اکابر سلف کے حدیثی افادات کو شرح صحیح بخاری کے انام سے شائع کرنے کا سبب بتلاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

”صحاح میں جامع صحیح بخاری کی اہمیت سب پر ظاہر ہے، اس لیے اس کا انتخاب ہوا، مگر شرح حدیث کے وقت دوسری صحاح، مصنفات و مسانید بھی پیش نظر رہیں گی، خصوصاً احادیث احکام کے ذیل میں چونکہ آثار صحابہ و تابعین اور اقوال اکابر محدثین پر بھی نظر ضروری ہے، اس لیے ان کو بھی زیادہ سے زیادہ پیش کرنے کی سعی ہوگی۔“²

مگر اہل نظر پر یہ بات مخفی نہیں کہ مصنف انوار کے اپنے اکابر سلف کے حدیثی افادات کا جو مجموعہ انوار الباری شرح صحیح البخاری کے نام سے شائع کیا جا رہا ہے، وہ حقیقت میں مصنف انوار اور ان کے ”اکابر سلف“ کے تقلیدی مذہب کی حمایت و حفاظت کے لیے ایک نئی کوشش ہے، لیکن ناظرین کرام کو گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے اندازہ ہو چکا ہوگا کہ ان اکابر سلف کے افادات میں مذہب تقلید کی حفاظت کرنے کی کتنی صلاحیت موجود ہے اور آئندہ صفحات میں ان شاء اللہ اس کی تفصیل بھی آئے گی اور ناظرین کرام کو معلوم ہو جائے گا کہ مصنف انوار نے جس انداز میں شرح بخاری کے نام سے شائع کردہ انوار الباری کی عبارتوں کو ترتیب دیتے وقت صحاح، مصنفات، مسانید، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم، فتاویٰ تابعین اور اقوال اکابر محدثین پر نظر رکھی ہے اور جس منصوبہ بند طریق کے مطابق آثار صحابہ رضی اللہ عنہم و فتاویٰ تابعین وغیرہ کو زیادہ سے زیادہ پیش کرنے کی سعی کی ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

اساتذہ دیوبند کی درسی خصوصیات:

مصنف انوار اپنے اکابر سلف کے حدیثی افادات کی خصوصیات بتلانے کی غرض سے ایک عنوان ”اساتذہ دارالعلوم دیوبند کی درسی خصوصیات“ قائم کر کے فرماتے ہیں:

”ہمارے حضرات اساتذہ و اکابر دارالعلوم کی درسی خصوصیات میں یہ بھی نمایاں خصوصیت تھی کہ احادیث احکام کے ذیل میں شرح حدیث کے ساتھ بیان مذاہب اور ہر مذہب کے مؤیدات و مرجحات کا ذکر فرماتے تھے۔ حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ نے قدیم محدثانہ رنگ کی تجدید فرماتے ہوئے اس طریق تحقیق کو اور زیادہ مستحکم کیا۔“

مصنف انوار کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے پہلے اپنے حضرات اساتذہ و اکابر دارالعلوم کی متعدد درسی خصوصیات کا تذکرہ کر چکے ہیں، حالانکہ اس کے پہلے انھوں نے کسی ایک خصوصیت کا ذکر نہیں کیا۔ اس کے باوجود ان کا دعویٰ ہے کہ مقدمہ میں اکابر امت کے معتبر حالات اور شرح میں ان کی تحقیقات عالیہ کو زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع سے بہتر سلیس اردو میں پیش کیا گیا ہے۔^①

مصنف انوار کے مندرجہ بالا بیان میں اگرچہ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اکابر و اساتذہ دیوبند کی نمایاں درسی خصوصیات یہ ہیں کہ وہ احادیث احکام کے ذیل میں شرح حدیث کے ساتھ بیان مذاہب اور ہر مذہب کے مؤیدات و مرجحات کا ذکر فرماتے تھے، مگر اکابر اساتذہ دیوبند کی درسی خصوصیات کے بارے میں علامہ رشید رضا مصری نے ایک بار بعض اساتذہ دیوبند سے پوچھا تو جواب یہ ملا:

”فإن كان مذهب الإمام الكوفي من الحديث في بادي الرأي يوفق مذهبه به، ويبين تطبيق المذهب بالحديث.“^②

یعنی اساتذہ دارالعلوم کی درسی خصوصیات میں یہ بات شامل ہے کہ جو حدیث نبوی بظاہر حنفی مذہب کے خلاف ہوتی ہے، اس کو یہاں کے اساتذہ حنفی مذہب پر فٹ کر لینے کی تدبیر بتلاتے ہیں۔

علامہ مصری نے اساتذہ دارالعلوم کی اس درسی خصوصیات پر واقف ہوتے ہی متحیر ہو کر کہا:

”وهل ذلك في كل حديث؟“ کیا اساتذہ دیوبند ہر حدیث کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں؟

اساتذہ دیوبند کی طرف سے جواب ملا کہ ”نعم“ ہاں! ہر حدیث کے ساتھ یہی برتاؤ ہوتا ہے۔ اساتذہ دارالعلوم کی اس جرأت انگیز درسی خصوصیت کو دیکھ کر علامہ رشید رضا نے فرمایا:

دیوبند کے طریقہ درس پر علامہ رشید رضا کی تنقید:

علامہ رشید رضا نے کہا:

”هل الحديث حنفي؟“ کیا حدیث بھی حنفی مذہب کی مقلد ہوگئی؟ کیا حدیث کا حنفی ہونا ممکن بھی ہے؟

① مقدمہ انوار (۱/ ۲۴۰)

② نفة العنبر في حياة إمام العصر الشيخ انور لمحمد يوسف البنوري (ص: ۷۱ مطبوعہ کراچی پاکستان)

”وہل هذا إلا عصبية ما لها من سلطان!“ یعنی یہ درس حدیث نہیں ہے بلکہ مقلدانہ عصبیت ہے۔
ایسے طریقہ درس کے جائز ہونے پر کوئی شرعی دلیل نہیں۔

یہ ساری تفصیل ”نفحة العنبر“ میں موجود ہیں، جو مصنف انوار کی طرح بلکہ ان سے زیادہ ایک غالی ترین دیوبندی مقلد کی تصنیف ہے۔ مصنف انوار اور مصنف نفحة العنبر کے بیانات اس امر پر متفق ہیں کہ علامہ رشید رضا مصری نے جب اساتذہ و اکابر دیوبند کی اس نمایاں درسی خصوصیت پر حیرت و استعجاب کا اظہار کیا اور اس طریق درس کو تعصب پر مبنی بتلاتے ہوئے سخت تکبر و تنقید فرمائی، اس وقت دیوبندیوں کے امام العصر حافظ حدیث انور شاہ کشمیری خود بھی اساتذہ دیوبند میں شامل تھے، جب انھیں معلوم ہوا کہ علامہ مصری اساتذہ دیوبند کی درسی خصوصیت سے برہم و برا فروختہ اور بددل ہیں تو علامہ موصوف کے اعزاز میں منعقد کردہ جلسہ استقبالیہ میں دیوبند کی طرف سے صفائی پیش کی گئی تھی۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے مصنف انوار نے یہاں کہا کہ:

”علامہ رشید رضا مصری جس وقت دیوبند تشریف لائے تھے تو حضرت شاہ صاحب نے اپنی عربی تقریر میں اسی طرز تحقیق کی صراحت کی تھی، جس پر علامہ مصری نے غیر معمولی تاثرات کا اظہار کیا تھا، اس کی تفصیل مقدمہ ہذا کے حصہ دوم میں پیش ہوگی۔“¹

ہم کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے بھی مصنف انوار کے اس بیان کی حقیقت آئندہ صفحات میں واضح کی جائے گی، جس سے ناظرین کرام کو معلوم ہوگا کہ علامہ انور شاہ مجلس استقبالیہ میں اپنے دیئے ہوئے بیان میں کس حد تک حق بجانب تھے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اساتذہ دیوبند کا طریق درس و تحقیق دراصل کیسا ہوا کرتا ہے؟ اور اسی سے مصنف انوار کے اس طویل بیان کی حقیقت بھی واضح ہو جائے گی کہ:

”یہاں صرف اتنی بات کہنی ہے کہ حضرت شاہ صاحب کا درس حدیث قدیم محدثین کے طرز سے ملتا جلتا تھا۔ ان کی نظر زمانہ رسالت، صحابہ و تابعین سے گزر کر ائمہ مجتہدین و اکابر محدثین سے ہوتی ہوئی اپنے زمانہ تک کے تمام اکابر محققین کے فیصلوں پر ہوتی تھی، جس کا صحیح اندازہ آپ کی تالیفات فصل الخطاب، نیل الضرقدین، بسط الیدین، کشف الستر وغیرہ سے ہو سکتا ہے۔“²

بقول مصنف انوار شاہ انور کی کتابیں نقائص و اغلاط سے پُر ہیں:

مصنف انوار فرماتے ہیں:

”فسوس ہے کہ آپ (انور شاہ) کی مطبوعہ تقاریر درس ترمذی و بخاری آپ کی تحقیقات عالیہ کے بہت ہی ناقص نقوش ہیں، جن میں جامعین کے اخذ و ضبط و ادا کے بھی نقائص و اغلاط ہیں اور مطبعی تصحیفات و اخطاء بھی۔“³
درحقیقت انور شاہ کی مطبوعہ تقاریر کو اس جگہ نقائص و اغلاط اور تصحیفات و اخطاء سے متصف کرنے اور انھیں شاہ صاحب کی تحقیقات عالیہ کے بہت ہی ناقص نقوش قرار دینے کا اصل سبب یہ ہے کہ انوار الباری کے مضامین انور شاہ کی مطبوعہ تقاریر

③ مقدمہ انور (۷/۱)

② مقدمہ انوار (۷/۱)

① مقدمہ انوار (۷/۱)

سے میل نہیں کھاتے۔ بہت سے معاملات و مقامات میں ان مطبوعہ تقاریر اور انوار الباری کے مضامین کے درمیان شدید اختلاف ہے، مگر چونکہ انوار الباری کے بارے میں یہ دعویٰ ہے کہ یہ مجموعہ افاداتِ امام العصر علامہ انور ہے، اس لیے انور شاہ کی مطبوعہ تقاریر کے مقابلے میں انوار الباری کے مضامین کو اصلی فرمودات و افاداتِ انور شاہ ثابت کرنے کی غرض سے ان مطبوعہ تقاریر کو شاہ صاحب کے بہت ہی ناقص نقوش وغیرہ قرار دیا گیا ہے۔ یعنی اگر اعتراض ہو کہ آپ انوار الباری کو مجموعہ افاداتِ انور کہہ کر شائع کر رہے ہیں، مگر انوار الباری میں آپ کا فلاں فلاں بیان انور شاہ کی مطبوعہ تقاریر کے خلاف و معارض ہے، تو مصنف انوار بآسانی یہ کہہ کر نجات حاصل کر لیں گے کہ یہ مطبوعہ تقاریر دراصل شاہ صاحب کی تحقیقات عالیہ کے نہایت ناقص نقوش ہیں۔ اس میں تصحیفات و اخطاء ہیں اور جامعین کے اخذ و ضبط و اداء کے نقائص و اغلط ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ مصنف انوار کی نظر میں اگر شاہ صاحب کی مطبوعہ تقاریر ان کی تحقیقات عالیہ کے نہایت ناقص نقوش ہیں اور پُر از اغلاط و نقائص و تصحیفات و اخطاء بھی تو انوار الباری کے اشتہاری بیان کی اس تصریح کا کیا مطلب ہے کہ:

”اس میں شاہ صاحب کی مطبوعہ تقاریر، ملفوظات عالیہ اور غیر مطبوعہ تقاریر کے مضامین عالیہ بھی درج ہیں۔“

اس بیان میں صاف طور پر اعلان کیا گیا ہے کہ انوار الباری میں شاہ موصوف کی مطبوعہ تقاریر درج ہوں گی۔ مصنف انوار کے ان دونوں بیانات کا حاصل مطلب کیا ہے؟ آخر اشتہاری بیان میں مصنف انوار نے کیوں نہیں بتلایا کہ شاہ صاحب کی مطبوعہ تقاریر نقائص و اغلاط اور تصحیفات و اخطاء کی حامل ہیں!؟

حافظ ابن حجر پر انور شاہ کا طعن:

اس کے بعد مصنف انوار نے کہا کہ:

”حضرت شاہ صاحب کا حافظ بے نظیر اور مطالعہ بہت وسیع تھا..... حافظ ابن حجر نے جن باتوں کا ذکر مقابل کی نظر سے بچانے کے لیے یا کسی دوسری مصلحت سے غیر محل میں کیا ان پر بھی حضرت شاہ صاحب کی نظر حاوی تھی۔“¹

ہم کہتے ہیں کہ اگر بے نظیر حافظ اور بہت وسیع مطالعہ کا حاصل یہی ہے کہ امام بخاری کو ناانصاف، متعصب، زیادتی کرنے والا، فن جرح میں غیر معتبر اور ائمہ کی طرف غلط مسائل منسوب کرنے والا اور حافظ ابن حجر کو مقابل کی نظر سے بچانے کے لیے عمداً بے محل باتیں کرنے والا قرار دیا جائے۔ نیز اس قسم کی دوسری بہت ساری باتیں کہی اور کئی جائیں تو اللہ ایسے بے نظیر قوت حافظ اور بہت وسیع مطالعہ کے شر سے تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔ آمین

اس کے بعد مصنف انوار نے فرمایا:

”راقم الحروف نے بزمانہ قیام مجلس علمی ڈابھیل دو سال درس بخاری میں حاضر رہ کر حضرت کی تقریر درس قلم بند کی۔ اس کے علاوہ علامہ نیوی کی آثار السنن پر حضرت نے جو بے نظیر حدیثی تحقیقات لکھیں... ان سب کو پیش نظر رکھ کر اور فتح الباری وغیرہ کو سامنے رکھ کر ایک مجموعہ افاداتِ اردو زبان میں مرتب کرنے کا خیال ہوا۔“² الخ

آثار السنن نیوی کا تذکرہ:

ہم کہتے ہیں کہ حضرت کی تقریر درس اور آثار السنن پر بے نظیر حدیثی تحقیقات جو بنام مجموعہ افادات انور، انوار الباری کی شکل میں شائع ہو رہی ہے اس کی حقیقت واضح کرنے کے لیے ہم بھی انوار الباری پر یہ علمی و تحقیقی تنقید لکھ رہے ہیں، اس سے عوام و خواص سب کو ”حضرت“ کی بے نظیر درسی تحقیقات، بے نظر حافظہ اور بہت وسیع مطالعہ وغیرہ کا حال معلوم ہو جائے گا۔

تمام محدثین پر مصنف انوار کا طعن:

مصنف انوار نے بعنوان ”مقدمہ کی ضرورت“ لکھا ہے:

”شرح بخاری سے قبل یہ بھی مناسب معلوم ہوا کہ حدیث کی ضرورت و تاریخ مختصر لکھ کر محدثین کا تذکرہ بھی ہو جائے، جس سے ہر دور کے اکابر محدثین کا ضروری تعارف ہو۔ حضرت شاہ صاحب کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ اثنائے درس میں جا بجا اکابر ائمہ و محدثین و فقہاء کا تعارف کراتے تھے۔ اس لیے موزوں ہوا کہ ابتدا ہی میں ان سب حضرات کا یکجائی تعارف ہو۔ اگرچہ اثنائے شرح میں بھی رجال پر کلام حسب ضرورت ہوتا رہے۔ دوسری ضرورت یہ بھی ہوئی کہ دوسری صدی کے بعد اکثر محدثین نے محدثین احناف کے ذکر و اذکار کو نظر انداز کیا۔ الخ“

یہ پوری عبارت ایک جگہ ہم نقل کر آئے ہیں، ناظرین وہی ملاحظہ کریں یا مقدمہ انوار (ص: ۸) کا مطالعہ کریں۔

مصنف انوار الباری کے ایک دعویٰ کی تردید ان کے دوسرے دعویٰ سے:

مصنف انوار کے مندرجہ بالا فصیح و سلیس بیان میں کئے گئے متعدد بھاری بھر کم دعویٰ کی پوری حقیقت تو صفحات آئندہ میں واضح کی گئی ہے، مگر انھوں نے جو یہ کہہ رکھا ہے کہ:

”دوسری صدی کے بعد اکثر محدثین نے محدثین احناف کو نظر انداز کیا۔“ الخ اس کی تکذیب کے لیے خود مصنف انوار کا ایک طویل و عریض دعویٰ بہت کافی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کی قائم کردہ چہل رکنی مجلس تدوین کے بتیس اراکین کی روایت کردہ احادیث صحاح ستہ میں موجود ہیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اس سے بڑھ کر مصنف انوار کا ایک دعویٰ یہ ہے کہ:

”اگر صحاح ستہ اور دوسری کتب حدیث سے امام صاحب کے تلامذہ کے سلسلے کی احادیث و آثار کو الگ کر دیا جائے تو ان میں باقی ماندہ حصہ بمنزلہ صفرہ جائے گا۔“¹

نیز مصنف انوار کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ:

”امام ابو حنیفہ کے اصحاب و تلامذہ میں بہت بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جو ارباب صحاح ستہ کے شیوخ اور شیوخ الشیوخ ہیں۔“²

ناظرین کرام! ملاحظہ فرمائیں کہ ایک طرف مصنف انوار کا یہ دعویٰ ہے کہ حسد و تعصب کے سبب محدثین نے امام

② مقدمہ انوار (۸/۱)

① مقدمہ انوار (۱۵۶/۱)

صاحب کے تلامذہ کو اپنی مجلس حدیث سے نکال دیا اور دوسری طرف یہ دعویٰ کہ صحاح و دیگر کتب حدیث میں تلامذہ ابی حنیفہ کی روایت کردہ احادیث بھری پڑی ہیں اور یہ کہ امام صاحب کے اصحاب و تلامذہ کی بڑی تعداد ارباب صحاح ستہ کے شیوخ و شیوخ الشیوخ ہیں۔ جب بدعویٰ مصنف انوار محدثین نے تلامذہ ابی حنیفہ کو مجلس حدیث سے نکال دیا تو انھیں کی روایت کردہ احادیث سے اپنی کتابوں کو بھر کیسے دیا؟ اور انھیں اپنے شیوخ یا شیوخ الشیوخ کیسے بنا لیا؟ صحاح ستہ کے مصنفین اور دیگر کتب حدیث کے مرتبین نے دوسری صدی کے بعد ہی عموماً اپنی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ الغرض مصنف انوار کے دعاوی باہم متعارض ہیں اور صرف یہی بات مصنف انوار کی تکذیب کے لیے کافی ہے۔ دراصل مصنف انوار کو اس بات کا قلق ہے کہ عام محدثین نے اپنی کتابوں میں امام صاحب کی روایت کردہ احادیث اور ان کے وضع کردہ فقہی مسائل کیوں قلم بند نہیں کیے؟ نیز یہ لوگ امام صاحب کے مقلد و معتقد کیوں نہیں بن گئے؟

قول ابی حنیفہ سے مسانید ابی حنیفہ وغیرہ کے تصنیف ابی حنیفہ ہونے کی نفی:

آئندہ صفحات میں اس بات کی تفصیل آ رہی ہے کہ امام صاحب نے اپنی کسی بھی بات (حدیث یا فقہی مسئلہ) کی تحریر و نقل سے منع فرما دیا تھا۔ یہی وجہ ہے (لیکن بعض دوسرے معقول وجوہ بھی ہیں جن کی تفصیل آ رہی ہے) کہ عام محدثین نے امام صاحب کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے اپنی کتاب کو امام صاحب کی احادیث و فقہی مسائل کی نقل سے پاک رکھا ہے۔ اس سے مصنف انوار کے اس دعویٰ کی تغلیط ہوتی ہے کہ محدثین نے حسد و عناد و تعصب کے سبب ایسا کیا نیز امام صاحب کے اس فرمان سے مصنف انوار کے اس دعویٰ کی بھی تغلیط ہوتی ہے کہ چہل رکنی مجلس تدوین کے ذریعہ امام صاحب نے ساڑھے بارہ لاکھ مسائل کی تدوین کی، کیونکہ جو شخص اپنی کسی بھی فقہی بات کی تحریر و نقل سے روک دے، اسے بلا دلیل ساڑھے بارہ لاکھ مسائل کی تدوین کرنے والا کہنا قطعی طور پر غلط ہے۔ اور امام صاحب کے اسی ارشاد سے مصنف انوار کے اس دعویٰ کی بھی تکذیب ہوگئی کہ امام صاحب نے مسانید و آثار وغیرہ کئی کتابوں کی تصنیف کی، کیونکہ جو شخص اپنی ایک بھی بات (حدیث یا فقہی مسئلہ) کی نقل و تحریر کا رودار نہ ہو وہ اتنی ساری کتابیں لکھ کر اپنی روایات و فقہی مسائل کیونکر قلم بند کرے گا؟ امام صاحب کے اسی ارشاد سے علامہ انور شاہ کے اس دعویٰ کی بھی تغلیط ہوگئی کہ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں مذاہب کے بیان میں امام صاحب کا مذہب اس لیے بیان نہیں کیا کہ انھیں بسند صحیح امام صاحب کا مذہب نہیں پہنچ سکا۔¹

کیونکہ امام ترمذی نے انور شاہ کے بیان کردہ سبب سے نہیں بلکہ امام صاحب کے ارشاد ”لا ترو عني شيئاً“ کے پیش نظر نیز دوسرے کئی معقول اسباب کی بنا پر اپنی کتاب کو امام صاحب اور ان کے مذہب و مسلک کے ذکر سے پاک رکھا، ان معقول اسباب پر مفصل گفتگو آئندہ آئے گی۔

خود را فضیحت و دیگر اراں را نصیحت:

اپنے مندرجہ بالا طویل بیان کے بعد مصنف انوار نے بطور نصیحت فرمایا:

”تمام محدثین اولین و آخرین کو ایک نظر سے دیکھنا چاہیے اور اس میں کچھ بھی فرق کرنا حدیث کے مقدس علم پر ظلم کرنا ہے۔“¹

ہم کہتے ہیں کہ ہونا تو یہی چاہیے جو مصنف انوار اپنے بیان مذکورہ میں کہہ رہے ہیں کہ تمام محدثین کو ایک نظر سے دیکھا جائے، مگر ناظرین کرام دیکھتے آرہے ہیں کہ مصنف انوار نے احادیث نبویہ کی روایت کرنے والے صحابہ کرام کے خلاف نہایت جارحانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا کہ یہ لوگ نعوذ باللہ خلاف اصول شریعت احادیث بیان کرتے تھے؟ جب صحابہ کرام کے ساتھ مصنف انوار کی جارحیت کا یہ حال ہے تو دوسرے محدثین کے ساتھ کیا ہوگا، اس کا اندازہ ناظرین کرام خود کر سکتے ہیں۔ بلکہ کر رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنی اس نصیحت کے خلاف عمل کرتے ہوئے بقول ترجمان دیوبند ”القاسم“ محدثین و فقہاء کو متحارب گروہ میں تقسیم کر کے محدثین کے خلاف نہایت جارحانہ باتیں لکھی ہیں اور الٹ کر پھر انہیں پر یہ اتہام لگا دیا کہ یہی لوگ تعصب، حسد اور عناد کے باعث احناف کو بلاوجہ نظر انداز کرتے اور مطعون کرتے تھے۔

ناظرین کرام! خود دیکھتے آرہے ہیں کہ مصنف انوار نے غیر حنفی محدثین و اہل علم کے خلاف کس قدر جارحیت سے کام لیا ہے، یعنی کہ امام ابوحنیفہ اپنے جن استاد الاساتذہ امام مالک بن انس کے سامنے باادب بچے کی طرح بیٹھتے تھے، انہی امام مالک اور دوسرے محدثین کے بارے میں مصنف انوار کہتے ہیں کہ امام صاحب کی تدوین فقہ وغیرہ جیسے کارناموں کے احسانات کے سامنے ان کی گردنیں جھکی رہتی تھیں، حالانکہ درحقیقت امام صاحب نے اپنی فقہ کی تدوین سے منع کر دیا تھا۔ بلنظ دیگر امام صاحب نے تدوین فقہ کا کارنامہ انجام ہی نہیں دیا کہ ان کے اس احسان کے سامنے کسی بھی فرد بشر کی گردن جھکنے اور احسان مند ہونے کی نوبت آئے۔

معتدل شاہراہ:

اپنی مذکورہ بالا بات کے بعد موصوف فرماتے ہیں:

”تفسیر کتاب اللہ کی طرح شرح معانی حدیث میں جزوی اختلافات ہوئے اور ہو سکتے ہیں، لیکن اس اجارہ داری کے زعم باطل کو کسی طرح گوارا نہیں کیا جاسکتا کہ ایک نقطہ نظر تو سراسر احادیث کے مطابق اور دوسرا خلاف ہے، پھر اس غلط طرز فکر میں جو ترقیات ہوئیں وہ اور بھی زیادہ قابل اعتراض ہیں۔“²

ہم کہتے ہیں کہ شرح معانی حدیث میں جزوی کیا بنیادی اختلافات بھی ہوئے اور ہو سکتے ہیں، مگر مصنف انوار انوار الباری کو اسی اجارہ داری کے زعم باطل کے تحت شرح بخاری کے نام سے لکھ رہے ہیں کہ حنفی نقطہ نظر ہی صحیح اور غیروں کا غلط ہے۔ چنانچہ مصنف انوار نے ایک جگہ کہا ہے:

”جو شخص یہ گمان کرے کہ امام ابوحنیفہ نے کسی مسئلہ میں غلطی کی ہے اور حق بات امام صاحب کے خلاف ہے، وہ چوپایہ بلکہ اس سے بھی زیادہ گمراہ ہے، نیز وہ نئے دین کا ایجاد کرنے والا بھی ہے۔“³

② مقدمہ انوار (۸/۱)

① مقدمہ انوار (۸/۱)

③ ماہصل از مقدمہ انوار الباری (۱/۱۶۸) و تذکرہ مندل.

نیز امام ابن المبارک شاگرد ابوحنیفہ کی طرف کذب طور پر منسوب کیا گیا کہ ۔

فلعنة ربنا إعداد رمل
علي من رد قول أبي حنيفة¹

یعنی امام ابوحنیفہ کا کوئی قول رد کرنے والے پر بے شمار لعنتیں ہوں۔

ظاہر ہے کہ یہ بات مصنف انوار نے اسی زعم باطل کے تحت کہی ہے کہ تمام مختلف فیہ مسائل میں حنفی نظریہ ہی احادیث کے مطابق اور دوسروں کا سراسر خلاف ہے۔ اس سلسلے میں موصوف نے اکاذیب کا بکثرت استعمال کرتے ہوئے منخ و رد حقائق اور تحریف و ترمیم کا سلسلہ نہایت منظم پیمانے پر چلا رکھا ہے، حتیٰ کہ اپنے باطل خیالات کی تصویب کی خاطر انھوں نے یہاں تک کہہ رکھا ہے کہ احادیث نبویہ کی روایت کرنے والے صحابہ اصول شریعت کے خلاف احادیث روایت کرتے تھے۔ (نعوذ باللہ) اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے اس بات کا کہ مصنف انوار اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ وہی سب کچھ سمجھتے ہیں اور دوسرے لوگ کچھ نہیں سمجھتے؟ وہ اپنے آپ کو اس بات کا پورا ٹھیکیدار سمجھ کر ہی منخ و قلب حقائق کی یہ مہم چلا کر اپنی باتوں کو سچ کر دکھانے کے درپے ہیں۔

صحیح تنقید اور حافظ ابن ابی شیبہ:

مصنف انوار اپنی مذکورہ بالا بات کے بعد فرماتے ہیں:

”صحیح تنقید کوئی بری چیز نہیں ہے بلکہ ایک مفید علمی مقبول طریقہ ہے، مگر اس کو تعصب، تنگ نظری اور غلط کلام سے خالی ہونا چاہیے۔“²

ہم کہتے ہیں کہ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار کی تنقید کا کیا رنگ ہے، حتیٰ کہ صحابہ کرام کے خلاف بھی یہ جارحانہ اقدام ہے کہ یہ لوگ خلاف اصول شریعت احادیث بیان کرتے ہیں اور یہ کہ امام بخاری متعصب، تنگ نظر، بدنیت اور غیر معتبر تھے اور جملہ محدثین حاسد، معاند، متعصب اور مخالف سلف صالح تھے۔ اس موقع پر مصنف انوار نے بزم خویش مفید علمی و مقبول ترین راہ اختیار کرتے ہوئے بتلایا ہے:

”امام ابوحنیفہ پر امام بخاری کے استاذ ابو بکر بن ابی شیبہ نے بھی تنقیدیں کیں، مگر وہ اپنی تنقیدوں میں مخلص، نیک نیت، غیر متعصب و غیر جارح تھے، لیکن ان کے بعد امام بخاری آئے تو ان کی تنقیدوں کا رنگ دوسرا ہوا، جنہوں نے (بخاری نے) لاعلمی کے سبب امام ابوحنیفہ کی طرف غلط باتیں منسوب کیں اور بے ضرورت تشدد سے کام کیا اور سخت کلامی تک پہنچ گئے۔ امام صاحب اور ان کے اصحاب کو اہل علم کا درجہ دینے کو بھی تیار نہ ہوئے، حالانکہ امام صاحب کے تلامذہ ابن المبارک وغیرہ کی انتہائی تعریف کی۔“³

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اپنے اس بیان میں مصنف انوار نے امام بخاری کو کھل کر بدنیت، غیر مخلص، متعصب،

① مقدمہ شرح وقایہ فرنگی محلی وغیرہ۔

② مقدمہ انوار (۸/۱)

③ ماہصل از مقدمہ انوار الباری (۸/۱، ۹ بعنوان صحیح تنقید اور حافظ ابن ابی شیبہ)

جارج، غلط باتوں کا منسوب کرنے والا، غیر ضروری طور پر تشدد برتنے والا اور سخت کلامی کرنے والا بتلایا ہے، مگر اپنے اسی بیان میں متضاد و متعارض بات بھی اپنی عادت کے مطابق مصنف انوار نے کہہ ڈالی ہے، وہ یہ کہ موصوف نے اس بیان میں کہا ہے کہ امام بخاری امام صاحب اور ان کے اصحاب کو اہل علم کا درجہ دینے کو تیار نہیں اور دوسری طرف یہ دعویٰ کہ امام بخاری نے امام صاحب کے تلامذہ ابن المبارک کی انتہائی تعریف کی ہے، تو یہ کھلا ہوا تضاد و تعارض ہے، کیونکہ بدعوائے مصنف انوار ابن المبارک امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں سے ہونے کے ساتھ امام صاحب کے اصحاب میں سے بھی تھے، حتیٰ کہ وہ (ابن المبارک) بدعوائے مصنف انوار امام صاحب کی چہل رکنی مجلس تدوین فقہ کے ایک رکن رکین بھی تھے۔^①

جب بدعویٰ مصنف انوار ابن المبارک امام صاحب کے ان اصحاب و تلامذہ میں تھے جو امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ کے رکن رکین تھے اور مصنف انوار ہی کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ امام بخاری نے ابن المبارک کی تعریف کی ہے تو دوسری طرف مصنف انوار کا یہ کہنا کہ امام بخاری امام ابوحنیفہ کے اصحاب کو اہل علم کا درجہ دینے کو بھی تیار نہیں، کیا معنی رکھتا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ مصنف انوار کا کھلا ہوا تضاد ہے اور اسی قسم کی تضاد بیانیوں کے ذریعہ موصوف نے اپنی تکذیب کا کافی و وافی سامان خود ہی فراہم کر لیا ہے۔ مصنف انوار ایک طرف امام بخاری کی شان میں مندرجہ بالا باتیں کہنے والے ہیں اور دوسری طرف نعوذ باللہ اس طرح غیر مخلص، بدنیت، جارج اور غلط باتوں کو دوسروں کی طرف منسوب کرنے والے شخص کی کتاب صحیح بخاری کو امت کے لیے نسخہ شفاء، مصائب و مشکلات میں کام آنے والا نسخہ کیمیا، فلاح دنیا و آخرت کا سرچشمہ اور احادیث نبویہ کا بیش بہا ذخیرہ کہتے پھر رہے ہیں۔ یعنی اپنی اس قسم کی متضاد باتوں کے ذریعہ خود اپنی تکذیب کرتے جا رہے ہیں، اس کے باوجود خود کو بڑا مخلص، دیانت دار، اعتدال پسند، خالص علمی و دینی خدمت انجام دینے والا ظاہر کرتے ہیں۔ مصنف انوار کی ان ساری باتوں کی حقیقت ناظرین کرام پر خود بخود ظاہر ہوتی جا رہی ہے، لیکن آئندہ صفحات میں ہم اس کی حقیقت اچھی طرح واضح کریں گے۔ امام بخاری کے خلاف مذکورہ بالا قسم کی باتوں کو لکھنے کے بعد مصنف انوار نے یہ بھی کہا ہے:

امام ابن تیمیہ کا اجمالی ذکر:

”اختلاف صرف افضلیت کا تھا، جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ کی تصریحات بھی ہم نے اس مقدمہ کے صفحہ (۱/۱۱۳)،

۱۱۴، ۱۱۵) پر نقل کر دی ہیں۔ اس کی مزید تفصیل امام بخاری کی تالیفات پر تبصرہ کے ضمن میں آئے گی۔“^②

مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیان کو اس کے پہلے والے بیان سے ملا کر دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس جگہ اپنے قارئین کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام بخاری نے احناف کے خلاف تعصب، تنگ نظری اور بدینیتی وغیرہ سے کام لے کر جو بیجا تشدد و غلط انتساب کا استعمال کیا ہے، وہ کسی بنیادی اور بڑی بات کی بنا پر نہیں بلکہ نہایت معمولی وجہ سے، یعنی ان کے (امام بخاری) اور احناف کے مابین مختلف فیہ مسائل میں محض فضیلت کا اختلاف تھا اور محض اتنے سے اختلاف کی بنا پر امام بخاری نے احناف کے خلاف اتنے بڑے بڑے اقدامات کر ڈالے۔ یہاں مصنف انوار نے بزعم خویش تیسری صدی کے امام بخاری کے غلط طریقہ کار کے بالمقابل آٹھویں صدی کے ابن تیمیہ کے طریق کار کو اچھا بتلاتے ہوئے ظاہر کیا ہے کہ احناف کے

ساتھ ابن تیمیہ نے اس تعصب، تنگ نظری، غیر مخلصانہ تنقید اور بدینتی وغیرہ سے کام نہیں لیا ہے۔ جس طرح سے امام بخاری نے لیا ہے، چونکہ مصنف انوار نے آگے چل کر امام ابن تیمیہ کو احناف کی حمایت میں امام بخاری کے خلاف متعدد مقامات پر پیش کیا ہے، نیز امام ابن تیمیہ کا مستقل تعارف بھی کرایا ہے، اس لیے ہم بھی آگے چل کر موقع کی مناسبت سے مصنف انوار کے بیانات کا جائزہ لیں گے۔ اس جگہ امام بخاری کے بالمقابل امام ابن تیمیہ کے طریق کار کو بہتر بتلانے کے بعد مصنف انوار نے امام بخاری کے خلاف امام ترمذی اور امام ابو داؤد کو پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

امام ترمذی اور ابو داؤد کا اجمالی ذکر:

”پھر کچھ رد عمل ہوا، امام ترمذی آئے تو انھوں نے اہل کوفہ کو نہ صرف اہل علم کے لقب سے نوازا بلکہ ان کو معافی حدیث کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا طبقہ قرار دیا۔ امام صاحب کا قول بھی جرح و تعدیل میں نقل کیا اور اپنے استاذ حدیث امام بخاری کا فقہی مذہب بھی نہیں نقل کیا، جس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے شیخ کو اس درجہ سے نازل سمجھتے تھے کہ ان کا مذہب نقل ہو۔ امام ابو داؤد نے امام اعظم کو ”امام“ کے لقب سے یاد کیا ہے۔¹ یہی بات مصنف انوار نے آگے چل کر اس طرح کہی ہے:

”یہی وجہ ہے کہ محدثین نے اپنی کتب صحاح میں تعامل سلف کے ساتھ اہل کوفہ کا تعامل بھی بڑی اہمیت سے نقل کیا ہے۔ یہاں تک کہ امام ترمذی نے احکام فقہی کا کوئی باب کم چھوڑا ہے۔ جہاں اعتناء کے ساتھ اہل کوفہ کا مذہب نقل نہ کیا ہو، اور اہل کوفہ کو ”أعلم بمعانی الحديث“ اور ”اہل علم“ کے خطاب سے نوازا ہے۔“² اہ

مصنف انوار نے اپنے اس بیان میں بتلایا ہے کہ جملہ کتب صحاح کے مصنفین نے تعامل سلف کے ساتھ تعامل اہل کوفہ بڑی اہمیت کے ساتھ نقل کیا ہے، حالانکہ صحاح ستہ میں سے جامع ترمذی کے علاوہ کسی بھی کتاب میں تعامل سلف خصوصاً کوفہ کے اسلاف کے تعامل کو نقل کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے۔

ناظرین کرام! مصنف انوار یا کسی دیوبندی مولوی سے مطالبہ کریں کہ جامع ترمذی کے علاوہ صحاح ستہ کی کسی بھی کتاب میں تعامل اسلاف کے نقل کرنے کے اہتمام کا ثبوت پیش کریں۔ تمام کتب صحاح باسانی ملتی ہیں، انھیں دیکھ کر مصنف انوار کے دعویٰ کی حقیقت باسانی معلوم کی جاسکتی ہے۔ ہاں یہ بات ضرور صحیح ہے کہ امام ترمذی نے تقریباً ہر باب میں تعامل اسلاف کے تذکرہ کا اہتمام کیا اور جملہ اسلام کے تعامل کے ذکر کے ساتھ محدثین اہل کوفہ کا تعامل بھی نقل کرنے کا اہتمام کیا ہے اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ امام ترمذی کے نزدیک محدثین کوفہ سے مراد فقہائے اہل الرائے (یعنی احناف) نہیں ہیں، بلکہ اس سے ان کی مراد کوفہ کے اہل حدیث اسلاف صحابہ و تابعین و اتباع تابعین وغیرہ ہیں۔ (کما سیأتی)

امام ترمذی کی نظر میں مذہب حنفی بدعت ہے:

امام ترمذی نے اہل الرائے کی بابت امام و کعب کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ:

”لا تنظروا إلى قول أهل الرأي فإن قولهم بدعة.“ الخ

یعنی اہل الرائے (مراد امام ابوحنیفہ اور ان کی جماعت) کے قول کی طرف نظر بھی مت اٹھاؤ، کیونکہ ان کا قول بدعت ہے۔ دریں صورت یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں اہل الرائے فقہاء کے مذاہب اور تعامل کو اہمیت دے کر ذکر کیا ہے؟ البتہ ایسا ہوا ہے کہ امام ترمذی نے جن علمائے کوفہ کے تعامل کے تذکرہ کا اہتمام کیا ہے، ان میں سے بعض اقوال اہل الرائے کے اقوال کے موافق ہیں، مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ اہل الرائے ہی کے مذہب کا تذکرہ کیا ہے۔ کما لا ینخفی علی صاحب العقل۔

مصنف انوار کے اس دعویٰ کا وجود ہم کو جامع ترمذی میں کہیں بھی نظر نہیں آیا کہ:

”امام ترمذی نے اہل کوفہ کو ”أعلم بمعانی الحدیث“ کے خطاب سے نوازا ہے۔“

مصنف انوار اگر اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو جامع ترمذی سے وہ عبارت مع قید باب وصفحہ نقل فرمائیں، البتہ امام ترمذی نے فقہائے کرام کو علم بمعانی الحدیث کہا ہے اور ان فقہاء سے امام ترمذی کی مراد اہل الرائے نہیں بلکہ فقہائے محدثین ہیں، جیسا کہ تفصیل امام ترمذی و بخاری کے تذکرہ میں آرہی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہاں ایک طرف مصنف انوار نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام ترمذی کے ذکر کردہ علمائے اہل کوفہ سے مراد امام صاحب اور دیگر احناف ہیں اور دوسری طرف تھوڑی دور آگے چل کر (۱/۱۱۱/۲، ۵۸) اپنے اس بیان کی تکذیب کا سامان خود کرتے ہوئے اس کے خلاف و معارض ایک دوسرا دعویٰ یہ کیا ہے کہ:

”امام ترمذی نے بیان مذہب میں امام ابوحنیفہ کے مذہب کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ انھیں امام ابوحنیفہ کا مذہب

بسنده صحیح مل نہ سکا۔“

یعنی اپنے اس بیان میں مصنف انوار نے پہلے والے دعویٰ کے خلاف دوسرے دعویٰ میں کہا کہ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں امام ابوحنیفہ کے مذہب و تعامل کا ذکر نہیں کیا، کیونکہ انھیں بسند صحیح امام صاحب کا مذہب پہنچا ہی نہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے یہ دونوں بیانات یا دعویٰ آپس میں متعارض و متضاد ہیں اور یہی تضاد بیانی ہی موصوف مصنف انوار کی تکذیب کے لیے کافی ہے۔ مصنف انوار کے اس دوسرے دعویٰ سے وہی بات ثابت ہوئی جو ہم نے کہی ہے کہ امام ترمذی نے اپنی کتاب میں امام صاحب کے مذہب کا ذکر نہیں کیا ہے بلکہ امام صاحب کا ذکر بھی صرف دو جگہوں پر تنقید و تخریح کے لیے کیا ہے۔ حاصل یہ کہ جامع ترمذی میں اہل کوفہ سے امام ترمذی کی مراد امام ابوحنیفہ اور احناف نہیں ہیں، کیونکہ اولاً ان کے پیش نظر امام و کج کا یہ ارشاد تھا کہ احناف کی باتوں سے کوئی سروکار نہ رکھو، ثانیاً: ان کے پیش نظر امام ابوحنیفہ کا یہ ارشاد بھی تھا کہ ”لا ترو عني شيئاً“ اس کے علاوہ دوسرے اسباب بھی تھے جن کا ذکر اپنے محل پر آئے گا۔

حافظ ابن حجر کے خلاف مصنف انوار کی نیش زنی:

امام بخاری کو خوب جی بھر کر مطعون کرنے کے ساتھ مصنف انوار نے شارح بخاری حافظ ابن حجر کے خلاف اس طرح

زہر افشانی کی:

”بقول حضرت شاہ صاحب (علامہ انور شاہ) حافظ ابن حجر سے رجال حنفیہ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا، اس

جملہ کی شرح بھی آپ کو اس مقدمہ میں ملے گی۔ ہم نے محدثین احناف کی طرف بھی زیادہ توجہ کی ہے، تاکہ ان کے صحیح حالات روشنی میں آجائیں۔“^۱ الخ

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کے مذکورہ بالا دعویٰ کی حقیقت بھی ہم اس جگہ واضح کریں گے جہاں مصنف انوار نے بزعم خویش اس جملہ کی شرح کی ہے۔ ناظرین کو بہر حال گزشتہ تحریروں سے مصنف انوار کے اس قسم کے دعاوی کی حقیقت کا اندازہ ہو چکا ہے کہ ”ہم نے محدثین احناف کی طرف بھی زیادہ توجہ کی ہے، تاکہ ان کے صحیح حالات روشنی میں آجائیں۔“

محدثین احناف کا طرز فکر مصنف انوار کی زبانی:

حافظ ابن حجر پر مذکورہ بالا نیش زنی کے بعد مصنف انوار نے کہا:

”محدثین احناف کے تذکروں میں یہ بات اکثر نظر آئے گی کہ ان کے طرز فکر میں احادیث کے ساتھ آثار صحابہ، فتاویٰ تابعین اور اقوال اکابر امت کا پورا لحاظ تھا۔ تعصب و تنگ نظری بھی ان میں نہیں تھی۔ حدیث کے ساتھ فقہ کو بھی لازم رکھتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب (علامہ انور شاہ) بھی ان اوصاف کے ساتھ متصف تھے اور آپ کا درس متقدمین محدثین احناف کے درس کا نمونہ تھا۔“^۲

ہم کہتے ہیں کہ اپنے مذکورہ بالا دعویٰ کو مصنف انوار نے بار بار دہرایا ہے جس کی حقیقت ناظرین کرام پر ہماری اس کتاب کے مطالعہ سے واضح ہو جائے گی۔ بطور اجمال اس جگہ اتنا کہنا کافی ہے کہ جملہ احناف بشمول علامہ انور شاہ کشمیری نے بہت ساری احادیث نبویہ اور اقوال و آثار صحابہ کو محض اپنے خانہ ساز اصول کے تحت رد کر دیا ہے، حتیٰ کہ ان احادیث نبویہ کی روایت کرنے والے صحابہ کرام کو خلاف اصول شرع احادیث کا روایت کنندہ کہا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذلک) جن معاندین سنت کا صحابہ کرام کے ساتھ اس طرح کا عناد، تعصب اور تنگ نظری ہو ان کا دوسرے لوگوں کے ساتھ کیا حال ہوگا؟ جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اصول شریعت کے خلاف احادیث کا روایت کنندہ کہیں وہ ان صحابہ کرام اور دوسرے اکابر کے اقوال و آثار و فتاویٰ کے ساتھ کیا کچھ کرنا روانہ رکھتے ہوں گے؟ بہر حال آنے والی تفصیل سے حقیقت امر منکشف ہو جائے گی۔

تلامذہ شاہ انور انھیں کے نقش قدم پر:

اس کے بعد مصنف انوار نے بتلایا کہ تلامذہ شاہ انور بھی مذکورہ بالا امور میں شاہ انور ہی جیسے تھے جس سے ناظرین کرام کو اصل حقیقت کا اندازہ ہو گیا ہے، تفصیل سے پوری بات معلوم ہو جائے گی۔

مصنف انوار کے شیخ زکریا اور گنگوہی کا اجمالی ذکر:

اس کے بعد مصنف انوار نے اپنے شیخ مولانا زکریا شارح موطأ اور بانی دارالعلوم مولانا گنگوہی کا تذکرہ کر کے ظاہر کیا ہے کہ ”یہ بہت محقق و محدث ہیں اور ان کی تالیفات سے انوار الباری میں استفادہ کیا گیا ہے۔“^۳

ناظرین کرام پر مصنف انوار کے دعاوی کی حقیقت کھلتی جا رہی ہے اور آئندہ بھی کھل جائے گی۔

امام اوزاعی اور سفیان ثوری کے خلاف انوار کی شرانگیزی:

مذکورہ بالا قسم کی گل افشانیوں کے بعد مصنف انوار نے ایک نہایت دل خراش بحث کا آغاز کرتے ہوئے کہا ہے:

”محدث شہیر حماد بن زید نے محدث کبیر ایوب سختیانی سے نقل کیا کہ آپ کے سامنے جب کوئی شخص امام صاحب کا ذکر کسی برائی سے کرتا تو فرماتے تھے کہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو پھونکوں سے بجھا دیں، مگر اللہ اس سے انکار کرتا ہے۔ ہم نے ان لوگوں کے مذاہب دیکھے ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ پر تنقید کی ہے کہ ان کے مذاہب دنیا سے ناپید ہو گئے اور امام صاحب کا مذہب ترقی پر ہے اور قیامت تک رہے گا۔ (عقود الجواهر المنیفة)

یہ اشارہ غالباً امام اوزاعی و سفیان ثوری وغیرہ کی طرف ہوگا اور یہ تنقید کی بات ان کے ابتدائی دور کی ہے، آخر میں ان کی غلط فہمیاں امام صاحب کے متعلق باقی نہ رہیں، بلکہ وہ امام صاحب کے علم و فضل اور تفوق کے بہت زیادہ قائل ہو گئے، جیسا کہ آگے تفصیل آئے گی۔“ الخ^①

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار اپنے مندرجہ بالا بیان میں مدعی ہیں کہ امام ایوب سختیانی نے بطور اشارہ بتلایا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ پر تنقید کے سبب مذہب اوزاعی و ثوری ناپید ہو گئے۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ امام سختیانی نے اپنی زندگی میں اپنی وفات سے پہلے اپنی آنکھوں سے مذہب اوزاعی و ثوری کے ناپید ہونے کا مشاہدہ کر لیا تھا، کیونکہ امام ایوب سختیانی کی وفات ۱۳۱ھ میں ہوئی اور اس کے عرصہ بعد بھی اوزاعی و ثوری زندہ رہے، اوزاعی ۱۵۷ھ میں اور ثوری ۱۶۱ھ میں فوت ہوئے۔

اور جب مصنف انوار کا دعویٰ یہ ہے کہ ایوب سختیانی نے اوزاعی و ثوری کے مذاہب کو مٹنے اور ناپید ہوتے پچشم خود ملاحظہ کیا تو اس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ اوزاعی و ثوری نے اپنی زندگی میں اپنے مذاہب کے مٹنے کا مشاہدہ کر لیا، کیونکہ یہ دونوں حضرات امام ایوب کے بعد عرصہ تک زندہ رہے۔ مگر اہل علم خصوصاً شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی صراحت و وضاحت کے مطابق چوتھی صدی ہجری سے پہلے کسی بھی تقلیدی مذہب کا وجود دنیا میں نہیں تھا، تقلیدی مذاہب کا ظہور چوتھی صدی کے بعد ہوا ہے۔^②

اور مصنف انوار کے امام العصر انور شاہ کی یہ صراحت ہے کہ علمائے دیوبند طریق شاہ ولی اللہ پر چلتے ہیں، لہذا مصنف انوار کو بھی یہ ماننا لازم ہے کہ امام سختیانی، اوزاعی اور ثوری کی زندگی میں اوزاعی و ثوری کے مذاہب کا وجود نہیں تھا اور یہ بالکل واضح و ظاہر بات ہے کہ جن مذاہب کا وجود ہی زمانہ سختیانی میں نہیں تھا، ان کے حیات سختیانی میں ناپید ہونے کا تصور تو ہم بھی باطل ہے، مگر ایسی ناممکن الوجود بات کے وقوع کا دعویٰ کرتے ہوئے مصنف انوار مدعی ہیں کہ ہماری ہر بات خالص علمی اور دینی نقطہ نظر کے مطابق معتدل، معتبر اور صحیح ہے۔ بھلا جن مذاہب کا وجود ہی حیات سختیانی میں نہ ہو ان کے حیات سختیانی میں ناپید ہونے کا تصور کوئی صاحب ہوش و گوش کیونکر کر سکتا ہے؟

الغرض اوزاعی و ثوری کے تقلیدی مذاہب چوتھی صدی کے بعد رواج پذیر ہوئے، جب کہ امام سختیانی، اوزاعی اور ثوری کے انتقال کئے دو سو سال سے زیادہ گزر چکے تھے۔ ان حضرات کو اپنی زندگی میں اس کا تصور تو ہم بھی نہیں ہوا ہوگا کہ ایک

② حجة الله البالغة، باب الكلام على حال الناس قبل المائة الرابعة (۱/۱۵۲)

① مقدمہ انوار (۱/۱۰)

ایسا زمانہ بھی آنے والا ہے کہ تقلید پرستی سے شرعی ممانعت کے باوجود بھی لوگ تقلید پرست بن جائیں گے الحاصل یہ حضرات بذات خود کسی تقلیدی مذہب کا رواج دے کر دنیا سے نہیں گئے تھے بلکہ نصوص کتاب و سنت کے مطابق تقلید پرستی کے مخالف تھے اور خود جس مذہب و مسلک کے پابند و پیرو تھے، وہ ظاہر ہے کہ مذہب اہل الحدیث تھا، جس کے ناپید ہونے کا تصور تو تو ہم نہ تو ایوب سختیانی کو ہو سکتا تھا نہ کسی دوسرے صاحب ہوش و گوش کو، اور یہ بالکل معروف اور واضح حقیقت ہے کہ امام سختیانی و اوزاعی و ثوری وغیرہ جس مذہب یعنی مذہب اہل حدیث کے پیروکار و پابند تھے، وہ روز اول سے لے کر آج تک اہل باطل کے لیے پریشان کن بنا ہوا ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے:

﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ [الصف: ۸]

یعنی اہل باطل اس مذہب حق کو اگرچہ اپنی تصانیف اور دوسری تدابیر کے ذریعہ اپنی پھونکوں سے بجھا دینے کی کوشش کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے مگر اللہ تعالیٰ اسے باقی و برقرار رکھے گا۔

چراغے را کہ ایزد بر فرزند
کسے آں تف زند ریش بسوزد

”جو چراغ اللہ کا روشن کردہ ہے، اسے جو بھی پھونک مار کر بجھانا چاہے گا، خود تباہ ہوگا۔“

البتہ چوتھی صدی کے بعد جب متعدد اور مختلف تقلیدی مذاہب کا ظہور ہوا تو ان کے ساتھ اوزاعی و ثوری کے تقلیدی مذاہب کا رواج بھی ہو گیا اور مصنف انوار کے دعویٰ کے مطابق اگرچہ اوزاعی و ثوری کے مذاہب حیات سختیانی ہی میں ناپید ہو گئے مگر اہل علم کی تصریح کے مطابق مصنف انوار کے علی الرغم مذہب اوزاعی کی تقلید دو سو سال تک ہوتی رہی تھے۔¹

ان حقائق کے باوجود معلوم نہیں کس طرف سے مصنف انوار پر یہ وجی نازل ہو گئی کہ بطور اشارہ امام سختیانی نے فرمایا کہ ہم نے دیکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ پر تنقید کرنے کے سبب مذہب ثوری و اوزاعی مٹ گئے؟ واضح رہے کہ بتصریح اہل علم تقلیدی مذاہب اور تقلید پرستی کا رواج اگرچہ چوتھی صدی کے بعد ہوا ہے، لیکن تقلید پرستی کے ظہور سے پہلے جن ائمہ متقدمین کے فتاویٰ و اقوال کی زیادہ موافقت اپنی سوچ بوجھ کے مطابق جو لوگ کیا کرتے تھے، انھیں لوگ ان ائمہ متقدمین کی طرف لوگ منسوب کر دیا کرتے تھے، یہ انتساب تقلید پرستی کی بنیاد پر نہیں، بلکہ کثرت موافقت و اصول و فروع میں ہم آہنگی کی بنیاد پر تھا۔ (کما سیأتی) لطف کی بات یہ ہے کہ ایک طرف مصنف انوار مدعی ہیں کہ حیات سختیانی میں ہی مذاہب اوزاعی و ثوری ناپید ہو گئے، دوسری طرف فرماتے ہیں کہ امام اوزاعی کا مذہب تو کچھ دنوں تک رائج بھی ہوا، امام بخاری کا مذہب تو ان کے شاگرد خاص ترمذی نے بھی ذکر نہیں کیا۔“ الخ²

مصنف انوار سے پوچھنا چاہیے کہ مذہب اوزاعی آپ کے دعویٰ کے مطابق کچھ دنوں تک جو رائج رہا تو کب سے کب تک؟ ظاہر ہے کہ یہ تقلیدی مذہب چوتھی صدی تک موجود ہی نہیں تھا، چوتھی صدی کے بعد ہی رائج ہوا اور جب وہ رائج ہونے کے بعد بدعویٰ مصنف انوار کچھ دنوں تک باقی تھا تو اس سے مصنف انوار کے اس بیان کی خود بخود تکذیب ہو گئی کہ حیات ایوب سختیانی ہی میں مذہب اوزاعی ناپید ہو گیا۔

① تدریب الراوی وغیرہ۔ ② مقدمہ انوار (۱۰/۱)

امام بخاری کو مصنف انوار کے سب و شتم کی ایک گھناونی مثال:

”مگر محدث جلیل شیخ ایوب سختیانی کو کیا خبر تھی کہ ان کے بعد ایک دور امام بخاری وغیرہ کا بھی آئے گا جو امام صاحب کے تلامذہ میں ہوتے ہوئے اور امام صاحب کے علمی و عملی کمالات و خصائل سے مکمل واقفیت کے اسباب مہیا ہوتے ہوئے بھی امام صاحب کو ہدف طعن و تنقید بنائیں گے۔ پھر امام اوزاعی وغیرہ کا مذہب تو کچھ عرصہ تک رائج ہوا، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تو ان کے تلمیذ خاص امام ترمذی نے دوسرے مذاہب کے ساتھ ذکر بھی نہیں کیا اور دوسرے تلمیذ امام مسلم نے بعض شرائط پر سخت الفاظ میں تنقید بھی کی۔ امام بخاری کے شیخ اعظم حمیدی (صاحب مسند) جو امام اعظم کی تنقید میں بھی امام بخاری کے شیخ تھے، وہ تفقہ میں امام بخاری کے درجہ پر بھی نہ پہنچ سکے اور اسی کمال کے باعث امام شافعی کی جاں نشینی سے محروم ہوئے، اور نعیم بن حماد خزاعی وہ اسماعیل بن عرعرہ تو امام حمیدی کے مرتبہ تک بھی نہ پہنچ سکے۔ یہ دونوں بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی برائیوں میں پیش پیش تھے۔ ہر انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے، بڑے بڑے جلیل القدر انسانوں سے غلطی ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ ان سب کی لغزشوں سے درگزر کرے اور ان کو اپنی بے پایاں نعمتوں اور رحمتوں سے نوازے۔ آمین

”یہ محدث تابعی تھے اور ارباب صحاح ستہ کے شیوخ میں ہیں۔ انھوں نے حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے اور وہ ان کے حق میں فرمایا کرتے تھے کہ ایوب اہل بصرہ کے نوجوانوں کے سردار ہیں امام شعمسی نے آپ کو سید الفقہاء کا لقب دیا۔ سب محدثین و ناقدین فن رجال نے آپ کو ثقہ، ثبت فی الحدیث، جامع العلوم، کثیر العلم، حجتہ اللہ علی الارض کہا۔ امام مالک نے آپ کو عالمین و خاشعین و عباد و خیار میں سے بتلایا، امام حاتم نے کہا کہ وہ تو ایسے مسلم ثقہ ہیں کہ ان جیسوں کے بارے میں سوال بھی فضول ہے۔ آپ کی پیدائش ۶۸ھ اور وفات ۱۳۱ھ میں ہوئی۔“

”غرض امام صاحب کا فضل و تفوق ظاہر و باہر ہے اور اکابر امت کے اقوال آپ کے مناقب و فضائل میں اس قدر ہیں کہ کم از کم مجھ جیسا نااہل تو ان کو اس تطویل کے باوجود بھی جمع کرنے سے قاصر رہا۔ جتنا مطالعہ کرتا گیا ایک سے ایک شہادت بڑھ چڑھ کر ہی ملتی گئی۔ کاش امام صاحب کے مناقب پر کوئی جامع کتاب اردو میں تالیف ہو کر شائع ہو جاتی۔ بعض اہل علم احباب نے اس کا ارادہ بھی کیا ہے اور راقم الحروف نے اپنے پاس سے اس کا مواد اور کتابیں بھی ان کو دے دی ہیں، خدا کرے ایک کامل و مکمل سیرت الامام، نور نظر اپنے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔“¹

مصنف انوار کی تکذیب مصنف انوار کے اصول سے:

سب سے پہلے ناظرین کرام یہ ملحوظ رکھیں کہ امام ابو حنیفہ پر ان کے شیخ و استاذ حماد بھی تنقید کرتے تھے (جس کی تفصیل آگے آرہی ہے) لہذا امام صاحب پر تنقید کرنے کے سبب مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیان کے مطابق مذہب حماد کو بھی ناپید ہو جانا چاہیے تھا، مگر بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب خود مذہب حماد کے پابند تھے اور حماد مذہب ابراہیم نخعی کے پابند تھے

اور نخی مذہب ابن مسعود کے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مصنف انوار کی تعلیل کے مطابق مذہب ابی حنیفہ کو مٹ جانا چاہیے، مگر ظاہر ہے کہ مذہب ابی حنیفہ زندہ و سلامت ہے، لہذا مصنف انوار کی یہ تعلیل خود بخود باطل ہوگئی کہ امام صاحب پر تنقید کرنے کے سبب تنقید کرنے والوں کے مذاہب ناپید ہو گئے۔ یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام ایوب سختیانی اہل الرأی کو سخت مبعوض، مکروہ اور معتب قرار دیتے تھے¹ حتیٰ کہ اہل الرأی کے امام وقت حماد بن ابی سلیمان (استاذ ابی حنیفہ) ایک بار ایوب کے شہر بصرہ گئے، تو ایوب ان سے ملنے تک نہیں آئے اور انھیں کی طرح ان کے تلامذہ نے بھی حماد کا بائیکاٹ کیا۔²

”وقال سليمان بن حرب: كان أيوب يرغب عن هؤلاء الثلاثة ربيعة والبستي وأبي حنيفة.“³

یعنی ابو ایوب سختیانی امام صاحب کو ناپسند کرتے تھے۔

حماد سے بائیکاٹ کا ایک بھاری سبب یہ تھا کہ وہ اپنے استاذ خاص امام نخی کے مسلک اہل سنت کو چھوڑ کر اہل الرأی اور مرجی المذہب ہو گئے تھے۔ اس کی وجہ سے عام تلامذہ نخی نے حماد کا بائیکاٹ کر دیا تھا۔ (کما سیأتی)

امام صاحب کے استاذ خاص حماد نے امام صاحب سے برافروختہ ہو کر امام صاحب کے خلاف حکومت وقت کے یہاں شکایت کی تھی اور انھوں نے اپنے تلامذہ کو حکم دے دیا تھا کہ امام صاحب سے سلام و کلام ترک کر دیں۔ اس معاملہ کی تفصیل و تحقیق آئندہ صفحات میں شرح و بسط کے ساتھ آئے گی۔ ناظرین کرام منتظر رہیں۔

امام ایوب سختیانی کی تنقید امام ابو حنیفہ پر:

اب ناظرین کرام امام صاحب کے بارے میں امام سختیانی کے اصل بیان کو ملاحظہ فرمائیں:

”عن حماد بن زيد سمعت السخثياني، وقد ذكر عنده أبو حنيفة، فقال: ﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ﴾“⁴

یعنی بقول حماد بن زید امام سختیانی کے پاس امام ابو حنیفہ کا تذکرہ آ گیا تو انھوں نے آیت قرآنی ﴿يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ﴾ تلاوت کی۔

حاصل یہ کہ امام ایوب سختیانی نے امام ابو حنیفہ کو آیت مذکورہ کا مصداق بتلایا، یعنی کہ موصوف نے امام ابو حنیفہ پر بہت ہی سخت تنقید و تخریح کی۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس فرمان سختیانی میں مصنف انوار کے ذکر کردہ درج ذیل الفاظ نہیں ہیں کہ:

”ہم نے ان لوگوں کے مذاہب کو دیکھا، جنہوں نے امام صاحب کے مذاہب پر تنقید کی کہ وہ مذاہب دنیا سے ناپید ہو گئے اور امام صاحب کا مذہب ترقی پر ہے۔“ الخ

مصنف انوار نے یہ الفاظ مصنف عقود الجواہر (۱/۱۱) کی تقلید میں بڑھائے ہیں، حالانکہ مصنف عقود الجواہر نے یہ الفاظ فرمان ایوب پر تبصرہ کے طور پر اپنی طرف سے لکھے ہوئے ہیں، مگر مصنف انوار نے عقود الجواہر کے الفاظ کو اس طرح نقل کر دیا

① حلیۃ الأولیاء (۳/۸، ۹) ② طبقات ابن سعد (۷/۲۸۶) فسوی (۲/۷۹۱) ③ فسوی (۳/۲۰)

④ تاریخ خطیب (۱۳/۳۹۷) و حلیۃ الأولیاء (۳/۱۱)

گویا وہ بھی فرمانِ ایوب میں شامل ہیں، حالانکہ فرمانِ ایوب دراصل امام ابوحنیفہ پر تنقید و تردید ہے۔ چنانچہ امام خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے اس فرمانِ ایوب کو امام ابوحنیفہ کی قدح و جرح ہی میں نقل کیا ہے اور اس کی تائید مزید کے طور پر نہایت مستحکم سند کے ساتھ دوسری روایت اس طرح نقل کی ہے:

”قال سلام بن أبي مطيع: كان أيوب قاعدا في المسجد الحرام، فرآه أبو حنيفة فأقبل نحوه، فلما رأسه أيوب قد أقبل نحوه قال لأصحابه: قوموا لا يعدنا بجره فقاموا فتنفروا.“¹

یعنی ایوب مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے تھے تو امام ابوحنیفہ نے ان کی طرف رخ کیا۔ امام ایوب نے اپنے تلامذہ سے کہا کہ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ، کہیں یہ تمہیں اپنی خارش نہ لگا دیں۔ مراد ان کی صحبت سے بچو۔ ایوب کے اس فرمان کی فوراً تعمیل کی گئی۔

ناظرین کرام دیکھ آئے ہیں کہ امام ایوب استادِ ابی حنیفہ حماد کے اہل الرأی و مرجی ہونے کے سبب ان سے ملاقات تک کے روادار نہ تھے اور یہ دونوں ہی وجہ امام صاحب کے اندر جمع ہیں۔ ایوب کے شاگرد خاص امام حماد بن زید ایوب کے طریق کی پیروی کرتے تھے اور یہ معلوم ہے کہ حماد بن زید امام ابوحنیفہ پر سخت تنقید و تخرج کرتے تھے۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ نیز امام خطیب سے بہت پہلے امام ابو العباس احمد بن مسلم البارئ نے امام ایوب سختیانی کو امام ابوحنیفہ کے جارحین و ناقدین میں شمار کیا ہے۔²

اور ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مذکورہ بالا روایت صاف طور پر قدح ابی حنیفہ پر دلالت کرتی ہے، لہذا سابقہ روایت کو بھی قدح کے معنی میں ماننا چاہیے، جیسا کہ امام خطیب اور امام ابو نعیم صاحب حلۃ الاولیاء نے کیا ہے، مگر مصنف عقود الجواہر کی طرح مصنف انوار کے دوسرے ممدوح ملک معظم شاہ عیسیٰ نے پہلی روایت کو قدح و جرح پر محمول کرنے والے امام خطیب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف کہا ہے کہ:

”خطیب رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو قلتِ فہم کی بنا پر امام ابوحنیفہ کی شان میں جرح سمجھا ہے، ورنہ یہ امام صاحب کی مدح ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے بھی مذاہب ابی حنیفہ پر کلام کیا، اس کا مذہب اس طرح ناپید ہو گیا کہ لوگ اسے جانتے بھی نہیں۔ اس کے برعکس مذاہب ابی حنیفہ دنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے اور اکثر لوگ اس کے پیرو ہیں۔“³

معلوم ہوا کہ ملک معظم اور مصنف عقود الجواہر کی خانہ ساز خلاف حقیقت بات کو مصنف انوار نے ایوب سختیانی کا قول قرار دے لیا ہے، مگر ملک معظم اور ان کے ہم خیالوں کی تکذیب کے لیے محض اتنی بات کافی ہے کہ مذہب ابی حنیفہ پر امام مالک، شافعی، احمد اور دیگر بہت سے محدثین نے سخت کلام کیا ہے، لیکن ان حضرات کے مذاہب ملک معظم کے علی الرغم زندہ ہیں، خود ملک معظم کا پورا خاندان ان کے آباء و اجداد سمیت شافعی المذہب تھا۔ ملک معظم ہی نے اپنے آبائی مذہب سے انحراف کر کے حنفی مذہب اختیار کیا۔ لطف کی بات یہ کہ ایوب سے مروی دوسری روایت کو ملک معظم نے قدح ہی کے معنی پر

① الفسوي (٧٩١ / ٢) نیز ملاحظہ ہو: حلۃ الاولیاء (١١ / ٣)، ترجمہ ایوب (٢) تاریخ خطیب (١٣ / ٣٦٩، ٣٧٩)

③ الرد علی الخطیب للملک العظیم (ص: ٨١)

محمول کیا ہے، مگر اس کے غیر مؤثر بتلاتے ہوئے کہا کہ ایوب نے ابوحنیفہ کے مناظرہ کے ڈر سے اپنے مجلس درخواست کی تھی۔ اس جگہ ملک معظم نے کہا کہ ایوب کا مذہب اس طرح مٹ گیا کہ اسے کوئی جانتا بھی نہیں کہ یہ بھی کوئی مذہب تھا۔ یعنی ایک طرف ملک معظم ایوب کے پہلے بیان کا مطلب یہ بتلاتے ہیں کہ یہ مدح ابی حنیفہ ہے۔ دوسری طرف فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہ کی قدح کے سبب مذہب ایوب مٹ گیا۔ کیا مدح ابی حنیفہ ایسا جرم تھا کہ اس کی سزا میں مذہب ایوب مٹ گیا؟ یہ عجیب بات ہے کہ ایک ایوب کو مدح ابی حنیفہ کہا گیا، دوسری طرف یہ کہا گیا کہ قدح ابی حنیفہ کے باعث ان کا مذہب مٹ گیا۔ ایوب کی دوسری روایت کے جواب میں کوثری نے دوسرا رنگ اختیار کیا ہے، اگرچہ پہلی روایت کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکے۔

سلام بن ابی مطیع کی توثیق:

کوثری نے کہا ہے کہ دوسری روایت کے راوی سلام بن ابی مطیع ضعیف ہیں۔ حالانکہ تقریب التہذیب میں ہے کہ سلام ثقہ صاحب السنہ ہیں، البتہ قادمہ سے ان کی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ موصوف صحیحین کے راوی ہیں اور ثقہ و صدوق ہیں¹۔ مگر کوثری جیسے جمیوں کو اصول و ضوابط کی پابندی کرنی نہیں ہے، اس لیے من مانی جو بات چاہی لکھ ماری۔ سلام کا تذکرہ حلیۃ الاولیاء (۲/ ۱۸۸ تا ۱۹۲) میں ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ موصوف اولیاء کرام سے تھے۔

سعید بن عامر کی توثیق:

کوثری نے یہ بھی کہا کہ سلام سے اس روایت کے راوی سعید بن عامر کی حدیث میں بعض غلطیاں ہوتی تھیں۔ بس جمیوں کے نزدیک اتنی سی بات اس روایت کے سقوط کی دلیل ہوگئی، حالانکہ انھیں ابن مہدی، یحییٰ قطان، ابن معین، ابن سعید اور ابن قانع حنفی نے ثقہ و مامون قرار دیا ہے۔² بعض غلطیوں کے سبب کسی بھی ثقہ و صدوق راوی کو کسی بھی صاحب علم نے کوثری سے پہلے ساقط الاعتبار نہیں قرار دیا تھا، یہ مسلک اور اصول کوثری نے اپنے دوسرے کئی نظریات کی طرح چودھویں صدی میں بذات خود تنہا ایجاد و اختراع کیا ہے، اس اختراعی بات سے پہلے اسلام قطعاً نا آشنا تھے کہ اس طرح کی بات بھی کوئی مدعی علم کہہ سکتا ہے، امام سعید موصوف صحاح ستہ کے راوی ہیں³۔

الغرض مصنف انوار اور ان کے جہمی استاذ کوثری کو جو روایت خلاف مزاج محسوس ہو جائے، بس وہ ضعیف اور مکذوب ہے، خواہ وہ کتنی ہی مضبوط سند سے مروی ہو۔ واضح رہے کہ امام ایوب سختیانی بھی امام ابوحنیفہ کے اساتذہ میں سے ہیں، اور یہ معلوم ہے کہ استاذ اپنے شاگرد کے مزاج و حالات کو زیادہ بہتر جانتا ہے، خصوصاً جب کہ استاذ کبار اولیاء اور اذکیاء نامدار میں سے ہو۔ امام ایوب کا تذکرہ حلیۃ الاولیاء (۳/ ۳ تا ۲۷) میں موجود ہے، وہ سید الفقہاء، جہذ العلماء، افضل الائمہ وغیرہ کے القاب عالیہ سے ملقب ہیں، موصوف مذہب اہل الرأی کو سخت ناپسند کرتے تھے⁴۔

اس سے بھی ظاہر ہے کہ موصوف امام ابوحنیفہ سے خوش نہیں تھے، کیونکہ امام ابوحنیفہ مذہب اہل الرأی کے امام تھے،

① التکنیل (۱/ ۲۹۵)

② التکنیل (۱/ ۲۵۷، ۲۵۸)

③ تہذیب التہذیب (۴/ ۴۴)

④ حلیۃ الاولیاء (۲/ ۸)

(کما سیأتی التفصیل) یہ بات بھی اس کی دلیل ہے کہ پہلی والی جس روایت کو ملک معظم یا دوسرے حنیفوں نے مدح ابی حنیفہ پر محمول کیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔

ایک روایت صحیح کے مطابق ایوب نے امام صاحب کو کذاب کہا۔¹

امام ابوحنیفہ پر حماد بن زید کی تنقید:

اس امر کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ امام ایوب سے اس روایت کے راوی امام حماد بن زید بھی (جو امام سختیانی کے تلمیذ خاص و مزاج سناش اور انھیں کے طریق پر عمل کرتے ہوئے اہل الرأی و مرجعہ سے بیزار و نالاں رہتے تھے) امام ابوحنیفہ پر جرح و قدح کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ انھوں نے اپنے قیاسی مسائل کے ذریعہ سنن نبویہ کا ابطال کیا ہے، جس وقت انھیں وفات ابی حنیفہ کی خبر ملی انھوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا:

”الحمد لله الذي كنس بطن الأرض به.“²

موصوف امام سختیانی کے خاص شاگرد تھے، وہ امام ابوحنیفہ کے بارے میں سختیانی کے رویہ سے زیادہ واقف تھے، مصنف انوار امام سختیانی اور حماد بن زید کو حاسد و معاند بھی نہیں کہہ سکتے، کیونکہ انھیں پر اعتماد کر کے انھوں نے ابوحنیفہ کی فضیلت کی زیر بحث داستان مرتب کی ہے۔ حماد بن زید ہی کے توسط سے تاریخ خطیب (۱۳/۲۹۹) میں ابن عون (استاذ ابی حنیفہ) سے بھی امام ابوحنیفہ پر تنقید منقول ہے۔

بایں ہمہ مصنف انوار کے استاذ کوثری نے کہا ہے کہ تاریخ خطیب (۱۳/۳۲۱) اور انتقاء (ص: ۱۲۵ و ۱۳۰) میں امام سختیانی سے امام ابوحنیفہ کی مدح منقول ہے، حالانکہ تاریخ خطیب (۱۳/۳۲۱) اور انتقاء (ص: ۱۲۵) میں صرف اس قدر منقول ہے کہ: ”حماد بن زید نے کہا کہ مجھے ارادہ حج ہوا تو ایوب کو الوداع کہنے کے لیے آیا، اس وقت ایوب نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ اہل کوفہ کے فقیہ (روایت خطیب میں فقیہ صالح کا لفظ ہے) بھی اس سال حج کرنے آئیں گے، ان سے آپ کی ملاقات ہو تو میری طرف سے انھیں سلام کہیے گا۔“

”ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ ایوب کے مذکورہ الفاظ میں امام ابوحنیفہ کی کتنی مدح کی گئی ہے، کیونکہ عام مسلمانوں میں ایک دوسرے کو سلام کہلوانے کا رواج ہے، لیکن اس سے قطع نظر روایت مذکورہ باعتبار سند غیر معتبر اور ضعیف ہے۔“³ انتقاء والی روایت کو حماد سے عارم محمد بن فضل سدوسی نے نقل کیا ہے، جنہیں کوثری نے ساقط الاعتبار بتلایا ہے۔⁴

حالانکہ عارم ثقہ، صدوق اور صحاح ستہ کے راوی ہیں۔⁴ البتہ آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔⁵ ان سے اس روایت کے ناقل علی بن عبدالعزیز کی بابت معلوم نہیں ہو سکا کہ اختلاط سے پہلے روایت کی یا بعد میں۔ دریں صورت یہ روایت سنداً معتبر نہیں۔ دوسری علت یہ ہے کہ عارم سے روایت مذکورہ کے راوی علی بن عبدالعزیز غیر متعین ہونے کے سبب بمنزلہ مجہول ہیں۔

1 الکامل لابن عدی (۳/۷۹) 2 حلیۃ الأولیاء (۶/۲۵۸، ۲۵۹، تذکرہ حماد بن زید)

3 تأنیب الخطیب (ص: ۹۴) 4 تہذیب التہذیب (۹/۳۵۷) التنکیل للمعلمی (۱/۴۶۶)

5 میزان الاعتدال (۴/۷) تہذیب التہذیب (۹/۳۵۷) الکواکب النیرات (ص: ۷۴)

تیسری علت یہ کہ غیر متعین علی بن عبدالعزیز سے روایت مذکورہ کے ناقل عمر بن شجاع حلوانی کا حال بھی نامعلوم ہے۔ ان تین علتوں کے باعث روایت مذکورہ غیر معتبر ہے، البتہ عارم کو کوثری کا علی الاطلاق غیر معتبر قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

اسی طرح تاریخ خطیب کی سند میں محمد بن سعدان غیر متعین ہیں اور ان سے اسے روایت کرنے والے علی بن موسیٰ قتی کا ترجمہ جواہر المصیہ میں بلا توثیق مذکور ہے، نیز اس کے دوسرے رواۃ بھی غیر موثق ہیں۔ انتقاء (ص: ۱۳۰) والی روایت میں ہے کہ میں امام ابوحنیفہ سے اس لیے محبت کرتا ہوں کہ ان سے ایوب محبت کرتے تھے۔ مگر اس کی سند میں ابو بشر دولاہی غیر ثقہ ہیں اور ایک اور راوی محمد بن سعدان غیر معروف ہیں، اس کے برعکس باسانید صحیحہ ایوب سے حماد بن زید نے امام ابوحنیفہ پر تنقید میں نقل کی ہیں۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اس سے مصنف انوار کے اس دعویٰ کی بھی تکذیب ہوتی ہے کہ امام بخاری اور ان جیسے محدثین سے پہلے امام ابوحنیفہ پر تنقید نہیں ہوتی تھی، کیونکہ ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ امام بخاری سے پہلے بہت ۱۳۱ھ میں فوت ہونے والے امام سختیانی بھی امام ابوحنیفہ پر سخت تنقید و تخریح کرتے تھے۔ اسی طرح یہ تفصیل بھی آرہی ہے کہ سختیانی کے علاوہ ان کے دوسرے معاصرین بھی امام صاحب پر سخت جرح کرتے تھے۔ دریں صورت مصنف انوار کا یہ بیان ایک بھاری عجوبہ ہے کہ ناقدین ابی حنیفہ کے مذاہب ناپید ہو گئے، کیونکہ ناقدین ابی حنیفہ مثلاً امام ایوب سختیانی، اوزاعی، سفیان ثوری، حماد بن زید، شعبہ، مالک، شافعی، احمد بن حنبل، بخاری، حمیدی، نعیم بن حماد، اسماعیل بن عرعرہ، امام نسائی اور دارقطنی وغیرہم مذاہب الہجدیث کے پابند و پیرو تھے اور بحمد اللہ تعالیٰ مذاہب الہجدیث یا بلفظ دیگر مذہب اوزاعی و سفیان ثوری، بخاری، نسائی وغیرہ پورے آب و تاب اور صحت مندی کے ساتھ آج بھی زندہ و سلامت ہے۔ اور مصنف انوار جیسے مقلدین متعصبین کے لیے دردسرا کا باعث بھی ہے۔ البتہ بقول ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ قرب قیامت میں تقلید پرستی کا تسلط ہو جائے گا، لہذا مصنف انوار کو تقلیدی مذہب کے تسلط سے بہت زیادہ خوش ہونے کے بجائے غمگین ہونے کی ضرورت ہے، کیونکہ تقلیدی مذاہب کا تسلط قرب قیامت کی نشانی ہے، مگر افسوس ہے کہ لوگ آثار قیامت بھی دیکھ کر نصیحت پذیر نہیں ہوتے۔

آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا کہ امام مالک، شافعی اور احمد وغیرہ جیسے اماموں نے امام ابوحنیفہ پر امام اوزاعی و ثوری سے زیادہ سخت تنقیدیں کیں، لیکن اس حقیقت سے کسی بھی صداقت پسند اور صاحب ہوش و گوش کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ان ائمہ یعنی امام مالک، شافعی اور احمد کے تقلیدی مذاہب آج بھی دنیا میں موجود ہیں اور مصنف انوار کے لیے دردسرا بھی، مگر مصنف انوار کہتے ہیں کہ ناقدین ابی حنیفہ کے مذاہب امام صاحب پر تنقید کرنے کے سبب مٹ گئے۔ لطف کی بات ہے کہ عقود الجواہر المصفیہ کی زیر بحث عبارت میں صرف مجمل و مبہم طور پر کہا گیا تھا کہ امام صاحب پر تنقید کرنے والوں کے مذاہب ناپید ہو گئے، یعنی عقود الجواہر کی عبارت میں ان لوگوں کے ناموں کی کوئی تصریح نہیں، جن کے مذاہب امام صاحب پر تنقید کرنے کے سبب ناپید ہو گئے، مگر مصنف انوار نے اپنے زور کمال سے ان کے نام دریافت کر لیے، یعنی حسب عادت انھوں نے بعض ناموں (مثلاً امام اوزاعی اور ثوری وغیرہ اساتذہ امام ابی حنیفہ کے ناموں) کو اپنی طرف سے گھڑ کر لکھ دیا کہ یہی لوگ امام صاحب پر تنقیدیں کرتے تھے، جن کے مذاہب اس جرم کی پاداش میں مٹ کر فنا ہو گئے۔ مصنف انوار نے اس موقع پر امام سختیانی کی

فضیلتوں کا ذکر بھی محض اس وجہ سے کر دیا کہ ان کے خیال کے مطابق موصوف امام سختیانی نے مدح ابی حنیفہ کی ہے، ورنہ مصنف انوار نے اپنے تقلیدی مذہب کی نصرت و حمایت میں صحابہ کرام، تابعین اور محدثین سبھی کو بہت کثرت سے نشانہ سب و شتم بنایا ہے اور ان کے ساتھ بہت سارے اقدامات کئے ہیں، حتیٰ کہ موصوف مدعی ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان جیسے کئی صحابہ اصول و قواعد شرع کے خلاف احادیث نبویہ بیان کرتے تھے۔^①

صحابہ پر اس قسم کا اتہام بکثرت اکاذیب کا استعمال اور اساتذہ ابی حنیفہ کی شان میں اس طرح گستاخی وغیرہ کیا، ان لوگوں کی خصلت و عادت اور شیوہ و شعار نہیں، جو بقول مصنف انوار جھوٹ کو کارثواب سمجھ کر پھیلاتے اور استعمال کرتے ہیں؟! اپنے مندرجہ بالا طویل بیان میں مصنف انوار نے اعتراف و اقرار کر لیا ہے کہ حیات سختیانی ہی میں اساتذہ ابی حنیفہ اوزاعی و ثوری وغیرہ امام صاحب پر تنقید کرتے تھے اور مصنف انوار ہی کی تصریح یہ ہے کہ امام سختیانی کا انتقال ۱۳۱ھ ہی ہو گیا تھا گویا بدعویٰ مصنف انوار امام ابو حنیفہ پر ۱۳۱ھ سے پہلے یہ جرح و تنقید ہوا کرتی تھی، مگر مصنف انوار نے اپنے دعویٰ کی تکذیب کرتے ہوئے خود دوسری جگہ یہ دعویٰ کیا کہ:

”یہی قطن کے زمانہ میں اور ان کے اساتذہ و تلامذہ کے زمانہ میں امام صاحب اور تلامذہ امام صاحب کے بارے میں کوئی کلام نہ تھا، بعد میں ان کے تلامذہ کے تلامذہ امام بخاری وغیرہ کے دور ہی امام صاحب کے صحیح حالات و مذہب سے ناواقفیت اور غلط پروپیگنڈہ کی وجہ سے امام صاحب اور آپ کے بہترین مذہب سے بد گمانیاں شروع ہو گئیں۔“^②

حاصل یہ کہ مصنف انوار نے اپنے متناقض دعاوی کے ذریعہ خود ہی اپنی تکذیب کا پورا سامان کر لیا ہے۔ مصنف انوار کے اس دعویٰ کے مطابق کہ مذہب ابی حنیفہ پر تنقید کرنے والوں کے مذہب مٹ گئے، امام بخاری کا مذہب بھی مٹ جانا چاہیے، مگر مصنف انوار اور ان کے ہم خیال امام بخاری کی کتاب کو مقدس ترین کتاب حدیث اور نسخہ شفاء، احادیث نبویہ کا بیش بہا ذخیرہ کہتے اور اپنی درگاہوں میں خدمت دین کے نام پر اسے پڑھاتے اور اس کی شرح بھی لکھتے ہیں۔ نیز جب یہ تقلیدی جماعت کسی مشکل میں پھنستی ہے تو ختم بخاری کراتی ہے۔ امام ابو حنیفہ کی کسی مقدس کتاب یا کسی حنفی امام کی تصنیف کا ختم نہیں کراتی۔ امام سختیانی کی طرف خانہ ساز بات منسوب کر کے مصنف انوار نہایت دیانت داری کے ساتھ فرماتے ہیں کہ غرض امام صاحب کا فضل و تفوق ظاہر و باہر ہے۔ الخ۔^③

حالانکہ فضل و تفوق ثابت کرنے کے لیے استعمال اکاذیب نصوص کتاب و سنت کسی رو سے ممنوع ہے۔ امام ایوب سختیانی کی طرف جھوٹی بات منسوب کر کے محدثین کرام خصوصاً اساتذہ ابی حنیفہ، امام بخاری اور اساتذہ امام بخاری کو جی بھر کر مطعون کرنے کے بعد مصنف انوار بعنوان ”ائمہ احناف اور مخالفین“ فرماتے ہیں:

② مقدمہ أنوار الباري (۱/ ۱۳۰)

① مقدمہ أنوار (۱/ ۲۱، ۲۲)

④ مقدمہ انوار (۱/ ۱۱)

③ مقدمہ انوار (۱/ ۳۰۸)

ائمہ احناف اور مخالفین (تمام محدثین پر ایک بھاری اتہام):

”حضرت الاستاذ شاہ صاحب اس امر سے بہت دلگیر تھے کہ ائمہ حنفیہ اور محدثین احناف کو گرانے کی سعی ہر زمانے میں کی گئی اور مذہب حنفی کے خلاف ناروا حملے مسلسل ہوتے رہے۔ اس سلسلہ میں درسِ بخاری کے وقت اکثر حافظ ابن حجر کے تعصب و بے انصافی کا شکوہ فرمایا کرتے تھے۔ امام بخاری کے بارے میں محتاط تھے، لیکن آخری سالوں میں امام بخاری کی زیادتیوں پر بھی تنقید فرمائی اور کہا کہ امام بخاری نے حنفیہ کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور ان کی جرح غیر معتبر ہے۔ امام بخاری کو مذہب حنفی کی پوری واقفیت نہ تھی، اس لیے ان کی طرف مسائل کا انتساب غلط کیا۔“^①

ہم کہتے ہیں کہ علامہ انور شاہ نے یہ بات اپنی آخری عمر میں بقول خویش اس وقت کی جب وہ ادب و صبر کی دولت سے محروم ہو کر کبر سنی اور عمر رسیدگی کے سبب اختلاط کے شکار ہو گئے تھے۔ نیز اچھی یادداشت اور تحمل و حلم سے بھی محروم ہو گئے تھے۔ ورنہ جب تک وہ اختلاط کے شکار نہیں ہوئے تھے اور صبر و ادب سے بھی بہرہ ور تھے تو ایسا نہیں کرتے تھے، جیسا کہ خود ان کے اپنے بیان سے ظاہر و باہر ہے، مزید برآں موصوف غالی مقلد تھے۔ دریں صورت ان کی زبان سے اگر یہ بات نکل گئی تو وہ معذور تھے، آئندہ صفحات میں آنے والی تفصیل سے مندرجہ عبارت کی حقیقت خود بخود واضح ہو جائے گی۔

امام ترمذی کا اجمالی تذکرہ:

مصنف انوار نے کہا ہے کہ:

”امام ترمذی میں تعصب کم ہے اور انھوں نے جو بیان مذہب کے وقت امام صاحب کا نام نہیں لیا وہ تعصب یا امام صاحب سے کسی کشیدگی کے باعث نہیں ہے، جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی وغیرہ نے سمجھا ہے بلکہ اس لیے ہے کہ امام ترمذی کو امام صاحب کا مذہب صحیح سند سے نہیں پہنچا۔ دوسرے ائمہ کے مذاہب ان کو صحیح سندوں سے مل گئے تھے، جن کو اپنی کتاب العلل میں ذکر بھی کیا ہے۔“^②

امام ترمذی نے اپنی کتاب میں امام صاحب اور ان کے مذہب کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

ہم کہتے ہیں کہ امام ترمذی میں تعصب کم کیا ان میں تعصب تھا ہی نہیں، بلکہ وہ بھی اپنے استاد امام بخاری کی طرح غیر متعصب، متورع اور محتاط محدث تھے۔ البتہ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنی کسی بات (فتنہ یا حدیث) کی نقل و تحریر سے منع کر دیا تھا۔ نیز امام و کعب سے امام ترمذی ہی نے نقل کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی کسی بات سے سروکار نہ رکھو، کیونکہ ان کا مذہب بدعت ہے، نیز دوسرے کئی اسباب (جن کی تفصیل آ رہی ہے) کی بنا پر اپنی کتاب کو امام صاحب اور ان کے مذہب کے ذکر سے پاک رکھا۔ اس سے علامہ انور شاہ کے اس خیال کی تکذیب ہوتی ہے کہ بسند صحیح نہ پہنچنے کے سبب امام ترمذی نے مذہب ابی حنیفہ کا ذکر ہی اپنی کتاب میں نہیں کیا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر علامہ انور شاہ کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ ”شیخ عبدالحق محدث

دہلوی کا یہ خیال غلط ہے کہ امام ترمذی نے تعصب کے سبب امام ابوحنیفہ کا نام نہیں لیا۔“ تو یہی کیا ضروری ہے کہ علامہ انور شاہ کا اپنا ایجاد کردہ یہ خیال صحیح ہو کہ ”ترمذی تک بسند صحیح چونکہ امام صاحب کا مذہب نہیں پہنچا، اس لیے انھوں نے مذہب ابی حنیفہ کا ذکر نہیں کیا؟“

اسی طرح علامہ انور شاہ کا یہ خیال کیوں صحیح مان لیا جائے کہ امام بخاری اور انھی کی طرح کے دیگر محدثین نے تعصب کے سبب ابوحنیفہ وائمه احناف پر ظلم و زیادتی کی؟ جب شیخ عبدالحق کا یہ خیال غلط ہو سکتا ہے، جو علم و فضل اور زمانہ کے اعتبار سے انور شاہ پر کہیں مقدم تھے، تو کوئی شک نہیں کہ انور شاہ کا خیال بھی غلط ہو سکتا ہے۔ پھر بدعویٰ مصنف انوار جب امام صاحب ۱۵۰ھ سے پہلے چہل رکنی مجلس کے ذریعہ اپنی فقہ مدون کراچکے تھے تو اس مدون شدہ فقہ کا امام ترمذی تک نہ پہنچ سکتا عجیب و غریب بات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ چہل رکنی مجلس کی مدون کردہ فقہ حنفی کا وجود امام ترمذی کے زمانے میں نہیں تھا، پھر جب امام صاحب فرما گئے تھے کہ ”لا ترو عني شيئاً“ میری کوئی بات نقل نہ کرو۔ تو امام ترمذی امام صاحب کی کوئی بات کیوں نقل کریں گے؟

اس موقع پر مصنف انوار نے حضرت شاہ صاحب اور دفاع عن الحنفیہ کے عنوان سے فرمایا ہے کہ ”شاہ صاحب کے درسی خصوصیات میں سے یہ بات بہت نمایاں تھی کہ وہ حنفی مذہب کی طرف سے بہترین دفاع کرتے تھے۔“ ہم پہلے یہ پوری عبارت نقل کر آئے ہیں اور آئندہ صفحات میں شاہ صاحب کے طریق دفاع عن الحنفیہ کی حقیقت واضح کریں گے۔ اپنی مذکورہ بالا بات کے بعد مصنف انوار نے بعنوان ”امام صاحب کی کتاب کتاب الآثار اور مسانید“ ایک طویل بات کہی، جسے ہم اپنی اس کتاب میں بعنوان ”انور شاہ سے مصنف انوار کی صریح مخالفت“ نقل کر آئے ہیں۔ اور بتلا آئے ہیں کہ موصوف کہیہ بات بھی ان کی عام باتوں کی طرح ان کے دوسرے بیانات کے معارض ہونے کے ساتھ مکذوب محض ہے۔ نیز ہم یہ بھی بتلا آئے ہیں کہ موصوف نے اپنی عادت کے مطابق یہ بات بھی مکرر و سہ کر بار بار دہرائی ہے۔ اس سے ملتی جلتی ایک بات موصوف نے درج ذیل عنوان کے تحت اس طرح کی بھی کہی ہے، ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

مسانید امام اعظم کی عظمت:

مصنف انوار نے کہا ہے:

”آگے مقدمہ میں یہ امر بھی ذکر ہوگا کہ امام صاحب کے مسانید بڑے بڑے محدثین بڑی عظمت و وقعت کے ساتھ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔“^۱

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار پہلے یہ بتائیں کہ مسند امام صاحب کو بڑی وقعت و عظمت کے ساتھ اپنے پاس رکھنے والے بڑے محدثین کی فہرست میں وہ مولانا انور شاہ صاحب شامل ہیں یا نہیں، جن کی بابت خود مصنف انوار کا ارشاد ہے کہ:

”ان کی نظر زمانہ رسالت، صحابہ و تابعین سے گزر کر ائمہ مجتہدین و اکابر محدثین سے ہوتی ہوئی اپنے زمانہ کے تمام اکابر محققین کے فیصلوں پر ہوا کرتی تھی۔“^۲

اور آپ کے درس میں معلوم ہوتا تھا کہ امام طحاوی یا بخاری و مسلم بول رہے ہیں اور فقہ الحدیث پر گفتگو کرتے تھے، تو امام محمد معلوم ہوتے تھے، بلاغت پر کلام کرتے تھے تو تفتازانی و جرجانی کا خیال گزرتا، اسرار شریعت بیان کرتے تو ابن العربی و شعرانی کا گمان ہوتا۔ اور کوثری نے کہا کہ ابن الہمام کے بعد ایسا محدث (علامہ انور شاہ جیسا) امت میں نہیں گزرا۔²

اگر علامہ انور شاہ ان مسانید ابی حنیفہ کو اپنے پاس رکھنے والے بڑے محدثین کی فہرست میں تھے تو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ موصوف انھیں تصنیف ابی حنیفہ نہیں مانتے۔ یعنی شاہ صاحب موصوف مصنف انوار کے اس دعویٰ کی تکذیب کر چکے ہیں کہ مسانید ابی حنیفہ امام ابو حنیفہ کی تصنیف ہے۔ ناظرین کرام پر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ مصنف انوار نے انوار الباری کو مجموعہ افادات شاہ انور قرار دینے کے باوجود تصریحات شاہ انور کے خلاف بکثرت بہت ساری باتیں اس کتاب انوار الباری میں لکھ کر اپنی تکذیب کا خود ہی پورا سامان کر لیا ہے۔ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ شاہ انور صاحب کے علاوہ بہت سے دوسرے حنفی اہل علم نے بھی ان مسانید ابی حنیفہ کے تصنیف ابی حنیفہ نہ ہونے کی تصریح کر دی ہے، مگر یہ عجیب بات ہے کہ مصنف انوار نے ان حنفی اہل علم پر بھی ناک بھوں چڑھائی ہے۔³

اگر مصنف انوار کہیں کہ مسانید ابی حنیفہ و کتب آثار علامہ انور شاہ کے پاس نہیں تھیں، یا یہ کہ ان کا علم شاہ صاحب کو نہیں تھا، تو اس سے مصنف انوار کے بہت سے دعاوی کی خود تکذیب ہو جائے گی۔ (کما لا ینحفی)

مصنف انوار کے ایک رافضی ممدوح و معتمد علیہ ابن ندیم اس بات کا پر دو پیگنڈہ کرنے کے باوجود کہ امام ابو حنیفہ کئی صحابہ سے ملے ہیں، یہ فرما گئے کہ امام صاحب اصل و نسل کے اعتبار سے کابل کے مملوک غلام خاندان کے تھے، یعنی فارسی نہیں تھے کہ ”لوکان الدین معلقا بالثریا لنالہ رجال من أبناء فارس“ والی حدیث نبوی امام صاحب پر فٹ کی جا سکے۔ نیز وہ یہ بھی فرما گئے کہ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا اور ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے، یعنی مصنف کے اس زعم باطل کے خلاف کہ امام صاحب ۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔⁴

انھی ابن ندیم نے امام صاحب کی طرف غلط طور پر منسوب کردہ خانہ ساز کتابوں کی فہرست فقہ اکبر، کتاب العالم و المستعلم، الرد علی القدریہ، الرسالۃ، الی الہمتی کا ذکر کیا۔ مگر کتب آثار و مسانید جامع المسانید کا ذکر تصنیف ابی حنیفہ کی حیثیت سے نہیں کیا۔⁵

اس سے معلوم ہوا کہ چوتھی صدی میں تروج اکاذیب کے بہت زیادہ شوقین روافض بھی مسانید ابی حنیفہ و کتب آثار کو تصنیف ابی حنیفہ ہونے کا پر دو پیگنڈہ کرنے کی جرأت نہیں کر پاتے تھے، مگر اس چودھویں صدی کے مدعی علم و تحقیق مصنف انوار جیسے لوگ خالص دینی و علمی خدمت کے نام پر لکھی جانے والی کتاب میں پوری جرأت و جسارت سے بباغ و دل ان کتابوں کو تصنیف ابی حنیفہ کہتے پھر رہے ہیں۔ سبعلم الذین ظلموا آی منقلب ینقلبون !!

① مقدمہ انوار (۲/۲۰۵)

② مقدمہ انوار (۲/۲۴۵)

③ ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (۱/۱۲۸)

④ ابن ندیم کے تعارف کے لیے ملاحظہ ہو، لسان المیزان (۵/۷۲)

⑤ ملاحظہ ہو: فہرست لابن الندیم (ص: ۲۸۴، ۲۸۵)

امام شعرانی اور مسانید ابی حنیفہ:

مصنف انوار نے اپنے زیر بحث بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا ہے:

”امام شعرانی نے بڑے فخر و مسرت کے ساتھ بیان کیا کہ میں امام اعظم کے چند مسانید کی زیارت سے مشرف ہوا جن پر بہت سے حفاظ حدیث کے تصدیقی دستخط تھے اور ان کی اسناد بہت قوی ہیں۔ ان کے رجال سب ثقہ ہیں، کوئی شخص بھی ان میں سے متہم بالکذب نہیں اور وہ اسناد رسول اکرم ﷺ سے بہت قریب ہیں۔“^①

ہم کہتے ہیں کہ امام شعرانی کے اس قول کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے مذکورہ بالا بیان میں جن مسانید ابی حنیفہ کا تذکرہ کئے ہوئے ہیں وہ تصنیف ابی حنیفہ ہیں، بلکہ ان کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسانید ابی حنیفہ کے نام سے کچھ متاخر اہل علم کے مرتب کردہ ایسے مسانید ابی حنیفہ میری نظر سے گزرے ہیں جن میں میرے علم کے مطابق امام صاحب کی روایت کردہ احادیث ثقہ رجال سے مروی ہیں، کیونکہ شعرانی کے دوسرے بیان میں اس کی صراحت ہے کہ:

”ہر انصاف پسند کا یہ اعتقاد ہے کہ ابوحنیفہ کے زمانہ میں احادیث کی تدوین نہیں ہوئی تھی، اگر ہوئی ہوتی تو وہ بھی احادیث نبویہ پر عمل کرتے اور اپنے ان قیاسی مسائل کو چھوڑ دیتے جو بکثرت احادیث نبویہ کے خلاف ہیں۔ اس طرح ان کے مذہب میں بھی قیاسی مسائل کی مقدار بہت کم رہتی، جس طرح دوسرے اماموں کے مذاہب میں ہے، مگر چونکہ ان کے زمانے میں احادیث نبویہ کی تدوین نہیں ہوئی، اس لیے ان کے یہاں دوسرے مذاہب کے مقابلے میں قیاسی مسائل کی کثرت اور بھرمار ہے۔“^②

امام شعرانی نے اس مضمون کو مختلف انداز میں میزان الکبریٰ میں بیان کیا ہے، حتیٰ کہ انھوں نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ امام صاحب کو یہ حدیث بھی نہ معلوم ہو سکی کہ شرمگاہ چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، ورنہ وہ مس ذکر سے عدم نقض وضوء کا فتویٰ نہ دیتے، یہی بات وہ اپنے ہر اس مسئلہ میں کرتے، جو خلاف حدیث ہیں۔

شعرانی نے یہ بھی کہا کہ ”کل مجتہد یصیب“^③

”یعنی کسی مجتہد سے غلطی نہیں ہوتی، بقول شعرانی ان کا مندرجہ بالا بیان کشف و مشاہدہ پر مبنی ہے، انھوں نے یہ باتیں ”حضرت خضر علیہ السلام سے سیکھی تھیں“ چنانچہ فرماتے ہیں:

”إنني أخذتها أولاً عن الخضر عليه السلام علماً وإيماناً وتسليماً.“^④

اور مصنف انوار چونکہ یہ نہیں مانتے کہ امام صاحب کے اکثر مسائل احادیث نبویہ کے خلاف ہیں، اس لیے شعرانی کی تصریح کے مطابق بے انصاف ثابت ہوئے، جن کو وہ اپنے دعویٰ کی شہادت میں پیش کیے ہوئے ہیں۔ نیز بقول شعرانی

① مقدمہ انوار (۱۲/۱)

② میزان الكبرى (۱/۶۲)، فصل في بيان ضعف قول من نسب الإمام أبا حنيفة إلى أنه يقدم القياس على الحديث

④ میزان (۱/۱۹)

③ میزان (۱/۳۳، ۳۴)

⑤ میزان (۱/۱۹)، فصل إن قال قائل كيف الوصول إلى الاطلاع على عين الشريعة

خضر علیہ السلام کی تعلیم اور کشف و مشاہدہ سے معلوم ہوا کہ امام صاحب کے زمانہ میں عدم تدوین حدیث کے سبب موصوف امام صاحب کو مسائل میں قیاس سے زیادہ کام لینا پڑا، بنا بریں ان کے اکثر مسائل احادیث نبویہ کے خلاف ہیں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ شعرانی کے نزدیک امام صاحب نے کتب آثار و مسانید کی تصنیف نہیں فرمائی تھی، ورنہ شعرانی کو بذریعہ خضر علیہ السلام اور کشف و مشاہدہ میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ سرمایہ حدیث کی قلت کے باعث امام صاحب کے اکثر مسائل احادیث نبویہ کے خلاف ہیں، بلکہ شعرانی کے کہنے کا مطلب وہی ہے جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ متاخر علماء میں سے بعض کے مرتب کردہ مسانید ابی حنیفہ کو موصوف نے دیکھا تھا، لیکن ان مسانید ابی حنیفہ کو تصنیف ابی حنیفہ ثابت کرنے کے لیے مصنف انوار اگر شعرانی کے قول مذکور کو دلیل قرار دینے پر اصرار کریں تو امام صاحب کے زمانے میں کتب حدیث کی عدم تدوین اور حدیث نبوی میں امام صاحب کی کم واقفیت پر بھی شعرانی کے مندرجہ بالا بیان کو دلیل بنا سکیں، ورنہ تفریق بین القولین کی وجہ بتلائیں! یہ عجیب بات ہے کہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب کے پاس چار صندوق بلکہ کمرہ بھر سرمایہ کتب حدیث موجود تھا۔¹ حالانکہ ان کے استاذ انور شاہ امام صاحب کی طرف کتب آثار و مسانید ہی کے انتساب کو غلط مانتے ہیں، چہ جائیکہ کہ چار صندوقوں بھر یا کمرہ بھر کتابوں کو تصنیف ابی حنیفہ مانیں۔ یہ کون سا طریق انصاف و معتدل شاہراہ ہے کہ جس کتاب کو انور شاہ کے افادات کا مجموعہ کہا جائے، اس میں ان کی تصریحات کی مخالفت کی جائے؟

ناظرین کرام! اب شعرانی کے اصل الفاظ کو ملاحظہ فرمائیں، جن کو مصنف انوار نے دلیل بنا کر کہا ہے کہ مسانید ابی حنیفہ تصنیف ابی حنیفہ ہیں:

”وقد من الله علي بمطالعة مسانيد الإمام أبي حنيفة الثلاثة من نسخة صحيحة، عليها خطوط الحفاظ، آخرهم الحفاظ الديمقراطي، فرأيت لا يروي إلا عن خيار التابعين العدول الثقات الذين هم من خير القرون، بشهادة رسول الله صلى الله عليه وسلم كالأسود و علقمة و عطاء و عكرمة و مجاهد و مكحول و الحسن البصري و أضرابهم.“²

یعنی امام ابوحنیفہ کے تین مسانید کے مطالعہ کا شرف بخش کر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان کیا۔ ان مسانید کے نسخے صحیح ہیں۔ ان پر حفاظ کے دستخط ہیں، آخری دستخط حافظ دمیاطی کا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ان مسانید میں امام چیدہ چیدہ ثقہ و عادل تابعین کے علاوہ کسی اور سے روایت حدیث نہیں کرتے، مثلاً امام اسود، علقمہ، مکرّمہ، مجاہد، مکحول، حسن بصری اور ان جیسے تابعین۔

امام شعرانی کے یہ الفاظ کہ ”لا يروي إلا عن خيار التابعين“ الخ بتلا ہے ہیں کہ امام صاحب نے ان مسانید میں کسی غیر تابعی سے روایت نہیں کی ہے، یعنی نہ کسی صحابی سے اور نہ تبع تابعین سے۔ اور ”الثقات العدول“ کی قید بتلا رہی ہے کہ امام صاحب نے کسی غیر ثقہ راوی سے بھی روایت نہیں کی۔ یعنی شعرانی کی یہ عبارت جس کو مصنف انوار نے اپنے مقصود پر دلیل بنایا ہے، وہ اس خیال کی تکذیب کرتی ہے کہ امام صاحب نے کئی صحابہ سے روایت کی ہے، کیونکہ اگر ان مسانید میں کسی ایک

صحابی سے بھی امام صاحب کی روایت موجود ہوتی تو صاحب کشف و مشاہدہ اور شاگردِ حضرت علیؑ حصر کے ساتھ نہ فرماتے کہ امام صاحب نے صرف ثقات تابعین سے روایت حدیث کی ہے۔ یعنی شعرانی صاحب اس کا ذکر ضرور فرماتے کہ امام صاحب نے ان مسانید میں فلاں صحابی سے بھی روایت کی ہے، تاکہ امام صاحب کے تابعی اور شاگرد صحابی ہونے کی فضیلت ثابت کی جاسکے۔

شعرانی کے بیان میں یہ بھی ہے کہ امام صاحب ان مسانید میں اسود و علقمہ سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ ان دونوں کا انتقال امام صاحب کی ولادت سے بہت پہلے ہو گیا تھا، مصنف انوار نے علقمہ کا سال وفات ۶۲ھ بتلایا ہے، اور اسود کا انتقال ۷۴ھ، ۷۵ھ میں ہوا ہے۔^① حالانکہ بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب کی ولادت ۷۰ھ میں ہے اور اہل علم کے نزدیک ۸۰ھ میں ہوئی ہے۔ یعنی یہ ممکن نہیں کہ امام صاحب علقمہ و اسود سے روایت کر سکیں اور ظاہر ہے کہ شعرانی کی یا کسی کے بھی جس بیان میں ناممکن الوجود بات موجود ہو اس کے غلط ہونے میں کوئی شک نہیں۔ چونکہ شعرانی کی بات بذات خود اپنے غلط و خلاف واقع ہونے پر دلالت کر رہی تھی، اس لیے مصنف انوار نے چالاکی سے کام لے کر شعرانی کی اصل بات نقل کرنے کے بجائے اسے مسخ کر کے پیش کیا اور اپنی اس قسم کی کارستانیوں کا نام خالص علمی و دینی خدمت اور بالکل صحیح و تحقیقی باتیں قرار دے لیا ہے، مگر ناظرین کرام باسانی سمجھ سکتے ہیں کہ مصنف انوار اپنے ان دعاوی میں کتنے سچے اور دیانت دار ہیں؟

حاصل یہ کہ شعرانی کی کہی ہوئی بات کے غلط ہونے پر واضح دلائل قائم ہیں، پھر بھی شعرانی نے جن تین مسانید ابی حنیفہ کا ذکر کیا ہے انھوں نے ان کو تصنیف ابی حنیفہ نہیں کہا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ مصنف انوار کے اکابر اسلاف دسویں صدی میں نمودار ہونے والے شعرانی کے دیکھے ہوئے تینوں مسانید ابی حنیفہ کے نسخ صحیح پر مطلع نہ ہو سکے، حتیٰ کہ امام ابو حنیفہ کے یہ مسانید، جو بقول شعرانی نسخ صحیحہ ہیں، ساتویں صدی کے خوارزمی صاحب کو بھی نہیں مل سکے، جنہوں نے بڑی محنت و جانفشانی سے مسانید ابی حنیفہ کے مذبذب سے مذبذب ترین نسخوں مثلاً نسخہ حارثی کذاب و ابن عقده رافضی کذاب و ابن خسر و مارستانی وغیرہ کو بنام جامع المسانید جمع کیا۔ اگر شعرانی کے ذکر کردہ مسانید ابی حنیفہ کا وجود زمانہ خوارزمی میں ہوتا تو خوارزمی انھیں بھی جامع المسانید میں جمع کرتا۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ شعرانی کے ذکر کردہ مسانید ابی حنیفہ کو خوارزمی کے بعد کے لوگوں نے مرتب و مدون کیا ہے، ورنہ خوارزمی ان مسانید ابی حنیفہ کو ضرور جامع مسانید ابی حنیفہ میں جمع کرتا۔ امام شعرانی کے ذکر کردہ مسانید کے بارے میں اگرچہ شعرانی ہی کی تصریح ہے کہ اس میں صرف ثقہ، عدول اور چیدہ چیدہ تابعین سے امام صاحب کی مرویات ہیں، مگر خوارزمی کی جامع مسانید ابی حنیفہ میں بہت سے غیر تابعین سے بھی امام صاحب کی مرویات موجود ہیں، مثلاً امام شعبہ (متوفی ۱۶۰ھ) علقمہ بن مرشد (متوفی ۱۲۱، ۱۲۲ھ تقریباً) (یہ علقمہ بن مرشد تابعی نہیں ہیں، جن کا ذکر شعرانی نے اساتذہ ابی حنیفہ میں کیا ہے) یحییٰ بن ابی حنیہ، یزید بن ابی یزید الرشک، امام اوزاعی (عبدالرحمن بن عمرو) مجاہد بن سعید بن عمیر ہمدانی، اسماعیل بن عیاش وغیرہ حتیٰ کہ داود طائی سے بھی امام صاحب کی روایت موجود ہے۔^②

اور مسند ابی حنیفہ^③ مع شرح ملا علی قاری (ص: ۲۴۷) میں کمی بن ابراہیم سے بھی امام صاحب کی روایت موجود ہے

② جامع المسانید (ص: ۱۱۹ کتاب الإیمان)

① تقریب التہذیب (ص: ۱۱۱)

اور مکی موصوف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بھی استاذ ہیں، گویا مکی کا شاگرد ہونے میں امام صاحب اور امام بخاری برابر ہیں، اس لحاظ سے امام صاحب و امام بخاری ایک ہی طبقے کے قرار پاتے ہیں۔ (وسیاتی التفصیل)

ہم نے امام صاحب کے صرف چند غیر تابعی اساتذہ حدیث کا ذکر کیا ورنہ ایسے اساتذہ کی تعداد بہت ہے۔ امام صاحب کے مذکورہ بالا چند اساتذہ میں یحییٰ بن ابی حنیہ (متوفی ۱۵۰ھ) اور مجاہد بن سعید ہمدانی جمہور اہل علم کے نزدیک ضعیف و مجروح ہیں اور امام شعبہ امام مالک کے شاگرد ہیں۔ اس اعتبار سے امام ابو حنیفہ امام مالک کے شاگرد کے شاگرد ہوئے، اس موضوع پر مفصل بحث آئندہ صفحات میں آئے گی۔

امام صاحب کے کذاب اساتذہ کی ایک فہرست:

جامع مسانید ابی حنیفہ خوارزمی میں امام صاحب کے اساتذہ کی فہرست میں مشہور عالم کذابین کی خاصی تعداد ہے۔ مثلاً:

- ۱۔ ابان بن ابی عیاش (متوفی ۱۳۸ھ)^۱
- اس کو امام شعبہ اور ابن معین وغیرہ نے کذاب کہا ہے۔^۲
- ۲۔ جابر بن یزید جعفی (متوفی ۱۲۷ھ)^۳
- اس کو امام ابو حنیفہ نے اکذب الناس اور دوسرے کئی اہل علم نے کذاب کہا ہے۔^۴
- ۳۔ ابو العطوف جراح بن منہال^۵
- یہ بھی ائمہ جرح و تعدیل کی تصریح کے مطابق کذاب، شرابی اور غیر ثقہ ہے۔^۶
- ۴۔ نصر بن طریف بن جزء^۷
- اس کو امام یحییٰ نے کہا: ”ومن المعروفین بوضع الحدیث“ یعنی وضع حدیث میں یہ شخص معروف و مشہور ہے۔
- امام فلاس نے کہا: ”جن کے جھوٹے ہونے پر تمام اہل علم کا اجماع ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔“^۸
- ۵۔ عطاء بن عجلان بصری^۹
- اس کو امام ابن معین و فلاس وغیرہ نے کذاب و وضاع کہا ہے۔^{۱۰}
- ۶۔ عمرو بن عبید۔^{۱۱}
- اس کو امام ایوب، یونس، حمید اور ابن حبان نے کذاب کہا ہے۔ نیز یہ شاتم صحابہ بھی تھا اور بقول ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ مذہب اعتزال کا سب سے پہلا موجد تھا۔^{۱۲}

① الموفق (۱/ ۴۱) جامع المسانید (۲/ ۲۷۳، ۲۷۴) ② تہذیب التہذیب (۱/ ۹۹-۱۰۱) میزان الاعتدال (۱/ ۶-۹)

③ جامع المسانید (۱/ ۳۰۴، ۳۰۵) ④ تہذیب التہذیب (۲/ ۴۱)

⑤ الموفق (۱/ ۴۲) و جامع المسانید. ⑥ میزان الاعتدال (۱/ ۱۸۰، ۱۸۱ وغیرہ)

⑦ جامع المسانید (۲/ ۵۶۲) ⑧ میزان الاعتدال (۳/ ۲۳۱ وغیرہ) ⑨ جامع المسانید (۲/ ۵۰۲)

⑩ میزان الاعتدال (۲/ ۱۹۹) ⑪ جامع المسانید (ص: ۲۹۴) ⑫ میزان الاعتدال (۲/ ۲۹۴)

- ۷۔ محمد بن السائب کلبی (متوفی ۱۳۲ھ) ^۱ میزان اور تقریب میں ہے کہ ”متهم بالكذب، ورمي بالرفض“
- ۸۔ محمد بن زبیر ^۲ میزان (۳/ ۵۷) میں ہے: ”مر به رجل فافتري عليه، فقلت: هذا من مثلك كثير.“ حاصل یہ کہ یہ بھی کذاب ہے۔

روایت حدیث میں امام صاحب کی شدت احتیاط کے دعویٰ کا ابطال:

ہم نے نمونہ کے لیے صرف چند نام دیے ہیں جو صرف غیر ثقہ، غیر قوی، غیر معتبر بلکہ کذاب و وضاع بھی ہیں۔ اس کے باوجود مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب نقل روایت میں بے حد محتاط اور سخت شرائط رکھتے تھے، جس کے باعث ان کی مرویات کی تعداد بہت کم ہے۔ ^۳

حیرت ہے کہ ایک طرف یہ دعویٰ کہ شدت احتیاط و شرائط و تورع کے باعث امام صاحب قلیل الروایۃ تھے اور دوسری طرف یہ حالت کہ مشہور عالم کذاہین و وضاعین سے امام صاحب کی روایت حدیث ان کتابوں سے ثابت ہے، جن کو مصنف انوار تصنیف ابی حنیفہ کہتے ہیں۔ نیز ایک طرف مصنف انوار کا یہ دعویٰ ہے کہ امام صاحب قلیل الروایۃ تھے، دوسری طرف یہ گل افشانی کہ امام صاحب کی تصنیف کردہ کتب حدیث و فقہ میں ہزار ہا احادیث مرفوعہ و ہزار ہا آثار موقوفہ مروی و منقول ہیں۔ ^۴ حتیٰ کہ امام صاحب نے ایک پورے گھر کو ان کتب حدیث سے بھر دیا تھا، جن کو انھوں نے مرتب و مدون کرایا تھا۔ یہاں تک کہ صرف ایک استاذ حماد سے دو ہزار حدیثیں روایت کر ڈالیں۔ ^۵

ایسے امام ابو حنیفہ کو قلیل الروایۃ کہنا اور سبب یہ بتلانا کہ شدت احتیاط و تورع کے باعث ایسا ہوا ایک عجوبہ ہے، اور اس سے بڑا عجوبہ یہ کہ بقول مصنف انوار امام صاحب احادیث رسول پر عمل سے قبل یہ ضروری سمجھتے تھے کہ صحابہ سے ان کو روایت کرنے والے متقی و پرہیزگار حضرات ہوں۔ ^۷ حالانکہ امام صاحب نے بکثرت ایسے اساتذہ کی روایت کو معمول بہ بنایا ہے، جن کا تعارف مشہور عالم کذاہین و وضاعین کی حیثیت سے اوپر کرایا جا چکا ہے۔

امام صاحب نے بقول ہلال الرائی احادیث متواترہ کی بھی مخالفت کی ہے:

جواز وقف کے ثبوت میں بقول ہلال الرائی حنفی ”هذه الأخبار متواترة لا يجوز ردها“ ایسی احادیث متواترہ موجود ہیں جن کا رد جائز نہیں۔ ^۸ مگر امام صاحب ان احادیث متواترہ پر بھی واقف نہ ہو سکے، حتیٰ کہ ہلال الرائی نے یہ بھی کہا: ”من قال بقول أبي حنيفة أمر لا يجوز.“ ^۹ ”امام یعنی ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ ناجائز ہے۔“

ہلال الرائی نے مزید کہا:

”ومن حجتنا على أبي حنيفة“ یعنی ابو حنیفہ کے خلاف ہمارے پاس بہت سے عقلی و نقلی دلائل موجود ہیں۔ ^{۱۰}

- ① جامع المسانید (۲/ ۳۵) ② جامع المسانید (۲/ ۲۵۰) ③ مقدمہ انوار (۱/ ۲۰ وغیرہ)
- ④ مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۶) ⑤ مقدمہ انوار (۱/ ۱۲۵) ⑥ مقدمہ انوار (۱/ ۲۷)
- ⑦ مقدمہ انوار (۱/ ۲۵) ⑧ کتاب الوقف لهلال الرائی (ص: ۶، ۵) ⑨ کتاب الوقف (ص: ۱۲)
- ⑩ کتاب الوقف (ص: ۱۲، ۱۳)

حتیٰ کہ کوثری نے بھی امام صاحب کے اس فتویٰ کو غلط مانا ہے۔^①

معلوم ہوا کہ امام صاحب بہت سی مشہور عام احادیث متواترہ پر بھی مطلع نہ ہو پائے تھے، چہ جائیکہ اخبار آحاد۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جن مسانید ابی حنیفہ یا دیگر کتب حدیث کے تصنیف ابی حنیفہ ہونے کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، وہ تصنیف ابی حنیفہ ہرگز نہیں، ورنہ احادیث سے ناواقفیت کے معاملہ میں امام صاحب کی یہ حالت نہ ہوتی، جو مذکورہ بالا حوالوں سے منقول ہوئی۔ ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے جس شعرانی کی عبارت کو اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیا کہ امام صاحب مسانید ابی حنیفہ کے مصنف ہیں، انھی شعرانی کی تصریح نیز دوسرے اہل علم کی تصریح سے ثابت ہو گیا کہ امام صاحب پر مشہور و معروف عام احادیث بھی مخفی تھیں۔

حاسدین ابی حنیفہ کا تذکرہ مصنف انوار کی زبانی:

مصنف انوار فرماتے ہیں:

”درحقیقت امام صاحب اور آپ کے اصحاب و تلامذہ کے یہ امتیازات و تفویقات ہی ان سے حسد کا بڑا باعث بن گئے اور حاسدین و معاندین (محدثین کرام) کی نظر میں یہی ایک سلوک ان سب حضرات کے حق میں موزوں و مزین ہو گیا کہ ان کی وقعت و عظمتِ شان کو پوری کوشش سے گرا دیا جائے اور پھر جو کچھ ناروا سلوک بعد کے بعض کوتاہ اندیش لوگوں کی طرف سے ان کے ساتھ کئے گئے، ان کا ذکر جا بجا تذکرہ محدثین حصہ اول و دوم میں آئے گا۔“^②

مصنف انوار کی مذکورہ بالا بات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس سے پہلے امام صاحب اور ان کے اصحاب و تلامذہ کے ایسے امتیازات و تفویقات کا تذکرہ کر چکے ہیں، جن کے سبب ان سے لوگ حسد و عناد رکھنے لگے اور حسد و عناد رکھنے والے لوگوں نے ان حضرات کی وقعت و شان کو گرانے کی پوری کوشش کی۔ صاف ظاہر ہے کہ ائمہ احناف سے حسد و عناد رکھنے والوں سے مصنف انوار کی مراد محدثین کرام ہیں، جن پر مصنف انوار کا یہ الزام ہے کہ یہ سب حاسدین و معاندین تھے اور حاسد و معاند ہونے کے سبب ائمہ احناف کی وقعت گرانے کی کوشش کرتے تھے۔ محدثین کی شان میں مصنف انوار نے ائمہ احناف کے امتیازات و تفویقات کا صرف اس قدر ذکر کیا ہے کہ امام صاحب نے مسانید اور کتاب الآثار کی تصنیف کی اور ساڑھے بارہ لاکھ فقہی مسائل کی تدوین کی۔ انھیں دو باتوں کو مصنف انوار نے امام صاحب اور ان کے اساتذہ و تلامذہ کے وہ امتیازات اور تفویقات قرار دیے جن کے سبب ان سے محدثین حسد و عناد رکھتے اور ان کی وقعت گرانے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کے علاوہ مصنف انوار نے اس عبارت سے پہلے ائمہ احناف کے کسی امتیاز و تفوق کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ مصنف انوار انوار الباری کو جن انور شاہ کے افادات کا مجموعہ بتلاتے ہیں، انھوں نے مسانید و آثار کے تصنیف ابی حنیفہ ہونے کی تردید کی ہے۔

اور بالفرض امام صاحب نے یہ دونوں کام فی الواقع کئے تو اس میں شک نہیں کہ امام صاحب کے معاصر اور بعد کے محدثین نے حدیث و فقہ پر امام صاحب اور ان کے تلامذہ سے کہیں زیادہ اچھی تصانیف کی تھیں۔ پھر محدثین امام صاحب اور ان کے تلامذہ سے کتب حدیث و فقہ کی تصنیف کے سبب کیوں حسد و عناد رکھنے لگے؟ نیز اگر امام صاحب نے ساڑھے بارہ

لاکھ مسائل مدون کیے، تو بتصریح مصنف انوار ان میں غیر واقع شدہ امور و غیر مسؤلہ مسائل سے متعلق فتاویٰ و احکام کی خاصی تعداد ہے، حالانکہ اس قسم کے مسائل سے اشتغال کو تمام صحابہ نے ملعون و مردود فعل کہا ہے۔ (کما سیأتی) اکاذیب کے ذریعہ مدح احتاف کر کے محدثین کو حاسدین و معاندین کہنے والے اپنی عاقبت پر ضرور غور کریں!!

اہل الرأی کا پروپیگنڈہ:

مصنف انوار نے مندرجہ بالا عنوان کے تحت کہا:

”امام صاحب اور ان کے جلیل القدر اصحاب و تلامذہ کے بارے میں ایک بہت ہی سخت مخالفانہ پروپیگنڈہ یہ کیا گیا کہ وہ اصحاب الرأی ہیں، اور اس کا مطلب یہ باور کرایا گیا کہ انھوں نے احادیث و آثار کے مقابلہ میں قیاس و رائے کا استعمال کیا ہے، حالانکہ یہ بھی ایک حربہ تھا، جس کا مقصد اس مقدس جماعت خادم حدیث و سنت کے خلاف نفرت و عداوت پیدا کرنی تھی۔“^①

گویا مصنف انوار کے نزدیک محض مخالفانہ پروپیگنڈہ کی بنیاد پر امام صاحب اور ان کے ہم مسلک اصحاب و تلامذہ کو ”اصحاب الرأی“ کہا جاتا ہے، ورنہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔ اس سلسلے میں مفصل بحث آئندہ صفحات آئندہ میں آئے گی، مگر اس جگہ بطور اشارہ عرض ہے کہ مصنف انوار نے بذات خود امام ابن معین کا مندرجہ ذیل قول بڑے فخر کے ساتھ دلیل و حجت بناتے ہوئے نقل کیا ہے:

”اصحاب الرأی میں امام ابو یوسف سے زیادہ اُثبت فی الحدیث میں نے نہیں دیکھا۔“^②

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے امام ابن معین کے مندرجہ بالا جس قول کو دلیل و حجت بنا رکھا ہے، اس میں بالصراحت امام صاحب اور ان کے اصحاب و تلامذہ کو ”اصحاب الرأی“ کہا گیا ہے، اور ہم عرض کر آئے ہیں کہ مصنف انوار امام ابن معین کو حنفی المذہب امام جرح و تعدیل قرار دیے ہوئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ بنقل مصنف انوار امام ابن معین جیسے ماہر فن امام جرح و تعدیل نے بھی امام صاحب اور ان کے اصحاب کو ”اصحاب الرأی“ کہا ہے، اور چونکہ مصنف انوار نے امام ابن معین کے قول مذکور کو دلیل و حجت بنا کر پیش کیا ہے، اس لیے نتیجہ یہ نکلا کہ مصنف انوار بذات خود امام صاحب اور ان کے اصحاب کے بارے میں بہت ہی سخت مخالفانہ پروپیگنڈہ کرنے والے ثابت ہو گئے۔ اس طرح مصنف انوار کے وہ الفاظ خود انہی کی ذات پر منطبق و چسپاں ہو گئے، جو موصوف نے دوسروں کے خلاف کہے تھے۔ یعنی مصنف انوار نے بے خبری میں غیر شعوری طور پر وہ حربہ خود اپنے خلاف استعمال کر لیا، جسے وہ محدثین کرام کو مطعون کرنے کے لیے استعمال کیا کرتے تھے۔ اس طرح مصنف انوار ایک ایسے حربے کے استعمال کنندہ بھی ثابت ہوئے، جس کا مقصد خادم حدیث و سنت جماعت کے خلاف نفرت و عداوت پیدا کرنا ہے۔

مصنف انوار نے انوار الباری کو جن علامہ انور شاہ کا مجموعہ افادات قرار دے رکھا ہے، انھوں نے علامہ رشید رضا مصری کی خدمت میں اپنے پیش کردہ سپانامہ میں دعویٰ کیا ہے کہ تمام اساتذہ دیوبند بشمول انور شاہ درس حدیث میں شاہ ولی اللہ محدث

دہلوی کے طریق کے پابند ہیں^① اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اہل الرائے و اہل الحدیث کا فرق ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ:

”لم یکن عندهم من الأحادیث والآثار ما یقدرون به علی استنباط الفقه علی الأصول التي اختارها أهل الحديث الخ.“^②

یعنی اہل الرائے کے پاس احادیث نبویہ اور آثار صحابہ کا اتنا علم نہیں تھا، جس سے یہ لوگ اہل الحدیث کے اختیار کردہ اصول پر فقہی مسائل مستنبط کر سکتے اور نہ ان کے دلوں میں اتنی وسعت و ہمت ہی تھی کہ وہ تمام علماء کے اقوال پر نظر کر سکتے اور نہ ان کے سینوں میں اتنی فراخی تھی کہ وہ اقوال اہل علم کو جمع کر کے ان پر بحث و نظر کرتے۔ الحاصل ان کا طریق کار اہل حدیث کے طریق کار کے خلاف تھا اور اہل حدیث کا طریق یہ تھا کہ وہ احادیث و آثار کے مطابق عمل کرتے تھے۔

”آن یکے شخص است کہ رؤوس محدثین مثل امام احمد و بخاری و مسلم و ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ و نسائی و دارمی از وے روایت نہ کردہ و رسم حدیث از وے بطریق ثقات جاری نشدہ.“ الخ^③

یعنی امام ابوحنیفہ وہ شخص ہیں، جن سے اکابر محدثین مثلاً امام احمد، بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی وغیرہ نے حدیث روایت نہیں کی، بلکہ امام ابوحنیفہ سے بطریق ثقات سلسلہ روایت ہی جاری نہیں ہو سکا۔

”إذا تحققت هذه المقدمة اتضح لك أن أكثر المقاييس التي يفتخر بها القوم، ويظاولون لأجلها على معشر أهل الحديث يعود وبالاً عليهم من حيث لا يعلمون.“^④

یعنی اس تمہید سے تم پر یہ بات واضح ہوگئی کہ اہل الرائے اپنے جن قیاسی اصول پر فخر کرتے ہیں، وہ انہیں کے لیے وبال جان ہیں۔

”بل المراد من أهل الرأي قوم توجهوا بعد المسائل المجمع عليها بين المسلمين وبين جمهورهم إلى التخریج علی أصل رجل من المتقدمين، وكان أكثر أمرهم حمل النظر

علی النظر والرأي أصل من الأصول دون تتبع الأحادیث والآثار.“ الخ^⑤

یعنی اہل الرائے سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جب متقدمین میں سے کسی آدمی کے وضع کردہ کسی اصول کے مطابق مسائل کا استنباط و استخراج کرتے ہیں تو انہیں احادیث و آثار کی تلاش و جستجو نہیں ہوتی۔“

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مذکورہ بالا عبارتوں کا حاصل مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب ”اہل الراي والقياس“ ہیں، جو کسی آدمی کے وضع کردہ اصول پر احادیث و آثار کو تلاش کیے بغیر مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ شاہ ولی اللہ کی یہ تصریح بھی ہے کہ امام ابوحنیفہ سے سلسلہ روایت حدیث بطریق ثقات جاری ہی نہیں ہوا۔

شاہ ولی اللہ کے مذکورہ اقوال سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ امام صاحب اہل الرائے سے ہیں، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل

① نفحة العنبر. ② حجة الله البالغة (١/ ١٢١) والإينصاف (ص: ٣٠، ٣١)

③ مقدمه مصفى شرح موطأ (ص: ٦) ④ حجة الله (١/ ١٠٤)

⑤ الإينصاف في بيان سبب الإختلاف (ص: ٢٧)

الرأی احادیث و آثار پر نظر کیے بغیر کسی آدمی کے وضع کردہ اصول پر تخریج مسائل کرتے تھے اور موصوف امام صاحب (جن کو مصنف انوار اساتذہ محدثین کہتے ہیں) سے بطریق ثقات سلسلہ روایت ہی جاری نہیں ہو سکا۔ دیکھنا یہ ہے کہ مصنف انوار شاہ ولی اللہ کی بابت کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ اس سلسلے میں جو مفصل بحث آئندہ صفحات میں آ رہی ہے، اس سے مصنف انوار کی حقیقت بیانی واضح ہو جائے گی۔ البتہ یہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ذکر کر دینا مناسب ہے کہ:

”أهل الرأي أعداء السنن أعتبهم الأحاديث أن يحفظوها، وتفلت منهم أن يرووها فعارضوا السنن برأيهم فإياكم وإياهم.“¹

”اہل الرأی دشمنان سنن نبویہ ہیں، کیونکہ یہ لوگ احادیث کو یاد رکھ پاتے ہیں اور نہ روایت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، مگر خلاف سنت رائے و قیاس کے ذریعہ مسائل وضع کرنے میں تیز ہوتے ہیں، لہذا ان سے بچ کر رہو۔“

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اہل الرأی کا جو وصف بیان کیا ہے، اسے ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں اور جن ابن مسعود کو مصنف انوار نے مذہب حنفی کا مورث اعلیٰ قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”اگر پوری دنیا کا علم ایک طرف اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم دوسری طرف رکھا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم بھاری پڑے گا۔ میرا خیال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ علوم کے دس حصوں میں سے نو حصوں کے ماہر تھے۔“²

ناظرین کرام! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مسعود اور شاہ ولی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرامین مذکورہ بالا کے ساتھ امام ابو حنیفہ کے مندرجہ ذیل قول کو ملاحظہ فرمائیں:

”وقد روى أبو يوسف والحسن بن زياد كلاهما عن أبي حنيفة أنه قال: علمنا هذا رأي وهو أحسن ما قدرنا عليه.“³

یعنی امام ابو حنیفہ نے فرمایا کہ ہمارا پورے کا پورا علم فقہ و فتاویٰ سب رائے و قیاس ہی ہے، اپنی رائے و قیاس کے مطابق جہاں تک ہو سکا، ہم نے صحیح بات کہی ہے۔ مطلب یہ کہ امام ابو حنیفہ کی فقہ انہی کے بقول تمام تر قیاس و رائے پر قائم ہے۔

امام ابو حنیفہ کے اس فرمان سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ ان کا مرتب و مدون کردہ یا بیان کردہ سارا علم فقہ و علم کلام وغیرہ محض رائے و قیاس ہے۔ امام صاحب نے جب اپنی فقہ و علوم کو خود رائے قرار دیدیا تو یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہی نہیں کہ جس امام ابو حنیفہ کی تقلید کا دم مصنف انوار بھر رہے ہیں، ان کی طرف منسوب شدہ وہ فقہ جس کا مصنف انوار اپنے کو پیرو کار و متبع کہتے ہیں، وہ سرتاسر رائے و قیاس ہے، اس سلسلے میں تفصیل کے ناظرین منتظر رہیں۔ ہم بتلائیں گے کہ امام صاحب کی طرف جو فقہ منسوب ہے وہ بتصریح امام صاحب ایسی رائے و قیاس پر قائم ہے جس سے خود امام صاحب بعد میں اپنی آخری زندگی میں بددل و منحرف ہو گئے تھے اور لوگوں کو انہوں نے اس کی تدوین و پیروی سے منع کر دیا تھا۔ احناف کو اہل الرأی کہنا

② إعلام الموقعين (١٦/١)

① إعلام الموقعين (١/٥٥) بأسانيد صحيحة

③ إعلام الموقعين (٧٥/١) تاريخ بغداد للخطيب (٣٥٢/١٣) وغيره

اور اس کا مطلب یہ بتلانا کہ یہ لوگ احادیث کے بالمقابل قیاس و رائے کا استعمال کرتے تھے، مصنف انوار کے نزدیک زہر کے مترادف ہے، جس کا تریاق مصنف انوار نے انوار الباری کی شکل میں پیش کیا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:

”اس زہر (یعنی احناف کو اہل الرای کہنے اور انھیں قیاس و رائے سے مسائل مستنبط کرنے والا بتلانے) کا تریاق بھی تذکرہ محدثین یعنی انوار الباری میں ملے گا۔“¹

لیکن ناظرین کرام کو انوار الباری کی حقیقت ”اللمحات“ کے مطالعہ سے معلوم ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ العزیز:

محدث خوارزمی کا جواب:

مذکورہ بالا عنوان کے تحت مصنف انوار نے کہا ہے:

”محدث خوارزمی نے مقدمہ جامع المسانید میں خطیب کا رد کرتے ہوئے مختصر علمی پیرایہ میں چند اچھے جوابات پیش کئے ہیں، مثلاً...“² الخ

مصنف انوار نے اس جگہ خطیب کے رد میں خوارزمی کے چار جوابات نقل کیے ہیں، جن کی حقیقت عن قریب واضح ہوگی۔

امام اعظم اور تدوین قانون اسلامی کا بے نظیر کارنامہ:

خوارزمی کے جوابات نقل کرنے کے بعد مصنف انوار نے مذکورہ بالا عنوان کے تحت لکھا ہے:

”افسوس کہ امام اعظم اور آپ کے چالیس شرکاء تدوین فقہ اکابر محدثین نے تدوین فقہ اسلامی کا جو بے نظیر تاریخی کارنامہ انجام دیا، اس کو بے وقعت بنانے کی کوشش کی گئی۔“³

ہم کہتے ہیں کہ امام صاحب کی جس چہل رکنی مجلس تدوین فقہ کا تذکرہ مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں کیا ہے اور بار بار اس بات کو موصوف نے مختلف انداز میں چھیڑا اور دھرایا ہے، اس کا اور اس کے چہل ارکان کا مکمل و مفصل تعارف ہم آئندہ صفحات میں اس طرح کرائیں گے کہ ان شاء اللہ اس سلسلے میں تشنگی باقی نہ رہ جائے گی، ناظرین تھوڑا صبر کریں۔

امام بخاری کا شکوہ و جواب شکوہ:

مصنف انوار الباری نے چہل رکنی مجلس تدوین فقہ کا ذکر کرنے کے بعد مذکورہ بالا عنوان کے تحت کہا:

”امام بخاری نے اپنے رسائل میں شکوہ کیا ہے کہ اس زمانے کے لوگ بعد کے لوگوں کی تقلید کرنے لگے ہیں، حالانکہ پہلے زمانے میں لوگ اول فال اول کا اتباع کرتے تھے۔“⁴

ہم کہتے ہیں کہ اس موضوع پر مکمل گفتگو تذکرہ امام بخاری میں آئے گی، اس موقع پر ہم امام بخاری سے متعلق مصنف انوار کے منتشر مباحث پر سیر حاصل بحث کریں گے۔

1 مقدمہ انوار (۱۲/۱)

2 مقدمہ انوار (۱۲/۱، ۱۳)

3 مقدمہ انوار (۱۳/۱)

4 مقدمہ انوار (۱۳/۱)

تذکرہ محدثین کا مقصد:

امیر المؤمنین فی الحدیث امام بخاری کا شکوہ و جواب شکوہ کے بعد مصنف انوار نے تذکرہ محدثین (مقدمہ انوار الباری)

کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ:

”کبار محدثین کے صحیح حالات سے روشناس کرایا جائے اور بہت سی غلط فہمیاں بھی رفع کر دی جائیں، جو حدیث و فقہ کے متعلق پیدا ہو گئی ہیں۔ اس سلسلے میں بعض اپنے اکابر کے کچھ ناپسندیدہ واقعات و حالات بھی لکھنے پڑے، جن کی کسی مسئلہ کی تنقیح یا دوسرے اکابر سے دفاع کے لیے ضرورت تھی۔“¹

مگر ہماری زیر نظر کتاب ”اللمحات إلى ما في أنوار الباري من الظلمات“ کا مطالعہ کرنے والے اہل انصاف و حق پسند لوگوں پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ حقیقت امر مصنف انوار الباری کے دعویٰ مذکورہ بالا کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ کبار محدثین کے صحیح حالات سے روشناس کرانے اور حدیث و فقہ سے متعلق غلط فہمیوں کو رفع کرنے کے بجائے مصنف انوار نے انوار الباری میں دوسرے بہت سے کام کیے ہیں۔ نیز ہم کہتے ہیں کہ اگر مصنف انوار کا کسی مسئلہ کی تنقیح اور اپنے اکابر کی طرف سے دفاع کے لیے اپنے بعض اکابر کے کچھ ناپسندیدہ واقعات و حالات کا لکھنا معیوب و قابل نکیر نہیں بلکہ درست و بجا ہے تو بہت سے مسائل کی تنقیح اور سنت نبویہ کی طرف سے دفاع نیز سنت نبویہ کی حفاظت و صیانت کے لیے بعض فقہاء اور رواۃ کے بعض ناپسندیدہ واقعات اور حالات اگر محدثین کرام نے لکھے تو اس پر مصنف انوار اس قدر برہم و ناراض کیوں ہیں کہ ان محدثین کی تردید و تنقید کے لیے اتنی طویل و عریض کتاب لکھ رہے ہیں؟

عجیب بات ہے کہ مصنف انوار نے اپنے طریق کار کو درست و بجا مگر محدثین کرام کے طریق کو قابل صد ملامت اور لائق ہزار طعن بنا لیا ہے اور بار بار محدثین کرام کی روش کا شکوہ کرنے کو اپنا فریضہ قرار دے لیا ہے۔ مصنف انوار کی یہ روش بذات خود ان کی اعتدال و انصاف پسندی اور سلامت روی کی حقیقت نمایاں کرنے کے لیے کافی ہے اور ہماری اس کتاب کے مطالعہ سے موصوف کی پوری حقیقت واضح ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ العزیز

مصنف انوار کا احساسِ عظمتِ حدیث:

مصنف انوار مقدمہ (ص: ۸) میں یہ وعدہ کر چکے تھے کہ ”شرح بخاری رحمہ اللہ سے قبل مناسب معلوم ہوا کہ حدیث کی ضرورت و تاریخ مختصر لکھ کر محدثین کا تذکرہ بھی ہو جائے۔“ غالباً ایفائے وعدہ کے لیے انھوں نے (ص: ۱۹ تا ۱۹) سب سے پہلے حدیث نبوی کی عظمت و تقدس اور اہمیت و حجیت اور ترویج و تدوین سے متعلق ایک مضمون بعنوان ”احادیث رسول کی حجیت اور دوسرے تمہیدی مباحث“ کئی ذیلی عناوین کے تحت سپرد قلم کیے۔ مصنف انوار الباری کی مندرجہ ذیل ایک عبارت قابل ملاحظہ ہے:

”عملی طور سے آپ (نبی ﷺ) کی شانِ رفیع کو اتنا اونچا کیا گیا کہ آپ کے اسوۂ حسنہ کو کامل و مکمل اتباع و اطاعت خداوندی کا معیار بنایا، تحلیل طیبات اور تحریم خبائث کی نسبت آپ ﷺ کی طرف فرما کر آپ کے خصوصی منصب رسالت اور اعلیٰ مقام نیابت و خلافت کی طرف اشارہ ہوا۔ تمام اختلافات میں آپ ﷺ ہی کو آخری حکم

اور قاضی القضاة کا درجہ پوری وسعت قلب و انشراح صدر کے ساتھ تسلیم کرنا ہر امتی کا فرض قرار دیا گیا۔^① ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار الباری نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں جس نبی (ﷺ) کے اسوہ حسنہ کو اطاعت خداوندی کا معیار اور جس کے حکم و فیصلے کو پوری وسعت قلب و انشراح صدر کے ساتھ ماننے کو ہر امتی کا فرض بتلایا ہے، اس نبی (ﷺ) نے اس روش کو اختیار کرنے سے شدت روکا ہے جس کو مصنف انوار نے انوار الباری میں اختیار کیا ہے، یعنی حقائق کا رد و مسخ و انکار اور غیر معتبر و غیر صحیح و مکذوبہ باتوں کو معتبر و صحیح کہہ کر بیان کرنا وغیرہ۔

نشر و اشاعت حدیث:

مصنف انوار الباری نے بعنوان ”نشر و اشاعت حدیث“ فرمایا:

”اوپر کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ گو کتابت حدیث کا سلسلہ عہد رسالت میں شروع ہو گیا تھا، مگر عام طور سے اس کا رواج نہیں ہوا تھا، البتہ موافق فرمان رسالت تحدیث و روایت کے ذریعہ احادیث کی نشر و اشاعت کا اہتمام برابر صحابہ میں رہا، کیونکہ حضور ﷺ ترویج سنت و حدیث کی ترغیب فرمایا کرتے تھے۔“^② ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار الباری اپنے مندرجہ بالا بیان میں معترف ہیں کہ نبی ﷺ نے بذریعہ تحدیث و روایت احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کا حکم دیا ہے اور اس کے لیے ترغیب بھی دلائی ہے اور اس فرمان رسالت کے مطابق صحابہ کا عمل بھی تھا۔ ایک دوسری جگہ مصنف انوار لکھتے ہیں:

”عرض یہ کیا جا رہا تھا کہ قرن اول (پہلی صدی یعنی صحابہ کے زمانے) میں حدیث کی جمع و تدوین، کتابت وغیرہ قرآن مجید کی طرح نہیں ہوئی تھی، اگرچہ روایت و حفظ حدیث کا اہتمام بہت کافی رہا اور کچھ صحابہ کے پاس نوشتہ احادیث بھی موجود تھیں، مثلاً حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے پاس ایک ہزار احادیث کا مجموعہ تھا، جس کا نام صادقہ تھا۔“^③

مصنف انوار الباری کے اس بیان کا حاصل بھی یہی ہے کہ فرمان رسالت کی تعمیل میں صحابہ کرام بذریعہ تحدیث و روایت نیز بذریعہ تحریر و کتابت احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کا اہتمام کرتے تھے اور یہ بالکل معروف بات ہے کہ صحابہ کرام تمام فرامین نبویہ کی تعمیل کا حتی الوسع زیادہ سے زیادہ اہتمام کرتے تھے، خاص طور سے کبار صحابہ عمومی طور پر فرامین نبویہ و احکام شرعیہ کی تعمیل میں سب سے زیادہ پیش پیش رہا کرتے تھے، البتہ کبار صحابہ میں عظیم المرتبت صحابی خلیفہ راشد امیر المؤمنین عمر بن الخطاب کا یہ ارشاد بیان ہو چکا ہے کہ اہل الرأی والقیاس چونکہ احادیث نبویہ کو یاد رکھنے کی صلاحیت سے محروم ہوتے تھے، اس لیے وہ احادیث نبویہ کی روایت و تحدیث کرنے سے عاجز و قاصر تھے، مگر دینی مسائل میں دخل انداز بننے کا جذبہ و ذوق رکھنے کے سبب علوم حدیث سے تہی دست ہونے کے باوجود محض رائے و قیاس سے مسائل دین بیان کرتے پھرتے تھے۔

فرمان فاروقی سے یہ حقیقت واضح ہے کہ اہل الرأی والقیاس کے عدیم الروایہ یا قلیل الروایہ ہونے کا سبب محض یہ ہے کہ وہ احادیث کو یاد رکھنے اور ان کی تحدیث و روایت کی صلاحیت سے محروم رہا کرتے تھے۔ دریں صورت اس فرمان فاروقی

③ مقدمہ انوار الباری (۱/۲۲)

② مقدمہ انوار (۱/۱۹)

① مقدمہ انوار الباری (۱/۱۷)

کے خلاف اگر کسی کا یہ دعویٰ ہو کہ اہل الرأی کے قلیل الروایۃ یا عدیم الروایۃ ہونے کا سبب وہ نہیں تھا جو ارشادِ فاروقی میں مذکور ہے، تو اسے قابل قبول دلیل و ثبوت پیش کرنا ضروری ہے۔

ناظرین کرام مصنف انوار کا یہ اعتراف صریح ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ بذریعہ تحدیث و روایت احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کا فرمان نبوی موجود ہے، جس کی تعمیل صحابہ کرام کرتے بھی تھے۔ نیز ہم عرض کر چکے ہیں کہ عام صحابہ کے بالمقابل کبار صحابہ فرامین نبویہ کی تعمیل میں عموماً زیادہ سرگرم رہا کرتے تھے، پھر بھی بعض کبیر ترین صحابہ سے مروی شدہ احادیث کی تعداد دوسرے صحابہ کے بالمقابل کم ہے، جس کے مختلف اسباب ہیں، مگر یہ اسباب اہل الرأی کے قلیل الروایۃ یا عدیم الروایۃ ہونے کے اس سبب سے مختلف ہیں جن کی صراحت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے، مثلاً کبیر ترین صحابی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے مروی شدہ احادیث کی تعداد اس لیے کم ہے کہ وفات نبوی کے بعد وہ صرف ڈھائی سال زندہ رہے اور خلافت کبریٰ کی ذمہ داریوں اور فتنہ ارتداد کے انسداد وغیرہ میں مصروف تھے۔

ظاہر ہے کہ ان کے بالمقابل ان صحابہ کی مرویات زیادہ ہوں گی جو وفات نبوی کے بعد پچاسوں سال زندہ رہے۔ نیز وفات نبوی کے بعد قریبی زمانہ میں صحابہ کرام بکثرت تھے اور سب لوگ احادیث نبویہ سے عام طور پر واقف تھے، اس زمانہ میں روایت و تحدیث کی طلب و تلاش بعد کے زمانہ کے بالمقابل کم تھی، اس کا حاصل ہوا یہ کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مرویات کی قلت کا سبب یہ نہیں ہے کہ وہ ارشادِ فاروقی کے مطابق اہل الرأی کی طرح علوم حدیث یاد رکھنے اور روایت حدیث کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ صحابہ کرام پر غیر صحابہ خصوصاً اہل الرأی کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔ ہم یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ تمام صحابہ کرام عموماً اور کبار صحابہ کرام خصوصاً عام احکام شرعیہ اور تمام فرامین نبویہ کی تعمیل کا حتی الوسع زیادہ سے زیادہ اہتمام کرتے تھے اور یہ بھی معلوم و معروف بات ہے کہ کسی وجہ و سبب کے تحت کسی صحابی سے کسی فرمان نبوی و حکم شرعی کے خلاف کوئی قول و عمل سرزد ہو جایا کرتا ہے، جیسا کہ جنبی کے لیے تیمم کر کے نماز پڑھنے کی شرعی اجازت کے خلاف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ موقف تھا کہ جنبی کو بذریعہ تیمم نماز پڑھنے کی اجازت نہیں، لیکن فرمان نبوی و حکم شرعی کے خلاف کسی صحابی کا ذاتی قول و عمل کسی شخص کے لیے دلیل راہ بن سکتا ہے اور نہ اس ذاتی قول و عمل کی مدح و ثناء خوانی کی جاسکتی ہے، البتہ بعض احکام شرعیہ و فرامین نبویہ فرض کفایہ ہوتے ہیں، جن کی تعمیل تمام افراد امت پر ضروری نہیں ہوتی، بلکہ بقدر ضرورت ان پر بعض افراد امت کے عمل سے بھی مقصود شرع حاصل ہو جایا کرتا ہے، دریں صورت ان پر عمل نہ کرنے والوں سے مواخذہ نہیں ہو سکتا۔

العلاء بن سعد بن سعید نے کہا ہے:

”قیل لرجل من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم: ما لك لا تحدث كما يحدث فلان وفلان؟ فقال: مالي ألا أكون سمعت مثل ما سمعوا، و حضرت مثل ما حضروا، ولكن لم يدرس الأمر بعد، والناس متماسكون فأنا أجد من يكفيني، وأكره التزيد، والنقصان في حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم.“¹

1 الزهد لابن المبارك (ص: ۳۰) و دفاع عن أبي هريرة (ص: ۸۸)

یعنی ایک صحابی سے پوچھا گیا کہ فلاں فلاں صحابہ کی طرح آپ بھی بکثرت حدیث کیوں نہیں بیان کرتے؟ تو انھوں نے کہا کہ میرے اس طرز عمل کا سبب یہ نہیں ہے کہ میں نے ان کی طرح حدیث نبوی سنی نہیں ہے اور ان کی طرح میں خدمت نبوی میں حاضر نہیں رہا ہوں، بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ روایت حدیث کا سلسلہ دوسروں کے ذریعہ جاری ہے۔ لوگ اس عمل پر قائم ہیں۔ میری جگہ پر دوسرے لوگ روایت حدیث کا کام کر رہے ہیں اور مجھے حدیث بیان کرنے میں کمی بیشی سرزد ہو جانے کا خطرہ ہے، اس لیے میں روایت حدیث ان کی طرح بکثرت نہیں کرتا۔

حضرت زید بن ارقم سے کہا گیا:

”حدثنا يا زيد ما سمعت من رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا ابن أخي والله لقد كبرت سني، وقدم عهدي، ونسيت بعض الذي كنت أعي من رسول الله صلى الله عليه وسلم، فما حدثتكم فاقبلوه، وما لا فلا تكلفونيهِ.¹“

یعنی آپ اپنی سنی ہوئی حدیث نبوی بیان کیجیے، تو حضرت زید نے کہا کہ بخدا میں سن رسیدہ ہو گیا اور سنی ہوئی بعض احادیث بھول گیا، لہذا جو میں بیان کر دوں اسے قبول کرو اور جو نہ بیان کر سکوں اس کی مجھے زحمت مت دو۔

مذکورہ بالا روایات میں ایک صحابی نے روایت حدیث کی قلت کا سبب یہ بتلایا کہ دوسرے لوگ یہ کام مجھ سے بہتر کرتے ہیں، کیونکہ مجھے حدیث میں کمی بیشی ہونے کا خطرہ ہے، اس لیے میں بکثرت روایت نہیں کرتا۔ دوسرے صحابی نے یہ عذر بیان کیا کہ عمر رسیدگی کے سبب مجھے احادیث بخوبی یاد نہیں، اس لیے جس قدر ہیں انھی کو بیان کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں۔ مستدرک میں مروی ہے:

”إن معاذ بن جبل أوصى أصحابه أن يطلبوا العلم وسمى لهم، أبا الدرداء وسلمان، وابن مسعود، و عبد الله بن سلام، فقال يزيد بن عميرة: وعند عمر بن الخطاب؟ فقال: لا تسأله عن شيء فإنه عنك مشغول.²“

یعنی حضرت معاذ نے اپنے تلامذہ کو وصیت کی کہ ابودرداء، سلمان، ابن مسعود اور عبداللہ بن سلام سے علم حاصل کرو، تو ان سے یزید بن عمیرہ نے کہا کہ اور حضرت عمر بن خطاب سے بھی علم حاصل کریں؟ حضرت معاذ نے جواب دیا کہ وہ دوسرے کاموں میں مصروف رہتے ہیں، اس لیے ان کے پاس پڑھنے مت جاؤ۔“

مندرجہ بالا روایت میں واضح کیا گیا ہے کہ بعض اکابر صحابہ کی دوسری مشغولیات کے پیش نظر لوگ ان کے پاس حدیث پڑھنے نہیں جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سے روایت کم ہوگی، اس طرح مختلف اسباب کے تحت بعض صحابہ اس فرمان نبوی پر عمل نہیں کر سکے کہ بذریعہ تحدیث و روایت احادیث کی ترویج و اشاعت کرو۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس فرمان نبوی پر عمل کرنے کے بالمقابل عمل نہ کرنا زیادہ اچھا ہے۔ نیز جو لوگ کسی وجہ و سبب کے تحت زیادہ روایت

1 مسند أحمد (۴/۳۶۶) و سنن ابن ماجہ (۱/۱۱) بسند صحیح

2 الأنوار الكاشفة (ص: ۱۴۱) و دفاع عن أبي هريرة (ص: ۹۱)

حدیث نہیں کر سکے، انہیں کثیر الحدیث والروایۃ کہنا اور یہ دعویٰ کرنا کہ وہ احادیث کثیرہ کے راوی ہیں اور ان سے بہت بڑا ذخیرہ حدیث منقول ہے، ایک بھاری ظلم و ستم ہے۔ مصنف انوار نے کہا ہے:

”صحابہ میں کثرت سے روایت حدیث کرنے والے بھی تھے اور کم روایت کرنے والے بھی تھے، مگر کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی۔“¹

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں یہ بتلایا ہے کہ روایت حدیث کے معاملہ میں صحابہ کرام کے تین گروہ تھے:

۱۔ ایک گروہ بکثرت روایت حدیث کرنے والا۔

۲۔ دوسرا گروہ بکثرت روایت حدیث کرنے کے بجائے بقلت روایت حدیث کرنے والا۔

۳۔ تیسرا گروہ روایت حدیث سے احتراز کرنے والا تھا۔

پہلے دو گروہوں کی بابت مصنف انوار نے یہ تصریح نہیں کی کہ یہ کبار صحابہ میں سے تھے، یا صغار صحابہ میں سے تھے، مگر تیسرے گروہ کے بارے میں یہ صراحت کر دی کہ ”کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی۔“ مصنف انوار کی اس بات کا حاصل یہ ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت اس فرمان نبوی کی تعمیل سے احتراز کرتی تھی، جس کا ذکر کرتے ہوئے موصوف مصنف انوار رقم طراز ہیں:

”موافق فرمان رسالت تحدیث و روایت کے ذریعہ احادیث کی نشر و اشاعت کا اہتمام برابر صحابہ میں رہا۔“ الخ

مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیانات کو دیکھ ہر صاحب عقل کے ذہن میں یہ سوال ابھرے گا کہ جب بدعویٰ مصنف انوار بذریعہ تحدیث و روایت رسول اللہ ﷺ نے احادیث کی ترویج و اشاعت کا حکم دے رکھا تھا اور اس حکم کی تعمیل میں صحابہ کرام احادیث کی ترویج و اشاعت بھی بذریعہ تحدیث و روایت کرتے تھے تو دوسری طرف مصنف انوار کا یہ دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت رسول اللہ ﷺ کے فرمان مذکورہ کی تعمیل کے بجائے روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی؟ خصوصاً ایسی صورت میں کہ فرامین نبویہ و احکام شرعیہ کی تعمیل میں کبار صحابہ کو پیش پیش رہنے کی عادت تھی۔ یوں سبھی صحابہ حتی الامکان فرامین نبویہ و احکام شرعیہ کی تعمیل میں سرگرم عمل رہا کرتے تھے، مگر بہر حال یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ کبار صحابہ میں تعمیل فرامین نبویہ کا جذبہ و ذوق زیادہ تھا، صحابہ کبار کی اس عادت معروفہ نیز حقیقت ثابتہ کے خلاف مصنف انوار کو اپنے اس دعویٰ پر کوئی ٹھوس اور مضبوط ثبوت پیش کرنا چاہیے تھا کہ کبار صحابہ کی اکثریت عام صحابہ کے طرز عمل کے بالکل برعکس نبی ﷺ کے فرمان مذکورہ کی تعمیل کے بجائے روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی۔ آخر مصنف انوار کی اس بات کے خالص علمی، دینی و تحقیقی نقطہ نظر سے صحیح و معتبر ہونے پر وہ کون سی قابل قبول دلیل قائم ہے جس کی بنیاد پر موصوف کی اس بات کو اس فرقہ کے پھیلائے ہوئے اکاذیب اور جھوٹے پروپیگنڈوں میں نہیں شمار کیا جاسکتا، جو موصوف مصنف انوار کے دعویٰ کے مطابق سفید کوسیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے مسلمانوں میں جھوٹ کو کار خیر و ثواب سمجھ کر پھیلاتا تھا؟²

① ما حصل از مقدمه انوار الباري (۱/۱۹، سطور: ۱۱ تا ۱۳) ② ملاحظه ہو: مقدمه انوار (۱/۱۲۳، ۱۲۴)

مصنف انوار اپنے مذکورہ دعویٰ پر نہ کوئی دلیل پیش کر سکے ہیں اور نہ کبھی کر سکیں گے، خواہ ان کی مدد پوری تقلیدی پارٹی مل کر کرے، البتہ ان کی تکذیب و تردید کے لیے بکثرت دلائل قاہرہ اور براہین ساطعہ موجود ہیں، اس جگہ بعض کا ذکر مناسب ہے۔

اشاعتِ حدیث کے لیے حکم صدیقی و فاروقی:

یہ ایک معروف و معلوم حقیقت ہے کہ خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سبھی کبار و صغار صحابہ کے سر تاج و سردار ہیں اور ان دونوں سرداران کبار و صغار صحابہ کی بابت حضرت امام میمون بن مہران جزری (متوفی ۱۱۷ھ) کا ارشاد ہے:

”إذا ورد عليه الخصم نظر في كتاب الله تعالى، فإن وجد فيه ما يقضي بينهم قضي به، وإن لم يكن في الكتاب، وعلم من رسول الله صلى الله عليه وسلم في ذلك الأمر سنة قضي به، فإن أعياه خرج فسأل المسلمين، وقال: أتاني كذا وكذا فهل علمتم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضي في ذلك بقضاء؟ فربما اجتمع إليه نفر كلهم، يذكر من رسول الله فيه قضاء فيقول أبو بكر: الحمد لله الذي جعل فينا من يحفظ على نبينا، فإن أعياه أن يجد فيه سنة من رسول الله صلى الله عليه وسلم، جمع رؤوس الناس وخيارهم، فاستشارهم، فإذا اجتمع رأيهم على أمر قضي به.“^① وفي لفظ لأبي عبيد: ”وكان عمر يفعل ذلك، فإن أعياه ذلك، سأل هل كان أبو بكر قضي فيه بقضاء؟ فإن كان فيه لأبي بكر قضاء قضي به وإلا جمع علماء الناس، واستشارهم، فإذا اجتمع رأيهم على شيء قضي به.“^②

یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جب کوئی معاملہ آتا اور وہ اس کے بارے میں کسی قرآنی فیصلہ سے واقف ہوتے تو اسی کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر نہیں تو اس سلسلہ میں اپنی معلوم شدہ حدیث کے مطابق فیصلہ کرتے اور اگر اس سلسلہ میں انھیں کتاب و سنت کا علم نہ ہو پاتا تو باہر نکل کر صحابہ کے پاس جاتے اور ان سے پوچھتے کہ اس بارے میں آپ لوگ سنت نبویہ کا علم رکھتے ہیں؟ اس وقت بسا اوقات جمع شدہ تمام لوگ متفقہ طور پر کوئی نہ کوئی حدیث سنا دیتے۔ اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہو کر اللہ کا شکر ادا کرتے کہ ہم میں اس نے ایسے اہل علم بنا رکھے ہیں۔ جو سنت نبویہ کو یاد رکھتے اور ضرورت کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ اگر اس طریقہ پر معاملہ نہیں حل ہو پاتا تھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ علماء و رؤساء کو جمع کر کے مشورہ طلب کرتے اور ان کے متفق علیہ مشورہ پر عمل کرتے اور یہی طرز عمل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی تھا۔

مذکورہ بالا روایت مرسل ہے اور مرسل حنفی و مالکی مذہب میں حجت ہے اور دوسروں کے نزدیک شواہد کی موجودگی میں مرسل حجت ہے اور اس روایت کے متعدد معنوی شواہد ہیں، جن کا ذکر بنظر اختصار ہم نہیں کر رہے ہیں، چونکہ یہ روایت اپنے

① مسند دارمی، باب الفتیاء وما فیہ من الشدۃ (ص: ۳۲، ۳۳) و کتاب القضاء لأبی عبيد.

② إعلام الموقعین (۱/ ۶۲) حجة الله البالغة (۱/ ۱۴۹) و إزالة الخفاء وغيره.

معمولی شواہد کے ساتھ معتبر ہے، اس لیے ہم اسے پیش کر رہے ہیں۔

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ حدیث مذکور بالصرحت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بذات خود احادیث نبویہ یاد رکھتے تھے اور پیش آمدہ مسائل میں اپنی معلوم و محفوظ احادیث پر عمل بھی کرتے تھے اور جن امور میں انھیں احادیث نبویہ معلوم نہ ہوتی تھیں، ان کے بارے میں صحابہ کرام کی طرف مراجعت کر کے کہتے کہ اس سلسلے میں آپ لوگوں کو جو احادیث معلوم ہوں انھیں بیان کیجیے۔ ان حضرات کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے احادیث نبویہ کو یاد اور محفوظ رکھنے والے صحابہ ان سے احادیث بیان کرتے، جس پر دونوں حضرات خوش ہوتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے احادیث بیان کرنے والے صحابہ کو خراج تحسین پیش کر کے فرماتے کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے امت مسلمہ میں ایسے خوش نصیب افراد بنائے جو احادیث نبویہ کو محفوظ رکھتے اور بیان کرتے ہیں۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ سبھی کبار و صغار صحابہ کے سردار حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ بذریعہ تحدیث و روایت احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کا حکم دیتے تھے۔ حتیٰ کہ بسند صحیح مروی ہے کہ اپنی وفات سے صرف پانچ دن پہلے بروز جمعہ خطبہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کو خطاب کر کے فرمایا:

”إني أشهد الله على أمراء الأمصار فياني إنما بعثتهم ليعلموا الناس دينهم، وسنة نبيهم صلى الله عليه وسلم.“ الخ¹

یعنی میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے تمام ممالک اسلامیہ میں حکام و امراء کو علم دین اور سنت نبویہ کی ترویج و اشاعت کے لیے مقرر کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کے لیے ممالک اسلامیہ میں حکام و امراء کی تقرری کا کام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طریق پر عمل کرتے ہوئے کیا تھا، کیونکہ پہلی روایت میں تصریح ہے کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیرو تھے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کبار و صغار سبھی صحابہ کے سر تاج حضرت ابوبکر و عمر احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کا خاص اہتمام کرتے اور لوگوں کو ترویج احادیث کا حکم دیتے اور ممالک اسلامیہ میں ایسے علماء و امراء و حکام کو مقرر کرتے جو ان کے حکم کے مطابق احادیث کی ترویج و اشاعت کرتے اور لوگوں کو علوم حدیث کی تعلیم دیتے تھے۔ تمام صحابہ کے ان سرداروں کے اس طرز عمل پر کسی بھی کبیر یا صغیر صحابی نے کبھی کوئی نکیر و اعتراض نہیں کیا کہ احادیث و سنن نبویہ کی ترویج و اشاعت کا اس قدر اہتمام کبار صحابہ کی اکثریت کے تعامل کے خلاف ہے، بلکہ تمام کبار و صغار صحابہ رضی اللہ عنہم ان دونوں حضرات کے حکم و فرمان کے مطابق اپنی محفوظ شدہ احادیث کی ترویج و اشاعت بذریعہ تحدیث و روایت کرتے رہے، جیسا کہ مذکورہ بالا روایت میں اس کی صراحت موجود ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ بات مصنف انوار کے اس دعویٰ کی پوری پوری تکذیب و تردید کرتی ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ دلائل قاہرہ مصنف انوار کے اس دعوے باطل کے بالکل خلاف قائم ہیں، مگر ہم زیادہ تفصیل میں پڑنے کے بجائے صرف مذکورہ بالا نقل پر ہی اکتفا کرتے ہیں، کیونکہ اہل عقل و انصاف

¹ مسند أبي عوانه (١/٤٠٩ كتاب الصلوة) و طبقات ابن سعد (٣/٣٣٥، ٣٣٦)

کے لیے اتنی نقل بھی اصل معاملہ کو سمجھنے کے لیے کافی ہے اور بصیرت و بصارت سے محروم و فطرت سلیمہ سے خالی و عاری شخص کے لیے دفاتر بھی غیر مفید ہوتے ہیں۔

مصنف انوار نے اپنے خالی از دلیل و خلاف حقیقت مذکورہ بالا دعویٰ کے فوراً بعد بعنوان ”قلت روایت“ چند ایسی روایات کا ذکر کیا ہے، جن کا حاصل مضمون یہ ہے کہ تین کبار صحابہ حضرت عثمان بن عفان، زبیر بن العوام اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ذاتی طور پر بعض وجوہ اور عذر کے سبب کثرت روایت کے بجائے تقلیل روایت پر اکتفاء کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات مصنف انوار کے صرف اس دعویٰ کی دلیل بن سکتی ہے کہ صحابہ میں کم روایت کرنے والے بھی تھے۔ اس سلسلے میں مصنف انوار کی نقل کردہ روایات میں سے صرف ایک روایت ایسی ہے جو حقیقت میں تو نہیں مگر بظاہر اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ذاتی طور پر روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے، لیکن اس امر کی تفصیل آ رہی ہے کہ:

اولاً: یہ روایت از روئے حقیقت مصنف انوار کے دعویٰ پر دلالت نہیں کرتی۔

ثانیاً: یہ روایت باعتبار سند ساقط الاعتبار ہے۔

ثالثاً: یہ ساقط الاعتبار روایت حقیقت ثابتہ کے خلاف و معارض ہے۔

رابعاً: حقائق ثابتہ کے معارض یہ ساقط الاعتبار روایت صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ایک خاص سبب کے تحت یعنی حدیث میں کمی بیشی کے ڈر سے حضرت عمر ذاتی طور پر بعض احادیث کی روایت سے احتراز کرتے تھے۔

اور احتیاط و تقویٰ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس صورت میں روایت حدیث سے احتراز کیا جائے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سبب مذکور کے نہ ہونے اور صحیح طور پر بلا کم و کاست روایت پر اپنے اوپر وثوق و اعتماد ہونے کی صورت میں بھی حضرت عمر روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت عمر روایت حدیث کے بالمقابل روایت حدیث سے احتراز کے موقف و طریق کو اچھا سمجھتے تھے اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی۔

ظاہر ہے کہ کبار صحابہ میں سے کسی ایک صحابی یا چند صحابہ کے ذاتی عمل کو اکثر صحابہ کا تعامل نہیں کہا جاسکتا۔ اگر کسی خاص سبب و عذر سے مجبور ہو کر بعض کبار صحابہ نے کوئی عمل کیا تو اسے اکثر صحابہ کا عمل قرار دینا یا یہ کہنا کہ یہی طریق عمل دوسرے کے بالمقابل زیادہ صحیح ہے، کسی طرح بھی درست نہیں ہے، مثلاً حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کھجلی کی وجہ سے ریشمی لباس پہننے پر مجبور تھے، حالانکہ بلا عذر ریشمی لباس مردوں کے لیے ممنوع ہے، بوجہ مجبوری اگر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ریشمی لباس استعمال کیا تو یہ دعویٰ درست نہیں ہو سکتا کہ اکثر کبار صحابہ ریشمی لباس پہنتے تھے یا یہ کہ ریشمی لباس پہننا ہی مردوں کے لیے زیادہ اچھا اور بہتر ہے۔

تکثیر روایت افضل ہے یا تقلیل؟

مصنف انوار الباری بہر حال اس حقیقت کے معترف ہیں کہ تہذیب و روایت کے ذریعہ احادیث کی ترویج و اشاعت کا حکم نبی ﷺ نے دیا تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ حکم نبوی ان احکام شرعیہ میں سے ہے جن کی تعمیل ہر امتی پر استطاعت کے مطابق ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حکم کی تعمیل میں صحابہ کا عمل مختلف نظر آتا ہے۔ کسی نے تکثیر روایت سے کام لیا اور کسی نے تقلیل سے، پھر اس تقلیل و تکثیر میں بھی تفاوت ہے۔

دریں صورت یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ تکثیر و تقلیل روایت میں سے کون سا طریقہ افضل و بہتر اور امت مسلمہ کے حق میں زیادہ نفع بخش و مفید ہے۔ اتنی بات ہر صحیح العقل و سلیم الفطرت مسلمان کی سمجھ میں آسانی سے آسکتی ہے کہ حدود شرع کے دائرہ میں رہتے ہوئے فرامین نبویہ و احکام شرعیہ کی زیادہ سے زیادہ تعمیل کم سے کم تعمیل کے مقابلہ میں افضل و بہتر اور زیادہ مفید و نفع بخش ہے۔ یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے جس سے کسی بھی سلیم الطبع صاحب عقل کو اختلاف نہیں ہو سکتا، حتیٰ کہ جو لوگ حکم شریعت کی تعمیل میں دوسروں کے بالمقابل کسی عذر و سبب سے قاصر و عاجز اور قلیل العمل و کوتاہ دست ہوتے ہیں، وہ اگرچہ اسباب معقولہ کی بنا پر معذور ہیں، لیکن وہ بھی اس حقیقت کا احساس و ادراک رکھتے ہیں کہ کسی بھی حکم شرعی کی تعمیل میں تقصیر و تقلیل کے بالمقابل تکثیر افضل و بہتر ہے، الا یہ کہ تکثیر کی شریعت میں ممانعت ہو۔ اس آسان سی بات کا سمجھنے والا کوئی سلیم الطبع انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ حکم نبوی کی تعمیل میں تکثیر روایت کے بالمقابل روایت حدیث سے احتراز یا تقلیل روایت زیادہ عمدہ و بہتر ہے، کیونکہ یہ بہت واضح حقیقت ہے کہ تعمیل حکم نبوی میں تکثیر روایت بہر حال تقلیل کے بالمقابل بہتر ہے۔

نیز یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ مجموعی حیثیت سے جس صحابی کی عظمت و فضیلت معروف و معلوم ہو، وہ بعض احکام شرعیہ کی تعمیل میں اپنے سے کمتر کسی صحابی کے بالمقابل کسی بھی وجہ سے پیچھے رہ سکتا ہے۔ اگر بعض احکام شرعیہ کی بجا آوری میں اسباب و عوارض کی بنا پر بعض کبار صحابہ اپنے سے کمتر صحابہ کے بالمقابل پیچھے ہوں تو ان احکام شرعیہ کی عظمت و فضیلت اپنی جگہ پر قائم و ثابت رہے گی۔

حاصل یہ کہ تکثیر روایت فی نفسہ بہتر ہے، اگر کسی صحابی یا متعدد صحابہ نے اسباب و عوارض کے تحت تقلیل روایت سے کام لیا تو اس سے لازم نہیں آتا کہ تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل افضل و بہتر ہے، مگر مصنف انوار نے دلیل پیش کئے بغیر تقلیل روایت کو اکثر صحابہ کا تعامل اور افضل بتلایا ہے۔

صحابہ کرام اور اہل الرای کی تقلیل روایت کے اسباب مختلف ہیں:

روایت حدیث سے اکثر کبار صحابہ کے احتراز یا تقلیل روایت کا سبب مصنف انوار نے یہ بتلایا ہے کہ ان صحابہ کو روایت حدیث کی اہم ترین ذمہ داریوں کا شدید احساس تھا۔ نیز ان پر خشیت الہی و تورع کا غلبہ تھا۔¹

ہم عرض کر آئے ہیں کہ مصنف انوار کا یہ دعویٰ خالی از دلیل ہے کہ اکثر کبار صحابہ روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے، البتہ بعض صحابہ کی تقلیل روایت کا سبب بعض روایات میں وہی مذکور ہے جس کا ذکر مصنف انوار نے کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ سبب مذکور کی بنا پر بعض صحابہ کا کثرت روایت کے بجائے تقلیل روایت پر عمل پیرا ہونا اس امر کو مستلزم نہیں کہ کثرت روایت کے بالمقابل تقلیل روایت بہتر ہے، جیسا کہ گزر چکا ہے۔

نیز سبب مذکور کی بنا پر بعض صحابہ کی تقلیل روایت اس امر کو بھی مستلزم نہیں کہ غیر صحابی حضرات کی تقلیل روایت کا سبب بھی وہی تھا جو صحابہ کرام کی تقلیل روایت کا تھا۔ باسانید صحیحہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن خطاب کا یہ ارشاد منقول ہے:

أهل الرأى أعداء السنن، أعيتهم الأحاديث أن يعوها، وتفلتت منهم أن يرووها، فقلوا في

الدین برأيهم۔^①

یعنی احادیث و سنن نبویہ کے دشمن اہل الرأی چونکہ احادیث و سنن کے حفظ و ضبط سے عاجز و قاصر ہونے کے سبب ان کی روایت کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں، اس لیے احادیث کے بجائے اپنی رائے و قیاس سے فتویٰ دیتے اور مسائل مستنبط کرتے ہیں۔^②

مذکورہ بالا ارشاد فاروقی سے معلوم ہوا کہ روایت حدیث سے اہل الرأی کے احتراز یا تقلیل روایت کا سبب شدت تقویٰ و تورع کے بجائے احادیث کو محفوظ رکھنے اور روایت کرنے کی صلاحیت سے محرومی ہے۔ اس فرمان فاروقی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احادیث کی تحدیث و روایت وہی شخص کر سکتا ہے جو حفظ و روایت احادیث سے عاجز و قاصر نہ ہو بلکہ وہ حافظ احادیث اور روایت احادیث پر قادر ہو۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ صحابہ و اہل الرأی کی تقلیل روایت کے اسباب مختلف ہیں۔

ہم اس جگہ مصنف انوار کے اس دعویٰ پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کہ:

”امام اعظم ابو حنیفہ بھی ان اکابر صحابہ کی طرح غلبہ خشیت و غایت ورع کی وجہ سے روایت حدیث سے بہت احتراز کرتے تھے اور روایت حدیث کے لیے سخت سخت شرائط رکھتے تھے، جو دوسرے ائمہ اور بعد کے محدثین کے یہاں نہیں تھیں۔“^③

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار کا یہ دعویٰ ہے کہ روایت حدیث سے امام ابو حنیفہ کے بہت زیادہ احتراز کا سبب وہی تھا جو اکابر صحابہ کے احتراز کا تھا اور روایت حدیث میں امام صاحب جیسی سخت شرائط دوسرے محدثین کے یہاں نہیں تھیں۔ ناظرین کرام اس جگہ اس حقیقت کو ملحوظ رکھیں کہ کسی صحابی یا کئی صحابہ کا روایت حدیث سے احتراز یا تقلیل روایت اس امر کو مستلزم نہیں کہ یہ صحابہ روایت حدیث سے احتراز اور تقلیل روایت کو بشیر روایت کے بالمقابل افضل سمجھتے تھے، یا یہ کہ فی نفسہ تقلیل روایت بمقابلہ بشیر افضل ہے۔ نیز شدت تقویٰ و تورع کی بناء پر بعض صحابہ کی تقلیل روایت کا ثبوت بھی اس امر کو مستلزم نہیں کہ جس صحابی نے بھی تقلیل روایت پر اکتفاء کیا، اس کا سبب صرف غلبہ تقویٰ و تورع ہی تھا، بلکہ اس کے دوسرے اسباب معقولہ ہو سکتے ہیں اور ہیں بھی۔

حضرت ابوبکر کی قلت روایت کا سبب:

مثلاً بہت سے صحابہ کرام کے مقابلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مرویات کی تعداد کم ہے۔ اگرچہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حضرت ابوبکر صحابہ میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ تقویٰ شعار تھے، لیکن موصوف کی تقلیل روایت کا سبب وہ نہیں ہے جو بقول مصنف انوار کبار صحابہ کی تقلیل روایت یا روایت سے احتراز کا سبب تھا۔ یعنی روایت حدیث میں غلطی ہونے کا خطرہ اور شدت تقویٰ و تورع بلکہ حضرت ابوبکر کی قلت روایت کا سبب دوسرا ہے اور وہ یہ کہ وفات نبوی کے بعد موصوف صرف ڈھائی سال زندہ رہے اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ وفات نبوی کے بعد موصوف کی اس ڈھائی سالہ زندگی کا زمانہ ہی ان کی تحدیث و

① إعلام الموقعین (۱/۵۵) و الإحکام لابن حزن (۶/۴۲، ۴۳) و جامع بیان العلم.

② نیز ملاحظہ ہو: ہماری اسی کتاب کا: (۱/۱۶۶، ۱/۱۹۶) ③ مقدمہ انوار (۱/۲۰)

روایت کا زمانہ ہو سکتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ڈھائی سال کی مدت میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی شدہ احادیث سے کہیں زیادہ تعداد میں احادیث کی تحدیث و روایت ہر وہ شخص کر سکتا ہے، جس میں درج ذیل تین باتیں پائی جاتی ہوں:

۱- اسے بہت بڑی تعداد میں احادیث نبویہ یاد، محفوظ اور مضبوط ہوں۔

۲- بہت بڑی تعداد میں ان محفوظ شدہ احادیث کی تحدیث و روایت پر وہ شخص قادر ہو۔

۳- ان دونوں اوصاف کے ساتھ احادیث کی تحدیث و روایت میں دوسرے اسباب و عوارض مانع اور حارج نہ ہوں۔

اس میں شک نہیں کہ وصف نمبر اول و دوم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں بدرجہ اتم و اکمل موجود تھے، مگر اس کے باوجود احادیث کی تحدیث و روایت کے لیے فراغت کے بجائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے راستے میں دوسرے عوارض و عوامل حائل تھے۔ یہ عوارض و عوامل موصوف کو تحدیث و روایت کا موقع نہ دیتے تھے۔ وفات نبوی کے بعد ہی موصوف کو خلافت کبریٰ کی ان ذمہ داریوں نے اپنے ساتھ مشغول کر لیا جو احادیث کی تحدیث و روایت کو موصوف کا موقع نہ دیتی تھیں، فتنہ ارتداد کی بیخ کنی کا مسئلہ ہی اتنا پیچیدہ اور مصروفیت کا طالب تھا کہ احادیث کی تحدیث و روایت کا موقع ان کے لیے ملنا مشکل تھا۔ اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ احادیث کی تحدیث و روایت سے متعلق حکم نبوی کی تعمیل ہر امتی پر فرداً فرداً ضروری نہیں ہے، اگر وہ کام دوسروں کے ذریعہ ہو رہا ہے تو حکم نبوی کا مقصود حاصل ہو رہا ہے۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر دوسرے متعدد صحابہ اس حکم نبوی کی تعمیل میں مصروف ہیں، جس سے دینی ضرورت پوری ہو رہی ہے، خود کو امور خلافت کی انجام دہی میں مصروف رکھا، کیونکہ پوری امت نے مل کر موصوف کو امور خلافت کی انجام دہی کی ذمہ داری سونپ دی تھی، اپنی اس ذمہ داری کی ادائیگی سے موصوف کو اتنی فرصت نہ مل سکی کہ تکثیر روایت بھی کرتے۔

الحاصل تکثیر روایت کے بجائے تقلیل روایت پر حضرت ابوبکر کے اکتفاء کا اصل سبب خلافت کبریٰ کی ذمہ داریاں تھیں۔ نیز ان کی زندگی میں روایت حدیث کرنے والوں کی کثرت بھی تھی اور عام لوگ احادیث سے واقف تھے، اس لیے انھیں ضرورت بھی روایت کرنے کی کم ہی پیش آئی۔

اس کے برعکس حضرت عائشہ، حضرت انس، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے مکثرین صحابہ پر اولاً خلافت کبریٰ کی ذمہ داریاں نہیں تھیں۔ ثانیاً یہ لوگ وفات نبوی کے بعد حضرت ابوبکر کے بالمقابل کہیں زیادہ زمانہ تک زندہ رہے اور کبھی بھی خلافت کبریٰ کی ذمہ داریوں سے جوہل نہیں بنائے گئے۔ اس لیے انھیں احادیث کی تحدیث و روایت کا موقع حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ حاصل ہوا، اور یہی وجہ ہے کہ وہ تحدیث و روایت حدیث کے متعلق حکم نبوی کی تعمیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ کر سکے۔ اسی وجہ سے ان کی روایات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہیں۔ پھر جیسا کہ ہم نے عرض کیا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ احادیث کی ترویج و اشاعت کے معاملہ سے گہری دلچسپی رکھتے تھے اور وہ صحابہ کو حکم دیتے رہتے تھے کہ احادیث نبویہ کی تحدیث و روایت اور ترویج و اشاعت کرتے رہو، اور نہ صرف یہ کہ موصوف دوسروں کو احادیث کی تحدیث و روایت کا حکم دینے پر اکتفاء کرتے تھے، بلکہ حسب موقع و ضرورت خود بھی تحدیث و روایت کرتے تھے، اس کی بعض مثالوں کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد تقریباً ڈیڑھ سو ہے، اور تدریب الراوی، النوع التاسع والثلاثون (ص: ۴۰۳) میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ایک سو بیالیس احادیث مروی ہیں۔

اپنے تقلیدی مقاصد کو بروئے کار لانے کا بے پناہ جذبہ و ذوق رکھنے والے تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل روایت کو افضل و بہتر ثابت کر دکھانے کی مہم چلانے والے اپنی تائید میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تقلیل روایت کے معاملہ کو بھی پیش کرتے ہیں، مگر ہماری مذکورہ بالا معروضات کو پیش نظر رکھنے والے اہل انصاف کبھی بھی ان کے دھوکہ میں نہیں آسکتے اور نہ وہ یہ مان سکتے ہیں کہ حضرت ابوبکر اور صحابہ کرام کی تقلیل روایت کا جو سبب ہے وہی سبب ان اہل الرأی کی تقلیل روایت کا بھی ہے، جن کی بابت ارشاد فاروقی ہے کہ احادیث کے حفظ و ضبط سے عاجز و قاصر رہنے کے سبب یہ لوگ روایت حدیث نہیں کر سکتے۔

ابھی ہم مصنف انوار کے اس دعویٰ پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے کہ احادیث کی روایت سے امام ابوحنیفہ کے احتراز یا تقلیل روایت کا سبب وہی تھا، جو صحابہ کی تقلیل روایت کا تھا۔

البتہ اہل نظر پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وفات نبوی کے بعد صرف ڈھائی سال اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ بارہ سال اور عثمان غنی رضی اللہ عنہ چوبیس سال زندہ رہے اور خلافت کبریٰ کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے پر بھی مامور رہے اور دوسرے مقلدین صحابہ کے ساتھ بھی مختلف قسم کے معاملات موجود رہے، مگر بدعویٰ مصنف انوار امام ابوحنیفہ پچاس سال کی عمر تک تحصیل علوم و فقہ میں چار ہزار اساتذہ کے ساتھ مشغول رہنے کے بعد مسند درس و تدریس اور کاروبار تصنیف و تالیف میں مسلسل تیس سال مصروف رہے اور ایک دن کے لیے بھی خلافت جیسے کام پر مامور نہیں ہوئے اور نہ ان حالات سے دوچار ہوئے جو مقلدین صحابہ کو پیش آئے، لیکن ان صحابہ کی مرویات کے بالمقابل امام صاحب کی روایت حدیث میں صحابہ جیسی شدت احتیاط و تورع کا معاملہ ہے، وہ اس بات سے عیاں اور ظاہر ہے کہ جن کتب مسانید و آثار کو مصنف انوار امام صاحب موصوف کی مرویات پر جب تحقیقی بحث ہمارے سامنے آئے گی تو حقیقت امر مکشف ہوگی، اور جہاں تک امام صاحب کی تصنیف قرار دیتے ہیں، وہ اس بات پر شاہد ہیں کہ امام صاحب بکثرت کذاب، وضاع، غیر ثقہ، کثیر الخطاء اور سی الحفظ رواۃ سے منقطع، مرسل، معضل، غیر مستند اور غیر متصل روایات نقل کئے ہوئے ہیں، جیسا کہ اس موضوع پر مفصل بحث آگے آرہی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے کثیر الروایۃ ہونے پر بحث:

کبار صحابہ کی اکثریت کو روایت حدیث سے محترز بتلانے یا بعض صحابہ کے قلیل الروایۃ ہونے سے متعلق روایات کی نقل کی طرف اس قدر توجہ صرف کرنے کی زحمت مصنف انوار نے محض اس لیے اٹھائی ہے کہ جن امام ابوحنیفہ کی تقلید و پیروی کا موصوف دم بھرتے ہیں، ان کا قلیل الروایۃ ہونا مشہور و معروف حقیقت ہے اور امام صاحب کے قلیل الروایۃ ہونے کی حقیقت مشہورہ کو مخ کرنے کی مہم جوئی و کوشش کے باوجود بھی مصنف انوار کے دل سے امام صاحب کے قلیل الروایۃ ہونے کا احساس و شعور ختم نہیں ہوا۔ لہذا موصوف نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ امام صاحب قلیل الروایۃ ہونے میں صحابہ مذکورین کے مماثل و مشابہ ہیں اور ان صحابہ کی تقلیل روایت کا جو سبب ہے، وہی امام صاحب کی تقلیل روایت کا بھی سبب ہے، مگر ہم اس جگہ اس موضوع

پر تفصیلی بحث میں پڑے بغیر صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ بدعویٰ مصنف انوار مذہب حنفی کے مورث اعلیٰ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور بخیاں مصنف انوار فقہ حنفی کی عمارت فقہ ابن مسعود پر قائم ہے۔^①

اور مسند احمد بن حنبل اور سنن ابن ماجہ میں بسند صحیح حضرت عبداللہ بن زبیر صحابی سے منقول ہے:

”قلت للذبير: مالي لا أسمعك تحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كما أسمع ابن مسعود و فلانا و فلانا.“^② الحديث

”میں نے اپنے باپ زبیر بن العوام سے کہا کہ جس طرح عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور فلاں فلاں صحابہ بکثرت روایت حدیث کرتے ہیں، اس طرح آپ کیوں بکثرت روایت حدیث نہیں کرتے؟“ الخ

اس حدیث صحیح سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بکثرت روایت حدیث کرتے تھے اور صرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی نہیں دوسرے صحابہ کا بھی یہی حال تھا۔ ایک دوسری صحیح روایت میں اس طرح ہے:

”ما يمنعك أن تحدث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم كما يحدث عنه أصحابك.“^③

یعنی جس طرح آپ کے اصحاب (صحابہ کرام) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکثرت روایت حدیث کرتے ہیں، اس طرح آپ بھی بکثرت روایت حدیث کیوں نہیں کرتے؟

اس روایت صحیح کے الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح دوسرے کبار صحابہ بھی بکثرت روایت کرتے تھے، کیونکہ حضرت زبیر کے اصحاب عام طور سے کبار صحابہ ہی تھے۔ اس روایت سے ایک طرف مصنف انوار کے اس زعم باطل کی تکذیب ہوتی ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی اور دوسری طرف ثابت ہوتا ہے کہ مصنف انوار جس ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو فقہ حنفی کا مورث اعلیٰ قرار دیتے ہیں، وہ کثیر الحدیث صحابی تھے، حتیٰ کہ ان کی بکثرت روایت حدیث کو دیکھ کر صحابی رسول حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو تمنا ہوئی کہ کاش میرے باپ زبیر بھی انھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح بکثرت روایت حدیث کرتے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر بحوالہ زبیر بن بکار ناقل ہیں:

”عن عبد الله بن الزبير قال: عناني ذلك، يعني قلة رواية الزبير.“^④

یعنی عبداللہ بن زبیر نے کہا کہ مجھے اپنے باپ زبیر کی قلت روایت دیکھ کر شاق گزرا۔

اس لیے میں نے ان سے اس کی وجہ دریافت کی، جس پر انھوں نے اپنا عذر بیان کیا۔ مصنف انوار نے اس حدیث کو

صحیح بخاری کے حوالے سے بذات خود یہ ثابت کرنے کے لیے نقل کیا ہے کہ حضرت زبیر قلیل الروایۃ تھے۔^⑤

① مقدمہ انوار (۱/۳۸، ۱/۱۵۳، ۱۵۴)

② مسند امام أحمد مع تعليقات علامه أحمد شاكر حديث (۱۴۱۳) (۳/۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۷، ۸) و سنن ماجه (۱/۱۰) و فتح الباري: كتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم (حديث ۱۰۷) (۱/۲۰۰ وغيره)

③ سنن أبي داود، مع عون المعبود باب التشديد في الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم (۳/۲۵۷) و طبقات ابن سعد (۱/۳، ۷۴، ۷۵ وغيره)

⑤ مقدمہ انوار (۱۹/۱)

④ فتح الباري (۱/۲۰۰)

مگر نہ جانے کیوں موصوف نے اس کے وہ محولہ الفاظ کتب حدیث سے نقل نہیں کئے، جن میں صراحت ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے دوسرے اصحاب کی طرح بکثرت روایت حدیث کرتے تھے، حالانکہ جب مصنف انوار مدعی ہیں کہ فقہ حنفی کے مورث اعلیٰ ابن مسعود ہیں تو انھیں بتلانا چاہیے تھا کہ امام ابوحنیفہ اپنے مذہب و علمی خاندان کے مورث اعلیٰ کے طریق کثرت روایت پر عمل پیرا ہونے کے بجائے دوسرا طریق عمل اختیار کر کے قلت روایت حدیث سے کام لیتے تھے۔ تاکہ لوگوں کو کم از کم یہ معلوم ہو جاتا کہ روایت حدیث جیسے اہم معاملہ میں امام صاحب ان ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے طریق کے خلاف دوسرے طریق پر عمل پیرا تھے، جن کو بار بار فقہ حنفی کا مورث کہا جاتا ہے۔

ناظرین کرام کو ہماری ذکر کردہ وہ بات یاد ہوگی کی ایمان میں کمی بیشی اور تجزی جیسے بنیادی مسئلہ میں بھی امام ابوحنیفہ حضرت ابن مسعود کے موقف کے خلاف ہیں، حتیٰ کہ بدعوئی مصنف انوار امام صاحب نے جس چہل رکنی مجلس تدوین کے ذریعہ فقہ حنفی کی تدوین کی اس کے رکن رکیں ابو مطیع بلخی نے وضع حدیث کر کے ابن مسعود کو ایمان میں کمی بیشی و تجزی کا عقیدہ رکھنے کے سبب نعوذ باللہ کافر و مشرک تک قرار دیا ہے۔ جس فقہ کی تدوین کرنے والے بذریعہ وضع حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو نعوذ باللہ کافر و مشرک قرار دیں، اس فقہ کا مورث اعلیٰ انھی ابن مسعود کو بتلانا مصنف انوار ہی جیسے دل گردہ رکھنے والے لوگوں کا کام ہو سکتا ہے۔ اس سے قطع نظر ہم کو اس جگہ صرف یہ بتلانا ہے کہ جس ابن مسعود کو مصنف انوار فقہ حنفی کا مورث کہتے ہیں، ان کے طریق کثرت روایت حدیث پر فقہ حنفی کے بانی امام صاحب عامل نہیں تھے اور نہ صرف ابن مسعود بلکہ عام کبار صحابہ کا بھی یہی حال تھا، جیسا کہ ہماری نقل کردہ حدیث ابن زبیر سے معلوم ہوتا ہے، نیز دوسری متعدد دلیلوں کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ اس کے باوجود مصنف انوار نے جو یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی، اس کی حقیقت کا اندازہ ناظرین کرام خود لگا سکتے ہیں۔

مصنف انوار نے قلت روایت کے معاملہ میں امام صاحب کو جن صحابہ کا مماثل قرار دینے کے لیے چند روایات کو بطور دلیل و حجت پیش کیا ہے، ان روایات سے بہر حال مصنف انوار کا مقصود نہیں حاصل ہو سکتا، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، مگر مصنف انوار کی ذکر کردہ ان روایات پر یہاں فنی طریقہ پر بحث و نظر بھی مناسب معلوم ہوتی ہے۔

کیا روایتِ حدیث سے کبار صحابہ احترام کرتے تھے؟

قلت روایتِ عثمان:

ہم اوپر اجمالی طور پر عرض کر چکے ہیں کہ مصنف انوار نے بلا دلیل اپنے اس دعویٰ کہ ”کبار صحابہ کی اکثریت روایتِ حدیث سے احترام کرتی تھی“ کے فوراً بعد بعنوان ”قلتِ روایت“ چار کبار صحابہ کے بارے میں چار روایات ایسی نقل کی ہیں، جن کا حاصل مضمون یہ ہے کہ تین کبار صحابہ بعض وجوہ سے ذاتی طور پر تقلیلِ روایت سے کام لیتے تھے۔ اب ہم فرداً فرداً ان روایات کا تحقیقی جائزہ لے کر مصنف انوار الباری کی حقیقت بیانی اور دیانت داری واضح کرنی چاہتے ہیں۔ مصنف انوار فرماتے ہیں:

”ابن سعد اور ابن عساکر نے عبدالرحمن بن حاطب سے روایت کی کہ صحابہ میں سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے زیادہ بہتر طریقہ پر حدیث بیان کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ جب کوئی حدیث بیان کرتے تو پوری پوری نقل کیا کرتے تھے، مگر وہ بہت کم روایت کرتے تھے، کیونکہ ڈرتے تھے۔“¹

اولاً: مصنف انوار نے مذکورہ روایت بالا اور اس معنی و مفہوم کی دوسری روایات کو اپنے اور اپنے ہم مذہب اہل الراہی کے موقف کے موافق و مطابق سمجھ کر ہی نقل کیا ہے اور اس قسم کی عام روایات کو محدثین کرام ہی نے اپنی کتب حدیث و تاریخ اور رجال و سیر میں نقل کیا ہے، مگر مصنف انوار کا کہنا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت نے حسد و تعصب کی وجہ سے موقفِ حنفیہ کی تائید کرنے والی روایات کو نقل کرنے سے احتراز و گریز کیا ہے۔ مصنف انوار اپنے اس دعویٰ پر یقیناً کوئی دلیل معتبر نہیں رکھتے۔ البتہ اپنے ہی طرز عمل سے موصوف اپنے اس دعویٰ کی تکذیب و تردید بار بار کرتے ہیں، کیونکہ اپنی تائید و موافقت میں پیش کرنے کے لیے جو روایات و احادیث موصوف کو ملتی ہیں، وہ محدثین ہی کے یہاں ملتی ہیں۔ آخر محدثین کرام کی کتابوں سے اپنے موقف پر دلائل حاصل کرنے والے مصنف انوار مدلل طور پر یہ کیوں نہیں ثابت کرتے کہ محض تعصب و تنگ نظری اور حسد و عناد کی بنیاد پر فلاں فلاں محدثین نے احتاف کے موافق روایت کی نقل سے احتراز کیا؟

ثانیاً: انوار الباری میں مصنف انوار کے اس دعویٰ کو کہ ”ہم نے خالص علمی و تحقیقی نقطہ نظر سے صرف صحیح و معتبر باتیں ہی لکھی ہیں۔“ دیکھ کر سادہ لوح لوگ یہی سمجھتے ہوں گے کہ مصنف انوار نے مندرجہ بالا جس روایت کو بطور دلیل پیش کر رکھا ہے، وہ خالص علمی و تحقیقی نقطہ نظر سے صحیح و معتبر ہوگی، کیونکہ مصنف انوار کو اس بات کا بہت شدید افسوس ہے کہ سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے ایک فرقہ جھوٹ کو کار خیر و ثواب سمجھ کر مسلمانوں میں پھیلا یا کرتا ہے۔ اس لیے بھی سادہ لوح لوگ یہی سمجھتے ہوں گے کہ مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی مذکورہ بالا روایت یقیناً صحیح و معتبر ہوگی۔ ہم دیکھتے ہیں

کہ مصنف انوار نے جس طبقات ابن سعد سے مذکورہ روایت نقل کی ہے، اس کا دارودمدار محمد بن عمر واقدی اُسلمی (مولود ۱۳۰ھ و متوفی ۲۰۷ھ) پر ہے۔^① اور واقدی مذکور مشہور و معروف کذاب، متروک اور غیر ثقہ راوی ہے۔^② اور واقدی موصوف نے یہ روایت ابوبکر بن عبداللہ بن محمد بن ابی سبرۃ بن ابی رہم بن عبدالعزیز قرشی عامری مدنی (متوفی ۲۶۲ھ) سے نقل کی ہے اور یہ شخص بھی کذاب و وضاع و متروک ہے۔^③

اس کا مطلب یہ ہوا کہ مصنف انوار کی مذکورہ مستدل روایت مکذوبہ اور وضعی ہے۔ دریں صورت ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ مصنف انوار اپنے اس دعویٰ میں کتنے سچے ہیں کہ ہم نے خالص علمی و تحقیقی نقطہ نظر سے صرف صحیح و معتبر باتیں ہی انوار الباری میں لکھی ہیں!؟

ثالثاً: ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ روایت مذکورہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بہتر کوئی دوسرا شخص حدیث کا بیان کرنے والا نہیں تھا، البتہ صرف اتنی بات تھی کہ وہ روایت حدیث کم کرتے، اور اس کے لیے روایت مذکورہ میں ان کا یہ عذر ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ ڈرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ عذر کی بنا پر کبار صحابہ میں سے کسی ایک کا یا چند کا روایت حدیث کم کرنا زیادہ سے زیادہ اس دعویٰ کی دلیل ہو سکتا ہے کہ کثرتِ روایت سے معذور بعض کبار صحابہ تقلیلِ روایت پر اکتفاء کرتے تھے۔ اس لیے روایت مذکورہ اور اس معنی کی دوسری روایات اس امر کی دلیل تو قرار دی جاسکتی ہیں کہ بعض صحابہ کبار بوجہ عذر تقلیلِ روایت پر اکتفاء کرتے تھے، مگر مصنف انوار کا یہ دعویٰ ہنوز خالی از دلیل ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی۔ پھر جب مصنف انوار کی مستدل روایت مذکورہ مکذوبہ ہے تو اسے صحیح و معتبر کہہ کر بطور دلیل پیش کرنا کونسی دیانت داری ہے!؟

زیر بحث اس مکذوبہ روایت کے ہم معنی ایک روایت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔^④ لیکن اس کی سند میں عبدالرحمن بن ابی الزناد (مولود ۱۰۰ھ و متوفی ۱۷۴ھ) ہیں۔^⑤

انہوں نے یہ روایت اپنے باپ ابوالزناد سے نقل کی ہے، جن کی وفات ۱۰۴ھ میں ہوئی، یعنی کہ ابوالزناد کی وفات کے وقت ان سے حدیث مذکور کی نقل کرنے والے ان کے صاحبزادے عبدالرحمن کی عمر تین چار سال تھی۔ ظاہر ہے کہ اس عمر میں اپنے باپ سے موصوف کا سماع و تحدیث مستبعد ہے، چنانچہ امام صالح بن محمد نے کہا ہے:

”روی عن أبيه أشياء لم يروها غيره، وتكلم فيه مالك لروايته عن أبيه، وقال ابن سعد: كان يضعف لروايته عن أبيه.“^⑥

① طبقات ابن سعد (۳/۳۹، قسم دوم) ② تاریخ بغداد (۳/۳) میزان الاعتدال (۳/۶۶۲) تہذیب التہذیب (۹/۳۲۳)

③ تہذیب التہذیب (۱۲/۳۱) المعجروحين (۳/۱۴۷)

④ مسند أحمد مع تعليقات علامه أحمد شاكر (۱/۳۶۳، ۳۶۴) و مسند طبالسى (ص: ۱۴) و أبو يعلى و مجمع الزوائد (۱/۵۶)

⑤ ملاحظہ ہو ان کے ترجمہ کے لیے: تاریخ خطیب (۱۰/۲۲۸ - ۲۳۰) و تہذیب التہذیب (۶/۱۷۰ - ۱۷۳)

⑥ تہذیب التہذیب (۶/۱۵۶)

اس عبارت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ اپنے باپ سے عبدالرحمن موصوف کی روایت غیر معتبر ہوتی ہے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ روایت معتبر نہیں۔ دریں صورت اسے بطور دلیل پیش کرنے والے مصنف انوار کا یہ دعویٰ قابل داد ہے کہ ہم نے خالص علمی و تحقیقی نقطہ نظر سے صرف صحیح و معتبر باتیں لکھی ہیں! نیز اس روایت میں دیگر علل بھی ہیں، جن کا ذکر بنظر اختصار نہیں کیا جا رہا ہے۔

رابعاً: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قلیل الروایہ ہونے پر دلالت کرنے والی مکذوبہ روایت کے مکذوب ہونے کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ امام ذہبی نے حضرت عثمان اور ابن مسعود وغیرہ کو مکثرین صحابہ میں شمار کیا ہے^① صحیحین میں مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ﴾ کا قرآنی حکم نہ ہوتا تو میں احادیث نہ بیان کرتا۔^②

اس کا حاصل یہ ہوا کہ حضرت عثمان کا یہ عقیدہ و خیال تھا کہ قرآن مجید کا حکم ہے کہ احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کی جائے اور اس حکم قرآنی کی تعمیل سے سرتابی کرنے والوں کو وعید شدید بھی سنائی گئی ہے۔ دریں صورت ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ روایت حدیث کے معاملہ میں حضرت عثمان کا کیا نظریہ تھا۔ اگر بالفرض یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یا متعدد صحابہ کسی عذر کی وجہ سے روایت حدیث کم کرتے تھے تو اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ ان کے نزدیک تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل روایت زیادہ بہتر تھا؟ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ بوجہ عذر بعض صحابہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے بجائے بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے تو اس سے یہ کیونکر لازم آیا کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کے مقابلہ میں بیٹھ کر نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے؟

الحاصل یہ ثابت ہونے سے کہ صحابہ کی ایک جماعت تکثیر روایت کے بجائے تقلیل روایت پر عامل تھی، ہرگز ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل روایت کا موقف فی نفسہ زیادہ بہتر اور امت کے لیے زیادہ نفع بخش و مفید ہے اور جو لوگ تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل روایت کے طریق پر عمل پیرا ہیں، ان کا طریق عمل زیادہ بہتر اور عمدہ ہے۔ ان دونوں طریق ہائے عمل میں سے کسی ایک کا زیادہ بہتر و نافع اور مفید ہونا ایک علیحدہ اور مستقل مسئلہ ہے جس پر تحقیقی بحث کی ضرورت ہے، لیکن اتنی بات ہر سلیم الطبع اور صحیح الفطرت انسان بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ فرمان نبوی کی زیادہ سے زیادہ تعمیل کم سے کم تعمیل کے بالمقابل زیادہ بہتر و نفع بخش ہے اور مصنف انوار معترف ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ بذریعہ تحدیث و روایت احادیث کی نشر و اشاعت کی جائے۔ ہر صاحب عقل بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس فرمان نبوی پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے والوں کا طریق کار ان لوگوں کے طریق کار کے بالمقابل نفع و افضل ہے، جو اس فرمان نبوی پر عمل کرنے کے معاملہ میں دوسروں سے کمتر ہیں۔ جو شخص اس آسان سی بات کو سمجھ لینے کی صلاحیت رکھتا ہے، وہ کبھی بھی تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل روایت کی ثنا خوانی و مدح سرائی کرتے ہوئے یہ نہیں کہے گا کہ تقلیل روایت تکثیر روایت کے بالمقابل افضل ہے، مگر مصنف انوار نہ صرف یہ کہ تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل روایت کی ثنا خوانی و مدح سرائی کو اپنا فریضہ بنائے ہوئے ہیں، بلکہ تکثیر روایت اور مکثرین

① شذرات الذهب (۱/ ۶۳ واقعات ۵۷۷)

② صحیح البخاری: کتاب الوضوء، باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً، رقم الحدیث (۱۵۸) صحیح مسلم: کتاب الطہارۃ، باب صفة الوضوء کما لہ، رقم الحدیث (۲۲۶)

صحابہ پر طعن و تشنیع کی مہم چلائے ہوئے ہیں، جیسا کہ ناظرین کرام کو عنقریب معلوم ہوگا۔

خامساً: صحیحین میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ بالا جس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے بذریعہ تحدیث و روایت احادیث کی ترویج و اشاعت کا حکم دیا ہے، اس کی شرح لکھتے وقت نہ جانے کیوں مصنف انوار نے یہ نہیں بتلایا کہ اس سے تقلیل روایت کے بالمقابل تکثیر روایت کی زیادہ فضیلت ثابت ہوتی ہے۔^①

اور نہ موصوف نے مقدمہ ہی میں روایت مذکورہ کو دلیل و حجت بنا کر وضاحت کی کہ تقلیل روایت کے بالمقابل تکثیر کی فضیلت اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس موصوف نے مکذوبہ و غیر معتبر روایت کو دلیل و حجت بنا کر حضرت عثمان کو قلیل الروایۃ ثابت کر کے یہ ظاہر کیا کہ تکثیر روایت کے بالمقابل تقلیل روایت افضل و بہتر ہے۔ حدیث صحیح کے بالمقابل روایت مکذوبہ کو دلیل و حجت بنا کر یہ کہنا کہ معتدل شاہ راہ پر چلتے ہوئے افراط و تفریط سے ہٹ کر ہم نے خالص علمی و تحقیقی نقطہ نظر سے صرف صحیح و معتبر باتیں ہی لکھی ہیں کونسی دیانت داری ہے؟

سادساً: تکثیر روایت کی فضیلت پر دلالت کرنے والی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بسند صحیح مروی حدیث کے بالمقابل موصوف کے قلیل الروایۃ ہونے پر دلالت کرنے والی غیر معتبر روایت سے تقلیل روایت کے طریق کار کے افضل و بہتر ہونے پر اس صورت میں استدلال کرنا کیا معنی رکھتا ہے کہ جس ابن مسعود کو مصنف انوار فقہ حنفی اور امام ابوحنیفہ کے علمی خاندان کا مورث اعلیٰ قرار دیتے ہیں، ان کا کثیر الروایۃ ہونا ثابت ہے۔ اپنے مورث اعلیٰ کے طریق تکثیر روایت کی مدح سرائی و ثنا خوانی چھوڑ کر محض اس بنا پر مکذوبہ و غیر معتبر روایت کو دلیل بنا کر دوسروں کے طریق تقلیل روایت کی مدح سرائی کرنا کہ امام ابوحنیفہ اپنے اس مورث اعلیٰ کے طریق تکثیر روایت پر عمل پیرا ہونے کے بجائے دوسرے طریق پر عامل تھے، کونسا طریق تحقیق ہے؟ یعنی فقہ حنفی کے مورث اعلیٰ کے صرف اسی طریق کار کو افضل و بہتر اور صحیح قرار دینا جس کو امام ابوحنیفہ نے اختیار و پسند کیا، مگر اسی مورث اعلیٰ کے جس طریق عمل کو امام صاحب نے اختیار نہیں کیا، اس کو بہتر بتلانے اور اس کی مدح سرائی کے بجائے دوسرا کام کرنا کونسا خالص علمی و دینی اور تحقیقی نقطہ نظر ہے؟

واضح رہے کہ بتصریح اہل علم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک سو چونسٹھ احادیث کے راوی ہیں۔^②

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وفات نبوی کے بعد ۲۳ و ۲۴ سال زندہ رہے، جن میں سے بارہ سال خلافت کی عظیم ذمہ داریاں سنبھالے ہوئے تھے اور زندگی کے آخری کئی سالوں میں باغیوں کی ریشہ دوانیوں کے شکار رہے۔ اس کے برعکس بدعویٰ مصنف انوار امام ابوحنیفہ پچاس سال کی عمر تک چار ہزار اساتذہ سے حدیث و فقہ پڑھتے رہے۔ پھر ۱۲۰ھ میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد سے لے کر ۱۵۰ھ تک یعنی تیس سال تک خدمت حدیث و فقہ کرتے رہے، حتیٰ کہ بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب نے ہزاروں تلامذہ کو اپنے درس کے ذریعہ محدث و فقیہ بنا دیا، مگر امام صاحب کی مرویات کی تعداد پر آئندہ صفحات میں ہماری پیش کردہ تحقیقی و تفصیلی بحث سے ناظرین کرام پر اصل حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ تقلیل یا تکثیر روایت کے کس طریق پر امام صاحب عمل پیرا تھے؟

① انوار الباری (۵/ ۴۰ - ۴۴)

② تلقیح فہوم أهل الأثر لابن الجوزی (ص: ۱۴۸) و شذرات الذهب (۱/ ۶۳)، واقعات ۵۷ ذکر أبي هريرة

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے قلیل الحدیث ہونے پر بحث:

مصنف انوار بزعم خویش خالص علمی و تحقیقی نقطہ نظر سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قلیل الروایت ثابت کر دکھانے کے بعد

آگے بڑھتے ہوئے فرماتے ہیں:

”بخاری میں ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ آپ دوسروں کی طرح کثرت سے روایت حدیث کیوں نہیں فرماتے؟ فرمایا کہ میں خدمت نبوی سے جدا نہیں رہا، یعنی اوروں سے زیادہ یا ان کے برابر حدیث روایت کر سکتا ہوں، مگر میں نے حضور ﷺ سے حدیث ”من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار“ سنی ہے۔ یعنی اس کی وجہ سے ڈرتا ہوں اور کم روایت کرتا ہوں۔“^۱

اولاً: یہ عرض ہے کہ جب مصنف انوار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ یہ حدیث نبوی ﷺ جانتے ہیں کہ ذات نبوی کی طرف مکذوبہ روایت کو منسوب کر کے حدیث نبوی قرار دینا موجب جہنم ہے تو وہ کیوں اور کس اصول کے تحت بکثرت مکذوبہ و خانہ ساز روایات کو انوار الباری میں دلیل بنا کر تحقیق و خدمت حدیث کے نام پر شائع کر رہے ہیں؟ کیا انھیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث نبوی میں وارد شدہ وعید شدید اور تہدید بلیغ کے سنگین نتیجہ کا احساس نہیں ہے؟

ثانیاً: جیسا کہ ہم تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنی مستدل اس حدیث کا ایک حصہ حذف کر دیا ہے جو ان کے خلاف حجت بالغہ اور رد بلیغ ہے، کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے کبار صحابہ بکثرت روایت حدیث کرتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ مصنف انوار نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اس قابل اعتراض رویہ کو دلیل کیوں بنایا جس کے سبب انھیں معذرت کرنی پڑی اور ان کبار صحابہ کے رویہ کو دلیل کیوں نہیں بنایا، جو فرمان نبوی کے مطابق بقول حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ بکثرت احادیث روایت کرتے تھے؟ فرمان نبوی کی تعمیل سے ایک معذور آدمی کی روش مصنف انوار کے لیے حجت بن گئی، مگر فرمان نبوی کی تعمیل کرنے والے کئی صحابہ کرام خصوصاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روش حجت نہیں بن سکی، یہ عجیب قسم کا طریق تحقیق ہے!

زیر بحث حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث امور ذیل کی حامل ہے:

۱- حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں دوسرے کبار صحابہ، جن میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، بکثرت روایت حدیث کرتے تھے۔

۲- حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا طریق عمل دوسرے صحابہ کے طرز عمل کے خلاف تھا۔

۳- حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے طرز عمل پر ان کے بیٹے نے اعتراض کیا۔

۴- حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس اعتراض کا جواب بطور معذرت یہ دیا کہ مجھے روایت حدیث میں غلط بات منہ سے نکل جانے کا خطرہ ہے۔

۵- باپ کی اس معذوری کے سبب حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ چپ ہو گئے۔ گویا روایت حدیث کے سلسلے میں فرمان نبوی کی تعمیل

میں اگر کوئی آدمی معذور ہو تو قابل اعتراض نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ مصنف انوار نے کبار صحابہ خصوصاً حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے طرز عمل کی مدح و توصیف کرنے کے بجائے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ ہی کے طرز عمل کی مدح سرائی کیوں کی؟ جب کہ وہ مدعی ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مورث اعلیٰ ہیں۔ لہذا جب وہ فقہی مسائل میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنا مورث اعلیٰ مانتے ہیں تو روایت حدیث کے معاملے میں ان کے طرز عمل کو کیوں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے بالمقابل نازل و کم درجہ سمجھتے ہیں؟ جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ دوسرے کبار صحابہ بھی موجود ہیں اور بدعویٰ مصنف انوار فرمان نبوی بھی ہے کہ احادیث نبویہ کی اشاعت کرو۔ جب بخاری کی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ والی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ کبار صحابہ بکثرت روایت حدیث کرتے تھے؟ تو مصنف انوار نے اس سے یہ استدلال کیوں کیا کہ روایت حدیث سے احتراز کرنا ہی کبار صحابہ کا شیوہ و شعار تھا؟ کہیں ایسا معاملہ تو نہیں کہ۔

پڑھتا ہے بخاری جو بلا عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم
آتا ہے بخار اس کو بخاری نہیں آتی

جب بسند صحیح یہ بات ثابت ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ روایت حدیث کم کرتے تھے تو ان کے بارے میں اگر یہ جھوٹا دعویٰ کیا جائے کہ انہوں نے بہت زیادہ احادیث بیان کیں اور فن حدیث پر بہت ساری کتابیں حتیٰ کہ بیس سے زیادہ مسانید و کتب آثار تصنیف کیں، یا یہ کہ وہ حدیثوں کو لکھ کر ایک گھر بھرے ہوئے تھے تو بلاشبہ یہ بہت بڑا ظلم ہوگا۔ پھر اسی طرح جب باعتراف مصنف انوار اور بدلائل قویہ ثابت ہے کہ امام ابو حنیفہ بہت قلیل الحدیث تھے۔ تو ان کے بارے میں یہ دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے کہ وہ حدیثوں کی کتابیں لکھ کر گھر بھرے ہوئے تھے؟

الحاصل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ و دیگر کبار صحابہ بکثرت روایت حدیث کرتے تھے اور مصنف انوار معترف ہیں کہ: ”حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ زمانہ خیر القرون کے مشاہیر فضل و کمال سے تھے۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لائے، ان کے بارے میں ارشاد نبوی ہے کہ: ”إنک علیم معلم“ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آنے جانے میں کوئی پردہ نہیں تھا۔ صحابہ انھیں خاندان نبوت کا ایک فرد سمجھتے تھے۔ علوم صحابہ کے سرچشمہ چھ صحابہ تھے۔ جن میں ایک یہ بھی تھے، ان چھ کے علوم صرف دو میں جمع ہو گئے، ایک حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ دوسرے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ امام ابو حنیفہ کے علمی خاندان کے مورث اعلیٰ وغیرہ ہیں۔“^①

اپنی مذکورہ بالا تحریر کے ہوتے ہوئے مصنف انوار ابن مسعود کو غیر فقیہ کہہ کر یہ پردہ پیکندہ نہیں کر سکتے کہ ان کا طریق عمل کبار صحابہ کے خلاف تھا اور اگر ایسا کہنے کی جرأت کریں، تو ناظرین کرام انوار الباری میں مصنف انوار کی مذکورہ بالا تصریحات دکھلائیں تاکہ وہ راہ فرار نہ پائیں۔ واضح رہے کہ امام ذہبی رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکشرفین صحابہ میں شمار کیا ہے۔^②

① ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (۱/۳۶ - ۳۸) ② شذرات الذهب (۱/۶۳)، واقعات (۵۷)

کیا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ قلیل الحدیث تھے؟

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے متعلق مذکورہ بالا روایت نقل کرنے کے بعد مصنف انوار فرماتے ہیں:

”حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے درخواست کی کہ حدیث بیان کیجیے، فرمایا کہ اگر مجھ کو یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ حدیث میں کمی و بیشی ہو جائے گی تو میں تم سے ضرور بیان کرتا۔“^①

ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت طبقات ابن سعد (۳/۲۱۰ ق اول) میں بسند امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مروی ہے، لیکن اس کی سند میں یزید ابن الحوئکیہ کے بارے میں امام ذہبی نے فرمایا:

”لا یعرف، تفرد به موسى بن طلحة.“^②

تہذیب میں ان کا ذکر ہے، مگر کسی سے ان کی توثیق منقول نہیں۔ صرف یہ مذکور ہے کہ ابن حبان نے ان کا ذکر ”الثقات“ میں کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ ”الثقات لابن حبان“ میں کسی راوی کا تذکرہ اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ ثقہ ہے۔ (کما سیأتی) اسی وجہ سے امام ذہبی نے انھیں مجہول ”لا یعرف“ اور حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب میں انھیں ”مقبول“ کہا، اور مقدمہ تقریب میں صراحت کی کہ ”مقبول حیث یتابع وإلا فلین الحدیث“ یعنی متابع کی حیثیت سے ان کی روایت قبول کی جاسکتی ہے، ورنہ فی نفسہ یہ راوی لین الحدیث (ضعیف) ہے۔ دریں صورت روایت مذکورہ کو صحیح و معتبر کہہ کر دلیل بنانا درست نہیں، کیونکہ ابن الحوئکیہ بطور متابع اس روایت کا راوی نہیں ہے۔ نیز ابن الحوئکیہ سے یہ روایت امام صاحب نے بواسطہ موسیٰ بن طلحہ نقل کی ہے اور روایت حدیث کے معاملہ میں امام صاحب کا معتبر یا غیر معتبر ہونا بھی ایک مستقل مسئلہ ہے، جس پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ یہ روایت باعتبار سند ساقط الاعتبار ہے، مگر اس سے قطع نظر اس جگہ اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ اس روایت کی نقل میں اور اس کا معنی بیان کرنے میں حسب عادت مصنف انوار نے اپنی کرشمہ سازی دکھائی ہے۔ وہ یہ کہ ابن الحوئکیہ کے اصل الفاظ یہ ہیں:

”سئل عمر عن شيء، فقال: لولا أنني أكره أن أزيد في الحديث أو أنتقص منه لحدثتكم؟ به.“

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک بات دریافت کی گئی تو انھوں نے فرمایا کہ اگر مجھے حدیث میں کمی بیشی سرزد ہو جانا ناپسند نہ ہوتا ہے تو میں اس سلسلے میں حدیث بیان کر دیتا۔

اس روایت کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ پوچھی گئی چیز سے متعلق حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کمی بیشی صادر ہو جانے کا خطرہ تھا، اس لیے اس خاص باب سے متعلق انھوں نے حدیث بیان نہیں کی، کسی ایک معاملہ سے کسی حدیث کے بیان کرنے میں کمی بیشی کا خطرہ لاحق ہونے کی بنیاد پر اسے بیان کرنے سے احتراز اس بات کو ہرگز مستلزم نہیں کہ تمام احادیث کے معاملہ ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہی رویہ و عمل تھا۔ نیز ابن الحوئکیہ کی غیر معتبر روایت سے مصنف انوار کے نکالے ہوئے نتیجہ و معنی کی

② میزان الاعتدال (۳/۳۰۹)

① مقدمہ انوار (۱/۱۹، بحوالہ ابن سعد)

تکذیب کے لیے صرف اتنی بات کافی ہے کہ باعتراف مصنف انوار حضرت عمرؓ سے پانچ سو پینتالیس احادیث مروی ہیں۔^①
امام ابن حزم نے فرمایا:

”إن عمر قد حدث بحديث كثير عن النبي صلى الله عليه وسلم فإن كان الحديث عنه مكرها فقد أخذ عمر من ذلك بأوفر نصيب، ولا يحل لمسلم أن يظن بعمر رضي الله عنه أنه نهى عن شيء، وفعله... فصح أنه كثير الرواية والحديث.“^②

یعنی حضرت عمرؓ نے تو بہت ساری احادیث نبویہ روایت کی ہیں، اگر روایت حدیث ان کے نزدیک مکروہ تھی تو انہوں نے بہت کافی مقدار میں مکروہ کام کیا، حالانکہ کسی بھی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ حضرت عمر کے ساتھ یہ بدگمانی رکھے کہ انہوں نے ایک کام سے منع کیا ہو اور اسے خود بکثرت انجام بھی دیا ہو، لہذا معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ کثیر الروایۃ والحديث تھے۔

امام ابن حزم کے مذکورہ بالا قول کی صداقت و متانت اتنی واضح ہے کہ اس پر دلیل و ثبوت پیش کرنے کی ضرورت نہیں، اور اہل نظر پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ امام ابن حزم کا قول مذکور مصنف انوار کے اس دعویٰ کی تکذیب و تردید کے لیے بہت کافی ہے کہ حضرت عمرؓ روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے۔

روایت حدیث سے جی چرانے والے اہل الرأی پر حضرت عمر کی تکمیر:

مصنف انوار ایک طرف مدعی ہیں کہ حضرت عمرؓ روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے، دوسری طرف ان کی تکذیب کے لیے باسانید صحیحہ حضرت عمرؓ سے مروی ایسے اقوال موجود ہیں جن میں صراحت ہے کہ موصوف حضرت عمرؓ روایت حدیث سے عاجز و قاصر اہل الرأی پر نہایت سخت الفاظ میں تکمیر کرتے تھے۔

چنانچہ موصوف نے فرمایا:

”أصبح أهل الرأي أعداء السنن أعتهم الأحاديث أن يعوها وتفلتت منهم أن يرووها فاستبقوها بالرأي، وفي لفظ إياكم وأصحاب الرأي فإنهم أعداء السنن أعتهم الأحاديث أن يحفظوها فقالوا بالرأي وفي لفظ أصحاب الرأي أعداء السنن أعتهم الأحاديث أن يحفظوها وتفلتت منهم أن يعوها واستحيوا حين سئلوا أن يقولوا لا نعلم فعارضوا السنن برأيهم في إياكم وأياهم.“^③

یعنی اہل الرأی احادیث و سنن نبویہ کے دشمن ہیں، یہ بدنصیب لوگ چونکہ احادیث و سنن کے حفظ و ضبط سے عاجز و قاصر ہوتے ہیں، اس لیے ان کی روایت و ترویج کی صلاحیت سے بھی محروم ہوتے ہیں اور احادیث و سنن کے حفظ و ضبط اور ترویج و اشاعت کی صلاحیت سے محروم ہونے کے باوجود علمی مسائل کے جواب کے درپے

① ملاحظہ ہو: مقدمہ (۶۶/۱) نیز شذرات الذهب (۶۳/۱) و تلیح الفہوم وغیرہ۔

② الأحكام لابن حزم (۲/۱۴۰) ③ إعلام الموقعين (۱/۵۵) و جامع بيان العلم والإحكام لابن حزم۔

ہوتے ہیں، اس لیے احادیث کے مقابلہ میں رائے و قیاس کا استعمال کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی مذکورہ بالا اقوال کی سندوں کے بارے میں حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:

”أسانيد هذه الآثار عن عمر في غاية الصحة.“^①

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول شدہ ان آثار کی سندیں صحیح ہیں۔

ناظرین کرام! حضرت عمر سے مروی ان اقوال کو ملاحظہ فرمائیں، جن کے ذریعہ موصوف نے احادیث و سنن کی روایت و حفظ سے عاجز و قاصر رہنے والے اہل الرأی کی شدید مذمت کی ہے اور انھیں دشمنانِ سنت قرار دیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر بذریعہ تحدیث و روایت حدیث کی ترویج و اشاعت کے حامی تھے، مگر مصنف انوار چونکہ مسخ و رد حقائق پر کمر بستہ ہیں، اس لیے اصل معاملہ کوالٹ کر اس پر وپیگنڈہ میں مصروف ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے۔ خدمت علم و دین کے نام پر علمی و دینی حقائق کو مسخ و رد کرنے کی اتنی زبردست مہم چلانے والے مصنف انوار کا یہ دعویٰ عجیب ہے کہ ہم خالص علمی و تحقیقی و دینی نقطہ نظر سے معتدل شاہراہ پر چلتے ہوئے صرف صحیح و معتبر باتیں ہی انوار الباری میں لکھ رہے ہیں!!

احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی گہری دلچسپی سے متعلق درج ذیل روایت قابل ذکر ہے:

”عن أبي موسى الأشعري قال: بعثني إليكم عمر بن الخطاب أعلمكم كتاب ربكم وسنة نبيكم.“^②

یعنی اہل بصرہ کو خطاب کر کے حضرت ابو موسیٰ اشعری نے کہا کہ مجھے تمہارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس لیے بھیجا ہے تاکہ میں تمہیں کتاب و سنت نبویہ کی تعلیم دوں۔

مذکورہ بالا روایت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر بن خطاب کو احادیث کی ترویج و اشاعت سے گہری دلچسپی تھی۔ اس

مفہوم کی روایات بہت کافی ہیں، ہم تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتے، البتہ ایک روایت اور ملاحظہ ہو:

”عن عمر بن الخطاب قال: تعلموا الفرائض والسنة كما تتعلمون القرآن.“^③

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ علوم حدیث و فرائض اسی طرح حاصل کرو جس طرح علوم قرآن حاصل کرتے ہو۔

یہ روایت اس امر کو مستلزم ہے کہ حضرت عمر نے روایت حدیث کا حکم دیا، کیونکہ جب تک روایت حدیث نہیں ہوگی، کوئی

شخص حدیث کا علم نہیں حاصل کر سکے گا۔ یہ روایت گزر چکی ہے کہ حضرت عمر نے تمام ممالک اسلامیہ میں احادیث کی ترویج و

اشاعت کرنے والے علماء و حکام و امراء کو مقرر کیا تھا اور انھیں اشاعتِ احادیث کا حکم بھی دیا تھا۔^④

بعض روایات میں آیا ہے کہ کسی کسی موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی ایک صحابی کی بیان کردہ حدیث پر دوسرے صحابہ کی

شہادت بھی طلب کرتے تھے، اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ حضرت عمر خبر واحد کو حجت نہیں مانتے تھے، ہم اس

موضوع پر تفصیلی گفتگو آگے چل کر کریں گے، مگر اس قسم کی روایات کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمر چاہتے تھے کہ کسی بھی حدیث کو

① إعلام الموقعين (١/ ٥٥) ② سنن دارمي (١/ ١١٤)، نمبر ٥٦٦

③ جامع بيان العلم لابن عبد البر (١/ ١٧٧ وغيره) ④ ملاحظه ہو: زیر نظر کتاب کا (١/ ١٧٧)

صرف ایک ہی صحابی نہ بیان کرتا پھرے، بلکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ہر حدیث کی ترویج و اشاعت کریں، تاکہ لوگوں میں ان کی شہرت ہو اور سبھی لوگ واقف ہو کر ان پر عمل کر سکیں۔ (کما سیأتی التفصیل)

افسوس ہے کہ جو روایات اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ زیادہ سے زیادہ علوم احادیث و سنن کی ترویج و اشاعت کی طرف توجہ دیتے تھے، انھیں بھی مصنف انوار جیسے لوگوں نے اپنے غلط نظریات کی تائید میں پیش کر رکھا ہے۔ ابھی اوپر عرض کیا گیا کہ باعتراف مصنف انوار حضرت عمر سے پانچ سو پینتالیس احادیث مروی ہیں اور یہ چیز بذات خود مصنف انوار کے اس دعویٰ کی تکذیب کرتی ہے کہ حضرت عمر روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے۔ امام ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان جھوٹے لوگوں کی تکذیب و تردید کی ہے جو یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ حضرت عمر روایت حدیث سے پرہیز کرتے تھے۔^①

نیز ہم کہتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”سیأتی قوم یجادلونکم بشبهات القرآن فخذوہم بالسنن.“^②

یعنی کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے جو قرآن مجید کے مشتبہ المعانی الفاظ کو اپنے مقاصد فاسدہ کے لیے بطور دلیل استعمال کریں گے۔ لہذا تم ان کی گرفت احادیث نبویہ سے کرنا۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ: ”تعلموا السنن“^③ ”یعنی احادیث نبویہ کو سیکھو۔“

دریں صورت نام نہاد مدعیان علم کو یہ کہاں سے معلوم ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے؟ خصوصاً اس صورت میں کہ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان موجود ہے کہ روایت حدیث سے احتراز بد نصیب اور محروم القسمت اہل الراۃ کرتے ہیں، جو احادیث نبویہ کے حفظ و ضبط اور بیان سے عاجز ہوتے ہیں، ایسے اہل الراۃ اور حرمان نصیب بد بختوں سے تم بچ کر رہو۔ جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ روایت حدیث سے احتراز کرنے والے اہل الراۃ بد نصیبوں سے اہل اسلام کو دور رہنے اور بچنے کی ہدایت کرتے تھے تو وہ خود کیوں کر روایت حدیث سے احتراز کرنے والے اہل الراۃ میں شامل ہو جاتے؟ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تو یہ فرماتے ہیں کہ روایت حدیث سے احتراز کرنے والے اعداء سنن اور دشمنان احادیث نبویہ ہیں، اور مصنف انوار انھیں اسی گروہ میں شامل کرنے کے درپے ہیں!

اہل الراۃ کا خاص وطیرہ یہ ہے کہ وہ غیر واقع شدہ اور غیر مسئلہ مسائل فرض کر کے ان کے جوابات مدون کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے لوگوں کو ملعون قرار دیتے تھے۔^④

اب دیکھنا یہ ہے کہ مصنف انوار اپنے طریق تحقیق میں کون سا رنگ اختیار کرتے ہیں۔

① ملاحظہ ہو: جامع بیان العلم (۲/۱۲۱، ۱۲۲، باب ذم الإکتار من الحدیث و تأویل ذلك)

② ملاحظہ ہو: الإحکام لابن حزم (۲/۱۴۰) و سنن دارمی و جامع بیان العلم۔

③ مفتاح الجنة (ص: ۱۳۵، للسیوطی بحوالہ دارمی)

④ سنن دارمی و جامع بیان العلم وابن حزم فی الإحکام۔

حضرت ابن مسعود رضي الله عنه کے قلیل الحدیث ہونے پر بحث:

مصنف انوار فرماتے ہیں کہ:

”ابن مسعود رضي الله عنه الفاظ کی کمی بیشی کے ڈر سے روایت حدیث میں بڑے محتاط تھے اور بہت کم روایت حدیث کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو بہت زیادہ احتیاط کی تاکید کرتے تھے۔ ابو عمر و شیبانی نے کہا کہ میں ایک سال تک ابن مسعود رضي الله عنه کی خدمت میں حاضر رہا، دیکھا کہ شاذ و نادر کبھی حضور اکرم صلى الله عليه وسلم کی طرف نسبت کر کے کوئی حدیث بیان کرتے تو ان پر خوف و خشیت کے سبب کپکپی طاری ہو جاتی۔ خوف کا سبب یہ تھا کہ مبادا حضور کی طرف جھوٹ یا غلط بات کی نسبت ہو جائے اور وہ جھوٹ پھیل جائے۔“^①

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کی مستدل حدیث زبیر رضي الله عنه سے ثابت ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضي الله عنه صحابی نے حضرت ابن مسعود کو کثیر الحدیث بتلایا، لہذا روایت حدیث میں ابن مسعود کی احتیاط کا مطلب وہ ظاہر کرنا، جو مصنف انوار نے کیا ہے، سراسر تلمیح ہے، البتہ روایت حدیث میں احتیاط و تورع تو لازم ہی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے کبار صحابہ کے بالمقابل حضرت ابن مسعود کثیر الحدیث تھے، امام ابن الجوزی اور ذہبی نے تصریح کی ہے کہ حضرت ابن مسعود آٹھ سو اڑتالیس احادیث نبویہ کے راوی تھے۔^② صرف صحیح بخاری میں موصوف کی پچاسی احادیث موجود ہیں۔^③

موصوف اپنے تلامذہ کو ہدایت کرتے رہتے تھے کہ:

”تذاكروا الحديث فإن ذكر الحديث حياته.“^④

یعنی تم احادیث کا مذاکرہ کرتے رہو، اسی سے احادیث زندہ رہیں گی۔

اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ بدعوئی مصنف انوار حضرت ابن مسعود فقہ حنفی کے مورث ہیں اور علوم ابن مسعود کے وارث علقمہ اور علقمہ کے امام ابراہیم نخعی اور نخعی کے حماد وارث ہیں۔^⑤

نیز یہ تفصیل آگے آرہی ہے کہ علقمہ، نخعی اور حماد بھی ابن مسعود کی طرح کثیر الحدیث و الروایۃ تھے اور یہ معروف بات ہے کہ وارثین علم اپنے مورثین علم کی علمی صفات کے حامل ہوتے ہیں۔ لہذا اگر کسی کو دعویٰ ہے کہ امام ابوحنیفہ اور دوسرے حنفی علماء ابن مسعود کے علمی وارث تھے تو اس پر یہ ثابت کرنا لازم ہے کہ امام صاحب اور دوسرے حنفی علماء حضرت ابن مسعود و علقمہ وغیرہ کی طرح کثیر الحدیث و الروایۃ تھے، ورنہ اس کا دعویٰ بلا دلیل مسوع نہ ہوگا۔

ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحب کو کثیر الحدیث ثابت کرنے کی کوشش میں اپنی ناکامی کا احساس کرتے ہوئے بادل ناخواستہ مصنف انوار نے انھیں قلیل الروایۃ مانا۔ پھر ان کی قلت روایت کو دلیل فضیلت قرار دیتے ہوئے کہا کہ امام صاحب شدت تقویٰ و تورع کے سبب روایت حدیث سے بہت زیادہ احتراز کرتے تھے۔ اہل نظر پر یہ بات کسی طرح بھی مخفی نہیں رہ سکتی کہ مصنف

① مقدمہ أنوار الباري (۱/ ۱۹، ۲۰) ② تليق الفهم (ص: ۱۸۴) و شذرات الذهب (۱/ ۶۳) و فتح المغیث.

③ مقدمہ فتح الباري (ص: ۴۷۵) ④ سنن دارمي (۱/ ۷۹) و فتح المغیث (ص: ۳۳۱)

⑤ مقدمہ انوار (۱/ ۱۳۶ - ۱۳۸)

انوار کی یہ کھلی ہوئی تصریح اس امر کی دلیل ہے کہ امام ابوحنیفہ صحابہ کبار کے طریق کار کے خلاف دوسرے طریقے پر گامزن تھے۔ اور چونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود اشاعت حدیث کی تاکید فرما چکے ہیں، اس لیے لازمی طور سے ماننا ہوگا کہ کبار صحابہ نے اس فرمان نبوی کی تعمیل کی، مگر یہ عجیب بات ہے کہ جن صحابہ کرام نے بذریعہ تحدیث و روایت احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا اور فرمان نبوی کی تعمیل میں زیادہ حصہ لیا، ان کے خلاف مصنف انوار نے ایک محاذ بنا لیا ہے، حتیٰ کہ انھوں نے بذریعہ تحدیث و روایت احادیث کی نشر و اشاعت کرنے والے کبار صحابہ کو غیر فقیہ کہا اور فرمایا کہ یہ لوگ اصول شریعت کے خلاف احادیث بیان کرتے تھے۔ پھر بعد کے حاملین علوم حدیث کی شان میں مصنف انوار نے جو کچھ کہا، اس سے ناظرین کسی حد تک واقف ہیں اور ان شاء اللہ واقف ہوں گے، حتیٰ کہ ترجمان دیوبند ”القاسم“ جیسے غالی مقلد سے بھی برداشت نہ ہو سکا اور اس نے مصنف انوار کے خلاف احتجاج کیا، جیسا کہ اوائل کتاب میں اس کا ذکر ہوا ہے۔ جن صحابہ نے احادیث نبویہ کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کی ان کی تکسیر شان کے لیے ان کی دینی خدمت کی وقعت و عظمت گرانے کی پوری پوری کوشش کرتے ہوئے سب سے پہلا کام مصنف انوار نے یہ کیا کہ ان کے طریق تکثیر روایت کو اکثر کبار صحابہ کے طریق کے خلاف بتلایا اور دعویٰ کیا کہ صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی، حالانکہ موصوف یہ اعتراف کر چکے ہیں کہ احادیث کی ترویج و اشاعت کا حکم خود رسول اللہ ﷺ نے دے رکھا ہے اور ہر صاحب عقل کی سمجھ میں یہ حقیقت باسانی آ سکتی ہے کہ حکم نبوی کی تعمیل میں سب سے زیادہ سرگرم عمل کبار صحابہ ہی رہا کرتے تھے، الایہ کہ انفرادی طور پر جو کسی عذر کے سبب معذور ہو وہ مستثنیٰ ہے، اس سلسلے میں موصوف نے دوسرا کام یہ کیا کہ بکثرت روایت کرنے والے صحابہ کی بابت کہا کہ یہ لوگ اصول شریعت کے خلاف احادیث بیان کرتے ہیں۔

صدیق اکبر کی تقلیل روایت پر اجمالی نظر:

ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ اپنے تقلیدی مقاصد کے پیش نظر جو لوگ تقلیل روایت کی مدح سرائی کو اپنا فریضہ زندگی بنائے ہوئے ہیں، وہ اپنی تائید میں حضرت ابوبکر صدیق کی تقلیل روایت کا معاملہ بھی پیش کرتے ہیں، مگر وہیں ہم یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ بعض عوارض و عوامل کے سبب ذاتی طور پر تقلیل روایت سے کام لینے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بذریعہ تحدیث و روایت احادیث کی نشر و اشاعت کی ترغیب دیتے اور فرمائش کرتے تھے اور حسب موقع و ضرورت خود بھی احادیث کی تحدیث و روایت کا کام بذوق شوق کرتے تھے اور یہی حال ان تمام صغار و کبار صحابہ کا تھا جو کسی سبب سے تقلیل روایت پر مجبور تھے، اس سلسلے میں درج ذیل تفصیل قابل ملاحظہ ہے۔

کبار صحابہ کا ذوق تحدیث:

کبار و صغار صحابہ کرام میں احادیث نبویہ کی روایت و تحدیث کا اہتمام و ذوق بدرجہ اتم پایا جاتا تھا، اس سلسلے میں چند واقعات کا تذکرہ ضروری ہے، تاکہ اعداء سنن، منکرین حدیث اور ان کی لے میں لے ملا کر بات کرنے والے تقلید پرستوں کو اس پروپیگنڈے کی حقیقت معلوم ہو سکے کہ کبار صحابہ کرام کی اکثریت تحدیث و روایت حدیث سے اعراض کرتی اور تکثیر

روایت کرنے والے صحابہ پر تکبیر و اعتراض کرتی تھی۔ حضرت براء کے باپ عازب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق سے حدیث ہجرت کے بیان کرنے کا مطالبہ کیا، حضرت ابوبکر نے ان کے اس مطالبہ کو شدت تقویٰ و تورع کے خلاف نہیں بتلایا، بلکہ اس وقت کسی عذر کے سبب معذرت چاہی، مگر براء کے والد نے اپنے مطالبہ کو پھر دہرایا، حضرت ابوبکر نے ہجرت کی پوری سرگزشت سنا دی^①۔

یہ حدیث اتنی طویل ہے کہ بچا سوں چھوٹی چھوٹی حدیثوں کے برابر ہے، اگر مصنف انوار کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی تو سرتاج کبار صحابہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے براء کے والد کے مطالبہ کو مسترد کرتے ہوئے اتنی طویل حدیث کی تحدیث و روایت سے کیوں احتراز نہیں کیا؟

اسی طرح جب صدیق اکبر خلیفہ ہوئے تو ظاہر قرآن ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ﴾ اور ﴿يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ کے مطابق حضرت علی و عباس و فاطمہ رضی اللہ عنہم نے میراث نبوی میں اپنے حصے کا مطالبہ کیا، اس موقع پر ابوبکر نے ”نحن معشر الأنبياء لا نرث ولا نورث“ (انبیاء کے یہاں وراثت نہیں چلتی) کی حدیث روایت کی۔ نہ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے روایت حدیث کو کبار صحابہ کے منصب کے خلاف سمجھا نہ حاضرین صحابہ میں سے کسی نے اس پر اعتراض کیا اور نہ حضرت علی و عباس و فاطمہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو کلام ہوا۔ سب نے حدیث نبوی کے سامنے سر بھی جھکا دیا اور روایت حدیث پر کوئی تکبیر بھی نہیں کی۔

اسی طرح انصار و مہاجرین کے درمیان مسئلہ خلافت پر واقع شدہ نزاع کے موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ”الأئمة من قریش“ والی حدیث روایت کی اس پر جمعیۃ الانصار نے ”آمننا وصدقنا“ کہا، کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے نہیں کہا کہ آپ کبار صحابہ میں سے ہو کر روایت حدیث کیوں کرتے ہیں؟

اسی طرح وفات نبوی کے بعد سوال پیدا ہوا کہ لاشئ نبوی کو کس جگہ دفن کیا جائے؟ اس موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبوی روایت کی کہ انبیاء کی وفات کی جگہیں ہی ان کا دفن ہوتی ہیں۔^②

تمام صحابہ متفقہ طور پر اخبار آحاد کو مطلقاً حجت مانتے تھے:

حضرت ابوبکر کی بیان کردہ تینوں حدیثیں جس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش ہوئیں، وہ اخبار آحاد کی حیثیت رکھتی تھیں اور ہر حدیث بظاہر ظاہر قرآن اور اصول عامہ کے خلاف بھی تھی۔

پہلی حدیث آیت قرآنی: ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُدَ﴾ اور ﴿يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ﴾ اور عام طور سے مرنے والوں کی تقسیم میراث کے متعلق آیات کے خلاف تھی۔

دوسری حدیث ظاہر قرآن ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ کے خلاف اور اس اصول عامہ کے خلاف تھی

کہ ”لا فضل لأحد على أحد“

① مسند أحمد مع تعليقات أحمد شاكر (١/ ١٥٤ تا ١٥٦، بسند صحيح و صحيحين بمعناها)

② موطأ إمام مالك وطبقات ابن سعد وطبري وغيره.

تیسری حدیث اس اصول عامہ کے خلاف تھی کہ تمام مردوں کو مقابر مسلمین میں دفن کیا جائے مگر اس کے باوجود بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اخبار آحاد کو پیش کیا۔ انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ ظواہر قرآن کے خلاف اخبار آحاد متروک ہوں گی، اور تمام کے تمام صحابہ نے اس پر عمل بھی کیا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس وقت ایسا کوئی فقیہ اعظم نہیں پیدا ہوا تھا جو اپنے اختراع کردہ اصول کے تحت ان احادیث نبویہ کو یہ کہہ کر رد کر دے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ احادیث نبویہ اخبار آحاد ہونے کے ساتھ ظواہر قرآن کے خلاف ہیں، اس لیے ناقابل قبول ہیں!

اس تفصیل سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ کبار صحابہ روایت حدیث کو شدت احتیاط و تورع کے خلاف نہیں سمجھتے تھے، وہاں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ تمام صحابہ اخبار آحاد کو متنقہ طور بلا کسی قید و شرط کے حجت مانتے تھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ مصنف انوار نے خبر واحد کے قابل عمل اور حجت ہونے کے لیے جو شرائط بہت تفصیل کے ساتھ امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے ایک شرط یہ بتلائی ہے کہ خبر واحد کسی اصول اسلام اور ظاہر قرآن کے معارض نہ ہو۔¹

وہ جمیع صحابہ کے متفق علیہ فیصلے کے خلاف ہونے کے سبب باطل ہیں۔ اگر اہل الراي کا کوئی فقیہ یہ کہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ احادیث کو صحابہ نے معارض قرآن نہیں سمجھا اس لیے حجت بنا لیا تو ہم عرض کریں گے کہ آپ جن صحیح الاسانید اخبار آحاد کو معارض قرآن سمجھ بیٹھے ہیں، انھیں آپ کے علاوہ کوئی صاحب علم معارض قرآن نہیں سمجھتا، پھر آپ کو فہم قرآن کا ٹھیکیدار کیوں مان لیا جائے؟

یہ بات گزر چکی ہے کہ جس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خود روایت کرتے تھے، اسی طرح دوسروں کو بھی روایت حدیث کا حکم دیتے تھے۔ اس جگہ ہم اس مضمون کی بعض اور روایت کا تذکرہ کر رہے ہیں تاکہ مصنف انوار کو زیادہ اطمینان ہو سکے۔ مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑے کفن میں دیے گئے؟ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ تین کپڑے۔²

اس سے صاف ظاہر ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دوسروں کو بھی حدیث کی روایت کا حکم دیتے تھے اور روایت حدیث کو شدت تورع کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صغار صحابہ میں ایک صحابی قبیسہ بن ذویب (متوفی ۸۶ھ و ۸۸ھ) ہیں، ان کا ترجمہ ”العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین“ (۴ / ۳۷، ۳۸) و استیعاب فی معرفة الأصحاب و إصابہ وغیرہ میں ہے، انھیں دیدار نبوی کا شرف حاصل تھا۔ اگرچہ طبقات ابن سعد (۵ / ۱۳۱، ۶ / ۲۶۳، قسم دوم) میں انھیں ثقہ تابعی کہا گیا ہے، مگر بقول راجح وہ دیدار نبوی کے ثبوت کے سبب صحابی ہیں۔³

انھوں نے نقل کیا کہ میراث جدہ کے سلسلہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو جمع کر کے پوچھا کہ کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟ تو ایک صحابی نے کہا کہ ہاں۔ اسی کے مطابق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کر دیا۔ اس طرح کی متعدد مثالیں ہیں اور صحیح العقل و سلیم الفطرت لوگوں کو حق نبی کے لیے کافی ہیں۔

1 انوار الباری (۸ / ۱۰۹، ۱۱۱) 2 موطأ مالک و بخاری وغیرہ۔

3 تقریب التہذیب و إكمال فی أسماء الرجال لصاحب المشکوٰۃ۔

فرمان نبوی کی تعمیل میں حضرت ابو ذرؓ کا جذبہ اشاعت حدیث:

کبار صحابہ میں بلند مقام رکھنے والے جلیل القدر صحابی حضرت ابو ذر غفاریؓ (متوفی ۳۲ھ) نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا:

”أن لا يغلبونا على ثلاث: أن نأمر بالمعروف، وننهي عن المنكر، ونعلم الناس السنن.“¹

یعنی تم سے لوگ تین باتوں میں آگے نہ بڑھنے پائیں یا تم کو لوگ تین باتوں میں مغلوب نہ کرنے پائیں:

(۱) امر بالمعروف، (۲) نہی عن المنکر، (۳) احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت بذریعہ درس و تدریس۔

اس فرمان نبوی سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت میں سرگرم رہنے کی خصوصی طور پر تاکید کی ہے اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ خطاب تمام صحابہ کو تھا اور اس کے راوی عظیم و کبیر صحابی حضرت ابو ذر ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ کبار صحابہ نے اس فرمان نبوی کی تعمیل کو اپنی زندگی کا نصب العین بنایا اور بیش از بیش اہتمام کے ذریعہ ترویج احادیث و سنن کو سعادت دارین کا وسیلہ سمجھا۔ چنانچہ فرمان نبوی کی تعمیل میں حضرت ابو ذر غفاریؓ موسم حج میں بمقام میدان عرفات درس حدیث دے رہے تھے اور طالبین علوم کی بھیڑ لگی ہوئی تھی، ایک آدمی نے آکر ان سے کہا کہ کیا آپ اس مشغلہ سے باز نہیں آئیں گے؟ حضرت ابو ذرؓ نے جواب دیا:

”أرقب أنت علي؟ لو وضعتهم الصمصامة على هذه، وأشار إلى ففاه، ثم ظننت أنني أنفذ

كلمة سمعتها من رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل أن تعجزوا علي لأنفذتها.“²

یعنی کیا تم میرے نگہبان ہو؟ بخدا اگر تم مجھے تلوار سے ذبح بھی کر دو تو بھی میں رسول اللہ ﷺ کے فرامین

(احادیث) کو بیان کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔³

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو ترویج حدیث کے لیے حکم فاروقی:

امام حسن بصریؒ کا فرمان ہے کہ حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ نے کبار صحابہ میں سے ابو موسیٰ اشعریؓ

کو بصرہ میں احادیث نبویہ کی تعلیم کے لیے بھیجا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے بصرہ میں آ کر لوگوں سے کہا:

”بعثني إليكم عمر بن الخطاب أعلمكم كتاب ربكم وسنة نبيكم.“⁴

یعنی مجھے امیر المؤمنین نے اس غرض سے بھیجا ہے کہ تم کو کتاب اللہ اور احادیث نبویہ کی تعلیم دوں۔

معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ بھی ترویج احادیث نبویہ کے لیے بہت کوشاں رہتے تھے اور حضرت عمرؓ اور حضرت ابو موسیٰ

اشعریؓ کے کبار صحابہ ہونے میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا۔⁵

1 سنن دارمی بسند صحیح، باب البلاغ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعلیم السنن (۱/۱۱۱، نمبر ۵۴۹)

2 سنن دارمی (۱/۱۱۲) حدیث نمبر (۵۵۱)

3 حضرت ابو ذرؓ کی یہ حدیث صحیح بخاری، کتاب العلم (۱/۱۶) میں بھی اختصار کے ساتھ موجود ہے۔

4 دارمی (۱/۱۱۴) حدیث نمبر (۵۶۶) 5 نیز ملاحظہ ہو اسی کتاب کا: (ص: ۱۷۷، ۱۹۷، ۱۹۸)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ صحابی کا حکم ترویج حدیث:

حضرت ابو امامہ صدی بن عجلان باہلی (متوفی ۸۱ھ و ۸۲ھ) کے شاگرد امام سلیم بن عامر کلامی (متوفی ۱۳۰ھ) نے کہا کہ: ”کان أبو امامة إذا قعدنا إليه يجيئنا من الحديث أمر عظيم، ويقول للناس: اسمعوا واعقلوا وبلغوا عنا ما تسمعون.“^①

یعنی حضرت ابو امامہ حدیث کے بارے میں ہم سے ایک بہت عظیم بات کہتے تھے کہ لوگو! احادیث نبویہ کو سنو (یعنی سیکھو اور حاصل کرو) انھیں سمجھو اور دوسروں کو بھی پڑھاؤ۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ جلیل القدر صحابی خود بھی احادیث نبویہ کی اشاعت کا اہتمام کرتے تھے اور اپنے تلامذہ کو بھی اس کی تاکید کرتے تھے۔ نیز ابو العالیہ نے کہا کہ:

”ہم کو بصرہ میں غیر لوگوں کے توسط سے احادیث نبویہ معلوم ہوتی تھیں، اس لیے ہم نے مدینہ منورہ کا سفر کر کے صحابہ کی درسگاہوں میں حاضر ہو کر ان سے بالمشافہ حدیثیں حاصل کیں۔“^②

اس سے بھی معلوم ہوا کہ کبار صحابہ احادیث بیان کرتے تھے۔ نیز عکرمہ نے کہا کہ:

”کان ابن العباس يعلمني الكتاب والسنن.“^③

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ مجھے کتاب و سنن کی تعلیم دیتے تھے۔

اشاعت حدیث کے لیے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کا حکم:

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا:

”تذاكروا الحديث، فإن الحديث يهيج الحديث.“^④

یعنی حدیث کا مذاکرہ کیا کرو، اس سے بھولی بسری حدیثیں بھی یاد ہو جاتی ہیں۔

اس طرح کی تاکید حضرت ابن عباس، عبدالرحمن بن ابی صدی، ابن عمر، ابن مسعود اور دیگر صحابہ کبار و صغار اور تابعین سے بھی منقول ہے۔^⑤

کثرت روایت پر اعتراض:

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کبار صحابہ کے سرتاج حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ روایت حدیث کی ترغیب دیتے، اس کی حوصلہ افزائی کرتے اور ترویج احادیث کا حکم بھی دیتے تھے۔ نیز وہ ابن مسعود بھی کثرت روایت حدیث کرتے تھے جن کو مصنف انوار مورث فقہ حنفی کہتے ہیں۔ اس کے برعکس مصنف انوار کثرت روایت کے بالمقابل تقلیل روایت

① سنن دارمی (۱/۱۱۱، ۱۱۲) حدیث نمبر (۵۵۰) ② سنن دارمی (۱/۱۱۲) حدیث نمبر (۵۵۲)

③ دارمی (ص: ۱۱۳) حدیث نمبر (۵۵۹) ④ سنن دارمی (ص: ۱۱۹) حدیث نمبر (۶۰۱)

⑤ سنن دارمی و جامع بیان العلم و کتاب العلم لأبي خيثمه و عام كتب تراجم صحابه و تابعين و كتب مصطلح حدیث.

کے مداح ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ فرمانِ نبوی و حکم قرآن کی تعمیل میں زیادہ سے زیادہ روایت حدیث کرنے والے صحابہ پر ہونے والے بے محل اعتراضات کو مصنف انوار نے بذوق و شوق اپنی تسکین خاطر کے لیے نقل کیا ہے۔ چنانچہ وہ بعنوان ”صحابہ میں کثرت روایت“ فرماتے ہیں:

”دوسری طرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے صحابہ بھی تھے جو بڑی کثرت سے روایت حدیث کرتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت حدیث پر تو کچھ کواعتراض بھی ہوا، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بڑی کثرت سے احادیث روایت کر دیں ہیں اگر قرآن مجید میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں ایک حدیث بھی روایت نہ کرتا۔ پھر وہ آیات تلاوت کرتے جن میں حق تعالیٰ نے کتمانِ حق و ہدایت پر وعید فرمائی ہے۔“^۱ الح

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ فرمان قرآنی اور حکم نبوی پر زیادہ سے زیادہ عمل کرتے ہوئے بکثرت روایت حدیث کرنے والے صحابہ خصوصاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں کیا کچھ تحریر کر رکھا ہے؟ حالانکہ کثرت روایت پر ہونے والے جن اعتراضات کی طرف مصنف انوار نے اشارہ کیا ہے، ان اعتراضات کی لغویت و قباحت حضرت ابو ہریرہ کے اس بیان سے ظاہر ہے جس کو خود مصنف انوار نے اپنی مذکورہ عبارت میں درج کر رکھا ہے۔ یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمان قرآنی کی تعمیل میں کثرت روایت کے طریق پر گامزن تھے، لہذا کثرت روایت پر ہونے والے اعتراضات بے جا و بے محل تھے۔

یہ عجیب بات ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا کسی بھی صحابی کی کثرت روایت پر بے جا و بے محل اعتراض کی لغویت اگرچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس بیان سے واضح ہے، جس کو خود مصنف انوار نقل کر چکے ہیں، مگر سخ و رد حقائق کے بے پناہ جذبے و ذوق نے مصنف انوار کو حقائق کے ادراک و احساس سے اس قدر محروم کر دیا ہے کہ موصوف اپنی ہی پیش کردہ باتوں کا معنی و مطلب نہیں سمجھ پاتے۔ حکم قرآنی و فرمان نبوی کی تعمیل میں بکثرت روایت کرنے والے صحابہ کے خلاف مصنف انوار نے آگے چل کر زیادہ جرأت دکھائی ہے، ہم بھی آگے چل کر اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔ اس جگہ ہم صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ایک عرصہ سے دیوبندی پریس مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے خلاف سراپا احتجاج بن کر یہ شور و غل مچانے میں مصروف ہے کہ موصوف مولانا مودودی صحابہ کرام کو بھی تنقید سے بالاتر نہیں سمجھتے، مگر مصنف انوار بذات خود بکثرت روایت کرنے والے صحابہ پر تنقیدوں کا جو دروازہ کھولے ہوئے ہیں تو اس کا نام خالص علمی و دینی و تحقیقی خدمت اور معتدل و متوازن طریق کار رکھے ہوئے ہیں۔

کثرت روایت پر معترضین کے اعتراضات کی لغویت و قباحت ظاہر کرتے ہوئے امام ابن حزم نے کیا خوب کہا ہے کہ:

”وقولهم هذا دحض بالبرهان الظاهر، وهو أنه يقال لمن ذم الإكثار من الرواية: أخبرنا عن الرواية لحديث رسول الله صلى الله عليه وسلم أخير هي أم شر؟ ولا سبيل إلى وجه ثالث فإن قال هي خير، فالإكثار من الخير.“^۲ خير الخ

یعنی کثرتِ روایتِ حدیث کی مذمت کرنے والوں کا قول ظاہر و باہر دلیل سے باطل ہے، وہ یہ کہ ان لوگوں سے پوچھا جائے کہ تلاؤ حدیثِ نبوی کی روایت اچھا کام ہے، یا برا کام ہے؟ ان دونوں باتوں کے علاوہ تیسری کوئی صورت نہیں۔ اگر یہ لوگ کہیں کہ یہ کام اچھا ہے تو اچھا کام جتنا زیادہ کیا جائے اچھا ہوگا اور اگر کہیں کہ روایت حدیث برا کام ہے تو برا کام خواہ کتنا ہی کم ہو برا ہے، لہذا اس کی تھوڑی سی مقدار بھی مذموم ہی ہوگی، حالانکہ یہ لوگ تقلیلِ روایت پر خود عمل پیرا ہیں، لہذا انھیں ماننا ہوگا کہ وہ شرکی تعلیم کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ پھر ان سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ روایت کی کثرت و قلت کی وہ مقدار جو حد مذمت سے باہر ہو اور مستحب ہو اس کی تعیین کرو، اگر یہ لوگ اس کی کوئی حد مقرر کریں تو بلاشبہ ان کی یہ تحدید بلا دلیل ہونے کے سبب باطل فعل ہوگی اور ایک طرح کی شریعت سازی ہوگی، اور اگر یہ لوگ روایت کی قدر مذموم و مستحب کو متعین نہ کر سکیں تو یہ اور بھی زیادہ برا ہوگا، کیونکہ انھیں یہی پتہ نہیں کہ وہ کس چیز کی مذمت یا مدح کر رہے ہیں اور یہ طور و طریق یقیناً گمراہی ہے، جس سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ احادیث و آثار اور قرآن میں حصولِ تفقہ اور مروی احادیث کا حفظ و ضبط ہی خیر ہے، اگر احادیثِ نبویہ کی بکثرت روایت اچھی چیز نہیں ہے تو کیا وہ تقلید پرستی اچھی چیز ہے جس کا التزام جاہل و فاسق لوگ کرتے ہیں...؟“ الخ

کوئی شک نہیں کہ امام ابن حزم کے اس فرمان میں مصنف انوار کی بھرپور تکذیب و تردید کا مدلل سامان موجود ہے۔

صحابہ میں فقہاء و محدثین:

یہ فرمان فاروقی ذکر ہو چکا ہے کہ حفظ و روایت حدیث کی صلاحیت سے محروم رائے و قیاس سے کام بنانے والے گمراہ و گمراہ کن اہل الرائے سے دور رہو اور غیر وقوع پذیر امور سے متعلق فرضی مسائل کے ساتھ اشتغالِ فعل ملعون ہے، اس لیے اس سے اجتناب کرو۔ دریں صورت کوئی صاحب عقل شخص یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرام میں پائے جانے والے جن فقہاء اور ان کے تفقہ کی مدح کتب اہل علم میں منقول ہے، اس سے ان فقہائے اہل الرائے اور ان کے طریق تفقہ کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے، جو غیر وقوع پذیر امور سے متعلق فرضی مسائل میں زندگی بھر مصروف رہتے اور حفظ و روایت حدیث سے عاجز ہونے کے سبب حفظ و روایت حدیث سے بہت دور رہا کرتے ہیں۔ اس لیے ہر شخص آسانی سمجھ سکتا ہے کہ مصنف انوار نے اپنی درج ذیل عبارت میں صحابہ کرام کے درمیان پائے جانے والے دو طبقات کا ذکر کرتے ہوئے فقہائے صحابہ کی جو فضیلت بیان کی ہے، اس سے فقہائے اہل الرائے اور ان کی فقہ کی فضیلت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

مصنف انوار ”صحابہ میں فقہاء و محدثین“ کا ایک عنوان قائم کر کے فرماتے ہیں:

”صحابہ میں دو قسم کے حضرات تھے، ایک وہ جو ہمہ وقت حفظ و روایت حدیث میں لگے رہتے تھے، دوسرے وہ جو نصوص میں تدبر و غور کر کے احکام جزئیہ نکالتے اور استنباط و تفقہ پر پوری طرح صرف ہمت کرتے تھے۔ یہ لوگ احادیث کو پورے تثبت و تحقیق اور مسلمہ قواعد شریعت پر جانچنے کے بعد معمول بہا بناتے تھے۔“ الخ¹

اپنے مذکورہ بالا بیان کو جاری رکھتے ہوئے موصوف مصنف انوار نے ”فقہاء کی افضلیت“ کا عنوان قائم کیا ہے۔ پھر فقہ و فقہاء کی فضیلت میں حافظ ابن قیم کا طویل بیان نقل کیا ہے، اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ موصوف نے یہاں فقہ و فقہاء کی جو فضیلت ذکر کر رکھی ہے، اس سے وہ فقہائے اہل الرائے اور ان کی فقہ کا کوئی ربط و تعلق نہیں جن کی بابت ارشاد فاروقی ہے کہ یہ لوگ حفظ و روایت حدیث سے عاجز و قاصر رہتے ہیں، مگر رائے و قیاس کے ذریعہ استنباط احکام و تخریج مسائل میں بہت زیادہ مصروف رہا کرتے ہیں۔

فقہاء کی افضلیت:

مندرجہ بالا عنوان کے تحت مصنف انوار نے حافظ ابن قیم کی کتاب ”الوابل الصیب فی الکلم الطیب“ کے حوالے سے فقہاء کی فضیلت اس خیال سے بیان کی ہے تاکہ اس سے فقہاء اہل الراۃ کی فضیلت ثابت کی جاسکے، حالانکہ اس میں بھی مصنف انوار نے تلمیس سے کام لیا ہے، کیونکہ حافظ ابن قیم نے تصریح کی ہے کہ:

”فالتبقة الأولى أهل رواية ودراية والطبقة الثانية أهل دارية ورعاية، ولهم نصيب من الدراية بل حظهم من الرواية أوفر، والطبقة الثالثة الأشقياء لا رواية ولا دراية ولا رعاية إن هم إلا كالأنعام بل هم أضل سبيلاً.“^①

یعنی فقہاء کا طبقہ حفظ و روایت حدیث کے ساتھ درایت سے بھی کام لینے والا ہوتا ہے (اس کی مثال میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے اوپر امام مالک، شافعی، اوزاعی، اسحاق، بخاری، احمد، ابوداؤد، محمد بن نصر کا نام لیا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ان کے ہم مسلک اہل الراۃ کا نام نہیں لیا) اور دوسرا طبقہ حفظ و روایت والا ہوتا ہے اسے درایت سے بھی تھوڑا بہت سروکار ہوتا ہے مگر حفظ و روایت میں اسے حظ وافر حاصل ہوتا ہے (اس طبقہ میں حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے ابوزرعہ، ابو حاتم و بشار کا نام لیا ہے) اور ایک تیسرا طبقہ ہے جسے نہ تو روایت و درایت سے سروکار ہوتا ہے، اور نہ حفظ سے۔ وہ چوپایہ جانوروں کی طرح بلکہ اس سے بھی گمراہ تر ہوتا ہے۔

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کے لیے بھی حفظ و روایت حدیث نہایت ضروری چیز ہے۔ وہ حفظ و روایت حدیث میں بھی بہت پختہ کار ہوتے ہیں، مگر مصنف انوار نے امام ابو حنیفہ کی سب سے بڑی فضیلت یہ قرار دی ہے کہ وہ شدت تورع اور احتیاط کی بناء پر روایت حدیث سے بے حد پرہیز کرتے تھے، حتیٰ کہ بقول شاہ ولی اللہ امام ابو حنیفہ نے کبھی بھی طریق محدثین کے مطابق روایت حدیث نہیں کی۔ البتہ موصوف نے غیر واقع شدہ فرضی مسائل کی تدوین زندگی بھر کی، جس کو تمام صحابہ نے ممنوع کہا ہے۔ جیسا کہ گزر چکا ہے۔

حافظ ابن قیم نے اپنی مختلف کتابوں میں فقہاء اہل الراۃ کی حقیقت بیان کی ہے۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

فقہاء علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی نظر میں:

مصنف انوار نے مندرجہ بالا عنوان کے تحت حافظ ابن قیم رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ:

”ابن عباس اگرچہ پوری دنیا کے عالم ربانی اور ترجمان القرآن ہیں۔ انھوں نے صحابہ سے اگرچہ بہت سی احادیث

سنیں، مگر رسول اللہ ﷺ سے براہ راست روایت حدیث کی تعداد بیس تک بھی نہیں پہنچتی۔ خدا نے انہیں ایسی سمجھ اور قوت استنباط عطا کی کہ ساری دنیا کو انھوں نے علم فقہ سے بھر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان سے زیادہ حافظ حدیث ہیں، بلکہ ان کو حافظ امت کہا جائے تو بجا ہے، لیکن کہاں ان کے فتاویٰ و تفسیر اور کہاں ابن عباس کے؟ وجہ ظاہر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کی پوری کوشش حفظ حدیث و روایت پر مصروف تھی اور ابن عباس کی استنباط و تفقہ پر۔^①

زبان نبوی سے ابن عباس سے نے کم حدیثیں کیوں سنیں؟

ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے ابن عباس کی روایت براہ راست اس لیے کم ہیں کہ وفات نبوی کے وقت ان کی عمر بہت کم تھی، ورنہ وفات نبوی کے بعد انھوں نے احادیث نبویہ کا علم زیادہ سے زیادہ توجہ صرف کر کے سیکھا اور اسے بذریعہ روایت و تحدیث دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کی۔ اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ ان کا طریق استنباط مسائل ان اہل الراہی کے طریق استنباط سے مختلف تھا جن کی بابت ارشاد فاروقی ہے کہ حفظ و روایت حدیث سے عاجز و قاصر رہنے کے سبب قیاس و رائے کے ذریعہ استنباط مسائل کرتے ہیں، اور اہل علم کی تصریح ہے کہ حضرت ابن عباس ایک ہزار چھ سو ساٹھ احادیث نبویہ کے راوی ہیں۔^② مگر بدعویٰ مصنف انوار امام ابو حنیفہ شدت تورع کے سبب روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے، لیکن زندگی بھر غیر واقع شدہ فرضی مسائل کی تدوین میں مصروف رہے تھے، حالانکہ غیر واقع شدہ مسائل سے اشتغال بقول فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فعل ملعون ہے۔ ظاہر ہے کہ کلام ابن قیم میں حضرت ابن عباس کے بیان کردہ تفقہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک طرف کمال تقویٰ اور شدت احتیاط و تورع کی بناء پر حفظ و روایت حدیث سے بحد احتراز و فرار ہو اور دوسری طرف غیر واقع شدہ فرضی امور سے متعلق سوالات کے جوابات اور بلا استفتاء مفروضہ مسائل کے حل نیز قیاسی مسائل کے استخراج سے اشتغال ہو، بلکہ ابن قیم کے بیان کردہ تفقہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ واقع شدہ معاملات سے متعلق پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے سب سے پہلے روایت و حفظ حدیث کی طرف توجہ دی جائے اور حدیث کے ذریعہ ان مسائل کو حل کیا جائے، البتہ اگر حدیث نہ ملے تو اجتہاد کرے۔ (کما سیاتی التفصیل)

یہ ایک حقیقت ہے کہ مشکل اور پیچیدہ مسائل میں ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرتے اور ان سے حدیث و مسائل سیکھتے۔ جس کا بیان آگے آ رہا ہے۔ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ابو ہریرہ کے شاگرد تھے اور مصنف انوار ہی کا دعویٰ ہے کہ استاذ کا مرتبہ زیادہ بڑا ہوتا ہے نہ کہ شاگرد کا۔^③

مکثرین صحابہ پر فقہائے صحابہ کی تنقید:

یہ مذکور ہو چکا ہے کہ اپنے تقلیدی مقاصد کے پیش نظر مصنف انوار کثرت روایت کے بجائے تقلیل روایت کے مداح ہیں اور یہی نہیں بلکہ کثرت روایت کے خلاف بے پناہ جذبہ تنقید و ذوق طعن و تعریض رکھتے ہیں۔ چنانچہ اپنے اسی ذوق و جذبہ کی تسکین کے لیے موصوف نے بکثرت روایت حدیث کرنے والے صحابہ کو بھی نشانہ نقد و نظر اور ہدف طعن و تعریض بناتے ہوئے کہا کہ:

① مقدمہ انوار، ملخصاً (۲۱/۱) ② تدریب الراوی (ص: ۴۰۳) و تلیح المفہوم (ص: ۱۸۴) و فتح المغیث (ص: ۳۷۹)

③ مقدمہ انوار (۵۳/۱)

”عہد صحابہ میں ایسے واقعات بھی بکثرت ملتے ہیں کہ فقہاء صحابہ نے کثرت سے روایت کرنے والے صحابہ پر تنقیدیں کیں، خصوصاً ان احادیث پر جو اصول و قواعد شرع کے خلاف کسی مضمون کی حامل تھیں اور اس سلسلے میں ابو ہریرہ کی مشہور حدیث بطور مثال پیش ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد انھوں نے نقل کیا کہ آگ سے پکی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو جاتا رہتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اعتراض کیا کہ کیا گرم پانی سے وضو کرنے کے بعد پھر سے وضو کرنا پڑے گا؟ یہ ایک اصولی اعتراض تھا کہ حضور کا فرمان اصول و قواعد شرعیہ کے خلاف نہیں ہو سکتا، لہذا اس کا جواب اصول و قواعد شرعیہ سے تو ممکن نہ تھا، اس لیے حضرت ابو ہریرہ بولے: اے میرے بھتیجے! جب تم کوئی حدیث رسول ﷺ سنا کرو تو اس کے خلاف معارضہ کرنے کے لیے مثالیں مت نکالا کرو۔ اسی طرح سیدہ فقہاء امت حضرت عائشہ صدیقہ کے استدراکات حضرت ابو ہریرہ اور دوسرے صحابہ کی حدیثی روایات پر مشہور ہیں، جن میں سے اکثر کا ذکر علامہ سیوطی نے ”عین الإصابة فيما استدرکتہ السیدة عائشہ علی الصحابة“ میں کیا ہے۔¹

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے تمام مکثرین صحابہ خصوصاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو نشانہ تنقید بنایا ہے، اور ہم بتلا چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود بھی مکثرین صحابہ میں شامل ہیں، جن کو مصنف انوار اپنے تقلیدی مذہب کا مورث قرار دیتے ہیں، صاف ظاہر ہے کہ موصوف ابن مسعود بھی مصنف انوار کے اس ذوق تنقید کے نشانہ بنتے ہیں۔ (کما لا یخفی علی العاقل) اور کبار صحابہ کے سرتاج حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ بھی چونکہ روایت و تحدیث احادیث کی ترغیب دیتے ہوئے ترویج احادیث کا حکم جاری کیے ہوئے تھے، اس لیے وہ بھی مصنف انوار کے طعن سے محفوظ نہیں۔ (نعوذ باللہ)

مکثرین صحابہ پر تنقید میں مصنف انوار کا ایک عملی تضاد:

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اپنے مندرجہ بالا بیان میں بکثرت روایت حدیث کرنے والے صحابہ کو نشانہ تنقید بناتے ہوئے یہ کہنے کی بھی جرأت کر ڈالی کہ یہ مکثرین صحابہ اصول و قواعد شرع کے خلاف احادیث بیان کرتے تھے۔ پھر مصنف انوار نے اصول و قواعد شرع کے خلاف ان صحابہ کی بیان کردہ احادیث میں سے بطور مثال حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ اس حدیث کا ذکر کیا، جس کا حاصل مضمون یہ ہے کہ پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو جاتا رہتا ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ مصنف انوار حدیث مذکور کو شریعت کے اصول و قواعد کے خلاف قرار دیتے ہیں مگر اصل شریعت کے خلاف قرار دی ہوئی اس حدیث پر آگے چل کر موصوف نے بحث و نظر شروع کر دی۔ اس حدیث پر اپنی طویل بحث میں موصوف نے بتلایا کہ انوار الباری جن علامہ انور شاہ کا مجموعہ افادات کہہ کر شائع کی جا رہی ہے، وہ اور دوسرے محدثین کرام اسے صحیح مانتے ہیں۔ کچھ اہل علم اسے منسوخ کہتے اور کچھ ناخ کہتے اور کچھ اسے اپنی جگہ پر برقرار مانتے ہیں۔ یعنی نہ اسے ناخ مانتے ہیں اور نہ منسوخ، بلکہ اس کا حکم ہمیشہ سے رہا اور ابھی بھی باقی ہے، لیکن اس میں جو حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل واجب کے بجائے مستحب ہے۔ مصنف انوار نے اپنے استاد علامہ انور کا قول و فتویٰ اس حدیث کی بابت یہ نقل کیا ہے کہ یہ

حدیث اپنی جگہ پر محکم و صحیح ہے، مگر اس کا حکم صرف خواص امت کے حق میں ہے اور وہ بھی بطور استحباب^①۔ مصنف انوار نے اپنے سلسلہ کلام میں اس حدیث کو قطعیت کے ساتھ منسوخ قرار دینے والے اہل علم خصوصاً امام ابن حزم پر تکبر بھی کی ہے اور اس خیال کی تردید کی طرف بھی موصوف مائل نظر آتے ہیں۔^②

ایک طرف حدیث مذکور کی روایت کرنے کے سبب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنے اور حدیث مذکور کو اصول شریعت کے خلاف قرار دینے کے باوجود دوسری طرف اسے قطعیت کے ساتھ منسوخ قرار دینے والوں پر تکبر اور اسے محکم و قابل عمل بتلانے والوں کی حمایت و طرفداری عجیب سی روش ہے۔ جو حدیث مصنف انوار کے نزدیک اصول شریعت کے خلاف ہے، وہ محکم و قابل عمل اور صحیح کیونکر ہوگی؟ اس موضوع پر مفصل گفتگو آگے آئے گی۔ مصنف انوار کے ممدوح علامہ سرخسی نے کہا کہ صحابہ پر طعن کرنے والا ملحد و کافر ہے۔^③

مصنف انوار کا نشانہ تنقید بننے والے صحابہ کرام:

مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا طویل بیان میں جس حدیث نبوی کی روایت کرنے کی وجہ سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کیا ہے، اسی حدیث کو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی روایت کرنے والی ہیں، جن کو مصنف انوار نے اپنے اسی بیان میں سیدہ فقہاء امت قرار دیا ہے۔^④

نیز حدیث مذکور حضرت زید بن ثابت، ابو طلحہ، ابو موسیٰ، سہل بن حنظلیہ، ام المؤمنین ام حبیبہ، ام سلمہ، انس بن مالک، عبداللہ بن عمر، ابوسعید الخدری، ابویوب انصاری، عبداللہ بن زید، سلمہ بن سلامہ بن وقش، محمد بن مسلمہ، جابر بن عبداللہ، ابوعبداللہ بن ابی امامہ البلوی وغیرہم سے مروی ہے۔^⑤

ظاہر ہے کہ یہ سارے صحابہ مصنف انوار کے نشانہ تنقید بن رہے ہیں، ان صحابہ میں سے حضرت زید کو مصنف انوار نے عظیم ترین فقہائے صحابہ میں شمار کیا ہے۔^⑥

ناظرین کرام! مصنف انوار سے پوچھیں کہ حدیث مذکور کی روایت کرنے کی وجہ سے کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و زید رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ مذکورین بھی غیر فقیہ اور خلاف اصول شرع احادیث کے بیان کرنے والے قرار پا گئے؟ اگر مصنف انوار ان صحابہ کرام کو بھی غیر فقیہ اور خلاف اصول شرع احادیث کے روایت کنندہ کہیں، کیونکہ ان سے کچھ مستبعد نہیں کہ تقلید پرستی و مسخ حقائق کے بے پناہ جذبہ سے مغلوب ہو کر ایسا کر ڈالیں، تو ناظرین کرام انہیں انوار الباری کی وہ عبارتیں دکھلائیں جن میں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و زید رضی اللہ عنہ کو عظیم ترین فقہائے صحابہ میں شمار کیا ہے۔ حاصل یہ کہ مصنف انوار اور ان کی تقلیدی پارٹی نے

① انوار الباری (۶/۱۰ تا ۱۷) ② انوار الباری (۶/۱۳، ۱۴) ③ أصول سرخسی (۲/۱۳۴)

④ صحیح مسلم، رقم الحدیث (۳۵۳) سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث (۴۸۶) مسند أحمد (۶/۸۹)

⑤ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد، باب الوضوء مما مست النار (۱/۲۴۸، ۲۴۹) و متفرق کتب حدیث مثلاً جامع ترمذی مع تحفة الأحوذی (۱/۸۱، ۸۲) و سنن نسائی مع تعلیقات سلفية (۱/۲۴) و کتاب الاعتبار للحازمی (ص:

۵۲، ۵۱) و سنن بیہقی (۱/۱۵۵، ۱۵۶ وغیرہ)

⑥ مقدمہ انوار (۱/۳۷ و ۶۹)

اپنی تحریک مسخ حقائق کو کامیاب بنانے کے لیے صحابہ پر بھی دروازہ تنقید کھول دیا ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ مکثرین صحابہ کو اپنے مندرجہ بالا بیان میں نشانہ تنقید بنا کر مصنف انوار نے ان حضرت ابن مسعود کو بھی نہیں بخشا، جن کی بابت وہ مدعی ہیں کہ یہی ابن مسعود فقہ حنفی کے مورث اعلیٰ ہیں، کیونکہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ ابن مسعود بھی مکثرین صحابہ میں سے تھے۔ حتیٰ کہ مصنف انوار الباری کی اس بات سے وہ ابن عباس بھی ہدف تنقید بنتے ہیں جن کا قول موصوف نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کے لیے نقل کیا ہے، کیونکہ وہ بھی مکثرین حدیث میں سے تھے اور ان پر بھی متعدد صحابہ کی طرف سے متعدد معاملات میں اعتراضات ہوئے۔

کثیر الحدیث صحابہ پر طعن مصنف انوار کا جواب:

مصنف انوار نے جس معاملہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کر رکھا ہے، اس کی پوری تحقیق ہو جانی چاہیے، تاکہ اصل حقیقت سامنے آجائے۔ ہم نے ذیل میں اس معاملہ کی تحقیق کی کوشش کی ہے، ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

اہل نظر پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ متعدد آیات قرآنیہ کے احکام منسوخ ہو گئے ہیں مگر ان کی تلاوت کا رواج صحابہ کے زمانے سے آج تک چلا آ رہا ہے، اسی طرح بہت سی احادیث نبویہ بھی منسوخ ہو گئی ہیں، مگر ان کی نقل و روایت کا سلسلہ صحابہ کے زمانہ سے لے کر آج تک چلا آ رہا ہے۔ بسا اوقات بعض صحابہ کسی خاص وجہ سے نسخ پر ناواقفیت کے باعث منسوخ شدہ آیات و احادیث پر عمل پیرا رہے اور ان کی تلاوت و روایت کرتے اور دوسروں کو بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیتے تھے، یہ صورت حال عظیم ترین فقیہ صحابہ کو بھی پیش آتی رہی ہے۔

مثلاً بعض منسوخ شدہ آیات و احادیث میں نکاح متعہ کی اجازت ہے اور اس پر ابتداء میں عمل بھی تھا، مگر جن عبد اللہ بن مسعود کو مصنف انوار فقہ حنفی کا مورث اعلیٰ بتلاتے ہیں ان کو وفات نبوی کے بعد بھی حکم نکاح متعہ کے منسوخ ہونے کی اطلاع نہیں ہو سکی تھی، اس لیے وہ نکاح متعہ کے جواز کا فتویٰ دیتے اور دلیل میں ان آیات و احادیث کو پیش کرتے جو جواز نکاح متعہ کے سلسلے میں نازل و وارد ہوئی ہیں۔^① امام ابن حزم و نووی وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ وفات نبوی کے بعد بھی حضرت ابن مسعود نکاح متعہ کے جواز کے قائل تھے۔^②

لیکن بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں ابن مسعود نے اپنے اس موقف سے رجوع کر لیا تھا، چنانچہ حکم بن عتیبہ وغیرہ نے ابن مسعود کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ:

”المتعة منسوخة نسخها الطلاق والصداق والعدة والميراث.“^③

نیز بعض روایات ہیں، صحیح بخاری و مسلم والی مندرجہ بالا حدیث کے بعد ابن مسعود کا یہ قول بھی منقول ہے کہ:

”ثم جاء تحريمها بعد، وفي لفظ: ”ثم ترك ذلك“ وفي لفظ: ”ثم نهانا“^④

① صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورة مائدہ و کتاب النکاح، باب ما یکره من التبتل والخصا و صحیح مسلم: کتاب النکاح.

② شرح مسلم للنووی: کتاب النکاح، والمحللی لابن حزم: کتاب النکاح، و نیل الأوطار.

③ سنن بیہقی (۲۰۷/۷) و مصنف عبدالرزاق (۵۰۵/۷)

④ سنن بیہقی (۲۰۷/۷) و مصنف عبد الرزاق (۵۰۶/۷) و نیل الأوطار: کتاب النکاح.

یعنی نکاح متعہ کی اباحت کے بعد ممانعت ہوگئی۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ وفات نبوی کے بعد ایک عرصہ تک ابن مسعود نکاح متعہ کے نسخ پر واقف نہیں تھے، بنا بریں اس کے جواز کا فتویٰ دیتے اور دلیل میں آیات و احادیث منسوخہ کو پیش کرتے تھے۔ پھر دوسرے صحابہ کے ذریعہ انھیں نسخ کی بات معلوم ہوگئی تو وہ بھی نسخ کے قائل ہو گئے۔ جس طرح کہ کوفہ کے دوران قیام ان سے پوچھا گیا کہ اگر دخول سے پہلے کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب موصوف نے یہ دیا کہ اس کی ماں سے اس صورت میں نکاح کر سکتا ہے، لیکن موصوف مدینہ منورہ آئے تو صحابہ سے ملاقات کے دوران انھیں معلوم ہوا کہ ایسا نہیں ہو سکتا، لہذا موصوف نے اپنے اس موقف سے رجوع کر لیا۔¹

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوفہ میں مقیم کبیر ترین صحابی بھی کوفہ میں قیام کے زمانہ میں غلط قسم کا فتویٰ دے دیا کرتے تھے اور ان کی اس غلطی کی اصلاح مدینہ منورہ پہنچ کر ہوتی تھی۔ اس سے بھی ہر شخص باسانی سمجھ سکتا ہے کہ کوفہ کی علمی برتری کا جو راگ مصنف انوار اور ان کے ہم نوا اس بنیاد پر الاپ رہے ہیں کہ وہاں ابن مسعود کچھ دنوں تک مقیم تھے، اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ قیام کوفہ کے دوران ابن مسعود اور وہاں مقیم بعض دیگر صحابہ کا اختیار کردہ ہر موقف ہی صحیح تھا۔ اور جب کبار صحابہ کا یہ حال ہو تو ان فقہائے اہل الرائے کا کیا حال ہوگا جن کی بابت ارشاد فاروقی ہے:

”أم أصحاب الرأي أعداء السنن أعتبهم الأحاديث أن يعوها، وتفلنت أن يرووها فافتوا بالرأي“
اس سلسلے میں مفصل بحث آگے آرہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی طرح حضرت ابن عباس (جن کے قول کو مصنف انوار نے حضرت ابو ہریرہ پر ذریعہ طعن بنا رکھا ہے) بھی وفات نبوی کے بعد ایک عرصہ تک نکاح متعہ کے نسخ پر واقف نہیں ہو سکے، اس لیے وہ بھی نکاح متعہ کے جواز کا فتویٰ دیا کرتے تھے اور دلیل میں انھیں آیات و احادیث نبویہ کو پیش کیا کرتے تھے، جو منسوخ ہو چکی تھیں۔ حضرت ابن عباس یہ فتویٰ ۶۳ھ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر کی خلافت کے زمانہ میں بھی دیتے تھے، حالانکہ انھیں امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب ۴۰ھ سے پہلے پوری صراحت کے ساتھ بتلا چکے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نکاح متعہ کے حکم کو منسوخ کر چکے ہیں۔ چنانچہ حضرت علی بن ابی طالب کے صاحبزادے حضرت محمد بن الحنفیہ نے کہا کہ:

”إن عليا سمع ابن عباس يلين في متعة النساء، فقال: مهلا يا ابن عباس! فإن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها يوم خيبر، وفي رواية: قال علي لابن عباس: إنك رجل تائه، نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عنها.“²

یعنی حضرت علی بن ابی طالب نے نکاح متعہ کے معاملہ میں ابن عباس کے موقف پر تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ اے ابن عباس! خبردار! تم ”رجل تائه“ ہو یعنی راہ صواب سے بھٹک اور بہک گئے ہو، رسول اللہ ﷺ نے نکاح

1 موطا إمام مالك: باب لا يجوز من نكاح الرجل أم امرأته وغيره.

2 صحيح مسلم: كتاب النكاح، و مصنف عبدالرزاق (۷/ ۵۰۱، ۵۰۲) و سنن بيهقي (۷/ ۲۰۱) و مصنف ابن أبي شيبة (۴/ ۲۹۲) و صحيح بخاري: كتاب الحيل.

متعہ سے ممانعت کر دی ہے۔

مصنف انوار ازراہ دیانت داری بتلائیں کہ نکاح متعہ کے جواز کا فتویٰ معاشرہ و اخلاق کے حق میں زیادہ مضر ہو سکتا ہے یا مطبوخ چیز سے وضو کے ٹوٹنے کا فتویٰ؟ نکاح متعہ کے منسوخ ہوجانے کے باوجود ۶۴ھ کے بعد بھی اس کے جواز پر ابن عباس کے اصرار اور صحابہ کی تکمیر و اعتراضات کی بھرمار کے باوجود اگر مصنف انوار ابن عباس رضی اللہ عنہ کے خلاف یہ پروپیگنڈہ روا نہیں رکھتے کہ موصوف رضی اللہ عنہ خلاف شرع احادیث بیان کرتے تھے تو مطبوخ چیز سے وضو ٹوٹنے پر دلالت کرنے والی احادیث منسوخہ کی روایت کرنے اور ان کے مطابق فتویٰ دینے پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا کیسے روا ہوا؟

نکاح متعہ کے معاملہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ بھی معلوم تھا کہ خلافت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس سے منع فرما چکے تھے، حتیٰ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس ممانعت فاروقی ہی پر اعتراض تھا۔ چنانچہ انھوں نے کہا:

”یرحم اللہ عمر ما كانت المتعة إلا رخصة من الله، رحم بها أمة محمد صلى الله عليه وسلم، فلولا نهيه عنها ما احتاج إلى الزنا إلا شقي.“^①

یعنی نکاح متعہ کے لیے اللہ نے اپنے بندوں پر رحم کرتے ہوئے رخصت دے رکھی تھی، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ پابندی نہ لگائی ہوتی تو زنا کاری کی کسی کو ضرورت ہی نہیں پڑتی الا یہ کہ کوئی بد بخت ہو۔

حکم فاروقی پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس معترضانہ طرز عمل کی خبر جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انھوں نے صاف طور پر کہا:

”أما والله ما كان ليقول هذا في زمن عمر، وإن كان عمر لينكلنكم عن مثل هذا، وما أعلمه إلا السفاح.“^② عن ابن عمر قيل له ان ابن عباس يفتي بها فقال فهلا تززم بها في زمان عمر؟“^③

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ نے دور فاروقی میں یہ فتویٰ دینے کی جرأت کیوں نہیں کی؟

متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ برسر منبر اعلان کیا تھا کہ میں نکاح متعہ کرنے والوں کو سنگ سار کر دوں گا۔^④ عام صحابہ و تابعین نے حضرت عمر فاروق کے اس کارنامہ کی تحسین کی۔ سید التابعین سعید بن المسیب نے کہا:

”رحم الله عمر لو لا نهى عن المتعة صار الزنا جهارا.“^⑤

”اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا بھلا کرے، اگر انھوں نے نکاح متعہ پر پابندی نہ عائد کر دی ہوتی تو زنا کاری کھل کر عام طور سے ہوا کرتی۔“

وفات فاروقی کے عرصہ بعد بھی ابن عباس رضی اللہ عنہ کو جب بعض صحابہ و تابعین نے نکاح متعہ کے جواز کا فتویٰ دیتے دیکھا تو

① مصنف عبدالرزاق (۷/۴۹۷) و نیل الأوطار. ② مصنف عبدالرزاق (۷/۵۰۲)

③ مصنف ابن أبي شيبة (۴/۲۹۳)

④ مصنف ابن أبي شيبة (۴/۲۹۳) و سنن البيهقي (۷/۲۰۶) و مصنف عبدالرزاق (۷/۵۰۳)

⑤ مصنف ابن أبي شيبة (۴/۲۹۳)

انہوں نے ان سے صاف کہا کہ یہ زنا کاری ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اس معاملہ میں اتنا غلو تھا کہ وہ ان صحابہ و تابعین سے لڑ کھڑے ہوتے جو نکاحِ متعہ کو زنا یا حرام قرار دیتے تھے۔^①

حتیٰ کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس موقف پر سخت نکیر کی تو انہوں نے الٹ کر ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو نہایت خفگی کے ساتھ کہا:

”إنك لجلجل جاف، فلعمري لقد كان المتعة تفعل في عهد إمام المتقين صلى الله عليه وسلم.“^②

”یعنی تم گنوار، قلیل العقل و قلیل الادب آدمی ہو، نکاحِ متعہ تو حیاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ہوا کرتا تھا۔ اس پر ابن

زبیر رضی اللہ عنہ نے موصوف کو کہا کہ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں، نکاحِ متعہ کرنے پر ہم آپ کو سنگسار کر دیں گے۔“

اس کا حاصل یہ ہوا کہ نکاحِ متعہ کے معاملہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے موقف کی عام صحابہ و تابعین نے سخت تغلیط کی اور ان پر اعتراض و نکیر کیا اور لوگوں نے موصوف کے مباح کردہ نکاحِ متعہ کو زنا سے تعبیر کیا۔ پھر بھی موصوف کو خلافِ شرع احادیث کا روایت کنندہ اور غیر فقیہ نہ مصنف انوار نے قرار دیا اور نہ ہی ایسا کرنا مناسب ہے، مگر سوال یہ ہے کہ مطبوخ چیز کے ناقص وضو ہونے پر دلالت کرنے والی حدیث کی روایت کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے سبب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بات کا سہارا لے کر مطعون کرنا، جیسا کہ مصنف انوار نے کر رکھا ہے، کونسی خالص علمی و دینی و تحقیقی خدمت ہے، جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے استاذ بھی ہیں؟

اس معاملہ میں بھی اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بعض دیگر اہم معاملات کی طرح اپنے اس جلیل القدر استاذ یعنی حضرت ابو ہریرہ کی طرف رجوع کیا ہوتا تو انہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وہ حدیثِ نبوی سنا کر غلطی سے بچنے کا سامان فراہم کر دیتے، جسے انہوں نے زبانِ نبوی سے سن رکھا تھا۔ ملاحظہ ہو:

”عن أبي هريرة مرفوعاً: حرم أو هدم المتعة النكاح والطلاق والعدة والميراث.“^③

یعنی نکاحِ متعہ کی اباحت کو احکامِ نکاح و طلاق و عدت و میراث نے منسوخ کر کے حرام کر دیا ہے۔

نکاحِ متعہ کی حرمت و ممانعت اور نسخ پر جتنی صراحت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ مندرجہ بالا حدیث دلالت کرتی ہے، اتنی صراحت سے وہ حدیث نہیں دلالت کرتی جسے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی زبانی سنا تھا۔ حدیثِ علی رضی اللہ عنہ میں اس تاویل کی گنجائش ہے کہ نخی سے مراد نہی تزیہی ہو، یا بلا ضرورت شدیدہ نکاحِ متعہ سے ممانعت مراد ہو۔ اس تاویل کی گنجائش اس صورت میں اور بڑھ جاتی ہے کہ حدیثِ علی رضی اللہ عنہ میں نکاحِ متعہ سے ممانعت کا وقت جنگِ خیبر بتلایا گیا ہے، حالانکہ بعض روایات سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی نکاحِ متعہ کی اجازت موجود تھی، مگر حدیثِ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں اس طرح کی تاویل کی گنجائش نہیں۔ اس میں صراحت ہے کہ نکاحِ متعہ کی تحریم و تہدیم اور نسخ کی تصریح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر بھی فرمائی تھی، جو غزوہ خیبر کے بعد پیش آیا اس لیے ظن غالب ہے کہ اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ مذکورہ بالا حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سن لیتے تو اس طرح کی غلطی سے محفوظ رہتے۔

① سنن بیہقی و مصنف عبدالرزاق وغیرہ۔ ② صحیح مسلم (۱/۴۵۲)

③ سنن بیہقی (۷/۲۰۷) و سنن دارقطنی و قال الحافظ ابن حجر إسناده حسن، نیل الأوطار (۶/۱۵۶)

یہ بات غور طلب ہے کہ مطبوخ چیز سے ناقض وضو ہونے پر دلالت کرنے والی حدیث کی روایت کرنے پر بطور اعتراض اپنے استاذ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ”أنتوضأ من الحمیم، أنتوضأ من الدهن“ کہنے والے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بذات خود بعض ایسی بھاری غلطیوں کے مرتکب ہو گئے، جن کے سبب وہ عام صحابہ و تابعین کے اعتراضات کے نشانہ بنے، حتیٰ کہ موصوف کو سنگ سار کیے جانے کی دھمکی بھی سننی پڑی، مگر ہم کسی صورت میں بھی یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ اس قسم کے اعتراضات کی وجہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگائیں کہ وہ خلاف اصول شرع احادیث بیان کرتے تھے اور یہ کہ وہ غیر فقیہ تھے۔ اس طرح کی بے راہ روی مصنف انوار ہی جیسے لوگوں کا شیوہ و شعار ہے۔ نعوذ باللہ من ترہات التقلید!!

نکاح متعہ کی چار ماہ دس دن کی عدت بیوگی کا وہ قرآنی حکم جو سورہ بقرہ میں ہے، احادیث صحیحہ کے مطابق حاملہ بیوی کے بارے میں سورہ طلاق کے اس حکم کے ذریعہ منسوخ ہو گیا ہے کہ ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ یعنی ان کی عدت وضع حمل ہے، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ اس نسخ سے واقف نہ ہونے کے سبب کہا کرتے تھے کہ ان دونوں مدتوں میں سے طویل ترین مدت ہی ان کی عدت ہوگی۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ابوسلمہ بن عبدالرحمن بن عوف کے ساتھ اس موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی، حضرت ابو ہریرہ بھی موجود تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنی بات پر مصر تھے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس مسئلہ میں ابوسلمہ کے ساتھ ہوں۔ آخرا ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آدمی بھیج کر تحقیق کرائی گئی تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات صحیح نکلی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی غلطی ظاہر ہوئی۔¹

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ و امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کے خلاف اس معاملہ میں مباہلہ کا چیلنج بھی دیا کرتے تھے۔² مگر اس بات کو ابن عباس رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ کے غیر فقیہ ہونے یا خلاف اصول شرع احادیث کا راوی ہونے کی دلیل وہی شخص بنائے گا جو مسوخ الفطرت اور بد عقل ہو۔ پھر حضرت ابو ہریرہ کو زیر بحث معاملہ کے تحت مطعون کرنا کونسی تحقیق پسندی ہے؟ لطف یہ کہ صحیح بخاری وغیرہ کی ایک روایت سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی ایک زمانہ تک حاملہ بیوی کی عدت وہی مانتے تھے، جو ابن عباس مانتے تھے، جیسا کہ امام محمد بن سیرین کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ:

”إني إذا جري أن كذبت علي عبد الله بن عتبة، ولكن عمه لم يقل ذلك.“³

اس کا حاصل یہ ہے کہ ابن مسعود ایک زمانہ تک اس حدیث کے خلاف موقف رکھتے تھے، جس کا مفاد یہ ہے کہ حاملہ بیوہ کی عدت وضع حمل ہے۔

نکاح متعہ کی طرح حضرت ابن عباس، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور کئی دوسرے صحابہ بلا انزال وطی و جماع کو بھی موجب غسل نہیں مانتے تھے اور اس معاملہ میں یہ لوگ منسوخ حدیث پر عمل کرتے اور اس کی روایت کرتے تھے، حتیٰ کہ حضرت امیر المؤمنین عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب، زبیر بن العوام، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، ابی بن کعب اور ابو ایوب رضی اللہ عنہم وغیرہم کا

1 صحیح بخاری: تفسیر سورة الطلاق و صحیح مسلم و سنن بیہقی (۷/۲۹۶ وغیرہ)

2 سنن بیہقی (۷/۴۳) و مصنف ابن ابی شیبہ (۴/۲۹۶ وغیرہ)

3 ملاحظہ ہو: صحیح بخاری: کتاب التفسیر سورة الطلاق اور شروح صحیح بخاری.

بھی یہی موقف تھا کہ وہ حدیث منسوخ پر عمل کرتے اور اس کی نقل و روایت بھی کرتے تھے۔^① مگر ان صحابہ کرام کو ان کے اس طرز عمل کی وجہ سے مطعون کرنا انتہائی بددیانتی اور انھیں غیر فقیہ کہنا یا خلاف اصول شرع احادیث کا روایت کنندہ قرار دینا بذات خود بھاری جرم ہے، بلا انزال و طی کو موجب غسل نہ کہنے والے صحابہ کبیر ترین و فقیہ ترین صحابہ ہیں۔

بند صحیح مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ مونچھ داڑھی آجانے کے بعد سالم رضی اللہ عنہ کو حضرت سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا نے بحکم نبوی دودھ پلایا اور اس سے دونوں کے مابین رشتہ رضاعت قائم ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث کو بطور دلیل پیش کر کے فتویٰ دیتی تھیں کہ بڑی عمر میں بھی دودھ پینے سے رضاعت کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے، لیکن تمام ازواج مطہرات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس خیال کے خلاف ان سے کہتی تھیں کہ ممکن ہے کہ یہ حکم صرف سالم رضی اللہ عنہ کے لیے خاص رہا ہو۔^②

مصنف انوار بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس موقف کے خلاف ہیں، لیکن کسی کو یہ دعویٰ کرنا مناسب نہیں کہ چونکہ اس معاملہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر امہات المؤمنین نے نکیر کی تھی، اس لیے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فقیہ نہیں تھیں یا یہ کہ وہ خلاف اصول شرع احادیث بیان کرتی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ بیان بھی ہے کہ قرآن میں پہلے یہ حکم نازل ہوا تھا کہ دس مرتبہ چوس کر دودھ پینے سے حرمت واقع ہوتی ہے، پھر یہ حکم پانچ مرتبہ پینے سے حرمت کے حکم سے بدل گیا اور اسی پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔^③ مصنف انوار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس فتویٰ کے بھی خلاف ہیں۔

باسانید صحیحہ مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ابتداء میں نمازیں صرف دو دو رکعت ہی فرض کی گئی تھیں اور یہ حکم سفر کی حالت میں برقرار رہا، مگر حضرت یعنی اقامت کی حالت میں بدل کر چار رکعتیں ہو گئیں۔^④ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں صرف دو دو رکعت نماز فرض ہے، یہی بات مصنف انوار بھی کہتے ہیں، مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی روایت کردہ اس حدیث کے خلاف سفر میں پوری چار رکعت پڑھا کرتی تھیں اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے، جس پر لوگ معترض بھی ہوئے۔^⑤ مصنف انوار اس معاملہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے موقف کو یقیناً صحیح نہیں سمجھتے تو کیا یہ کہنا درست ہے کہ اس معاملہ میں غلطی کرنے کے سبب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو فقیہ ہی نہیں کہا جا سکتا؟

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حدیث منسوخ پر عمل کرتے ہوئے نماز میں بحالت رکوع تطبیق کرتے تھے، یعنی دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کو آپس میں ملا کر دونوں گھٹنوں کے درمیان رکھتے تھے اور تین نمازیوں کے ہوتے ہوئے تینوں آدمیوں کو ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا حکم بھی دیتے تھے۔ یعنی امام کو آگے اور دونوں مقتدیوں کو امام کے پیچھے کھڑا نہیں کرتے تھے، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ اس حدیث کی روایت و نقل اور ترویج اشاعت بھی کرتے تھے۔^⑥ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کے

① تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: کتاب الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ للحازمی متوفی ۵۱۴ھ (ص: ۲۸ تا ۳۴)

② صحیح مسلم: کتاب الرضاع، والاعتبار للحازمی (ص: ۱۸۷) و سنن أبي داود وغيره.

③ صحیح مسلم، و عام کتب حدیث. ④ صحاح ستہ.

⑤ صحیح بخاری و مسلم و مسند عمر بن عبدالعزیز (ص: ۳۹، ۴۰) و شرح معانی الآثار (۱/ ۲۴۵ وغیرہ)

⑥ ملاحظہ ہو: صحیح مسلم و سنن أبي داود و عام کتب حدیث، کتاب الاعتبار للحازمی (ص: ۴۳ تا ۴۵)

ساتھیوں کے اس طرز عمل کو اس بات کی دلیل قرار دینا کہ یہ حضرات فقیہ نہیں تھے اور اصول شرع کے خلاف احادیث کی روایت کرتے تھے، سراسر شہ پندی و کج روی ہے۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقدی کی نقدی یعنی سونے کے سونے اور چاندی کی چاندی سے تفضل کے ساتھ خرید و فروخت کو جائز و حلال کہا کرتے تھے، ان کے اس طرز عمل پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ صحابی نے کہا کہ آپ ایسی بیج کو کیوں جائز کہتے ہیں، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع قرار دیا ہے؟^① دوسرے اہل علم نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روش پر اعتراض کیا تھا اور آخر کار ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اس غلط موقف سے احادیث نبویہ کی بنا پر رجوع کر لیا تھا۔^② لیکن اس بات کو ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غیر فقیہ ہونے کی دلیل قرار دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے، حتیٰ کہ امیر المؤمنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے فقیہ و کبیر صحابی بھی اس معاملہ میں ابن عباس کے ہم خیال تھے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد نے انھیں اس غلط طریق سے روکا تو وہ باز آئے۔^③ مگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی بھی صحابی کو اس قسم کے معاملہ کے سبب مطعون کرنا صحیح نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر چونکہ بعض صحابہ نے اعتراض کیا، اس لیے وہ فقیہ نہیں، کیونکر درست ہوا؟ اس طرح کی مثالیں بہت سی ہیں مگر ہم نے صرف چند نمونوں پر بنظر اختصار اکتفاء کیا ہے۔

مطبوع چیز سے وضو ٹوٹنے کے مسئلہ پر بحث:

ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ مطبوع چیز سے وضو ٹوٹنے پر دلالت کرنے والی حدیث نبوی کو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ متعدد فقیہ و کبار صحابہ نے بھی روایت کیا ہے، جنہیں خود مصنف انوار نے بھی کبار و فقیہ صحابہ مانا ہے۔ یہ سارے صحابہ اس حدیث کو روایت کرتے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے، مگر اس سلسلے میں دوسری احادیث کے پیش نظر ہمارا موقف یہ ہے کہ مطبوع چیزوں کے ناقض وضو ہونے پر دلالت کرنے والی احادیث کے حکم کو منسوخ مان کر کہا جائے کہ اس کے نسخ پر مطلع نہ ہونے کے سبب صحابہ مذکورین اسی منسوخ شدہ حکم پر عامل تھے اور اس پر دلالت کرنے والی احادیث کو بطور دلیل روایت کیا کرتے تھے۔ یہ مسئلہ طویل تفصیل کا طالب ہے، مگر اختصار کے پیش نظر صرف یہ عرض ہے کہ بعض لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا کہ بھیڑ بکری کا گوشت کھا کر ہم وضو کریں یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ”إن شئت فتوضأ وإن شئت فلا تتوضأ“ یعنی تمہارا جی چاہے تو وضو کرو اور نہ چاہے تو نہ کرو۔ پھر آپ سے یہ پوچھا گیا کہ اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کیا جائے یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ ”نعم فتوضأ من لحوم الإبل“ ہاں اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کرو، بھیڑ، بکری اور اونٹ کے گوشت سے متعلق یہ فرمان نبوی صحیح مسلم و صحیح ابن خزیمہ اور متعدد کتب حدیث میں کئی اسانید سے مروی ہے اور معجم کبیر للطبرانی اور بعض دیگر کتابوں میں یہی حدیث اس طرح بھی مروی ہے:

”أمرنا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن نتوضأ من لحوم الإبل، ولا نتوضأ من لحوم الغنم.“^④

① مسند طيالسی (ص: ۲۸۸) ② کتاب الاعتبار للحازمی (ص: ۱۶۵ تا ۱۶۹)

③ موطأ إمام مالك مع أوجز المسالك: ۵/ ۶۳ تا ۶۵

④ معجم کبیر للطبرانی (۲/ ۲۳۳) حدیث نمبر (۱۸۶۴ و ۱۸۶۵ وغیرہ)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ اونٹ کا گوشت کھا کر وضو کریں اور بھیڑ بکری کا گوشت کھا کر وضو نہ کریں۔ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اونٹ اور بھیڑ بکری سے متعلق مذکورہ بالا فرمان نبوی بصیغہ امر وارد ہوا ہے اور بعض طرق میں ”أمرنا“ کا لفظ ہے، جس کے ذریعہ یہ صراحت کر دی گئی ہے کہ دو مطبوخ چیزیں (یعنی اونٹ اور بھیڑ بکری کے گوشت) کھانے کے بعد وضو کے معاملہ میں نبی ﷺ نے دو مختلف قسم کے حکم اپنی زبان مبارک سے صادر فرمائے ہیں۔ ایک کے کھانے کے بعد وضو کرنے کے معاملہ کو آدمی کی چاہت و مشیت پر موقوف رکھا ہے، مگر دوسری کے بعد پوری قطعیت و جزم کے ساتھ وضو کا حکم دیا ہے۔ چونکہ صیغہ امر اور لفظ امر اصلاً معنی وجوب کا فائدہ دیتا ہے^①۔

اور اصل سے بلا دلیل عدول جائز نہیں اور معاملہ میں کوئی بھی دلیل معتبر اصل سے عدول کے جواز پر موجود نہیں۔ جیسا تفصیل آگے آرہی ہے۔ اس لیے یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ اس فرمان نبوی میں ایک مطبوخ چیز کو موجب وضو یا بلفظ دیگر ناقض وضو قرار دیا گیا ہے، مگر دوسری مطبوخ چیز (یعنی بھیڑ بکری کے گوشت) کو ناقض وضو نہیں کہا گیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ چیزوں کا مطبوخ ہونا شریعت کی نظر میں ناقض وضو نہیں رہ گیا، ورنہ دو مطبوخ چیزوں سے وضو کے حکم میں مغایرت نہیں ہوتی، اس سے معلوم ہوا کہ مطبوخ چیزوں کے استعمال سے وضو کے بارے میں دربار نبوی سے دو مختلف قسم کے احکام صادر ہوئے ہیں، جو بظاہر متعارض اور ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔

اس ظاہری تعارض و اختلاف کو رفع کرنے کے لیے اہل علم نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق مختلف راستے اختیار کیے ہیں، اس سلسلے میں ہمارا حاصل تحقیق یہ ہے کہ مطبوخ چیزوں سے وضو کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی زبان سے مذکورہ بالا جو دو مختلف حکم صادر ہوئے ہیں، ان میں سے ترک وضو والا حکم مؤخر ہونے کی وجہ سے ناسخ ہے اور اس کے بالمقابل نقض وضو والا حکم مقدم ہونے کی وجہ سے منسوخ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ان دونوں حکموں کے زمانہ تقدیم و تاخیر کو بتلانے کے لیے حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی درج ذیل بات کہی ہے:

”كان آخر الامرین من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترك الوضوء مما مست النار.“^②
یعنی مطبوخ چیزوں سے وضو کے معاملہ میں بارگاہ نبوت سے صادر ہونے والے دو مختلف حکموں میں سے ترک وضو والا حکم آخری حکم ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث کا مطلب و معنی دوسری احادیث کے پیش نظر ہمارے نزدیک یہی ہے کہ مطبوخ چیزوں کے ناقض وضو ہونے کے متعلق دربار نبوی سے صادر ہونے والے دو مختلف حکموں میں سے ترک وضو والا حکم متاخر ہے، اس لیے وہ وجوب وضو والے حکم کا ناسخ ہے۔ ہم اپنے اختیار کردہ اس موقف کی تائید کرنے والے دلائل کا تذکرہ آگے کریں گے۔ یہاں ہم یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے اختیار کردہ اس موقف کے خلاف جن اہل علم کا یہ نظر یہ ہے کہ مطبوخ چیزوں

① الإحكام لابن حزم (۲/۳ تا ۳۲۲ باب ۱۲) و عام کتب اصول فقہ.

② سنن أبي داود مع عون المعبود، باب ترك الوضوء مما مست النار (۳۲۷/۱) و السنن للنسائي و صحيح ابن خزيمة (۲۸/۱) و المحلى لابن حزم (۱/۳۳۰) و السنن الكبرى للبيهقي (۱/۱۵۵، ۱۵۶) و معرفة السنن للبيهقي، وابن حبان، و كتاب الاعتبار للحازمي (ص: ۵۱)

کے ناقض وضو ہونے کا حکم ہی ناخ ہے اور ترک وضو والا حکم منسوخ ہے، ان کی تائید سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ سے مروی اس روایت سے ہوتی ہے کہ مطبوخ چیز کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار نماز پڑھنے کے لیے وضو کیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ کھانے سے پہلے با وضو تھے، پھر دوبارہ وضو کی کیا حاجت تھی؟ آپ نے فرمایا کہ ”الأمور تحدث، وهذا مما حدث“ یعنی احکام شرعیہ بدلتے رہتے ہیں اور اس معاملہ میں بھی تبدیلی ہوئی، مطلب یہ کہ اللہ کی طرف سے مطبوخ چیز کو ناقض وضو قرار دے دیا گیا ہے۔^① لیکن اس کی سند کے ایک راوی زید بن جبیرہ بن محمود کی بابت امام ذہبی نے کہا ہے ”ترکوه“^② اور حافظ ابن حجر نے کہا کہ یہ متروک ہیں۔^③ امام ابن معین نے انھیں ”لا شئی“ اور امام ابن ابی حاتم و بخاری نے منکر الحدیث کہا۔^④

حاصل یہ کہ یہ شخص بہت زیادہ مجروح ہے اور اسی سند میں عبداللہ بن صالح کا تب لیث کو بعض نے کذاب تک کہہ دیا ہے۔^⑤ الغرض حدیث مذکور ساقط الاعتبار ہے اور اس کی تائید میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث بھی مروی ہے:

”ما ترك النبي صلى الله عليه وسلم الوضوء مما مست النار حتى قبض.“^⑥

یعنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک مطبوخ چیز سے وضو کرنا ترک نہیں کیا۔

مگر اس حدیث کو امام جوزقانی نے باطل قرار دیا ہے۔ ان دونوں روایتوں کے ساقط الاعتبار ہونے میں کوئی شک نہیں ہے، مگر امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قابل فخر استاذ امام ابن شہاب زہری رضی اللہ عنہ بھی یہی کہتے تھے کہ مطبوخ چیزوں کے ناقض وضو ہونے کا حکم ناخ ہے۔^⑦

مگر ہمارے نزدیک امام زہری رضی اللہ عنہ کی یہ بات معتبر دلیل سے خالی اور دلائل ثابتہ کے معارض ہونے کی وجہ سے بے وزن ہے۔ جن اہل علم نے مطبوخ چیز سے وضو کے حکم کو ناخ قرار دیا ہے، ان کی طرف سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی اس حدیث کے بارے میں دو باتیں کہی جاتیں ہیں، جس سے مطبوخ چیز کے ناقض وضو ہونے کے حکم کے نسخ کا دعویٰ کیا گیا ہے، ایک یہ کہ حدیث مذکور میں ”امرین“ سے مراد مطبوخ چیز سے وضو کے وجوب و عدم کی بابت زبان نبوی سے نکلے ہوئے دو حکم نہیں، بلکہ امرین سے مراد ”حالتیں اور شانیں“ ہیں۔ یعنی کہ اس میں ایک طویل حدیث کے مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جس میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ بیان مذکور ہے کہ ایک دعوت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مطبوخ چیز کھا کر وضو کر کے نماز ظہر پڑھی، پھر ظہر بعد دوبارہ کھایا تو وضو دہرائے بغیر نماز عصر پڑھ لی۔^⑧

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر ہونے والے دو افعال کو اختصار کے پیش نظر ”امرین“ سے تعبیر کر دیا گیا ہے اور چونکہ ان دونوں فعلوں میں آخری فعل ترک وضو تھا اس لیے اسے ”آخر الامرین“ کے لفظ سے موسوم کر دیا۔ اس توجیہ کے مطابق یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطبوخ چیز کھانے کے بعد اس وجہ سے وضو نہیں کیا تھا کہ مطبوخ چیز ناقض

① سنن بیہقی (۱/ ۱۵۶، ۱۵۷) و کتاب الاعتبار للحازمی، و معجم کبیر للطبرانی، مجمع الزوائد (۱/ ۲۴۹)

② دیوان الضعفاء والمتروکین (ص: ۱۱۳) ③ تقریب التہذیب (ص: ۲۲۲)

④ میزان و لسان المیزان. ⑤ میزان، و تہذیب التہذیب، و مجمع الزوائد.

⑥ جوزقانی. ⑦ مصنف عبدالرزاق و کتاب الاعتبار للحازمی وغیرہ. ⑧ أبو داود وغیرہ.

وضو تھی، بلکہ کسی دوسرے سبب سے یہ وضو کیا تھا، کیونکہ اس وقت مطبوخ چیز شریعت کی نظر میں ناقض وضو نہیں تھی۔ دریں صورت یہ کہا جاسکتا ہے کہ مطبوخ چیز کے استعمال کے بعد وضو کرنے کا فرمان نبوی ترک وضو کے حکم سے متاخر ہونے کے سبب ناخ ہے، جیسا کہ اوپر سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہ کی ذکر کردہ روایت کا مفاد ہے اور امام زہری وغیرہ کا بھی یہی کہنا ہے۔

دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث مذکور اس لیے معلول ہے کہ اسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے محمد بن المنکدر رضی اللہ عنہ نے براہ راست سننے کے بجائے دراصل عبداللہ بن محمد بن عقیل کے واسطے سے سنا ہے، جن پر بعض اہل علم کو کلام ہے۔^① پہلی بات اس لیے بے وزن ہے کہ یہ بات صرف احتمال و ظن کی حیثیت رکھتی ہے، جس کے خلاف دلائل قویہ قائم ہیں، جیسا کہ تفصیل آ رہی ہے اور جس احتمال کے خلاف دلائل قویہ ہوں وہ بے وزن ہے۔ دوسری بات اس لیے بے وزن ہے کہ بعض روایات میں محمد بن المنکدر کی یہ صراحت ہے کہ

”سمعت جابر بن عبداللہ یقول... الخ“^② یعنی میں نے خود یہ حدیث جابر سے سنی ہے۔

البتہ اتنی بات صحیح ہے کہ ابن المنکدر نے حدیث مذکور عبداللہ بن محمد بن عقیل سے بھی سنی ہے اور عبداللہ مکر بھی بقول راجح صدوق وثقہ ہیں۔^③

جو لوگ اس باب کی دونوں مختلف حدیثوں کو ناخ و منسوخ کے بجائے محکم و قائم مانتے ہیں، وہ حکم وضو کو استجاب اور ترک وضو کو بیان جواز کے لیے مانتے ہیں۔ یہ لوگ بھی حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی بابت وہی بات کہتے ہیں جو حکم وضو والی حدیث کو ناخ مانتے ہیں، یعنی کہ حدیث جابر میں دو فعل نبوی کی حکایت کی گئی ہے۔ دریں صورت کہا جاسکتا ہے کہ پہلی مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مطبوخ چیز کھا کر بطور استجاب یا کسی دوسرے سبب سے وضو کیا تھا، مگر ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ بات محض احتمال و ظن پر قائم ہے، جس کے خلاف متعدد دلائل موجود ہیں۔

حاصل یہ کہ ہمارے نزدیک اس باب میں صحیح بات یہ ہے کہ ایک زمانہ تک شریعت میں مطبوخ چیزوں کا استعمال ناقض وضو تھا، لہذا اس زمانہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے وضو کا حکم دیتے اور خود بھی اس پر عمل کرتے تھے، لیکن اس کے منسوخ ہونے کے بعد آپ نے حکم جاری کر دیا کہ مطبوخ چیز کے استعمال سے وضومت کرو۔ نیز شریعت کے اس اصول کے تحت کہ وضو برقرار رہتے ہوئے تجدید وضو مستحب ہے، آپ نے یہ بھی فرما دیا کہ جی چاہے تو مطبوخ چیز کھا کر وضو کر بھی لو، ورنہ مطبوخ چیز کھانے سے فی نفسہ نہ تو وضو واجب ہوتا ہے اور نہ مستحب ہوتا ہے۔

حاصل یہ کہ جن صحابہ کا بیان ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مطبوخ چیز کے بعد وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے ان کا یہ مشاہدہ اس زمانے کا ہے جب شریعت میں مطبوخ چیزوں کا استعمال ناقض وضو تھا اور جن صحابہ کا بیان ہے کہ مطبوخ چیزوں کے استعمال کے بعد بلا اعادہ وضو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے نماز پڑھتے دیکھا ہے، ان کا وہ مشاہدہ مطبوخ چیزوں کے ناقض وضو ہونے کے حکم کے منسوخ ہوجانے کے بعد ہے، اس طرح تمام روایات میں تطبیق کی صورت نکل آتی ہے۔ خود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

① کتاب العلل لابن أبي حاتم، و نیل الأوطار، و تلخیص الحبیر.

② المحلی لابن حزم (۱/۳۳۰) و کتاب الاعتبار للحازمی (ص: ۵۰) و معرفة السنن للبیہقی.

③ عام کتب رجال.

نے دونوں زمانوں میں نبی ﷺ کے اس طرز عمل کا مشاہدہ کیا تھا اور اسے وہ بیان بھی کرتے تھے۔ چنانچہ موصوف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”عن أبي هريرة أنه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم يتوضأ من ثور أقط، ثم رآه أكل كتف شاة ولم يتوضأ.“^①

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے مشاہدہ کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پیر کے ٹکڑے کھا کر وضو کیا کرتے تھے، جو ایک مطبوخ چیز ہے، مگر بعد میں انھوں نے یہ دیکھا کہ آپ ﷺ نے گوشت کھا کر بلا اعادہ وضو نماز پڑھ لی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ مذکورہ بالا حدیث میں لفظ ”یتوضأ“ بصیغہ مضارع صاف طور پر بتلاتا ہے کہ ایک زمانہ میں مطبوخ چیزیں کھا کر رسول اللہ ﷺ وضو کیا کرتے تھے، جسے آپ نے بعد میں ترک کر دیا۔ مسند بزار میں یہ لفظ مضارع کے بجائے ماضی کے صیغہ سے منقول ہے، مگر اس سے ہمارے اس استدلال کو کوئی ضرر نہیں ہو سکتا، اس حدیث کی سند نہایت مضبوط اور صحیح ہے، اس لیے اس کو امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں درج کیا ہے۔ یہ معلوم بات ہے کہ امام ابن خزیمہ نے صحیح میں احادیث کی نقل کے لیے التزام صحت کیا ہے اور دوسرے اہل علم نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔^②

حدیث مذکور کو صاحب مجمع الزوائد نے مسند بزار کے حوالہ سے نقل کر کے کہا کہ ”رجالہ رجال الصحیح خلا شیخ البزار“ یعنی اس حدیث کے سبھی رواۃ حدیث صحیح کے رواۃ ہیں، سوا شیخ بزار کے۔ صاحب مجمع الزوائد نے کہا کہ بزار کے شیخ مذکور احمد بن ابان ثقہ ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ صحیح ابن خزیمہ و بیہقی میں حدیث مذکور جس سند سے مروی ہے اس میں بھی کسی قسم کی کوئی علت نہیں ہے، بلکہ یہ حدیث بہت زیادہ مضبوط، قوی اور صحیح سند سے مروی ہے۔^③ یہی وجہ ہے کہ امام ابن خزیمہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس صحیح حدیث کو شریعت کا ایک محکم قانون قرار دے کر بتلایا کہ یہ حدیث نبوی اس فرمان نبوی کی ناسخ ہے جس کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے کسی زمانہ میں مطبوخ چیز کو ناقض وضو بتلایا تھا۔ چنانچہ موصوف امام ابن خزیمہ نے درج ذیل الفاظ میں تبویب کر کے واضح کر دیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور مطبوخ چیز سے وضو کرنے کے حکم کی ناسخ ہے۔ ملاحظہ ہو:

”باب ذكر الدليل على أن ترك النبي صلى الله عليه وسلم الوضوء مما مست النار أو غيرت، ناسخ لوضوئه كان مما مست النار أو غيرت.“^④

یعنی اس باب میں اس دلیل کا ذکر ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مطبوخ چیز سے وضو کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ پھر امام ابن خزیمہ نے اس باب میں سب سے پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی یہی حدیث نقل کی بعد ازیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی مذکورہ بالا حدیث ذکر کی۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی حدیث مذکور کا مدلول و مقصود اور معنی مطلب از روئے حقیقت وہی ہے جو امام ابن خزیمہ نے سمجھا ہے، مگر اس بات کی مثالیں بہت ہیں کہ بعض اوقات حدیث نبوی کی روایت

① صحیح ابن خزیمہ (۲۷/۱) و سنن بیہقی (۱۶۵/۱) و مسند بزار، وقال في التعليق على الصحيح لابن خزيمه: إسناده صحيح

② مقدمه صحيح ابن خزيمه (۱۶/۱ تا ۲۳) ③ نیز ملاحظہ ہو: دراسات في الحديث النبوي (۱/۴۵ تا ۴۹)

④ صحیح ابن خزیمہ (۲۷/۱)

کرنے والے صحابی کا عمل مختلف اسباب و علل کی وجہ سے اپنی روایت کردہ حدیث کے مدلول و مقتضی کے مطابق نہیں ہوتا اور راوی کا اپنی روایت کردہ حدیث کے خلاف عمل حدیث کے لیے باعث قدح نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حج تمتع پر یہ کہہ کر پابندی لگائی کہ میں جانتا ہوں کہ حج تمتع کی مشروعیت قرآن مجید میں موجود ہے اور ہم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج تمتع کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کرنے کا حکم بھی دیا ہے، مگر مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ حرم میں احرام کھولنے کے وقفہ میں وطی و جماع کیا کریں۔^①

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کسی وجہ سے کسی حدیث پر اس حدیث کے راوی صحابی کا عمل نہ ہو تو وہ حدیث محض اتنی سی بات کے سبب معلول و ساقط نہیں قرار دی جاسکتی۔ دریں صورت بقول امام بیہقی بعض لوگوں نے حدیث مذکور کو یہ کہہ کر معلول قرار دینے کی جو بات کہی ہے کہ اس کے مقتضی پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا عمل نہیں تھا، بلکہ وہ وفات نبوی کے بعد بھی مطبوخ چیز کو ناقض وضوء مانتے اور دوسروں کو اس کا فتویٰ دیتے تھے۔^②

وہ درحقیقت کوئی قوت نہیں رکھتی، کیونکہ راوی حدیث صحابی کا اپنی روایت کردہ حدیث کے مقتضی و مدلول پر عمل نہ کرنا حدیث کے لیے قاذب نہیں ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ آیت تیمم کی تلاوت کرتے اور اس کا علم رکھتے تھے، مگر اس سے تیمم والی احادیث ساقط الاعتبار و معلول نہیں قرار پاسکتیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ارشاد ہے:

”أول ما فرضت الصلوة ركعتين، ثم أكملت أربعاً وأثبتت للمسافر.“^③

یعنی ابتداء میں نماز صرف دو رکعت فرض تھی اور یہی دو رکعت سفر کی حالت میں برقرار رہی، مگر حالت حضر اور اقامت میں چار رکعت کر دی گئی۔

اپنی روایت کردہ اس حدیث کے مقتضی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عمل نہیں تھا، مگر مصنف انوار اس حدیث کو ساقط الاعتبار و معلول نہیں مانتے۔

حاصل یہ کہ راوی حدیث کا خلاف حدیث عمل حدیث کے معلول و ساقط ہونے کا موجب نہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مقتضی حدیث جابر رضی اللہ عنہ کے مضمون کو دیکھتے ہوئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شریعت میں پہلے ایک زمانہ تک مطبوخ چیزوں کا استعمال ناقض وضوء تھا۔ اہل علم کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ دو مختلف قسم کے افعال نبویہ میں تقدیم و تاخیر کا علم ہونے پر فعل آخر کو فعل متقدم کا نسخ قرار دیا جائے، بشرطیکہ حکم نسخ لگائے بغیر چارہ نہ ہو۔ ہمارے نزدیک اس معاملہ میں حکم نسخ لگائے بغیر چارہ نہیں۔ ہمارے اس موقف کی تائید مختلف و متعدد روایات سے بھی ہوتی ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنی والدہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں گئے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا مطبوخ گوشت کھانے کے لیے دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے کھا کر بلا اعادہ وضوء نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے تو ”فأخذت

① صحیح مسلم وغیرہ۔ ② سنن بیہقی (۱/۱۵۵)

③ شرح معانی الآثار (۱/۲۴۵) و مسند عمر بن عبدالعزیز (ص: ۳۸ تا ۴۰) و موطأ امام مالک، و صحیح بخاری و مسلم وغیرہ۔

ثيابه فقالت ألا توضعاً يا رسول الله؟“ یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا پکڑ کر کہا کہ کیا آپ وضو کیے بغیر ہی نماز پڑھیں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کس لیے میں وضو کروں؟ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ”قد أكلت مما مست النار“ آپ نے مطبوخ چیز کھائی ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”إن أطهر طعامكم ما مسته النار“ یعنی پاکیزہ ترین کھانے کی چیز وہ ہوتی ہے جو مطبوخ ہو، مطلب یہ کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔¹

یہ حدیث صاف طور پر بتلاتی ہے کہ جس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر یہ واقعہ پیش آیا اس وقت تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ جانتی تھیں کہ مطبوخ چیز ناقض وضو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حکم کے خلاف اپنے گھر مطبوخ چیز کھا کر بلا اعادہ وضو نماز پڑھتے دیکھا تو ٹوک دیا کہ آپ بلا اعادہ وضو نماز کیوں پڑھ رہے ہیں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے غالباً سمجھا تھا کہ بھول چوک کے سبب آپ بلا اعادہ وضو نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے، مگر اصل معاملہ چونکہ یہ تھا کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا تھا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مذکورہ بالا بات کہی۔ حدیث مذکورہ کو مجتہد کبیر للطبرانی سے نقل کر کے صاحب مجمع الزوائد نے کہا ہے کہ اس کی سند میں محمد بن اسحاق اگرچہ مدلس ہیں مگر وہ ثقہ ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کی نظر میں صرف یہی ایک علت اس حدیث کی سند میں ہے، مگر یہ کوئی بڑی علت نہیں، کیونکہ ثقہ راوی کی علت تالیس اس بات سے بھی دور ہو سکتی ہے کہ وہ روایت کسی دوسری سند سے خواہ اس میں کچھ ضعف بھی ہو مروی ہو اور فاطمہ رضی اللہ عنہا والی یہ حدیث مسند احمد (۶/۲۸۳) اور مسند ابی یعلیٰ میں بھی مرسل سند سے مروی ہے۔² اور حنفی و مالکی مذہب میں مرسل حدیث حجت ہے اور صحیح بات وہ ہے جو امام شافعی نے دلائل و شواہد کی روشنی میں فرمائی کہ مرسل حدیث کی تائید اگر متصل حدیث سے ہو، خواہ اس متصل حدیث کی سند میں ضعف بھی کچھ ہو تو قوی ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کی تائید حضرت ابوامامہ سے مروی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صفیہ بنت عبدالمطلب نے مطبوخ چیز کھائی، اتنے میں مؤذن نے آ کر نماز کے لیے چلنے کو کہا، آپ بلا اعادہ وضو نماز کے لیے تیار ہو گئے تو مؤذن نے کہا کہ ”الوضوء الوضوء“ یعنی وضو فرمائیے، آپ نے فرمایا کہ: ”إنما الوضوء علينا مما خرج وليس مما يدخل“ یعنی وضو خارج ہونے والی چیز سے فرض ہوتا ہے، داخل ہونے والی سے نہیں۔

یہ حدیث بھی مجتہد طبرانی میں ہے اور سنداً ضعیف ہے۔³ اس روایت کا ذکر ہم نے محض بطور تائید کیا ہے۔ یہ روایت بھی اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایک زمانہ تک عام لوگ یہی سمجھتے تھے کہ مطبوخ چیز ناقض وضو ہے۔ اس کی تائید مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مطبوخ چیز کھا کر وضو کیا کرتے تھے۔ اسی لیے میں نے ایک بار جب دیکھا کہ آپ نے مطبوخ چیز کھائی اور نماز کا وقت ہے تو میں وضو کے لیے پانی لایا اس پر آپ خفا ہو کر مجھے ڈانٹنے لگے اور آپ نے بلا اعادہ وضو نماز پڑھ لی، یہ چیز مجھے گراں گزری، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کر کے اصل معاملہ دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

① رواہ الطبرانی في الكبير وفيه ابن إسحاق مدلس ثقة، و مجمع الزوائد (۱/۲۵۲)

② ملاحظہ ہو: مجمع الزوائد (۱/۲۵۳) ③ مجمع الزوائد (۱/۲۵۲)

”إنما أكلت طعاماً، ولو فعلت فعل الناس بعد ذلك.“¹
یعنی یہ تو میں نے صرف کھانا کھایا ہے، اگر کھا کر وضو کروں تو سبھی لوگ کریں گے۔
اس سے بھی معلوم ہوا کہ ابتداء میں مطبوخ چیزیں ناقض وضو تھیں۔

ان روایات سے صاف طور پر یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مطبوخ چیزوں سے وضو کا حکم استحباب کے لیے یا لغوی معنی میں نہیں تھا، کیونکہ اگر استحباب کے لیے ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو مطبوخ چیزیں کھا کر بلا اعادہ وضو نماز پڑھتے دیکھ کر صحابہ آپ کو ٹوکتے نہیں، اور لغوی معنی میں اس لفظ کے ہونے کی نفی ان روایات سے اس طرح ہوتی ہے کہ ان روایات میں نماز کے اوقات میں اس طرح کے واقعات کا ذکر ہے اور نماز کے وقت وضو شرعی ہوا کرتا ہے۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ یہ حدیث بھی ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے:

”أكل رسول الله صلى الله عليه وسلم مما غيرت النار، ثم صلى، ولم يتوضأ، وكان آخر أمره.“²
یعنی رسول اللہ ﷺ نے مطبوخ چیز کھائی اور بلا اعادہ وضو نماز پڑھی اور آپ کا آخری حکم یہی تھا کہ مطبوخ چیز کھانے سے وضو کرنا ضروری نہیں ہے۔

اس حدیث کا ظاہری مفاد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا آخری حکم یہ تھا کہ مطبوخ چیز کھا کر وضو کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی کا حال معلوم نہیں ہو سکا، مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ متعدد روایات ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں اور تعدد طرق و اسانید سے ان میں قوت آجاتی ہے، خصوصاً اس لیے کہ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث بالکل صحیح ہے۔

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اعتراض کا جواب:

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مطبوخ چیز سے وضو کرنے کا حکم نبی ﷺ سے صحابہ کرام کی ایک جماعت نے نقل کر رکھا ہے، اس کی نقل میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ منفرد نہیں ہیں، اس لیے اس حدیث کی روایت کرنے کے سبب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض ان سبھی صحابہ پر اعتراض کا موجب ہوگا۔ نیز یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ حکم ایک زمانہ تک معمول بہ تھا، بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اس لیے نسخ کے بعد مطبوخ چیز کا استعمال کر کے بلا اعادہ وضو نماز پڑھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو متعدد صحابہ نے بشمول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ دیکھا تھا، مگر اس کے باوجود معلوم نہیں کیوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور متعدد صحابہ وفات نبوی کے بعد بھی مطبوخ چیز کو ناقض وضو مانتے رہے اور بہت سے مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی صحابہ و تابعین کے مابین اچھا خاصا اختلافی مسئلہ بنا ہوا تھا، اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مطبوخ چیز سے وضو ٹوٹنے پر دلالت کرنے والی حدیث کی روایت کرنے کے سبب مطعون کرنا ویسے ہی ہے جس طرح نکاح منعہ کے معاملہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو مطعون کیا جانے لگے۔

1 مسند أحمد والطبرانی، ورجاله ثقات، وكتاب الإعتبار للحازمي، و مجمع الزوائد (۱/ ۲۵۱)

2 سنن بیہقی (۱/ ۱۵۶) و مجمع کبیر للطبرانی و فیہ یونس ولم أر من ذکره، مجمع الزوائد (۱/ ۲۵۲)

پکی ہوئی چیز کو ناقض وضو نہ ماننے پر بعض صحابہ کا اعتراض:

یہ حقیقت اہل علم پر مخفی نہیں کہ جس طرح مطبوخ چیز کو ناقض وضو ماننے پر بعض صحابہ معترض تھے، اسی طرح اس کے خلاف موقف رکھنے والوں پر بھی بعض صحابہ معترض تھے۔ دریں صورت اگر اس معاملہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا جائز ہو سکتا ہے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف موقف رکھنے والوں پر بھی ہو سکتا ہے۔ بسند قوی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

”کانوا عند المغيرة بن شعبة فأكلوا لحماً وثريداً، وخزجوا من عنده فجعلوا يصلون ولا يتوضؤون، فقال أبو مسعود: انظر يصلون ولا يتوضؤون.“¹

یعنی لوگ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، وہاں انھوں نے گوشت اور ٹرید کھایا اور وہاں سے نکل کر بلا اعادہ وضو نماز پڑھنے لگے، اس پر ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انھیں دیکھو بلا وضو کیے ہی نماز پڑھ رہے ہیں!

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ مطبوخ چیز کا استعمال کر کے وضو نہ کرنے والوں پر حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ جیسے بدری اور عظیم المرتبت صحابی نے اعتراض کیا۔ دریں صورت مصنف انوار مطبوخ چیز کو ناقض وضو نہ ماننے والے صحابہ و غیر صحابہ کی بابت کیا فتویٰ دیتے ہیں؟ اسی طرح حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ صحابی بھی ان لوگوں پر معترض ہوتے تھے جو مطبوخ چیز کھانے کے بعد وضو کیے بغیر نماز پڑھ لیتے تھے۔² مگر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بعد میں اس سے رجوع کر لیا تھا۔ (کما سیاتی) مطبوخ چیز کھا کر وضو نہ کرنے پر صحابہ و تابعین کے معترض ہونے کی متعدد روایات ہیں، مگر بنظر اختصار ہم صرف اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

پکی ہوئی چیز کو ناقض وضو ماننے پر بعض صحابہ کا اعتراض:

جس فقہ حنفی کی تقلید و مدح سرائی مصنف انوار اپنا فریضہ زندگی بنائے ہوئے ہیں، وہ فقہ فقہ عراقی و کوفی کے نام سے بھی موسوم و مشہور ہے، اور موطا امام مالک و غیرہ میں بسند صحیح مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ عراق سے مدینہ منورہ واپس آئے تو ان کے پاس حضرت ابوطلمحہ رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پہنچے، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے انھیں کھانا کھلایا اور خود بھی کھایا، پھر حضرت انس وضو کرنے لگے حضرت ابوطلمحہ رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا:

”ما هذه العراقية التي أحدثتها؟ وفي رواية: ما هذا يا أنس أعرابية؟“³

یعنی کیا آپ نے یہ مسئلہ عراق سے سیکھا ہے؟ یہ کون سا عراقی مسئلہ ہے جسے آپ نے ایجاد کر رکھا ہے؟

چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کوفہ و بصرہ کے زمانہ قیام میں مطبوخ چیز کو ناقض وضو سمجھتے رہے، ابو قلابہ نے کہا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ حجاج بن یوسف کے پاس سے یعنی زمانہ قیام عراق میں بحالت خفگی یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اس شخص نے لوگوں کے ساتھ کھانا کھایا، پھر بلا وضو کیے ان سبھی لوگوں نے نماز پڑھ ڈالی۔ یعنی کہ مطبوخ چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ گیا تھا، اس لیے بلا

¹ مصنف ابن أبي شيبة (١/ ٥٤) ² مصنف ابن أبي شيبة (١/ ٥١) و مصنف عبدالرزاق.

³ موطأ إمام مالك: باب ترك الوضوء مما مست النار و مصنف عبدالرزاق (١/ ١٧٠) و بيهقي.

اعادہ وضو نماز نہیں پڑھی جاسکتی ہے۔¹

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مطبوخ چیز کے ناقض وضو ہونے کا مسئلہ عراقیوں کا مسئلہ تصور کرتے تھے اور اسی مسئلہ پر حضرت انس رضی اللہ عنہ عراق میں عامل تھے، پھر مدینہ آنے پر اس معاملہ میں موصوف پر جب بعض صحابہ نے اعتراض کیا تو انھیں افسوس ہوا اور انھوں نے کہا کہ: ”لیتینی لم أفعَل“ کاش میں نے ایسا نہ کیا ہوتا۔ (موطأ امام مالک وغیرہ) انھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں مصنف انوار اور ان کے ہم خیالوں کا دعویٰ ہے کہ ان کی زیارت سے بہرہ ور ہو کر امام صاحب درجہ تابعیت کو پہنچے۔ فقہ عراقی کی تقلید و مدح سرائی کو اپنا فریضہ زندگی بنانے والے مصنف انوار نے اس عراقی مسئلہ پر عامل ہونے کے بجائے طعن کرنا شروع کر دیا۔ اگر عراق میں رہنے والے صحابی کا اختیار کردہ مسلک مصنف انوار کی نظر میں قابل طعن ہے تو فقہ حنفی کی بابت موصوف کی اس بات کا کیا معنی ہے کہ ”جو شخص کسی مسئلہ میں یہ سمجھے کہ امام ابو حنیفہ سے غلطی سرزد ہوگئی اور حق بات امام صاحب کے خلاف ہے، وہ چوپایہ جانور سے بھی زیادہ گمراہ ہے۔“² عراق کے رہنے والے امام ابو حنیفہ سے مصنف انوار کی یہ عقیدت اور وہیں کے صحابی کے اختیار کردہ مسلک کے خلاف یہ زہر افشانی کیا معنی رکھتی ہے کہ اس مسلک پر دلالت کرنے والی احادیث کے راوی صحابہ کو غیر فقیہ اور خلاف اصول شرع احادیث کا روایت کنندہ کہتے پھر رہے ہیں؟ ان احادیث اور ان کی روایت کرنے والے صحابہ کے خلاف مصنف انوار کی یہ جارحانہ محاذ آرائی کس علمی و دینی و تحقیقی نقطہ نظر سے درست ہے؟

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عجیب و غریب قسم کے مسائل صحابہ کی نظر میں عراقی لوگ ہی ایجاد کیا کرتے تھے۔ احادیث مذکورہ اور ان کی روایت کرنے والے صحابہ کے خلاف جارحانہ محاذ آرائی کرنے والے مصنف انوار نے مسئلہ زیر بحث میں امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی کافی ناراضگی اور برہمی کا اظہار کیا ہے، وہ اس وجہ سے کہ مطبوخ چیزوں سے نقض وضو کے حکم عام سے بھیڑ بکری کے گوشت کو امام شوکانی مخصوص و خارج مانتے ہیں۔³ مصنف انوار کے مدوح صاحب جوہر النقی نے بھی اس حکم عام سے بھیڑ بکری کے گوشت کے خاص و خارج ہونے کے خیال کا اظہار کیا ہے۔⁴ اور یہ معلوم ہے کہ صاحب جوہر النقی امام شوکانی سے پہلے ہیں، مگر انھیں اپنا ہم مذہب سمجھ کر مصنف انوار نے نشانہ طعن نہیں بنایا، لیکن امام شوکانی کو بنایا ہے۔⁵ اس سلسلے میں ہم کو امام شوکانی سے اختلاف ہے، لیکن ان کے خلاف مصنف انوار نے جس جارحیت سے کام لیا ہے، اس کا جائزہ آئندہ صفحات میں لیا جائے گا۔

بعض روایات میں ہے کہ مطبوخ چیز کے ناقض وضو ہونے پر دلالت کرنے والی حدیث نبوی کی روایت کرتے ہوئے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ”أنتوضأ من الحمیم؟ أنتوضأ من الدهن.“⁶ یعنی کیا ہم گرم پانی اور تیل کے استعمال سے بھی وضو کریں؟

1 مصنف عبدالرزاق (۱/۱۷۳) و مصنف ابن ابي شيبة وغيره.

2 مقدمہ انوار (۱/۱۶۸) 3 نیل الأوطار: باب استحباب الوضوء مما مست النار (۱/۲۴۶)

4 الجوهر النقی مع سنن بیہقی (۱/۱۵۵) 5 انوار الباری (۶/۱۲، ۱۳) 6 ترمذی و أحمد.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ بات بظاہر حضرت ابی ہریرہ کی روایت پر اعتراض ہے، حالانکہ اگر حکم شریعت یہی ہو کہ مطبوخ چیز ناقض وضو ہے تو اسے تسلیم کرنے میں کسی مسلمان کو کوئی بات کہنے کی جرأت نہیں ہونی چاہیے چہ جائیکہ حضرت ابن عباس سے اعتراض کی توقع ہو، مگر چونکہ وہ اپنی آنکھوں سے اس بات کا مشاہدہ کر چکے تھے کہ مطبوخ چیز کھا کر بلا اعادہ وضو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی، اس لیے ان کی سمجھ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ زہر بحث حدیث نبوی کا مطلب نہیں آ رہا تھا کہ اگر آگ سے پکی ہوئی چیزیں ناقض وضو ہیں تو کیا تیل اور گرم پانی کے استعمال کرنے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا اور اس کی وجہ سے ہمیں وضو کرنا ہوگا؟

ہمارے خیال سے اس معاملہ کو اچھی طرح سمجھنے اور اپنے ذہنی خلیجان کو دور کرنے کی غرض سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے استاذ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مندرجہ بالا قسم کا طالب علمانہ سوال بصورت اعتراض کیا تھا اور اس کے جواب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابھی بطور تمہید صرف مندرجہ ذیل بات کہہ سکے تھے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ذہنی الجھن رفع ہوگئی:

”یا ابن أخي! إذا سمعت حدیثنا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا تضرب له مثلاً.“

یعنی حدیث نبوی کے مقابلہ میں کوئی مثال مت بیان کیا کرو۔

چونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اتنی ہی بات سننے سے حضرت ابن عباس مطمئن نظر آنے لگے، اس لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی بات وہیں ختم کر دی، اگر ابن عباس رضی اللہ عنہ مطمئن نہ ہو گئے ہوتے تو ضرور سلسلہ سوال جاری رکھتے۔

حاصل یہ کہ جس طرح عام تلامذہ توضیح مجمل و حل مشکل کے لیے اپنے استاذ سے بصورت اعتراض سوالات کرتے رہتے ہیں، اسی طرح مذکورہ بالا معاملہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے استاذ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رفع الجھن کے لیے سوال کیا تھا، پھر موصوف اپنے استاذ کی صرف مندرجہ بالا بات ہی سن کر مطمئن ہو گئے، کیونکہ ذہین و فطین طلبہ بسا اوقات صرف معمولی اشارے سے اصل معاملہ سمجھ جاتے ہیں، جب کہ غبی و کند ذہن لوگ لمبی لمبی تقریروں سے بھی نہیں سمجھ پاتے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اپنے استاذ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مذکورہ بالا جواب پا کر مطمئن و خاموش ہو گئے، مگر مصنف انوار جیسے لوگ آج تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی بات کو دلیل بنا کر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زہر افشانی میں مصروف ہیں!!

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ سوال محض یہ معلوم کرنے کے لیے کیا تھا کہ ان کے استاذ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس سوال کا کوئی معقول و شافی جواب رکھتے ہیں یا نہیں؟ ورنہ مطبوخ چیز سے وضو نہ ٹوٹنے کا موقف انھوں نے محض اس لیے اختیار کر رکھا تھا کہ خود انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطبوخ چیز کھانے کے بعد بلا وضو کیے نماز پڑھتے دیکھا تھا، یا یہ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ روغن سے وضو ٹوٹنے اور نہ ٹوٹنے کے معاملہ میں اپنے استاذ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مسلک و موقف جاننا چاہتے تھے اور انھیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایسا صحیح جواب دیا جو شریعت کے مزاج کے عین مطابق ہے، خود ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی احادیث کے مقابلہ میں قیاس آرائی کو ناجائز سمجھتے تھے۔¹

حُششیٰ احکام نے امام ابن حزم رحمہ اللہ پر یہ بے جا اعتراض کیا ہے کہ ابن عباس نے اپنی بات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر بطور

① تفصیل کے لیے ملاحظہ: الإحکام فی أصول الأحکام (۷/۱۵۲، ۱۵۳)

اعتراض ہی کبھی تھی، یہ سمجھ کر کہ مطبوخ چیز سے وضو ٹوٹنے کا موقف ابو ہریرہ نے محض اپنی رائے سے اختیار کیا ہے یا حدیث منسوخ پر عمل کرتے ہوئے۔

حُشی کی پہلی بات تو واضح طور پر اس طرح باطل ہے کہ جامع ترمذی وغیرہ میں بسند صحیح صراحت ہے کہ ابن عباس کے سامنے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوری وضاحت سے یہ فرمان نبوی ذکر کیا تھا کہ مطبوخ چیز ناقض وضو ہے، جس پر ابن عباس نے سوال مذکور کیا تھا۔¹

اس لیے یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ ابن عباس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر محض یہ سمجھ کر اعتراض کیا تھا کہ انھوں نے یہ موقف اپنی رائے و قیاس سے اختیار کیا ہے اور حُشی کا دوسرا اعتراض اس لیے بیجا ہے کہ حدیث منسوخ بیان کرنے والے صحابی کی بیان کردہ حدیث منسوخ پر اس قسم کا اعتراض صحابہ کے مزاج کے خلاف ہے، صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ حدیث مذکور منسوخ ہے یا اس مفہوم کی کوئی بات کہنی چاہیے۔

الحاصل حدیث مذکور پر ابن عباس کے اعتراض کی وہی توجیہ صحیح ہے جو ہم نے عرض کی۔ (کما لا یخفی) اور اگر بالفرض یہ توجیہ صحیح نہ مانی جائے تو یقیناً ابن عباس کا اعتراض غلط ہے، حضرت ابن عباس و ابن مسعود وغیرہ سے مروی بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ پکی ہوئی پاک و طاہر چیز کے کھانے سے وضو کیونکر ٹوٹ سکتا ہے؟² حالانکہ ابن عباس ہی کا موقف ہے کہ ایک پاک صاف انسان اپنے تمام اعضاء کو ہاتھ سے چھوئے تو وضو نہیں ٹوٹتا، لیکن اگر شرم گاہ چھو دے تو ٹوٹ جائے گا۔³

سوال یہ ہے کہ شرم گاہ بھی پاک ہے، جب اس کے چھونے سے وضو ٹوٹ سکتا ہے تو پکی ہوئی پاک چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹنے پر تعجب کی کیا بات ہے؟ اسی طرح مصنف انوار جن ابن مسعود رضی اللہ عنہ و ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ و حماد کو مذہب حنفی کا مورث کہا کرتے ہیں، وہ اپنی شرم گاہ چھونے سے وضو ٹوٹنے کے اگرچہ قائل نہیں ہیں، مگر فرماتے ہیں کہ اگر پاک و طاہر عورت کو چھو دے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔⁴ ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ پاک چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹنے کے موقف پر آپ کو اعتراض ہے مگر پاک و طاہر چیز کے چھونے سے وضو ٹوٹنے کے موقف پر کیوں اعتراض نہیں ہے؟

مصنف انوار شرم گاہ چھونے کے معاملہ میں ابن عباس اور عورت کو چھونے کے معاملہ میں اپنے مورثین کے مسلک کے خلاف دوسری رائے رکھتے ہیں، مگر ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرد اپنی شرم گاہ سے عورت کی شرم گاہ کو چھو دے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔⁵ ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ عورت کے سارے جسم حتیٰ کہ شرم گاہ کو ہاتھ سے چھونے سے تو وضو نہ ٹوٹے، لیکن اگر شرم گاہ کو شرم گاہ سے چھو دے تو وضو کیونکر ٹوٹ جائے گا، جب دونوں شرم گاہیں پاک بھی ہوں؟

الحاصل اس معاملہ میں موقف ابی ہریرہ پر قیاسی اعتراض بے جا ہے، البتہ چونکہ ابو ہریرہ کا موقف جس حدیث پر مبنی ہے، وہ منسوخ ہے، اس لیے ہم موقف ابی ہریرہ کو غیر صحیح مانتے ہیں، حضرت ابن مسعود و عائشہ و ابن عباس رضی اللہ عنہم و ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ کسی مؤمن کو بری بات کہنے کو ناقض وضو مانتے ہیں۔⁶

1 جامع ترمذی مع تحفة الأحوذی (۱/۸۱، ۸۲)

2 مصنف عبدالرزاق و مصنف ابن أبي شيبة.

3 مصنف ابن أبي شيبة و عبدالرزاق و غیرہ.

4 مصنف ابن أبي شيبة و عبدالرزاق و غیرہ.

5 عام کتب فقہ حنفیہ.

6 المحلی ابن حزم (۱/۳۵۶، ۳۵۷)

مگر حنفی لوگ نہیں مانتے۔ ابو زیاد سے مروی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ و ابن عباس رضی اللہ عنہما تنور میں بھنے جانے والے ایک بکری کو کھانے کے لیے منتظر تھے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اسے جلدی نکالو، ہم کھائیں، کہیں نماز نہ فوت ہو جائے۔ چنانچہ اسے نکالا گیا، ان حضرات نے کھایا اور نماز سے پہلے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وضو کرنے لگے تو ابن عباس نے کہا: کیا ہم نے کوئی نجس چیز کھائی ہے کہ وضو کریں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”أنت خیر منی وأعلم ثم صلوا۔“ یعنی آپ اس بات کو مجھ سے بہتر جانتے ہیں اور مجھ سے اچھے ہیں۔¹

یہ روایت باعتبار سند ساقط و غیر معتبر ہے، کیونکہ اس کے مدار علیہ راوی ابو زیادہ کا حال معلوم نہیں، یعنی کہ موصوف مجہول ہے۔ البتہ تاریخ کبیر للبخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص حضرت ابن عباس یا حسن بن علی کا مولیٰ تھا، یعنی اس شخص کی تعیین نہیں ہو سکی۔ ابو زیاد مولیٰ حسن کو بعض نے ثقات میں ذکر کیا ہے مگر عدم تعیین کے سبب یہ بمنزلہ مجہول ہے۔ ابو زیاد مولیٰ ابن عباس کی کسی نے توثیق نہیں کی، امام ابو حاتم نے الجرح والتعديل میں اس شخص کا ذکر کیا ہے۔² مگر ان پر کسی قسم کی جرح یا تعدیل نہیں کی، جس کا حاصل یہ کہ موصوف مجہول ہے، لہذا یہ روایت ساقط الاعتبار ہے۔

اس روایت کو امام بخاری نے تاریخ کبیر میں مختصراً ذکر کیا ہے لیکن اس میں مطبوخ چیز کھانے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے وضو کرنے اور اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مندرجہ بالا اعتراض کا تذکرہ نہیں ہے۔ اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جس انداز میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا تھا، اسی انداز میں انھیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب بھی دیا کہ آپ کو اس بات کا علم زیادہ ہے کہ آپ نے نجس چیز کھائی ہے یا پاک چیز؟ بہر حال یہ روایت چونکہ غیر معتبر ہے، اس لیے اس سے کوئی نتیجہ نہیں اخذ کیا جا سکتا۔ ویسے اس روایت کا مفہوم بتلاتا ہے کہ اگر نجس چیز کھائی جائے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جائے گا۔ حالانکہ یہ بات ابن عباس رضی اللہ عنہ کے موقف کے خلاف ہے کہ ”الوضوء مما خرج لا مما دخل“ یعنی کسی بھی کھائی ہوئی چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا۔³

حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ پر خلیفہ راشد کا عمل:

یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ مطبوخ چیزوں کے ناقض وضو ہونے پر دلالت کرنے والی حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے بیک واسطہ (عبداللہ بن ابراہیم بن قارظ زہری رضی اللہ عنہ وغیرہ) روایت کرتے تھے اور اس پر موصوف عمر بن عبدالعزیز عمل پیرا بھی تھے۔⁴

یعنی کہ موصوف خلیفہ راشد اس حدیث کی روایت کرنے اور اس پر عمل کرنے کے سبب مصنف انوار کے اختراع کردہ اصول سے نعوذ باللہ غیر فقہیہ اور خلاف اصول شرع احادیث کے روایت کنندہ قرار پائے!

واضح رہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ امام ابوحنیفہ کے عظیم المرتبت اساتذہ کے بھی استاذ تھے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ کے متعدد اساتذہ کا بھی یہی مسلک تھا، جس کی تفصیل کتب حدیث میں موجود ہے اور اس پر گفتگو آئندہ آئے گی۔ امام صاحب کے ان

① مصنف ابن ابي شيبة (١/١٥٠) ② الجرح والتعديل (جلد: ٩) ③ مصنف عبدالرزاق وغيره.

④ مسند عمر بن عبدالعزیز للباغندي (ص: ٢٥، ٢٦) و سنن نسائي مع تعليقات سلفية (١/٢٤) و كتاب الاعتبار للحازمي وغيره.

استاذہ کی بابت مصنف انوار کا کیا خیال ہے؟ کیا یہ سب کے سب غیر فقیہ اور خلاف اصول شرع احادیث کے روایت کنندہ تھے؟ صرف امام صاحب ہی فقیہ تھے؟!

پکی ہوئی چیز سے وضو ٹوٹنے کے معاملہ میں علامہ انور شاہ کا موقف:

لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف انوار کے وہ استاذ جن کے مجموعہ افادات کے نام سے انوار الباری شائع کی جا رہی ہے، یعنی علامہ انور شاہ کشمیری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس حدیث کو اصول شریعت کے خلاف نہیں سمجھتے اور نہ اس کی روایت کرنے والے صحابہ کو غیر فقیہ کہتے ہیں بلکہ وہ اسے منسوخ بھی نہیں کہتے، یعنی موصوف اس کو محکم اور صحیح حدیث قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:

”مطبوخ چیز کے استعمال سے وضو کرنے کا حکم بہت سی احادیث نبویہ میں آیا ہے، جس کو اگرچہ بعض لوگوں نے منسوخ کہا ہے، مگر میرے نزدیک اس کے نسخ پر کوئی دلیل نہیں، شاہ ولی اللہ نے کہا کہ مطبوخ چیز سے وضو مستحب ہے۔ اور میں کہتا ہوں (یعنی انور شاہ فرماتے ہیں) کہ میرے نزدیک یہ حکم استحباب کے لیے تو ضرور ہے، مگر صرف خواص کے لیے عوام کے لیے نہیں۔ اسی طرح میرے نزدیک شرمگاہ اور عورت کو چھونے اور اونٹ کے گوشت کھانے سے وضو کا حکم استحباب کے لیے بجن خواص ہے، میری اس بات میں کوئی بعد بھی نہیں، کیونکہ ہمارے فقہاء (یعنی فقہائے اہل الرأی) نے ان سے کہیں معمولی باتوں کے سبب وضو کو واجب قرار دیا ہے، مثلاً غیر محرم کو دیکنا، چغل خوری، الغرض ان چیزوں سے حکم وضو نقض وضو کے سبب نہیں بلکہ ملائکہ سے تشبہ و تقرب کے لیے ہے۔ بعض نے اگرچہ اس حدیث کو وضو کے لغوی معنی یعنی ہاتھ منہ دھونے کے معنی پر محمول کیا ہے، مگر میرے نزدیک یہ خلاف متبادر ہے، کیونکہ نہ تو طبیعت ہی اسے قبول کرتی ہے اور نہ اسلاف کے عمل سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اگر تم احادیث کو لغوی معنی پر محمول کرنا ضروری سمجھتے ہو تو اس کو اس ناقص وضو ہی پر محمول کرو، جس کا ذکر حافظ سیوطی نے جامع میں بحوالہ المختارہ لضیاء المقدسی کیا ہے۔“¹

علامہ انور شاہ نے اپنی مندرجہ بالا بات العرف الشذی میں بھی کہی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مصنف انوار الباری جس حدیث کو خلاف اصول شرع اور جس کی روایت کو غیر فقیہ ہونے کی دلیل قرار دیتے ہیں، اسے ان کے وہ شیخ انور شاہ قانون محکم و قابل عمل بتلاتے ہیں جن کے مجموعہ افادات کے نام پر انوار الباری شائع کی جا رہی ہے۔

علامہ انور کا یہ بیان کہ ”ہمارے فقہاء نے غیر محرم کو دیکھنے اور چغل خوری کو ناقص وضو کہا ہے۔“ کتب فقہ حنفی میں مذکور نہیں اور نہ یہ حنفی مذہب کا مسئلہ ہے، البتہ امام ابراہیم نخعی کا مسئلہ ضرور ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ کہنے پر علامہ انور کی نکیر:

لطف کی بات یہ ہے کہ جن ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو مصنف انوار غیر فقیہ و خلاف اصول شرع احادیث کا روایت کنندہ بتلاتے ہیں، انھیں ان کے شیخ اکبر حافظ حدیث علامہ انور شاہ فقیہ کہتے ہیں اور غیر فقیہ کہنے والوں پر نکیر بھی کرتے ہیں۔² حد یہ کہ امام

② فیض الباری (۲/ ۲۳۱)، کتاب البیوع

① ملاحظہ ہو: فیض الباری (۱/ ۳۰۵، ۳۰۶)

ابوحنیفہ کے قابل فخر استاذ امام زہری حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور ہی کو ناخ ماننے ہیں^① اور علامہ سرحسی حنفی نے کہا ہے کہ صحابہ کی شان میں گستاخی کرنے والا ملحد و کافر ہے۔ (تفصیل کا انتظار کریں)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ کہنے پر مصنف جواہر المصنئہ قرشی حنفی و دیگر احناف کی تکمیر:

مصنف جواہر المصنئہ (جن پر مصنف انوار کو بہت اعتماد ہے) فرماتے ہیں:

”امام عبدالعزیز حنفی نے تحقیق میں کہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ فقیہ تھے۔ اسباب اجتہاد میں سے کوئی بھی چیز ان سے معدوم نہیں تھی۔ وہ صحابہ کے زمانہ میں فتویٰ دیتے تھے اور اس زمانے میں فقیہ آدمی ہی فتویٰ دیتا تھا۔ اور میں کہتا ہوں (یعنی قرشی کہتے ہیں) کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یقیناً فقیہ تھے۔ ہمارے شیخ سبکی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ تیار کیا ہے۔^②

مذکورہ بالا بات مصنف انوار کے دوسرے شیخ اکبر علامہ شبیر نے بھی کہی ہے۔^③

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے استاد تھے:

علمائے رجال نے ابن عباس کو بصراحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا شاگرد کہا ہے۔ اس کا ایک زبردست ثبوت یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ کے سامنے طلاق کا ایک مسئلہ پیش ہوا، ابن عباس نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا: حضرت! یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے، اس کا جواب آپ ہی ارشاد فرمائیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فوراً اس کا جواب دیا اور اسی جواب پر ابن عباس اور دیگر حضرات نے عمل کیا۔^④ اسی طرح ابن عباس نے نماز کا ایک مسئلہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا اور ان کے بتلانے کے مطابق عمل کیا۔^⑤ اس سے معلوم ہوا کہ مشکل مسائل میں ابن عباس اپنے استاذ محترم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ اس سے مصنف انوار کے اس خیال کی تکذیب ہوتی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ سمجھتے تھے اور ان کی روایت حدیث پر اعتراض و تنقید کرتے تھے، ورنہ وہ مسائل مشککہ کے حل کے لیے حضرت ابو ہریرہ کی طرف رجوع نہ کرتے، البتہ ابن عباس پر صحابہ کرام کی طرف سے بہت سے اعتراضات ہوئے ہیں۔ ان اعتراضات میں سے بعض کا تذکرہ اس لیے ضروری ہے کہ مصنف انوار کے اس پروپیگنڈہ کی حقیقت معلوم ہو سکے کہ فقہاء صحابہ چونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ سمجھتے تھے اس لیے ان کی روایت حدیث پر اعتراض کرتے تھے، کیونکہ اگر اعتراض معترض علیہ کے عدم تفقہ کی دلیل ہو تو ابن عباس کو بھی غیر فقیہ کہا جانا چاہیے، حالانکہ ہمارے نزدیک یہ اصول قطعی طور پر باطل ہے۔ کسی کے بعض مسائل غلط بھی ہو سکتے ہیں اور ان پر اعتراض بھی صحیح ہو سکتا ہے، مگر اس کے باوجود اسے غیر فقیہ قرار دینا درست نہیں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ابن عباس نے متعدد روایات کی ہیں۔^⑥

① کتاب الاعتبار و فتح الباری (۱/۳۳۱) ② جواہر المصنئہ (۲/۴۱۸)

③ فتح الملہم شرح صحیح مسلم (۱/۱۱) ④ سنن أبي داود مع عون المعبود: کتاب الطلاق (۲/۲۲۷، ۲۲۸)

⑤ مصنف ابن أبي شيبة (۲/۲۳۶) ⑥ دفاع عن أبي هريرة للشيخ عبدالمنعم (ص: ۹۸)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر وارد ہونے والے بعض اعتراضات کا ذکر:

یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کتاب و سنت کے خلاف یہ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ نقدی کو نقدی کے ساتھ تقاضل سے فروخت کرنا جائز ہے۔ ان کے اس فتویٰ پر مشہور صحابی حضرت ابوسعید نے یہ اعتراض کیا کہ آپ یہ فتویٰ کیوں دیتے ہیں، جب کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان اس کے خلاف ہے۔¹

اس مسئلہ میں فتویٰ دینے سے پہلے اگر ابن عباس اپنے استاذ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کر لیتے جس طرح کہ مندرجہ بالا مسئلہ طلاق میں کیا تھا تو خلاف سنت فتویٰ نہ دیتے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس باب میں انھیں وہی حدیث نبوی سنا دیتے جس کو ابوسعید نے ان کے فتویٰ کے خلاف بطور حجت پیش کیا تھا، کیونکہ ابوسعید والی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔² یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عباس نکاح متعہ کے جواز کے قائل تھے اور خلفاء راشدین کے زمانہ کے بعد بھی جواز متعہ کا فتویٰ دیتے تھے۔ ان کے اس فتویٰ پر صحابہ کرام خصوصاً عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے سخت اعتراض کیا حتیٰ کہ سخت ترین سزا دینے کی بھی دھمکی دی۔³ اگر اس قسم کا کوئی اعتراض ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت حدیث پر ہوتا اور ان پر روایت حدیث کی پابندی عائد کی گئی ہوتی اور عدم تعمیل پر سزا کی دھمکی دی گئی ہوتی تو معلوم نہیں مصنف انوار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کس قدر مطعون کرتے۔

یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضرت ابن عباس اور دوسرے کئی صحابہ و علی بلا انزال کو موجب غسل نہیں مانتے تھے اور اس سلسلہ میں منسوخ حدیث سے استدلال کرتے تھے۔⁴ ابن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے صحابی بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے مگر اس حدیث کی روایت اور اس کے مطابق عمل کی بنا پر مصنف انوار ان صحابہ کو غیر فقیہ نہیں کہتے ہیں اور نہ یہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ خلاف اصول شرع حدیثیں بیان کرتے تھے!!

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اجمالی موازنہ:

مصنف انوار کا یہ ارشاد بھی قابل ملاحظہ ہے کہ:

”حافظ ابن قیم نے تفقہ کی بنیاد پر ابن عباس کو ابو ہریرہ پر فضیلت دی ہے۔“⁵

ہم کہتے ہیں کہ یہ حافظ ابن قیم کا یا دیگر کچھ لوگوں کا اپنا ذاتی خیال ہو سکتا ہے، ورنہ درحقیقت مجموعی طور پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بالمقابل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ زیادہ فقیہ تھے اور انھیں ابن عباس پر باعتبار مجموعی بہت زیادہ فضیلت بھی حاصل تھی۔ دونوں صحابہ کے مابین تفقہ اور دیگر فضائل و مناقب کے مابین موازنہ بہت زیادہ باعث طولت ہوگا، مگر چند باتیں پیش نظر رکھیے:

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بالاتفاق کبار صحابہ میں سے ہیں اور یہ متفق علیہ چیز ہے کہ صغار صحابہ پر کبار صحابہ کو بہت زیادہ فضیلت حاصل ہے۔

² کتب حدیث بالخصوص مسند طیالسی.

¹ مسند طیالسی (ص: ۲۸۸، مسانید اُبی حذیفہ)

³ صحیح مسلم وغیرہ. ⁴ کتاب الاعتبار للحازمی (ص: ۲۹، ۳۰) ⁵ ملخص از مقدمہ انوار (۱/۲۲)

- ۲- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مہاجر ہیں، ان کے برعکس ابن عباس مہاجر نہیں ہیں اور مہاجر اور غیر مہاجر میں بہت فرق ہے، مہاجر کا رتبہ غیر مہاجر سے کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔
- ۳- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متعدد مرتبہ حضور کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے، اس کے برعکس ابن عباس رضی اللہ عنہ کو معیت نبوی میں کبھی جہاد کا شرف حاصل نہیں ہوا۔
- ۴- دور نبوی و عہد صدیقی و فاروقی میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو سرکاری عہدے دیے گئے، جو ان کے فقیہ زیرک اور دانا ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے، اس کے برعکس وفات نبوی کے وقت ابن عباس کی عمر دس سال کے لگ بھگ تھی۔ ظاہر ہے کہ اس عمر میں موصوف کوئی قابل ذکر کارنامہ نہیں انجام دے سکتے تھے۔ موصوف ابن عباس کو دور فاروقی میں بھی کوئی سرکاری عہدہ نہیں دیا گیا اور دور نبوی و فاروقی میں سرکاری عہدہ پانے والے کو بعد کے فقیہ پر بہر حال فوقیت حاصل ہے۔
- ۵- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابن عباس کے استاد تھے اور انھوں نے کئی مرتبہ شفیق استاد کی حیثیت سے ابن عباس کی رہنمائی کی تھی، اور مصنف انوار کا دعویٰ ہے کہ مرتبہ استاد کا بڑا ہے نہ کہ شاگرد کا۔
- ۶- حضرت ابو ہریرہ سے کبار صحابہ علوم عامہ میں رجوع کرتے تھے، خصوصاً علم حدیث میں فاروق اعظم، عثمان، علی اور دیگر کئی عشرہ مبشرہ و اکابر ان سے حدیث معلوم کرتے۔ ظاہر ہے کہ اتنی عظیم الشان شخصیات جس کی طرف علوم و فنون میں رجوع کریں اس کا مرتبہ علوم و فنون میں اس صحابی پر بہر حال فائق ہوگا، جو اتنی عظیم شخصیات کا مرکز نگاہ نہ ہو۔
- ۷- یہ بہت واضح بات ہے کہ علوم و فنون کی جتنی ترویج و اشاعت اور دین کی جتنی خدمت بذریعہ جہاد و سرکاری عہدہ حضرت ابو ہریرہ نے کی ہے، اس کے بالمقابل ابن عباس کی علمی و دینی خدمات بہت کم ہیں۔
- ۸- حضرت ابن عباس کے کئی فقہی تفردات ایسے ہیں جو نصوص کتاب و سنت و اجماع امت کے خلاف ہیں، مثلاً وہ خلافت عبداللہ بن زبیر کے زمانہ تک نکاح متعہ کے جواز کے قائل تھے۔ ابن عباس بیع صرف میں تفاضل کے قائل تھے، حالانکہ نصوص شرعیہ میں اس کی ممانعت ہے۔ قرآنی آیت ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾ والی آیت میں ابن عباس ”إلا اللہ“ پر وقف لازم نہیں مانتے تھے، حالانکہ ان کا یہ خیال بھی نصوص اور عام صحابہ کے خلاف ہے، مگر حضرت ابو ہریرہ میں اس طرح کی کوئی بات نہیں پائی گئی، بلکہ ان کی رہنمائی سے ابن عباس نے بعض معاملات میں اپنے سابق خیال سے رجوع کیا۔
- حاصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک مذکورہ بالا بنیادی اسباب کے تحت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مقام مجموعی اعتبار سے علم و فقہ اور تمام چیزوں میں بڑھا ہوا ہے، البتہ جزوی طور پر کسی خاص معاملہ میں انھیں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر فوقیت حاصل ہونے سے لازم نہیں آتا کہ مجموعی اعتبار سے ابو ہریرہ ان پر فوقیت نہیں رکھتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے صرف اضافی اور اعتباری طور پر ابن عباس کو فضیلت دی ہے، یعنی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ ابو ہریرہ کی بہ نسبت زیادہ فقیہ تھے، ابن قیم نے اعلام الموقعین وغیرہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فقیہ ہونے کی تصریح کی ہے۔^۱

حافظ ابن قیم کے قول میں ابو ہریرہ کی بہ نسبت ابن عباس کے زیادہ فقیہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابو ہریرہ فقیہ ہی نہیں تھے اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ابو ہریرہ خلاف اصول شرع احادیث بیان کرتے تھے۔ اگر امام ابو حنیفہ کو ابو یوسف و محمد زفر کی بہ نسبت زیادہ فقیہ مان لیا جائے تو اس سے یہ کہاں سے لازم آیا کہ ابو یوسف و محمد زفر فقیہ ہی نہیں تھے یا یہ لوگ خلاف اصول شرع احادیث بیان کرتے تھے؟ کیا امام ابو حنیفہ کے کسی مسئلہ پر ابو یوسف و محمد کے اعتراضات نہیں ہوئے ہیں؟ کیا ان اعتراضات کے سبب امام ابو حنیفہ غیر فقیہ ہو گئے؟ نیز ان اعتراضات کے سبب مصنف انوار یہ کیوں نہیں کہتے کہ امام ابو حنیفہ خلاف اصول شریعت احادیث روایت کرتے اور فقہی مسائل وضع کرتے تھے؟ بینوا و توجروا!

کیا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو اپنے سے زیادہ عالم بتلایا ہے؟

ابو زیاد سے مروی ہے:

”شهدت ابن عباس و أبا هريرة، وهم ينتظرون جديا لهم في التنور، فقال ابن عباس: آخر جوه لنا لا يفتنا الصلوة فأخرجوه فأكلوا منه، ثم أن أبا هريرة توضأ، فقال ابن عباس: أكلنا رجساً؟ قال: فقال: أنت خير مني وأعلم، ثم صلوا.“¹

یعنی میں ابن عباس اور ابو ہریرہ کے پاس موجود تھا، یہ لوگ تنور میں بھونے جانے والے بکری کے ایک بچے کے منتظر تھے کہ تیار ہو تو کھائیں، ابن عباس نے اسے نکلوایا اور سب نے کھایا۔ اس کے بعد ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وضو کرنے لگے، ابن عباس نے کہا کہ کیا ہم نے کوئی نجس چیز کھائی ہے کہ وضو کریں؟ ابو ہریرہ نے کہا کہ آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اور مجھ سے بہتر ہیں۔

اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس کو اپنے سے بہتر اور زیادہ صاحب علم تسلیم کیا ہے، حالانکہ اس کا مطلب دراصل صرف اتنا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے طنزیہ انداز میں جواب دیا کہ کھائی ہوئی چیز کے نجس ہونے نہ ہونے کا آپ کو زیادہ علم ہے، لیکن ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس کے راوی ابو زیاد مجہول و غیر معروف ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو روایت حدیث سے روک دیے جانے کے مسئلہ پر بحث:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلا وجہ مطعون کرنے والے مصنف انوار کو شائد یہ خبر نہیں کہ ایک مرسل روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ابن مسعود، ابو درداء اور ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہم پر پابندی عائد کر کے حکم دیا تھا کہ تم لوگ روایت حدیث مت کرو، بلکہ انھیں مدینہ منورہ سے باہر جانے سے بھی منع کر دیا تھا۔² اور مصنف انوار کے مذہب میں روایت مرسل حجت ہی نہیں بلکہ جو لوگ مرسل روایت کو حجت نہ مانیں وہ سخت قابل طعن و تشنیع ہیں۔ حتیٰ کہ فرماتے ہیں:

”دوسری صدی کے بعد حدیث مرسل و حسن سے استدلال و احتجاج کے خلاف نظریہ پیدا ہوا، حالانکہ متقدمین اس

① مصنف ابن أبي شيبة (١/٥٠)، باب من كان لا يتوضأ مما مست النار

② الإحكام لابن حزم (٢/١٣٩) و طبقات ابن سعد (٢/١٠٠)، قسم دوم) و مجمع الزوائد (١/٥٩) و تذكرة الحفاظ للذهبي رحمه الله.

سے برابر حجت پکڑتے تھے۔^①

لہذا مصنف انوار کے مذہبی اصول سے ثابت ہوا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت حدیث پر پابندی عائد کر دی گئی تھی، اس لیے مصنف انوار کے اصول و ضوابط کے مطابق کہا جاسکتا ہے کہ ابن مسعود اور ابو درداء وغیرہ کی روایت پر صحابہ کو اعتراض تھا، کیونکہ وہ انہیں غیر فقیہ سمجھتے اور خلاف اصول شرع احادیث کا روایت کنندہ جانتے تھے۔ کیا اس سے ابن مسعود اور دیگر صحابہ کی شان میں گستاخی روا ہے؟ پھر ابو ہریرہ پر مصنف انوار طرح طرح کے مطاعن کیوں روا رکھے ہوئے ہیں؟ اور نہ صرف روا بلکہ ان مطاعن کو فخر کے ساتھ ”تحقیق“ کا نام دیتے ہیں!!

اس مرسل حدیث سے صاف عیاں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا معلم بنا کر حضرت عمر نے نہیں بھیجا تھا، حالانکہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ حضرت ابن مسعود کو کوفہ بھیجا گیا تھا۔ اگر حدیث مرسل حجت ہوتی تو ابن مسعود کے مدینہ میں محبوب کر دینے والی روایت کیونکر خلاف درایت ہوتی؟

حاصل گفتگو:

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ زیر بحث حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ کی نقل و روایت عدم نقاہت کی دلیل نہیں، البتہ ہمارے نزدیک یہ حدیث منسوخ ہے اور بعض کے نزدیک ناسخ ہے اور بعض کے نزدیک یہ ناسخ ہے نہ منسوخ، بلکہ محکم و برقرار ہے۔ البتہ کبھی بھی اس کا حکم وجوب کے لیے نہیں تھا، بلکہ ہمیشہ سے اس کا حکم استحباب کے لیے ہے اور بعض کے نزدیک اس حدیث میں لفظ وضو شرعی معنی کے بجائے لغوی میں استعمال ہوا ہے اور بعض کے نزدیک اس حدیث کا معنی و مطلب کچھ اور ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آئے گی۔ اس سے قطع نظر کہ حدیث مذکور کے ناسخ و منسوخ قرار دینے یا اس کے معنی و مطلب متعین کرنے میں کونسا نقطہ نظر صحیح ہے، حدیث مذکور کو خلاف اصول شرع احادیث بیان کرنے والے صحابہ کی روایت کردہ احادیث کی مثال میں پیش کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ اسے نقل کرنے والے جمیع صحابہ یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ، ام سلمہ، ام حبیبہ، زید بن ثابت، ابو ایوب، ابو موسیٰ اور سہل بن حنظلہ وغیرہم غیر فقیہ اور خلاف اصول شرع احادیث بیان کرنے والے ہیں اور ان میں اکثر صحابہ مکثرین حدیث ہیں۔

ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے اس بیان سے جملہ مکثرین صحابہ کی سخت اہانت لازم آتی ہے اور ان کی عظمت و وقعت شان بھی مجروح ہوتی ہے، خصوصاً حضرت ابو ہریرہ کی، مگر یہ بیان ہو چکا ہے کہ بعض احناف نے ابو ہریرہ کو غیر فقیہ کہنے پر نکیہ بھی کی ہے۔ صحابہ کرام کی شان میں اس قسم کی باتیں لکھنے کے باوجود مصنف انوار کو شکوہ یہ ہے کہ محدثین نے حسد و عناد کے سبب ائمہ احناف کی وقعت شان گرانے کی کوشش کر رکھی ہے، حالانکہ موصوف کا محدثین کو حسد و عناد کی طرف منسوب کرنا ہی سراسر امر واقع کے خلاف ہے۔ (کما مر)

اوپر مصنف انوار کا یہ بیان ہم نقل کر آئے ہیں کہ ”فرمان نبوی میں ترویج و اشاعت حدیث کی ترغیب دی گئی ہے۔“ اور یہ معلوم ہے کہ ہر فرمان نبوی کی تعمیل کبار صحابہ دوسروں کے بالمقابل زیادہ سرگرمی و جانفشانی کے ساتھ کرتے تھے۔ دریں صورت مصنف انوار کا یہ دعویٰ کیسے صحیح ہو گیا کہ کبار صحابہ کی اکثریت روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی؟!

اشاعت حدیث کے لیے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حکم فاروقی:

ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ باعتراف مصنف انوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذریعہ تحدیث و روایت احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کا حکم دیا تھا، چنانچہ اس فرمان نبوی کی تعمیل صحابہ کرام کرتے تھے۔ ہم نقل کر آئے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما روایت حدیث کا حکم دیتے اور خود بھی حتی الوسع ترویج حدیث کا اہتمام کرتے تھے۔ نیز یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے تمام ممالک اسلامیہ کے عمال کے نام فرمان جاری کیا تھا کہ علوم قرآن اور احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت کا اہتمام کریں اور حضرت عمر نے یہ طرز عمل حضرت ابو بکر صدیق کی پیروی میں اختیار کیا تھا۔ اس حکم عام کے ساتھ یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت ابو ہریرہ سے کہا:

”فاذهب فحدث“^① یعنی آپ جا کر احادیث نبویہ کی تحدیث و روایت کیجیے۔

صرف یہی نہیں بلکہ کبار صحابہ حضرت عمر، عثمان، علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے احادیث نبویہ معلوم کرتے رہتے تھے جس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ یہ حضرات حضرت ابو ہریرہ کو تحدیث و روایت کے ذریعہ ترویج و اشاعت حدیث کی ترغیب دلاتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ سے خلفاء راشدین کا تلمذ:

الاصابة فی معرفۃ الصحابہ (۲/۲۰۹) اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں زیر ترجمہ ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ صراحت موجود ہے کہ خلفائے راشدین میں سے حضرت عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور بقیہ عشرہ مبشرہ میں سے طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ احادیث نبویہ کی معلومات حاصل کرنے کے لیے حضرت ابو ہریرہ کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان سے روایت بھی کرتے تھے۔ خلیفہ مروان بن الحکم ایک بار حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی کثرت روایت پر معترض ہوا، مگر اسے جب یہ معلوم ہوا کہ اتنے بڑے اکابر حضرت عمر فاروق وغیرہ بھی موصوف کی روایت کردہ حدیث پر اعتماد کرتے اور اس سلسلے میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے تو وہ اعتراض سے باز آ گیا۔^② لیکن مصنف انوار میں مروان جیسی بھی سلیم الطبعی و عقلمندی نہیں ہے کہ وہ حضرت ابو ہریرہ کے خلاف زہر افشانی سے باز آ جائیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ۹ھ والے اس حج میں احکام قرآنیہ کے اعلان کے لیے مامور و متعین کیا تھا جس میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر الحج مقرر کیا تھا۔^③

ظاہر ہے کہ اتنا بڑا اقدام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اجازت نبوی کے بعد کیا ہوگا اور یہ چیز اس امر کی صریح دلیل ہے کہ حیات نبوی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ کو غلوں اور پھلوں کی نگرانی پر مامور کیا تھا، اسی زمانہ میں انھوں نے ابلیس کو پکڑ لیا تھا اور اس نے انھیں آیت الکرسی کی فضیلت بتلائی تھی۔^④

دور نبوی و صدیقی میں ابو ہریرہ کے معاون و گورنر بنانے کا تذکرہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی عظمت شان اس بات سے نمایاں ہے کہ دور نبوی میں جو لوگ سرکاری عہدے پر مامور و متعین

① إصابہ بحوالہ مسند مسدد بن مسرہد (۴/۲۰۹) نیز ملاحظہ ہو: البداية والنہایة، ترجمۃ أبي ہریرة.

② بخاری و مسلم وغیرہ.

③ صحیح بخاری و مسلم و نسائی وغیرہ.

کیے جاتے تھے وہ نگاہ نبوی میں بلند پایہ متقی، پرہیزگار، فقیہ اور سمجھ دار ہوتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ وہ جہاں بھیجے جاتے تھے علوم کتاب و سنت کی ترویج و اشاعت بھی کرتے تھے، کیونکہ انھیں نبی ﷺ کی طرف سے اس کا حکم رہتا تھا۔

حافظ ابن حجر ناقل ہیں کہ غزوہ جرانہ سے واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حضرت العلاء بن الحضرمی کو بحرین کا گورنر بنا کر بھیجا تو ان کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا اور حضرت العلاء کو ابو ہریرہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا، جب یہ لوگ مدینہ منورہ سے آگے بڑھے تو العلاء نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ حضور نے مجھے آپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، آپ بتلائیے کہ کیا کیا چیزیں آپ کو پسند ہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

”آپ مجھے مؤذن بنا دیجیے اور یہ کہ آئین کہنے میں مجھ سے سبقت نہ کیجیے۔“¹

اتنی تفصیل کے ساتھ یہ روایت و اقدی سے مروی ہے جو ساقط ہے، مگر اصل واقعہ اپنی جگہ پر صحیح سند سے مروی ہے۔ سعید بن منصور نے امام ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ ابو ہریرہ بحرین میں عہدہ اذان پر مامور تھے اور انھوں نے امام (العلاء بن الحضرمی) سے شرط کر رکھی تھی کہ مجھ سے پہلے آئین مت کہیے گا۔² حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی موصوف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بحرین کے عامل رہے۔³ اور کسی صاحب عقل و ہوش پر یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ بارگاہ نبوی و صدیقی و فاروقی سے سرکاری عہدہ پر مامور کیا جانے والا صحابی ضرور فقیہ ہوگا اور وہ ان کے حکم کی پابندی کرتے ہوئے بذریعہ تحدیث و روایت احادیث نبویہ کی ترویج و اشاعت بھی کرتا ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مکمل و مختصر تعارف:

اس جگہ موقع و محل کی مناسبت سے ہم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مختصر سا تعارف موزوں سمجھتے ہیں، ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں:

اصل و نسل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اصلاً و نسلًا سرزمین یمن کے باشندے تھے اور وہاں کے عظیم المرتبت قبیلہ دوس کے فرد فرید تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

”الإيمان يمان، والفقہ يمان، والحكمة يمانية.“⁴

یعنی یمن میں ایمان و فقہ و حکمت بدرجہ اتم ہیں۔

مذکورہ بالا فرمان نبوی سے یمن کے تفقہ و حکمت کی فضیلت اور اہل یمن کی ایمانی عظمت ظاہر ہوتی ہے جس کی بنا پر یمنی الاصل صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے فقیہ و حکیم ہونے سے کوئی بھی صحیح عقل و سلیم الفطرت انسان انکار نہیں کر سکتا۔ دریں صورت تفقہ و حکمت میں حضرت ابو ہریرہ کی عظمت و فضیلت ناقابل انکار ہے۔

① طبقات ابن سعد (۴/۷۶، قسم دوم)

② فتح الباری (۲/۲۱۷) و دلائل النبوة (ص: ۵۰۱) و مصنف ابن أبي شيبة (۲/۴۲۷) و الأنوار الكاشفة (ص: ۲۲۴)

③ طبقات ابن سعد و الأنوار الكاشفة (ص: ۲۲۹) و فتوح البلدان (ص: ۳۹) و كتاب الخراج لأبي يوسف (ص: ۱۱۴) وغیره

④ صحيح بخاري و مسلم و أحمد وغيره.

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”أبو هريرة وعاء العلم.“^① و ”حكيم هذه الامة أبو هريرة.“^②

قرآن عزیز نے کہا ہے: ﴿مَنْ يُؤْتِ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾^③ گویا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کو بفرمان

نبوی اللہ رب العزت کی طرف سے تفقہ و حکمت حاصل تھی۔ عام اہل علم حکمت کا مطلب بھی تفقہ و سنن نبویہ بتلاتے ہیں۔^④

مگر مکذوبہ روایت کی بدولت امام صاحب کو فارسی النسل قرار دے کر ان پر حدیث ”لو كان الدين معلقا بالشرية لناله رجال من أبناء فارس“ کو منطبق کر کے نیز ”أبو حنيفة سراج أمتي“ جیسی وضعی روایت کی بدولت مدح الی حنیفہ کی مہم چلانے والے لوگ حافظ الصحابہ سید المحدثین حضرت ابو ہریرہ کو غیر فقیہ اور خلاف اصول شرع احادیث کا روایت کنندہ کہہ کر مطعون کرتے ہیں۔ حالانکہ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے ملک یمن کے بارے میں صاف طور پر مذکورہ بالا حدیث نبوی وارد ہے اور صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث کے مصداقین میں حضرت ابو ہریرہ بھی ضرور داخل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کے وطن عزیز کی طرف رخ کر کے فرمایا:

”اللهم أقبل بقلوبهم وبارك لنا في صاعنا ومدنا.“^⑤

یعنی اے اللہ! اہل یمن کے قلوب ہماری طرف متوجہ کر دے اور ہمارے صاع و مد (مراد اہل یمن کے غلہ جات و

طعام) میں برکت دے۔

اس سے بھی حضرت ابو ہریرہ کے وطن عزیز کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوئی اور اس اعتبار سے اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی بھی فضیلت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کی برکت سے جو اہل یمن خدمت نبوی میں آئے ان میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ بعض اہل تفسیر نے ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ کی تفسیر میں ”نصر اللہ“ کا مطلب اہل یمن کا ایمان و قبول اسلام بتلایا ہے۔^⑥ ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کو رسول اللہ ﷺ نے قبول بشارت کی ترغیب دی اس پر ان لوگوں نے مال طلب کیا تو حضور ﷺ کو غصہ آ گیا، لہذا آپ نے اہل یمن سے فرمایا کہ تمہیں یہ بشارت قبول کرو، جب کہ بنو تمیم نے انکار کر دیا ہے، اہل یمن نے بخوشی یہ بشارت قبول کر لی۔^⑦

اس سے اہل یمن کا تفوق و تفقہ ثابت ہے اور حضرت ابو ہریرہ یمن کے جلیل القدر صحابی اور حضور ﷺ کے منظور نظر تھے، یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ کے قبیلہ دوس کے فرد تھے اور ارشاد نبوی ہے کہ:

”إني أقبل هدية إلا من قرش - أو أنصارض أو دوسي.“ الحدیث.^⑧

یعنی میں عرب کے فلاں فلاں قبیلہ ہی کا ہدیہ قبول کر سکتا ہوں ان میں سے ایک قبیلہ دوس بھی ہے۔^⑨

① المستدرک (۵۰۹/۳) ② منتخب کنز العمال (۲۱۷/۵) والاستيعاب (۸/۱)

③ الجامع لإحكام القرآن (۲۳۰/۲۰) و عام کتب تفسیر آیت مذکورہ.

④ مسند أحمد و جامع الترمذي مع تحفة الأحوذی (۲۷۷/۴) باب فضل الیمن) ⑤ عام کتب حدیث.

⑥ بخاری و مسلم و نسائی و ترمذی. ⑦ أبو داود (انسائی، ترمذی مع تحفة الأحوذی (۳۷۹/۴، ۳۸۰)

⑧ نیز ملاحظہ ہو: مسند أحمد مع تعلیقات لامہ أحمد شاکر: ۹۷، ۱۳ و جامع ابن وہب: ۵۷ و مسند حمیدی: ۲/۵۵۴ بأسانید صحیحہ)

اس حدیث نبوی سے بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے، مگر تعصب و تنگ نظری کے سبب بصیرت و بصارت سے محروم شخص حق بنی و حق نبی سے محروم رہا کرتا ہے۔

صحیح بخاری و مسلم اور مسند حمیدی (۲/۴۵۳) وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ ابتدائے زمانہ میں دوس کے جاہلی اطوار سے دل برداشتہ ہو کر خدمت نبوی میں عرض گزار ہوئے کہ آپ قبیلہ دوس پر بددعا کر دیجیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی: ”اللهم اهد دوساً“ یعنی اے اللہ تو قبیلہ دوس کو ہدایت دے! امام سمعانی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ قبیلہ دوس کے عظیم المرتبت صحابی طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ ابتدائے اسلام میں مکہ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ سرزمین یمن میں میرا قبیلہ دوس ایک مستحکم قلعہ کی حیثیت رکھتا ہے آپ ہجرت کر کے وہیں چلے چلیے۔^①

اس روایت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ کی عظمت و شرافت کا پتہ چلتا ہے قبیلہ دوس قبیلہ ازد کی ایک شاخ ہے۔^② اور ازد کی بھی کتب حدیث میں بڑی فضیلت منقول ہے۔^③ حضرت ابو ہریرہ کے چچا سعد بن ابی ذباب رضی اللہ عنہ قبیلہ دوس کے بادشاہ تھے، جب یہ مسلمان ہو گئے تو انھی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ دوس کا امیر بنایا اور وفات نبوی کے بعد انھیں امیر المؤمنین ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے بھی ان کے عہدہ پر برقرار رکھا۔^④ قبیلہ دوس کے بہت سارے خاندان خصوصاً ابو ہریرہ کے اہل خاندان مسلمان ہو کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تھے۔^⑤ حضرت ابو ہریرہ کی والدہ امیمہ بنت صفح بن حارث بھی قبیلہ دوس ہی کی خاتون تھیں۔^⑥ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ بھی صحابیہ ہیں اور حضرت ابو ہریرہ کے والد صحیح بھی بروایت ابن الکلی صحابی ہیں۔^⑦

مگر ابن الکلی ضعیف ہیں، البتہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ماموں سعد بن صفح رضی اللہ عنہ قبیلہ دوس کے بہادر ترین آدمی تھے، یہ بھی صحابی ہیں۔^⑧ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خود اس بات کی تصریح کی ہے کہ مسلمان ہونے سے پہلے ان کا جاہلی نام عبد شمس تھا۔ اخرجہ ابن خزیمہ بسند صحیح یہ نام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر عبد الرحمن یا عبد اللہ رکھ دیا تھا۔^⑨ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ کنیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رکھی ہوئی ہے۔^⑩ کنیت مذکورہ کا سبب ان کی ایک چھوٹی سی بلی سے یا بلیوں سے محبت ہے، بلی کو عربی زبان میں ہرہ کہتے ہیں، جس کی تصغیر ہریرہ ہے۔^⑪ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حلیف بھی تھے۔^⑫

① نیز ملاحظہ ہو: الإصابة في معرفة الصحابة للحافظ ابن حجر رحمه الله (۲/۲۲۵ ذکر طفیل)

② ملاحظہ ہو: الأنساب للسمعاني (۲/۴۰۱، ۴۰۲) و صحیح مسلم و مستدرک (۴/۷۶) و مسند أبي عوانة (۱/۴۷)

③ طبقات خلیفہ بن خیاط (۸۱۴) ④ تحفة الأحوذی مع ترمذی أبواب المناقب.

⑤ (کتاب الأموال لأبي عبي (ص: ۴۹۶) و مصنف ابن أبي شيبة (۳/۱۳۴۲) و مسند أحمد (۴/۷۹) و تاریخ کبیر

للبخاری (۲/۴۶، قسم دوم)

⑥ الدفاع عن أبي هريرة للشيخ عبد المنعم (ص: ۱۸ تا ۲۱) ⑦ المعارف لابن قتيبة (ص: ۲۷۷)

⑧ فتح الباري (۹/۱۶۴) ⑨ طبقات ابن سعد (۴/۳۲۵) و إصابه.

⑩ تهذيب التهذيب و استيعاب، ترجمة أبي هريرة. ⑪ المستدرک (۳/۵۰۶ بسند صحیح)

⑫ جامع ترمذی وغیرہ. ⑬ کتاب الکنی للدولابی (۱/۶۱)

نیز یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے، مگر موصوف ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں ۷ھ میں اپنے قبیلہ کے ستر گھرانوں کے ساتھ آئے تھے اس وقت موصوف کی عمر تیس سال تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام:

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اصحابہ میں ایک روایت اس طرح نقل کی ہے کہ قبیلہ دوس کے مشہور و معروف سردار و شاعر حضرت طفیل بن عمیر ابتدائے اسلام ہی میں مکہ مکرمہ آ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور مسلمان ہو گئے۔¹ اسلام کے شرف سے مشرف ہو کر موصوف اپنے وطن یمن واپس چلے گئے، اس وقت وہ جذبہ تبلیغ سے بھر پور تھے، چنانچہ موصوف جب مکہ سے اپنے وطن واپس چلے گئے تو انھوں نے اپنے پورے قبیلہ کو دعوت اسلام دی، اس موقع پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تنہا وہ دعوت قبول کی، پھر بعد میں وہاں زیادہ لوگ مسلمان ہوئے۔²

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ابتدائے اسلام ہی میں مسلمان ہو گئے تھے، البتہ دربار نبوی میں حاضری کا شرف محرم ۷ھ میں حاصل ہوا تھا جب کہ آپ بسلسلہ غزوہ خیبر میں مقیم تھے۔³ حاصل یہ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ قدیم الاسلام ہیں، وہ دربار نبوت میں پہنچنے سے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے، امام المغازی حضرت امام محمد بن اسحاق کی روایت میں ہے کہ ”کان وسيطافي دوس“ یعنی حضرت ابو ہریرہ قبیلہ دوس کے ممتاز فرد اور شرفاء میں سے تھے۔⁴

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سفر ہاجرت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے وابستہ ہونے کے لیے کئی آدمیوں کے ساتھ یمن سے مدینہ منورہ پہنچے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں بسلسلہ غزوہ قیام پذیر تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کا انتظار کیے بغیر مدینہ میں ایک رات گزاری اور بعد نماز فجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لیے خیبر کی جانب روانہ ہو گئے۔ مدینہ سے خیبر تک کا سامان سفر مدینہ کے نائب امیر سباع بن عرفطہ رضی اللہ عنہ نے کرایا تھا۔⁵

ظاہر ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت سے یعنی محرم ۷ھ سے لے کر وفات نبوی ربیع الاول ۱۱ھ تک یعنی تقریباً ساڑھے چال سال تک خدمت نبوی میں رہے، بعض روایات میں ہے کہ موصوف تین سال خدمت نبوی میں رہے اور بعض میں ہے کہ تین سال سے کچھ زائد۔⁶ مگر یہ حقیقی اختلاف نہیں کیونکہ موصوف اپنی ہجرت سے وفات نبوی تک اگرچہ ساڑھے چار سال زندہ رہے، مگر اس ساڑھے چار سالہ مدت میں سے اچھی خاصی مدت ہجرین میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے معاون گورنر کے طور پر مدینہ منورہ (یعنی صحبت نبوی) سے دور رہے، نیز بعض جہادی مہموں میں بھی موصوف باہر رہے، اس طرح ان مختلف روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے اور کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا۔

1 إصابہ و طبقات ابن سعد (۳۵۳/۱) و مستدرک (۲۵۹/۳)

2 إصابہ (۲۲۶، ۲۲۵/۲) تذکرہ طفیل و طبقات ابن سعد.

3 تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: الأنوار الكاشفة للعلامة المعلى اليماني (ص: ۱۴۴ و ۲۰۴) وحاشية أنساب للمعلمي أيضا.

4 حاشية الأنساب، والمستدرک (۵۰۶/۳) 5 طبقات ابن سعد (۵۴/۴) قسم ثانی 6 طبقات ابن سعد وغیره.

مگر صاف ظاہر ہے کہ جب موصوف محرم ۷ھ میں ہجرت کر کے خدمت نبوی میں آئے اور وفات نبوی ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوئی تو اس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ حضرت ابوہریرہ چار سال سے زیادہ نبی ﷺ سے مستفید ہوتے رہے، جیسا کہ اہل علم نے بخوبی تصریح کی ہے کہ سفر ہجرت میں ترک وطن اور مسافرت کی شدت سے ابوہریرہ اگرچہ درمیان راستے میں پریشان ہوئے، مگر محض اس بناء پر خوش تھے کہ دارالکفر سے نجات پا کر دارالہجرت اور دارالسلام پہنچ رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں انھوں نے ایک شعر بھی کہا:۔

يا ليلة من طولها وعنائها

على أنها من دارة الكفر نجت¹

جس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے تھے ان کی عمر تیس سال سے قدرے زیادہ تھی۔² حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں اگرچہ فقر و فاقہ و جفاکشی کی زندگی گزاری، مگر ہجرت سے پہلے وہ امیر کبیر آدمی تھے، جس کی بڑی دلیل یہ ہے کہ مدینہ میں ان کے پہنچنے سے قبل ان کا ایک بھگوار غلام بھاگ کر مدینہ آچکا تھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اپنے غلام کو لے لو، مگر موصوف نے اسے راہ خدا میں آزاد کر دیا۔³

ظاہر ہے کہ امیر آدمی ہی غلام رکھتے ہوں گے، مگر موصوف نے اس مسافرت کی حالت میں غلام کے ذریعہ عیش و عشرت کا سامان کرنے کے بجائے رضائے الہی کے لیے غلام آزاد کر دیا اور خود علوم نبوی کے حصول کے لیے قوت لایموت پر مکتفی ہو گئے، تاکہ علاق دنیا سے آزاد رہ کر اچھی طرح تحصیل علم کر سکیں۔ وفات نبوی کے بعد البتہ مال و دولت والے بنے اور عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے، حتیٰ کہ جس آدمی کے یہاں حصول قوت لایموت کے لیے مزدوری کرتے تھے، ان کی معزز ترین بیٹی کے شوہر بھی بن گئے۔ مدینہ منورہ و بحرین کے گورنر ہوئے اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کو کافی روپے ملنے لگے۔⁴ ایک روایت صحیحہ میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری نشوونماز حالت یتیمی میں ہوئی اور ہجرت حالت مسکینی میں۔⁵ اس سے معلوم ہوا کہ موصوف کے والد کے مسلمان ہونے کی روایت صحیح نہیں، جیسا کہ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہجرت سے پہلے موصوف مفلس بھی تھے، خصوصاً جب کہ ان کے چچا والی یتیم تھے، یتیمی مفلس ہونے کو مستلزم نہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت و شفقت:

رسول اللہ ﷺ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بے حد شفقت و محبت کا برتاؤ کرتے اور ان کی دلجوئی فرماتے تھے، ایک بار آپ نے فرمایا: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ! تم اموال غنیمت میں سے کسی مقدار کا مجھ سے مطالبہ کرو، موصوف نے جواب دیا: یا رسول اللہ! میں آپ

1 صحیح بخاری و حلیۃ الأولیاء (۱/۳۷۹) و طبقات ابن سعد و معانی الآثار (۱/۱۰۸) وغیرہ

2 إصابہ و ابن سعد وغیرہ۔ 3 إصابہ۔

4 طبقات ابن سعد، و حلیۃ الأولیاء (۱/۲۷۹، ۲۸۰) وغیرہ

5 طبقات ابن سعد (۴/۳۲۶) و تاریخ کبیر للبخاری (۲/۵۴، ق: ۱)

سے صرف یہ مانگتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو علوم ودیعت کیے ہیں، ان میں سے کچھ مجھ کو بھی سکھا دیجیے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی چادر لے کر بچھا دی اور باتیں کرنے لگے، جب بات کا سلسلہ ختم ہوا تو فرمایا: چادر سمیٹ لو اور اسے اپنے پاس رکھو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس دن سے مجھے کسی حدیث کا ایک حرف بھی نہیں بھولتا تھا۔¹

باسانید صحیحہ منقول ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے کہا:

”أدع الله أن يحببني أنا وأمي إلى عباده المؤمنين ويحببهم إلينا.“²

یعنی آپ دعا کر دیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور میری والدہ کو اپنے مؤمن بندوں کا محبوب بنا دے اور تمام مومنین کو ہمارا محبوب بنا دے۔ نبی ﷺ نے موصوف کے لیے یہ دعا کر دی۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ جو بھی مجھے دیکھتا ہے یا میرا ذکر سنتا ہے، وہ نبی ﷺ کی دعا کی برکت سے مجھ سے محبت کرنے لگتا ہے۔

حاصل یہ کہ موصوف سے محبت علامت ایمان ہے۔ مصنف انوار غور فرمائیں کہ وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت کرتے ہیں یا فقہائے اہل الرأی خصوصاً امام ابو حنیفہ؟

ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو کر مسجد نبوی کے ایک گوشہ میں پڑے تھے، انھیں تلاش کرتے ہوئے نبی ﷺ آئے، ملنے کے بعد ان کے سینے پر ہاتھ رکھا اور دعائے خیر کی تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اچھے ہو گئے۔³ اس سے معلوم ہوا کہ خود رسول اللہ ﷺ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بڑی محبت رکھتے تھے، موصوف خود بھی رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت رکھتے تھے، فرماتے ہیں:

”يا رسول الله! إذا رأيتك طابت نفسي وقرت عيني.“⁴

یعنی آپ کو دیکھ کر مجھے بہت خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔

یہاں تک کہ موصوف وفات نبوی کے بعد حدیث بیان کرتے وقت محبت نبوی کی شدت سے مغلوب ہو کر بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔⁵ موصوف نبی ﷺ کو اپنا خلیل (گہرا دوست) کہا کرتے تھے۔⁶

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا علم و فضل:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا حافظہ ضرب المثل بن گیا تھا۔ صحابہ تک ان کی درسگاہ حدیث سے علم حدیث حاصل کرتے، حتیٰ کہ انھوں نے خود کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے اکابر بھی مجھ سے احادیث دریافت کرتے تھے۔⁷ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث نبوی روایت کی ہے کہ:

”حسد دو آدمیوں سے کیا جاتا ہے، ایک وہ مالدار جو اللہ کے دیے ہوئے مال سے دین کے لیے خرچ کرتا ہے،

1 تذكرة الحفاظ، و رواه لمعناه البخاري، و مسلم والنسائي وغيرهم، و حلية الأوليا (۱/ ۳۸۱)

2 صحيح مسلم، و طبقات ابن سعد (۳/ ۵۵، ۵۴، ق: ۲) و حلية الأولياء. 3 سنن أبي داود (۱/ ۵۰۲ بسند صحيح)

4 مسند أحمد (۲/ ۲۳۲) و مستدرک (۴/ ۱۶۰) و مجمع الزوائد (۹/ ۳۶۲ بسند صحيح)

5 جامع ترمذي بسند حسن، و مستدرک (۱/ ۴۱۸) و كتاب الزهد لابن المبارك (ص: ۱۵۹)

6 صحيح بخاري، و مصنف ابن أبي شيبة (۲/ ۴۰۸ وغيره) 7 إصابه بحواله ابن سعد، ترجمة أبو هريرة.

دوسرا وہ آدمی جسے اللہ تعالیٰ علم و حکمت سے نوازے اور وہ اس کے مطابق عمل کرے، اسے پھیلائے اور لوگوں میں اللہ کے دیئے ہوئے علم کی اشاعت کرے۔¹

لہذا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اس علمی امتیاز و تفوق کے سبب فقہائے اہل الراي حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حسد و عناد رکھتے ہیں، ورنہ موصوف کو اس قدر مطعون کرنے کا دوسرا کیا سبب ہو سکتا ہے؟

افسوس کہ یہ خوبی چھپی اور اہل الراي فقہوں کی نظر میں عیب ہے۔ حضرت ابو ہریرہ سے حدیث نبوی میں محبت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر مصنف انوار نے ان کے ساتھ عجیب روش اختیار کر رکھی ہے۔ اہل علم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے کمال حفظ حدیث کو علامات نبوت میں سے قرار دیا ہے، کیونکہ ان کے حق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حفظ حدیث کی دعا کی تھی۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ابو ہریرہ سے علم فتویٰ حاصل کرو، کیونکہ ایک بار فرداً فرداً ہم لوگ مسجد میں بیٹھے ہوئے دعا کر رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کی دعا پر آمین کہہ رہے تھے، اخیر میں ابو ہریرہ نے یہ دعا کی کہ الہی میرے ساتھیوں نے تجھ سے جو کچھ مانگا ہے، وہ مجھے عنایت فرما، مزید یہ کہ مجھے ایسا علم دے جو نہ بھولے، ان کی اس دعا پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آمین کہی۔ ہم نے دربار نبوی میں درخواست کی کہ ہم بھی نہ بھولنے والے علم کے حصول کی دعا کرتے ہیں، جواب ملا: ”سبقکم بہا الغلام الدوسي“²

معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا علم و فضل خصوصاً ان کا حافظہ علامات نبوت میں سے تھا، مگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ان علوم و فنون پر فقہاء اہل الراي کو اعتماد نہیں ہے، کیونکہ ان کے نزدیک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر فقیہ ہونے کے سبب اصول شرع کے خلاف احادیث نبویہ بیان کرتے تھے۔

مگر لطف کی بات یہ ہے کہ یہی فقہائے اہل الرائے بہت سے امور میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث نبویہ کو دلیل و حجت بھی بنا لیتے ہیں، لیکن ان مواقع پر انھیں احادیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ خلاف اصول شرع محسوس نہیں ہوتی۔ عجیب بات ہے کہ جس ذات گرامی کے علوم علامات نبوت قرار پائیں، وہ فقیہ نہ کہے جائیں!

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے موصوف کو وعاء العلم بھی کہا ہے اور مرفوعاً بھی یہ بات مروی ہے۔³

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت نبوی:

مصنف انوار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خصوصی تعلقات کا کافی ذکر کیا ہے۔⁴ لیکن صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ:

”إنه كان يحمل مع النبي صلى الله عليه وسلم إداوة لوضوئه وحاجته.“ الحدیث.

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو اور دوسری ضروریات سے متعلق کام کیا کرتے تھے۔

چنانچہ موصوف لیلیۃ الجن کے موقع پر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے تھے۔⁵ موصوف بسا اوقات ناقہ نبوی کی مہار لے کر چلا

1 صحیح بخاری (۱/۱۷)، کتاب العلم) و عام کتب حدیث. 2 رواہ النسائي وغيره.

3 مستدرک بسند صحیح (۳/۵۰۹)

4 مقدمہ انوار (۱/۳۶، ۳۷)

5 صحیح بخاری: باب ذکر الجن (۱/۵۴۴ وغیرہ)

کرتے تھے۔^① ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا لیلیۃ الجن میں مصاحب نبوی ہونا مشکوک ہے۔ (کما سیأتی)

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل صفہ کو کھانے پر مدعو کرتے تو آپ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرماتے کہ تمام اہل صفہ کو بلا لاؤ۔^② حیات نبوی میں اگرچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عسرت و متکدستی کی زندگی گزارتے مگر اس حالت میں بھی مہمان نوازی کے فرائض بخوبی انجام دیتے، ایک دوسری بزرگ طفاوی رضی اللہ عنہ حضرت ابو ہریرہ ہی کے یہاں ایک ماہ تک مہمان رہے تھے۔^③ اور طفاوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مہمان نوازی کی بڑی تعریف کرتے تھے۔^④ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ محترمہ کے بڑے خدمت گزار تھے، ابتداء میں جب وہ مسلمان نہیں ہوئیں تھیں تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دربار نبوی میں ان کے مسلمان ہونے کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی، درخواست منظور ہوئی اور دعائے نبوی کی برکت سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی والدہ مسلمان ہوئیں۔ اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا بھی فرمائی کہ اے اللہ! ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی ماں کو تمام اہل اسلام کا محبوب بنا دے۔^⑤

والدہ کا خیال حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو والدہ کا اتنا زیادہ خیال رہتا کہ ایک بار دربار نبوی میں اصحاب صفہ میں سے ہر آدمی کو دو دو کھجوریں تقسیم کی گئیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک کھجور خود کھائی، دوسری والدہ کے لیے جیب میں رکھ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر ان سے فرمایا تم یہ کھجور بھی کھا لو، تمہاری والدہ کے لیے دو کھجوریں میں علیحدہ سے عنایت کروں گا۔ حتیٰ کہ جب تک والدہ زندہ رہیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کوئی نقلی حج نہیں کیا کہ مبادا ماں کو کوئی تکلیف پہنچے۔^⑥ بعض شریر قریشی اشخاص کے قتل پر مخصوص لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مامور کیا، جن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔^⑦

نیز ہم بیان کر آئے ہیں کہ خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن حضرمی کو ۹ھ میں عامل بحرین بنایا تو ان کے ساتھ ابو ہریرہ کو روانہ کر دیا اور انہیں ابو ہریرہ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، اس سے بھی ابو ہریرہ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ۸ھ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حج کیا تو خاص احکام کے اعلان کے لیے حضرت ابو ہریرہ مامور کیے گئے۔^⑧

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ذوق جہاد:

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غزوہ خیبر کے موقع پر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے تھے، بعض روایات صحیحہ سے پتا چلتا ہے کہ موصوف کو اس غزوہ کی بعض مہموں میں شرکت کا موقع ملا تھا، اسی لیے انہیں اس کے مال غنیمت میں حصہ ملا تھا۔^⑨ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں بھی شریک ہوئے تھے، جس میں لوگوں کے پاؤں چھیل کر زخمی ہو گئے تھے اور طرح طرح کی پریشائیاں ہوئی تھیں۔^⑩ یہود مدینہ کے خلاف بعض جہادی مہموں میں بھی موصوف شریک

① مستدرک (۲/۹۹) ② حلیۃ الأولیاء (۱/۳۷۷ وغیرہ)

③ حلیۃ الأولیاء (۱/۳۷۵ تذکرہ طفاوی) ④ ابن سعد وغیرہ.

⑤ طبقات ابن سعد (۲/۵۴، ۵۵ قسم دوم) و إصابہ و حلیۃ الأولیاء وغیرہ.

⑥ طبقات ابن سعد وغیرہ. ⑦ صحیح بخاری و مسند أحمد (۱/۲۰۶)

⑧ صحیح بخاری و مسلم و أحمد وغیرہ.

⑨ دفاع عن أبي هريرة بحواله صحیح بخاری (۴۷، ۴۸) و مغازی و اقدی (۲/۶۳۶)

⑩ صحیح بخاری و شرح معانی الآثار (۱/۱۸۵) و مستدرک (۱/۳۳۸) و سنن أبي داود وغیرہ.

ہوئے۔ (صحیح مسلم و ابوداؤد) فتح مکہ و طائف و حنین و تبوک و موتہ میں بھی موصوف شریک رہے۔^① وفات نبوی کے بعد مرتدین کے خلاف جنگی کارروائیوں میں بھی موصوف موجود رہے۔^② حضرت عمرؓ اور عثمانؓ کے زمانے میں بھی موصوف غزوات میں شریک ہوتے رہے۔^③

جہاد کے لیے ہندوستان آنے کا شوق:

رسول اللہ ﷺ کی زبان سے حضرت ابو ہریرہؓ ہندوستان کے غزوہ کی فضیلت سن چکے تھے، اس لیے جہادی مہم میں ہندوستان آنے کا شوق رکھتے تھے، مگر وہ یہاں آ نہیں سکے۔^④ مگر ان سب کے باوجود مصنف انوار اور ان جیسے بعض فقہاء اہل الرا۱ کی نظر میں صرف یہی ایک کام موزوں و مزین ہو کر رہ گیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی عظمت شان و وقعت علمی و فقہی گرانے کی پوری کوشش کر کے انھیں غیر فقیہ اور خلاف اصول شرع احادیث کا روایت کنندہ کہا جائے۔

غزوہ خیبر کے بعد سے لے کر رسول اللہ ﷺ کو جتنے غزوات اور سفر پیش آئے ان میں حضرت ابو ہریرہؓ پوری تن دہی کے ساتھ شریک رہے اور حضر میں بھی سایہ کی طرح ساتھ رہے۔ مقصد صرف تحصیل علم و فیوض و برکات نبوی کا حصول تھا۔ صحبت نبوی جس قدر حضرت ابو ہریرہؓ کو میسر تھی، کسی صحابی حتیٰ کہ ازواج مطہرات کو بھی نہیں تھی، کیونکہ ازواج مطہرات میں سے ہر ایک کے یہاں نو نو دن پر صرف ایک دن رسول اللہ ﷺ کے رہنے کی باری ہوتی تھی، ان ازواج میں سیدہ فقہاء امت حضرت عائشہؓ بھی شامل تھیں، جنھوں نے ایک بار حضرت ابو ہریرہؓ سے کہا کہ آپ بہت زیادہ حدیثیں بیان کرتے ہیں، اس پر حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا، جی ہاں! اصل بات یہ ہے کہ آپ زیادہ وقت کنگھا، چوٹی اور زیب زینت میں صرف کرتی تھیں اور میں ہمہ وقت دربار نبوی میں سایہ کی طرح حصول علم کی کوشش کرتا تھا۔^⑤

حضرت ابو ہریرہؓ کے اس جواب نے حضرت عائشہؓ کو تو خاموش کر دیا، مگر فقہاء اہل الرا۱ آج تک خاموش نہ ہو سکے۔ یہ لوگ حضرت ابو ہریرہؓ کے غیر فقیہ ہونے اور خلاف اصول شرع احادیث نبویہ کو بیان کرنے والا قرار دینے کے لیے سب سے بڑی یہی دلیل رکھتے ہیں کہ وہ بکثرت احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت بذریعہ تحدیث و روایت کرتے تھے، لیکن ان کی توجہ اس طرف نہیں جاتی کہ جب ان کے حیرت انگیز فقیہانہ جواب نے حضرت عائشہؓ جیسی فقیہ و سیدہ امت کو مبہوت کر دیا تو وہ اسے ہی حضرت ابو ہریرہؓ کے فقیہ ہونے کی دلیل قرار دے لیں۔ اہل الرا۱ ہی کا ایک فقیہ ایک مرتبہ شان ابی ہریرہؓ میں گستاخی کرتا ہوا انھیں غیر فقیہ و غیر مقبول الروایہ کہہ رہا تھا کہ ایک ناگ نے اس کا پیچھا کیا اور اس گستاخی سے توبہ کرنے پر اس کا پیچھا کرنا چھوڑا۔^⑥ مگر افسوس کہ مصنف انوار جیسے لوگ پھر بھی عبرت پذیر نہیں ہوتے!!

① عام کتب حدیث. ② سنن نسائی و مسند أحمد (۱/۱۸۱) والأغانی (۱۵/۲۵۸)

③ عام کتب حدیث و سیر و تاریخ.

④ مسند أحمد مع تعلیقات شاکر (۱۲/۹۷) و مستدرک (۳/۵۱۴) و سنن نسائی و شرح مسند أحمد للساعاتی وغیرہ.

⑤ مستدرک حاکم (۵۰۹، ۳۹۰) و طبقات ابن سعد بسند صحیح و إصابہ.

⑥ سیر أعلام النبلاء للذہبی (۲/۴۴۴) و تاریخ الإسلام للذہبی (۲/۳۳۷) و تحفة الأحمودی شرح ترمذی باب ما جاء

فی فضل الطهور (۱/۱۱ بحوالہ عارضة الأحمودی) و حیاة الحیوان للدمیری و دفاع عن أبی ہریرة (ص: ۴۸۰)

عشرہ مبشرہ میں سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے جتنی احادیث نبویہ سنیں ہم نہیں سن سکے۔ حالانکہ طلحہ مکہ مکرمہ کے رہنے والے قدماء صحابہ میں سے مہاجر آدمی تھے۔ نیز ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا:

”یا أبا هريرة كنت لألزمنا لرسول الله صلى الله عليه وسلم وأعلمنا.“¹

یعنی آپ ہم صحابہ میں سب سے بڑے عالم ہیں۔

مگر سب سے زیادہ صحبت نبوی کے فیض یافتہ صحابی، فقہاء اہل الراہی کے دربار میں غیر فقیہ قرار پائیں اور ان کی بیان کردہ حدیثیں خلاف اصول شرع ہونے کے سبب ناقابل قبول اور بقول کوثری ان کی اور ان جیسے صحابہ کی احادیث قیاس ابی حنیفہ کے مقابل میں غیر مقبول مانی جائیں!

یہ بات اوپر گزر چکی ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت، فقیہ صحابی مسائل کی تحقیق و تفتیش کے لیے حضرت ابو ہریرہ کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے تھے۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام ابو حنیفہ کے ترجمہ میں ”الإمام الأعظم فقیہ العراق“ کہہ دیا تو اسے مصنف انوار نے امام صاحب کے حافظ حدیث ہونے کی دلیل قرار دیا۔²

لیکن انھی حافظ ذہبی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ”حافظ الصحابة“ نیز ”فقیہ، من أوعية العلم، ومن كبار أئمة الفتوى مع العبادة والجلالة والتواضع“ کہا۔³ تو اس کا الٹا اثر لے کر مصنف انوار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو غیر فقیہ و خلاف اصول شرع احادیث کا روایت کنندہ کہا۔ حالانکہ ذہبی رضی اللہ عنہ نے تصریح کی ہے کہ ائمہ جرح و تعدیل امام ابو حنیفہ کو ”کثیر الغلط والخطاء“ اور ”سئی الحفظ“ قرار دیتے ہیں۔ (کما سیأتی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی فقاہت، معاملہ فہمی اور سیاستدانی پر اعتماد کر کے انھیں اپنی مملکت کا گورنر بنایا۔ اسی طرح امیر معاویہ نے بھی کیا۔⁴ استاد ابی حنیفہ ابن سیرین سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ بلا کر درخواست کی کہ آپ گورنر بن جائیے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نہیں بنوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیوں نہیں بنیں گے، جب کہ آپ سے بہتر شخص نے عہدہ قبول کیا تھا؟ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کون شخص ہے، جو مجھ سے بہتر تھا اور اس نے عہدہ قبول کیا تھا؟ فرمایا: حضرت یوسف علیہ السلام! حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ نبی کے بیٹے تھے اور خود بھی نبی تھے میں تو امیمہ (والدہ ابی ہریرہ) کا بیٹا ہوں۔“⁵ ارج

مگر مصنف انوار کی نظر میں پھر بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ غیر فقیہ ہی ہیں۔ لطف کی بات یہ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ گورنری سے علیحدہ ہو کر بہت خوش تھے، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں دوبارہ گورنر بنانا چاہا، اس پر موصوف نے فرمایا مجھے معاف رکھیے:

”أخاف أن أفضى بغير علم، وأفضى بغير حلم.“⁶

”مجھے ڈر ہے کہ کہیں کوئی غیر حلیمانہ بات کہہ دوں اور کوئی فیصلہ بغیر علم کے کر دوں۔“

مگر مصنف انوار حضرت ابو ہریرہ کے اس طرز عمل کو ان کے کمال تقویٰ و تورع اور شدت احتیاط کی دلیل نہیں بتلاتے،

1 جامع ترمذی و إصابہ و استیعاب وغیرہ۔

2 مقدمہ انوار (۱/۱۰۱)

3 تذکرۃ الحفاظ (۱/۲۸) و تحفة الأحوذی (۱/۱۱)

4 نقض دارمی (ص: ۱۶۵) و ابن سعد وغیرہ۔

5 إصابہ (۴/۲۴۵) تذکرہ امیمہ والدہ ابی ہریرہ

6 طبقات ابن سعد (۳/۹۵، ۶۰، قسم ثانی)

بلکہ ایسا غیر فقیہ محدث قرار دیتے ہیں جو عدم احتیاط کے باعث خلاف اصول شرع احادیث بیان کرنے کی وجہ سے فقہاء صحابہ کی تنقیدوں کے نشانہ بنتے تھے، لیکن اگر کسی صحابی نے کسی خاص حدیث کی بابت کہہ دیا کہ یہ چونکہ مجھے اچھی طرح ضبط نہیں اس لیے اسے بیان کرنے سے ڈرتا ہوں تو مصنف انوار کے نزدیک یہ شدت احتیاط اور کمال تورع کی دلیل ہونے کے ساتھ اس امر کی بھی دلیل بن گئی کہ کبار صحابہ روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ گورنری کی پیش کش کو حضرت ابو ہریرہ نے اتنے زوردار طریقہ پر رد کیا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے، مگر یہ تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے کہ بدعوئی مصنف انوار امام ابو حنیفہ خلیفہ منصور کی طرف سے پیش کردہ عہد قضا کو رد کرنے کے سبب ہلاک کیے گئے، کیونکہ امام صاحب کے جواب سے منصور خاموش یا مطمئن نہیں ہوسکا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اگرچہ کثیر الحدیث تھے، مگر ان کا بیان یہ ہے کہ میں نے بہت کم احادیث روایت کیں، میرے پاس دو برتن بھر احادیث ہیں، ان میں سے میں نے صرف ایک برتن بھر بیان کیا ہے۔^①

لیکن مصنف انوار اس کے باوجود حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو محتاط نہیں مانتے، حالانکہ اس اعتبار سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی قلیل الروایۃ ہوئے کہ انھوں نے بہت سی احادیث محفوظہ کو بیان کرنے میں احتیاط سے کام لیا۔ واضح رہے کہ جن احادیث کو بیان کرنے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے احتیاط سے کام لیا ان کا تعلق احکام سے نہیں بلکہ زیادہ تر پیش گوئیوں سے تھا۔^②

یہ ایک حقیقت ہے کہ کثرت و قلت روایت ایک اضافی و اعتباری چیز ہے۔ چار پانچ ہزار احادیث کی روایت کرنے والوں کی بہ نسبت دو ہزار حدیثیں بیان کرنے والے قلیل الروایہ ہیں، مگر یہی دو ہزار حدیثوں کے راوی ہزار پانچ سو والوں کی بہ نسبت کثیر الروایہ ہیں، لہذا حضرت ابو ہریرہ پر کثیر الروایہ ہونے کے سبب طعن و تشنیع کرنا شرارت و غباوت ہے۔ حضرت عائشہ بھی بہت زیادہ کثیر الروایہ ہیں، نکشیر الروایۃ میں حضرت ابو ہریرہ کے بعد انھیں کا نمبر ہے تو انھیں کیوں مطعون نہیں کیا جاتا؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات بقول اکثر اہل علم ۵۷ھ میں اور بقول بعض ۵۸ھ میں اور بقول واقدی وغیرہ ۵۹ھ میں ہوئی، بہر حال ان کی وفات ۶۰ھ سے پہلے ہوئی۔ وہ دعا کرتے تھے کہ ۶۰ھ آنے سے پہلے، جبکہ خلافت معاویہ کا دور ختم ہو، مجھے موت آجائے، حتیٰ کہ جو لوگ ۶۰ھ سے پہلے ان کے مرض الموت میں ان کی صحت یابی کی دعا کرتے۔ انھیں وہ اس دعا سے منع کرتے اور موت کی دعا کرتے ان کی صحت یابی کی دعا کرنے والوں میں مروان بھی تھا اور حضرت عبدالرحمن بن عوف (عشرہ مبشرہ میں سے تھے) کے صاحب زادے ابوسلمہ بھی تھے۔^③ رضی اللہ عنہ و أَرْضاه ورحمہ

یہ عجیب بات ہے کہ مصنف انوار نے ضرورت و تاریخ حدیث اور اس کی اہمیت و فضیلت اور اس کی شرعی حیثیت سے متعلق ایک مقالہ سپرد قلم کرتے ہوئے شان نبوی میں فرمایا:

”علمی طور پر آپ کی شان کو اتنا بلند بنایا گیا کہ آپ کے اسوۂ حسنہ کو کامل و مکمل اتباع و اطاعتِ خداوندی کا معیار بنایا، تحلیلِ طبقات اور تحریمِ خباثت کی نسبت آپ کی طرف کر کے آپ کے خصوصی منصب و رسالت اور اعلیٰ مقام نیابت و خلافتِ خداوندی کی طرف اشارہ ہوا۔ تمام اختلافات میں آپ ہی کو آخری حکم اور قاضی القضاة کا

③ إصابۃ (۴/ ۲۱۰)

② ابن سعد وغیرہ۔

① صحیح بخاری و طبقات ابن سعد (۲/ ۵۷ قسم ثانی)

درجہ پوری وسعت قلب اور انشراح صدر کے ساتھ تسلیم کرنا ہر امتی کا فرض قرار دیا گیا۔ مذکورہ بالا بیان سے حدیث رسول کی حجیت اور اس کا تشریحی مرتبہ واضح ہوا۔^①

مگر حدیث کی نشر و اشاعت اور اس کی ضرورت کی تکمیل کا کام اللہ تعالیٰ نے جن صحابہ سے زیادہ لیا، یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے کبار صحابہ کی اچھی خاصی تعداد، انھیں مصنف انوار نے نشانہ طعن و تشنیع بنا کر احادیث نبویہ کے بہت بڑے ذخیرہ کو غیر معتبر بنا دیا۔ پھر کس طرح اختلافی مسائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری حاکم بنایا جاسکے گا، جبکہ ان حاملین علوم نبوت کی بیان کردہ احادیث کو خلاف شرع قرار دے کر رد کرنے کی فکر کی جا رہی ہے اور ان کی بیان کردہ حدیثوں کے خلاف اہل الرای کے وضع کردہ قیاسی مسائل کو معمول بہ بنایا جا رہا ہے۔ جن حاملین علوم نبوت کو غیر فقیہ کہا جا رہا ہے ان کی تو خدمت حدیث کی بنا پر زیادہ سے زیادہ تعظیم و توقیر ہونی چاہیے، خصوصاً اس صورت میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی ہے کہ اے اللہ! ہر مومن کے دل میں ابو ہریرہ کی محبت ڈال دے۔ اس دعاء نبوی کو سامنے رکھ کر مصنف انوار جیسے فقیہان اہل الرای اپنے دل کا جائزہ لے کر دیکھیں کہ وہ ائمہ اہل الرای سے زیادہ محبت کرتے ہیں یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے؟ جن پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں:

”حضرت ابو ہریرہ اور ان جیسے صحابہ چونکہ خلاف اصول شرع حدیث بیان کرتے تھے اس لیے وہ فقہاء صحابہ کی تنقیدوں کے نشانہ بنتے تھے۔“^②

مصنف انوار کے مدوح علامہ سرحسی نے کہا ہے کہ صحابہ پر طعن کرنے والا ملحد و بددین ہے، اگر تو بہ نہ کرے تو اس کی سزا قتل ہے۔^③ شیخ عبدالقادر جیلانی نے کہا ہے کہ کسی صحابی پر ایک لفظ بھی بطور طعن استعمال کرنے والا صاحب ہوا (بدعتی و نفس پرست) ہے۔^④ یہ باتیں مصنف انوار کے لیے یقیناً قابل غور ہیں!

کیا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ بہت سے صحابہ کو امام ابوحنیفہ نے غیر فقیہ کہا ہے؟

ناظرین کرام کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ مصنف انوار نے اپنے اکابر کی تصریحات کی بڑے پیمانے پر مخالفت کی ہے، انفسوں کہ مصنف انوار نے اپنے اسلاف کی ان تصریحات کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، انھیں بعض حنفیوں کا یہ بیان کافی پسند آیا کہ ابوحنیفہ نے کہا کہ میں تمام صحابہ کے اقوال و فتاویٰ کے مقابلے میں اپنے قیاسی مسائل چھوڑنے کو تیار ہوں، سوائے ابو ہریرہ و انس و سرہ بن جندب رضی اللہ عنہم کے کیونکہ یہ صحابہ فقیہ نہیں تھے۔^⑤ نعوذ باللہ من ذلك اس کے برعکس مصنف انوار کے استاذ انور شاہ فرماتے ہیں:

”من یجتري علی ابی ہریرة فیقول أنه کان غیر فقیہ۔“^⑥

یعنی کسے یہ کہنے کی جرأت ہو سکتی ہے کہ ابو ہریرہ فقیہ نہیں تھے؟

مگر بے چارے علامہ انور شاہ کو کیا خبر تھی کہ انھیں کے مجموعہ افادات کے نام سے شائع کی جانے والی کتاب انوار الباری

① مقدمہ انوار (۱/۱۷، ۱۸)

② مقدمہ انوار (۱/۲۱، ۲۲)

③ اصول سرخسی (ص: ۱۳۴)

④ غنیة الطالین (۱/۷۹)

⑤ میزان الکبریٰ للشعرانی (۱/۶۱)

⑥ فیض الباری (۳/۲۳۱)

کے ذریعہ مصنف انوار پر پوپینڈہ کریں گے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فقیہ نہیں تھے، بلکہ خلاف اصول شرع احادیث بیان کرتے تھے۔ ایک معتزلی حنفی قاضی عیسیٰ بن ابان نے بھی اس طرح کی بات کہی ہے۔^① جس پر اہل علم حتیٰ کہ احناف نے بھی نکیر کی ہے۔ (کما سیأتی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث ”الوضوء مما مست النار“ پر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اعتراض کا جو جواب دیا تھا، اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے منکرین سنت یا جاہلین کے جواب کے لیے محفوظ کر لیا تھا اور وہ بھی خلاف سنت عمل کرنے والوں کے جواب میں اسی طرح کا جواب دیتے تھے کہ:

”واللہ ما أراکم منتہین حتی یعذبکم اللہ، نحدثکم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتحدثونا عن أبي بکر و عمر.“^②

یعنی تم احادیث نبویہ کے مقابلہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہما کے اقوال پیش کر کے معارضہ کرتے ہو، بخدا معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنی اس غلط کاری سے اس وقت تک باز نہ آؤ گے جب تک کہ عذاب میں مبتلا نہ کیے جاؤ گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس بیان میں مصنف انوار کے لیے درس عبرت ہے کہ احادیث نبویہ کے بجائے اقوال ابی حنیفہ کو دلیل و حجت بنا کر فرماتے ہیں کہ اصل محقق، انصاف پسند اور معتدل المزاج ہم ہی ہیں!!

صحابہ پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدراکات:

مصنف انوار نے کہا ہے:

”سیدہ فقہاء امت حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے استدراکات حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کی حدیثی روایات پر مشہور ہیں، جن میں سے اکثر کا ذکر علامہ سیوطی نے ”عین الإصابة فیما استدرکتہ السیدة عائشة علی الصحابة“ میں کیا ہے۔“^③

ہم کہتے ہیں کہ سیوطی کی کتاب مذکور کا نام ”عین الإصابة فی استدراک عائشة علی الصحابة“ ہے، سیوطی کی یہ کتاب ”الإجابة لإیراد ما استدرکتہ عائشة علی الصحابة“ لإمام بدرالدین محمد بن عبداللہ زرکشی رحمہ اللہ۔ (مولود ۷۲۵ھ و متوفی ۷۹۳ھ) کی تلخیص و اختصار ہے۔ اس کتاب میں نہ صرف یہ کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر حضرت عائشہ کے استدراکات ہیں، بلکہ حضرت عمر، ابن مسعود، ابو درداء، زید بن ثابت، ابوسعید، ابن عمر، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم وغیرہم کبار فقہاء صحابہ پر بھی استدراکات ہیں۔ اگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر موصوفہ کے استدراکات کا یہ نتیجہ نکالنا درست ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تکثیر روایت کے سبب غیر فقیہ تھے تو ان کبار صحابہ کو بھی نعوذ باللہ غیر فقیہ ماننا ہوگا۔ مصنف انوار کا یہ عجیب طرز تحقیق ہے جس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ و ابن مسعود رضی اللہ عنہما و زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی غیر فقیہ اور قابل اعتراض قرار پاتے ہیں۔ حضرت عائشہ پر بھی تو متعدد مسائل میں استدراک و اعتراض ہوئے، اور حضرت ابو ہریرہ کے بعد تکثیر روایت میں انھیں کا درجہ ہے، لہذا انھیں بھی غیر فقیہ وغیرہ قرار دے دیا جائے، پھر پوری آزادی سے صرف فقہاء اہل الراہی کے لیے میدان صاف

ہو جائے گا اور انہیں کو ساری فقہات کا مرکز و منبع قرار دے دیا جائے گا!

مصنف انور جس صحیح بخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اس میں اور دوسری عام کتب حدیث میں باسانید کثیرہ مروی ہے کہ مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ نے جب حکم دیا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز کی امامت کرائیں تو حضرت عائشہ نے کہا کہ میرے باپ رفیق القلب آدمی ہیں، وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو بہت روئیں گے، ان کی بجائے کسی اور کو امام بنایا جائے۔ اس پر نبی ﷺ نے دوبارہ اپنے اس حکم کو دہرایا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بات حضرت حفصہ سے بھی کہلوائی، اس پر نبی ﷺ نے اظہار خفگی کرتے ہوئے فرمایا: ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نماز پڑھائیں گے اور ”فإن کن لصواحب يوسف“ تم عورتوں کی تو عادت ہے کہ غلط قسم کی باتوں پر اصرار و ہٹ دھرمی کرتی ہو، آخر تم اسی صنف سے تعلق رکھتی ہو جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ غلط روی اختیار کر کے انہیں آ خر جیل خانہ بھجوا دیا۔¹

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طرز عمل پر خود حضور ﷺ نے نکیر کی اور ان کے خلاف سخت الفاظ استعمال کیے، کیا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اس نکیر و اعتراض سے یہ استدلال درست ہے کہ وہ فقیہ نہیں تھیں یا یہ کہ وہ خلاف اصول شریعت احادیث روایت کرتی تھیں؟

مسند احمد وغیرہ میں بسند صحیح مروی ہے کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی مدح سرائی کرتے ہوئے نبی ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کہہ کر ٹوکا کہ وہ بوڑھی عورت تھیں۔ ”وقد أبد لك الله خيراً منها“ اللہ تعالیٰ نے ان کی جگہ پر آپ کو ان سے بہتر بیویاں عنایت کی ہیں۔ اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ”والله ما أبدلني الله خيراً منها“ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بہتر دوسری بیویاں نہیں دیں۔²

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر رسول اللہ ﷺ نے نکیر و اعتراض کیا۔ کیا اس کی بنا پر یہ دعویٰ صحیح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا غیر فقیہ تھیں؟ عبرت کے لیے یہی دو مثالیں کافی ہیں۔

جس صحیح بخاری کی شرح کے نام پر مصنف انوار اتنے بڑے پیمانے پر رد حقائق اور لغو طرازی کر رہے ہیں اسی میں اور دیگر کتب حدیث میں مروی ہے کہ جس سفر جہاد میں آیت تیمم نازل ہوئی، اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی غفلت یا غلطی سے ان کا ہارگم ہو گیا، جس کی تلاش میں لوگوں کو بہت پریشانی ہوئی، ادھر پانی نہیں تھا، سبھی صحابہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خلاف نکیر شروع کر دی، حتیٰ کہ ان کے باپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں نے آ کر موصوفہ کی شکایت کرتے ہوئے کہا:

”ألا ترى ما صنعت عائشة أقامت برسول الله صلى الله عليه وسلم والناس.“

”آپ دیکھ نہیں رہے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی غفلت و غلط روی کے سبب ہارگم کر کے تمام لوگوں اور

رسول اللہ ﷺ کو روک رکھا ہے۔“

لوگوں کی یہ شکایت سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر برہم ہوئے اور آ کر انہیں زجر و توبیخ حتیٰ کہ زد و

کوب کر کے بولے:

① صحیح بخاری: باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة وأخرجه في أبواب عديدة وغيره.

② مسند أحمد مع تعليقات علامه أحمد شاكر مسند عائشه رضی اللہ عنہا.

”تكونين في كل سفر عناءً ووبلاءً علي“¹ ”تم میرے لیے ہر سفر میں مصیبت بن جاتی ہو۔“

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تمام موجود صحابہ نے نکیر و اعتراض کیا۔ کیا اس حدیث سے استدلال کر کے یہ دعویٰ درست ہے کہ حضرت عائشہ غیر فقیہہ اور خلاف اصول شرع احادیث کی روایت کنندہ تھیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر صحابہ کی طرف سے ہونے والے اعتراض و نکیر کے سلسلے میں ہم صرف اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اور صرف اسی سے مصنف انوار کے مزاعم و لغو طرازیوں کی تکذیب و تردید ہو جاتی ہے۔

جنگِ جمل و صفین میں مصنف انوار صحابہ کے کس گروہ کو حق بجانب اور دوسرے کو خطا کار کہتے ہیں؟ ہر دو جانب ایسے صحابہ تھے جن کی فتاہت کا انکار کوئی بھی شخص نہیں کر سکتا، مگر ہر گروہ دوسرے گروہ پر معترض تھا۔ کیا اس اعتراض سے استدلال کر کے یہ کہنا درست ہے کہ ایک دوسرے پر اعتراضات کرنے والے یہ سارے صحابہ کرام مثلاً زبیر، طلحہ، معاویہ، عمرو بن العاص، عائشہ صدیقہ، حضرت علی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم وغیرہ غیر فقیہہ تھے؟ کیا ان صحابہ میں سے کسی کو غیر فقیہہ کہنے کی جرأت و ہمت مصنف انوار اور ان کی پارٹی کے کسی فرد میں ہے؟ پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کو اتنا مسکین کیوں سمجھ لیا گیا کہ ان پر کسی شخص کے صحیح یا غلط اعتراض کو ان کے غیر فقیہہ ہونے کی دلیل بنا لی؟ آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا کہ خلاف حدیث عمل کرنے پر بڑے سے بڑے صحابی پر اعتراض ہوتا تھا اور اس کے خلاف حدیث نبوی پیش کی جاتی تھی اور معترض علیہ صحابی حدیث پیش کرنے والے سے معذرت کر کے حدیث کی طرف رجوع کرتا تھا، مگر مصنف انوار کا خیال ہے کہ ابو ہریرہ جیسے بکثرت روایت حدیث کرنے والے صحابہ پر روایت نہ کرنے والوں کا اعتراض تھا اور صحیح مذاق بھی یہی تھا۔ حد ہے اس بے راہ روی کی؟! لطف کی بات یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مرتے وقت وصیت کر گئی تھیں کہ میری نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پڑھائیں گے۔² انھوں انھوں نے کسی اہل الراۃ فقیہہ کو نماز جنازہ پڑھانے کی وصیت نہیں کی، بلکہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو وصیت کی جو مصنف انوار کے نقطہ نظر سے غیر فقیہہ اور اصول شریعت کے خلاف احادیث روایت کرنے والے تھے۔ لطف کی بات یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدراکات عموماً حنفی مذہب کے اصولوں کے خلاف ہیں، جن کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔ مصنف انوار نے اس موقع پر نہایت فقیہانہ انداز میں فرمایا:

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قرون اولیٰ میں اگر اعتراض ہوا تو فقہاء صحابہ کی طرف سے غیر فقیہہ روایت حدیث کرنے والوں پر اور یہی صحیح مذاق تھا، اس کے بعد مذاق بگڑا تو دوسری صدی کے بعد الٹا اعتراض محدثین کی طرف سے فقہاء پر ہونے لگا۔³ ا

حالانکہ ہم بتلا آئے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے اس لمبے چوڑے دعویٰ کے ثبوت میں جو ایک اکلوتی دلیل بطور مثال پیش کی ہے، وہ ان کے مقصود پر دلیل نہیں بنتی۔ علاوہ ازیں مصنف انوار جن کو فقہائے صحابہ کہتے ہیں، ان پر بھی خلاف حدیث عمل کرنے پر اعتراضات ہوئے اور کسی بھی صحابی نے محض روایت حدیث پر اعتراض نہیں کیا، بلکہ جس چیز کو مصنف انوار

① عام کتب حدیث و صحیح بخاری أبواب التیمم وغیرہ۔

② الإجابة لإيراد ما استدرکته عائشة على الصحابة (ص: ٤٠) ③ مقدمه أنوار (٢٢/١)

اعتراض سمجھتے ہیں وہ اعتراض تھا ہی نہیں، وہ یا تو طالب علمانہ سوال تھا یا تحقیق مزید کی غرض سے استفسار تھا یا کسی غلط فہمی کے ازالہ کے لیے علمی مذاکرہ وغیرہ۔ اب اگر کسی خاص مزاج کے سبب مصنف انوار اصل حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہوں تو اس کا کیا علاج ہو سکتا ہے؟ کسی حدیث پر اعتراض کرنے والوں پر صحابہ سخت تکلیف کرتے تھے اور حدیث پر اعتراض کرنے والے کو سوا سکوت و خاموشی کے کچھ بن ہی نہیں پڑتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے استدرکات کا حاصل بھی یہی ہے کہ اصل چیز حدیث ہے، اس کے خلاف ہر بات قابل اعتراض ہے۔ کاش مصنف انوار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے طریق کار کو سمجھ پاتے!

تاریخ اسلام اس بات کی شاہد ہے کہ جب بھی کسی فقیہ یا غیر فقیہ شخص نے خلاف حدیث عمل کیا یا اپنے قیاس سے حدیث پر کسی قسم کا اعتراض کیا تو اس پر تکلیف کی گئی۔ اثنائے شرح اس کی نشاندہی بخوبی ہوگی! اس جگہ ہم صرف دو محکم مثالوں پر اکتفاء کر رہے ہیں۔

خلاف حدیث عمل کرنے کے سبب امیر معاویہ پر صحابی کا اعتراض:

امیر المؤمنین حضرت معاویہ کا دستور یہ تھا کہ ان کے اور رومیوں کے درمیان عارضی جنگ بندی کا معاہدہ تھا، وہ وقت معاہدہ کے خاتمہ سے پہلے ہی حدود دشمن کی طرف لشکر اسلام لے کر روانہ ہو جاتے اور وقت معاہدہ سے پہلے تک اپنی سرحد کے اندر رہتے، جیسے ہی مدت ختم ہوئی فوراً دشمن پر حملہ کر دیتے۔ ایک صحابی حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ کے اس طرز عمل پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ فرمان نبوی ہے:

”من كان بينه وبين قوم عهد فلا يحلن عهدا حتى يمضي أمده.“¹

یعنی آپ جو کام کرتے ہیں، وہ حدیث نبوی میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

مصنف انوار جیسے لوگوں کے لیے یہ صحیح حدیث بہت زیادہ عبرت و موعظت کی چیز ہے، وہ یہ کہ امیر معاویہ بذات خود بہت بڑے فقیہ صحابی تھے، ان کے فقیہ ہونے کی شہادت ابن عباس نے بھی دی ہے۔² امیر المؤمنین عمر بن الخطاب نے انھیں حاکم شام بنا کر ان کے فقیہ و مدبر ہونے کی تصدیق کر دی تھی۔³

مگر یہ صحابی فقیہ ہونے کے باوجود اس خاص باب خاص میں حدیث نبوی سے غافل ہونے کے سبب اس کے خلاف عمل کے عادی تھے۔ ان پر خلاف حدیث عمل کرنے کی وجہ سے ایک صحابی عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا اور جیسے ہی امیر معاویہ کو حدیث معلوم ہوئی، انھوں نے حدیث کی طرف رجوع کیا اور پورے لشکر اسلام نے ان کی متابعت کی۔ کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ حدیث اتنے بڑے فقیہ کے طریق عمل کے خلاف نہیں ہو سکتی، ضرور ہی اس حدیث کا راوی غیر فقیہ ہے یا اس کی روایت خلاف اصول شرع ہے، یا یہ حدیث منسوخ ہے یا قابل تاویل ہے، یا اس کے معنی و مطلب کچھ اور ہیں۔ اس لشکر میں یقیناً

① ملاحظہ ہو: جامع ترمذی مع تحفة الأحمدي (۲/ ۳۹۰، ۳۹۱، باب ما جاء في الغدر) وقال الترمذي حديث حسن صحيح،

وأبو داود طرابلسي (ص: ۱۵۷)

② صحيح بخاري مع فتح الباري (۷/ ۱۰۳، ۲۸، باب: حديث: ۳۷۶۵)

③ ملاحظہ ہوں ان کے حالات اصحابہ و اسد الغابہ وغیرہ میں۔

بہت سے فقہاء صحابہ موجود تھے، مگر کسی نے عمرو بن عبسہ کو روایت حدیث کے سبب غیر فقیہ نہیں کہا۔ معلوم ہوا کہ اکابر صحابہ پر بعض حدیثیں مخفی رہ جایا کرتی تھیں۔ پھر وہ فقہاء اہل الرائے کس شمار و قطار میں ہیں جو بقول عمر فاروق احادیث نبویہ کی روایت اور معرفت کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے تھے، صرف چند خانہ ساز اصولوں پر تخریج مسائل کیا کرتے تھے۔

اس حدیث صحیح سے مصنف انوار کے اس خیال کی بھرپور تکذیب ہوتی ہے کہ ”فقہاء کی طرف سے قدیم ایام میں حدیث بیان کرنے والوں پر اعتراضات ہوتے تھے، دوسری صدی کے بعد مذاق بگڑ جانے کے سبب حدیث بیان کرنے والوں نے فقہاء پر اعتراض شروع کر دیا۔“

ناظرین خود انصاف فرمائیں کہ امیر معاویہ کے اس واقعہ سے مصنف انوار کے مزاعم اور خیالات کی تکذیب ہوتی ہے یا نہیں؟ مثالیں تو کتب حدیث میں بھری پڑی ہیں، مگر ان کا تذکرہ اثناء شرح میں مفصل طور پر آئے گا۔ اس جگہ صرف ایک مستحکم مثال اور اس کی تائید میں ایک شاہد عادل پر اکتفا کیا گیا ہے اور صاحب عقل سلیم کے لیے ایک مثال بھی بہت ہے، غبی و بلید کو خواہ دفتر کے دفتر سنائیے وہ ”کمثل الحمار یحمل أسفارا“ کا مصداق ہے۔

دوسری مثال:

امام ابوحنیفہ کے قابل فخر استاد امام زہری نے بیان کیا کہ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے ایک روز وقت مستحب سے تاخیر کر کے نماز عصر پڑھی، ان کے اس طرز عمل پر ایک مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر (یہ حضرت زبیر بن عوام کے صاحبزادے ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے) نے اعتراض کیا، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

خلاف حدیث عمل کے سبب مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ و خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز پر اعتراض:

حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے کہا: ”آپ ہی کی طرح ایک مرتبہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو فہ کی امارت کے زمانے میں نماز تاخیر سے پڑھی، ان پر حضرت ابو مسعود انصاری (صحابی رسول) نے اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فلاں وقت نماز پڑھائی تھی۔ مطلب یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم جبرئیل کے مطابق اس نماز کو جس وقت پڑھا کرتے تھے، اس میں آپ نے نہیں پڑھی بلکہ مؤخر کر دی۔ عمر بن عبدالعزیز نے عروہ سے کہا ذرا سنبھل کے بات کہو، کیا حضرت جبرئیل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فی الواقع اوقات صلوة کی تعلیم دی تھی۔ عروہ نے کہا: ”جی ہاں! یہ حدیث بالکل صحیح ہے، کیونکہ ابو مسعود انصاری کی یہ حدیث مجھے بذریعہ بشیر بن ابی مسعود (ابو مسعود کے بیٹے) معلوم ہوئی ہے، اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز اس حدیث پر عمل کا التزام کرنے لگے۔“^①

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوئیں: ایک یہ کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر فقیہ عظیم و مجتہد صحابی نے حدیث نبوی کے خلاف عمل کیا تو ان پر اعتراض ہوا اور اعتراض کرنے والے بھی جلیل القدر محدث فقیہ صحابی تھے، یعنی ابو مسعود

① ملاحظہ ہو: صحیح البخاری مع فتح الباری (۲/ ۱، باب مواقیئ الصلوة) کفایة الروایة للخطیب (ص: ۳۹۶ ذکر المراسیل) و دیگر کتب حدیث۔

انصاری، مگر مغیرہ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں کہا کہ دیکھو میں فقیہ شخص ہوں، مجھ پر خلاف حدیث عمل کرنے کا الزام لگانا صحیح نہیں ہے اور یہ کہ فقیہ پر محدث کا اعتراض صحیح نہیں اور یہ کہ فقیہ کے خلاف بطور حجت روایت حدیث عدم تفقہ کی دلیل ہے اور یہ کہ تمہاری روایت کردہ حدیث نبوی خلاف اصول شرع ہے۔

ان تمام باتوں میں مغیرہ نے کوئی بات بھی نہیں کہی، بلکہ پورے خلوص کے ساتھ اس اعتراض کو سنا اور بجا سمجھا اور بقول ابن حجر ”والظاہر أنه رجح إليه“¹ اپنے طرز عمل کو بدل کر حدیث نبوی کے مطابق بنایا، کسی قسم کا حیل و حجت نہیں کیا۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ خلاف حدیث عمل کرنے پر خواہ کوئی بھی ہو، صحابہ اعتراض کرتے تھے اور اسے خلاف تفقہ نہیں سمجھتے تھے۔ اس حدیث صحیح سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ صحابہ کے زمانے میں کسی فقیہ کے عمل کے خلاف روایت حدیث کو عدم تفقہ کی دلیل نہیں سمجھا جاتا تھا اور نہ روایت حدیث کرنے والے کو نشانہ طعن و تشنیع بنایا جاتا تھا، مگر مصنف انوار نے عجیب انداز میں روایت حدیث پر سب و شتم اور طعن و تشنیع کا دروازہ کھول رکھا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہے کہ فقیہ صحابی پر بھی بعض احادیث مخفی رہتی تھیں۔ پھر وہ فقہاء اہل الرائے کس شمار میں ہیں جو بقول فاروق اعظم حفظ و روایت سے عاجز و قاصر ہونے کے سبب قیاس پر عمل کرتے تھے؟

دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ حدیث نبوی کے خلاف عمل کرنے کے سبب خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز پر بھی اعتراض ہوا اور یہ اعتراض جلیل القدر تابعی نے کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ تابعین میں بھی خلاف حدیث عمل کرنے کی سبب فقہاء پر اعتراض ہوتا تھا۔

اسی طرح اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز فقہاء پر خلاف حدیث عمل کرنے کے سبب اعتراض کو غلط نہیں سمجھتے تھے، بلکہ فقہاء اپنے عمل کو خلاف حدیث پا کر حدیث کی طرف رجوع کرتے تھے، کیونکہ عمر بن عبدالعزیز بذات خود سارے فقیہوں کے فقیہ تھے اور انھوں نے حدیث کے مطابق اپنے عمل میں اصلاح کی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز پر بھی یہ اعتراض دوسری صدی سے پہلے ہی پیش آیا تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے عروہ کی بیان کردہ مرسل حدیث کو اس وقت تک حجت نہیں مانا جب تک اس کو انھوں نے متصلاً بیان نہیں کیا۔

مگر مصنف انوار مدعی ہیں کہ مرسل حدیث کی حجیت سے انکار کی مہم بھی دوسری صدی کے بعد خصوصاً امام بخاری کے ذریعے چلائی گئی۔² اس موضوع پر مفصل گفتگو آگے آرہی ہے۔ ان مباحث سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اگر مصنف انوار کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ انوار الباری مجموعہ افادات انور شاہ ہے تو علامہ انور شاہ کے علم حدیث میں ماہر ہونے کا شہرہ صرف پروپیگنڈہ کے زور پر ہو گیا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ مصنف انوار حضرت عمر بن عبدالعزیز کو مجدد امت اور امام و مجتہد مانتے ہیں، ورنہ ان کے اصول سے موصوف عمر بن عبدالعزیز مجدد دین بھی غیر فقیہ ہی قرار پاتے ہیں، کیونکہ وہ بھی آگ سے پکی ہوئی چیز کے استعمال سے وضو کرنے

والی حدیث کے راوی ہیں اور نہ صرف راوی بلکہ اس پر عامل بھی اور اس کے مطابق فتویٰ دینے والے بھی، چونکہ موصوف عمر بن عبدالعزیز کا ذکر آ گیا ہے اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان کا ایک فرمان یہاں نقل کریں تاکہ اہل عقل کے لیے عبرت ہو۔

بقول عمر بن عبدالعزیز خلاف حدیث کسی کا قول و فعل حجت نہیں:

کتب حدیث میں مروی ہے:

”إن عمر بن عبدالعزیز کتب إلى الناس أنه لا رأي لأحد مع سنة سنهنا رسول الله صلى الله عليه وسلم.“^①

یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ساری اسلامی سلطنت کے لوگوں کو یہ لکھا کہ سنت نبوی کی موجودگی میں کسی بھی شخص کا فتویٰ و قول قبول نہیں کیا جاسکتا۔

عمر بن عبدالعزیز کے اس فرمان سے معلوم ہوا کہ وہ حدیث نبوی کے مقابلہ میں کسی کے قول کو، خواہ وہ قول صحابی ہو حتیٰ کہ قول خلیفہ راشد حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہی کیوں نہ ہو، حجت نہیں مانتے، چہ جائیکہ فقہاء متاخرین اور وہ بھی اہل الراي فقہاء کے اقوال و فتاویٰ۔ حضرت خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کا یہ فرمان ان کے مذہب و مسلک کی توضیح کے لیے کافی ہے کہ انھوں نے بذریعہ تحریر پوری دنیا کے اسلام کے لوگوں کو اس بات سے باخبر کیا کہ حدیث نبوی کے ہوتے ہوئے کسی اور کے قول کو نہ لیا جائے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کا یہ فرمان و مذہب انفرادی نہیں تھا، بلکہ دوسرے صحابہ و تابعین سے بھی ایسا ہی منقول ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔

”عن ابن عباس وعطاء و مجاهد و مالک بن أنس رضي الله عنهم أنهم كانوا يقولون: ما من أحد إلا وهو مأخوذ من كلامه و مردود عليه إلا رسول الله صلى الله عليه وسلم.“^②

ظاہر ہے کہ ان حضرات کا مسلک بھی عمر بن عبدالعزیز ہی کے مطابق ہے۔ حضرت امیر معاویہ نے صحابہ و تابعین کی موجودگی میں خطبہ دیتے ہوئے صاف کہا:

”قد بلغني أن فيكم رجالا يتحدثون بأحاديث ليست في كتاب الله ولا تؤثر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فأولئك جهالكم.“^③

یعنی لوگ ایسے اقوال الناس بیان کرتے ہیں جو کتاب و سنت میں نہیں، ایسا کرنے والے جہال ہیں۔

ظاہر ہے کہ اس روایت میں احادیث سے مراد وہ اقوال الناس ہیں جو احادیث نبویہ کے خلاف ہوں۔ یہی بات فاروق

اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح منقول ہے:

① جامع بيان العلم (۲/ ۳۴) و إعلام الموقعين لابن قيم (۱/ ۲۶) و سنن الدارمي (۱/ ۹۵)، باب ما يتقى من تفسير حديث النبي صلى الله عليه وسلم وقول غيره عند قوله صلى الله عليه وسلم) ومفتاح الجنة للسيوطي (ص: ۴۳) و حجة الله البالغة للشاه ولي الله (۱/ ۵۰) و الإحكام في أصول الأحكام للإمام ابن حزم: ۵۳/ ۶ باب الخامس والثلاثين

② حجة الله البالغة. ③ إعلام الموقعين (۱/ ۲۱ بحواله صحيح بخاري)

”عن السائب بن يزيد أنه سمع عمر بن الخطاب يقول: أن حديثكم شر الحديث، إن كلامكم، شر الكلام فإنكم قد حدثتم الناس حتى قيل: قال فلان، قال فلان، ويترك كتاب الله، من كان منكم قائماً فليقم بكتاب الله وإلا فليجلس.“^①

”تم لوگوں کا یہ طریق عمل بہت خراب ہے کہ دوسروں کے اقوال و آثار کو بیان کرتے پھرتے ہو، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ انھی اقوال و آثار کو بطور حجت پیش کر کے کہتے ہیں کہ فلاں نے ایسا کہا، فلاں نے ویسا کہا، حتیٰ کہ کتاب اللہ متروک ہوگئی۔“

اس سے بھی معلوم ہوا کہ لوگوں کے ذاتی اقوال و افعال فی نفسہ حجت نہیں۔ اور ہم عرض کر آئے ہیں کہ یہ بات اتنی واضح، روشن اور ظاہر ہے کہ اس پر دلائل قائم کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں، مگر بعض کا ذکر بطور مثال اس لیے کر دیا گیا کہ عوام کو زیادہ اطمینان ہو سکے، البتہ اکابر امت خصوصاً کبار صحابہ کے جو اقوال و افعال نصوص کتاب و سنت کے خلاف نہ ہوں، وہ فی نفسہ حجت نہ ہونے کے باوجود ہماری ذاتی آراء کے بالمقابل زیادہ بہتر ہیں اور پیش آمدہ امور میں اپنی ذاتی رائے سے اکابر امت کے اقوال و افعال، جو خلاف نصوص نہ ہوں، زیادہ قابل عمل ہیں۔

تدوین حدیث کے متعلق عمر بن عبدالعزیز کی حدیث پر مکمل بحث:

ہمارے ذکر کردہ مندرجہ بالا نظریہ و موقف سے تعلق رکھنے والی ایک روایت صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس طرح منقول ہے:

”کتب عمر بن عبدالعزیز إلى أبي بكر بن حزم انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبه، فإني خفت دروس العلم، وذهاب العلماء، ولا تقبل إلا حديث النبي صلى الله عليه وسلم وليفشو العلم، وليجلسوا حتى يعلم من لا يعلم، فإن العلم لا يهلك حتى يكون سراً، حدثنا العلاء بن عبد الجبار حدثنا عبد العزيز بن مسلم عن عبد الله بن دينار بذلك.“

یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو یہ تحریری فرمان بھیجا کہ احادیث نبویہ کو تلاش کر کے لکھ ڈالو، کیونکہ مجھے، علم اور علماء کے ختم ہو جانے کا خطرہ ہے۔ تم احادیث نبویہ کے علاوہ کوئی اور چیز قبول نہ کرو، لوگ علم کو پھیلائیں اور تعلیم کے لیے بٹھائے جائیں، تاکہ ناواقف لوگ واقف ہو جائیں، کیونکہ علم ہلاک نہیں ہوگا۔ ہاں ایک مخفی راز بن جائے گا۔ یہ حدیث ہم سے (یعنی امام بخاری سے) علاء بن عبدالجبار نے بیان کی اور ان سے عبدالعزیز بن مسلم اور انھوں نے اسے عبداللہ بن دینار سے روایت کیا۔

یہ صحیح حدیث صاف طور پر اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حدیث نبوی کو تو حجت مانا مگر دوسرے لوگوں کے اقوال و آثار اور فتاویٰ کو ناقابل قبول قرار دیا۔ یہ حدیث صحیح بخاری کے بعض نسخوں خصوصاً نسخہ یونینی میں اسی طرح ہے۔^②

① الإحكام لابن حزم (٢/٩٧، ٩٨)

② إرشاد الساري (١/١٩١، ١٩٣) وعمدة القاري (١/٥٢٧ بحواله الكواكب الدراري للكرمانی)

مصنف انوار کے استاذ علامہ انور شاہ نے کہا ہے کہ ”نسخہ یونینی“ بخاری کے نسخوں میں سب سے زیادہ قابل اعتماد اور پختہ ہے۔¹ چنانچہ امام ابن حزم اور ابن بطلال نے بھی یہ حدیث انھی الفاظ و معانی میں روایت کی ہے اور چونکہ یہ حدیث بالصرحت اس بات کی دلیل قاطع ہے کہ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز احادیث نبویہ کے علاوہ ”اقوال الناس“ کو حجت نہیں مانتے تھے، اس لیے امام ابن حزم نے اسے نقل کرنے کے بعد کہا:

”فهذا عمر بن عبد العزيز لا يأمر، ولا يجيز إلا حديث النبي صلى الله عليه وسلم وحده.“² یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز حدیث نبوی کے علاوہ کسی کے قول و فعل اور اثر و فتویٰ کو حجت بنانے کی اجازت نہیں دیتے۔ ہر صاحب عقل و شعور امام ابن حزم کی اس حقیقت بیانی کو پوری طرح محسوس کر سکتا ہے، امام ابن حزم کی طرح یعنی یہی بات امام ابن بطلال (ابو الحسن علی بن خلف مغربی متوفی ۴۴۴ھ) نے کہی ہے کہ:

”في أمر عمر بكتابة حديث النبي عليه الصلوة والسلام خاصة وأن لا يقبل غيره الحض على اتباع السنن.“³

یعنی حضرت عمر نے جو قول نبوی کے سوا کچھ بھی لکھنے کی ممانعت کر دی تو اس کا مطلوب صرف یہ تھا کہ سنن نبویہ ہی کا اتباع کیا جائے، یعنی اسی کو حجت مانا جائے۔

حاصل یہ کہ بخاری، ابن حزم اور ابن بطلال کی نقل کردہ حدیث عمر بن عبدالعزیز کی حدیث میں اس کی پوری صراحت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز حدیث نبوی کے علاوہ اقوال الناس کو، خواہ وہ اقوال صحابہ و تابعین کے ہوں یا کسی اور کے، حجت شرعیہ نہیں مانتے تھے، اور ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ دوسری روایت صحیحہ سے بھی یہی بات ثابت ہو چکی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز غیر نبی کے اقوال و فتاویٰ کو فی نفسہ حجت نہیں مانتے، لیکن صحیح بخاری و ابن حزم و ابن بطلال کی مذکورہ بالا حدیث عمر کو بعض لوگوں نے قدرے تغیر کے ساتھ روایت کیا ہے، جس میں لفظ ”لا تقبل إلا حديث النبي صلى الله عليه وسلم“ نہیں ہے۔ چنانچہ سنن دارمی، موطأ محمد اور تمہید لابن عبدالبر میں یہ روایت بدعویٰ مصنف انوار اس طرح ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے ابو بکر بن حزم کو یہ حکم دیا تھا کہ احادیث نبویہ کے ساتھ آثار صحابہ بھی لکھوائیں۔

موطأ محمد، دارمی اور تمہید کی روایت:

اس سلسلے میں مصنف انوار الباری کے الفاظ درج ذیل ہیں، ملاحظہ ہو:

”آپ نے (یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے) اپنے نائب والیٰ مدینہ ابو بکر حزمی رضی اللہ عنہ کو فرمان بھیجا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور حضرت عمر کے آثار جمع کر کے لکھو۔“⁴

”موطأ محمد میں ہے کہ احادیث رسول اور سنن یا حدیث عمر یا اس کے مثل دوسرے صحابہ کے آثار سب جمع کر کے لکھو، کیونکہ مجھے علم کے ضائع ہونے اور علماء کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تقریباً یہی الفاظ دارمی نے بھی اپنی

① مقدمہ فیض الباری (۱/۳۷)

② الإحكام (۶/۱۰۹، ۱۱۰)

④ تنوير الحوالك (ص: ۵)

③ عمدة القاري (۲/۵۲۷)

سنن میں روایت کیے ہیں، حافظ ابن عبدالبر نے تمہید میں امام مالک سے بطریق ابن وہب روایت کی ہے کہ عمر بن عبدالعزیز تعلیم حدیث و فقہ کے لیے تمام شہروں کو احکام بھیجا کرتے تھے، مدینہ طیبہ کے لوگوں کو عمل بالنسہ کی تلقین فرماتے اور ان سے گزشتہ واقعات پوچھتے تھے اور ابو بکر حزمی کو حکم دیا تھا کہ حدیث جمع کر کے لکھوائیں اور ان کے پاس ارسال کریں۔ حزمی نے بہت سی کتابیں لکھوائیں، مگر حضرت عمر کی زندگی میں آپ کو نہ بھیج سکے۔ ابن عبدالبر نے نقل کیا ہے کہ امام زہری کو بھی عمر نے جمع حدیث کا حکم دیا تھا اور انھوں نے دفتر کے دفتر جمع کیے، جن کی نقول عمر نے اپنے قلمرو میں بھجوائیں۔¹

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے مختلف حوالوں سے تدوین حدیث کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز کا جو فرمان نقل کیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ بعض روایات کے مطابق فرمان عمر میں احادیث نبویہ کے ساتھ صحابہ کے آثار و اقوال بھی جمع کر کے لکھنے کا حکم دیا گیا تھا، مگر کسی روایت میں بھی اس بات کی تصریح بلکہ اشارہ نہیں کہ صحابہ کے آثار و اقوال دلیل شرعی کی حیثیت بھی رکھتے ہیں اور یہ بالکل واضح بات ہے کہ اقوال و آثار صحابہ کو لکھنے کا حکم دینے سے یہ ہر گز لازم نہیں آتا کہ انھیں دلیل شرعی بھی قرار دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

دریں صورت صحیح بخاری میں مذکور عمر بن عبدالعزیز کے فرمان میں جب اس بات کی تصریح موجود ہے کہ ”لا تقبل إلا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ تو صحیح بخاری کی اس روایت کے ساتھ مذکورہ بالا روایات کو ملانے سے حاصل معنی یہ بنتے ہیں کہ فرمان عمر میں احادیث نبویہ کے ساتھ ساتھ اگرچہ آثار و اقوال صحابہ کو لکھنے کا بھی حکم تھا، مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ صراحت بھی کر دی گئی تھی کہ ان جمع کردہ چیزوں میں سے بطور دلیل شرعی صرف فرمان نبوی ہی کو قبول کیا جاسکتا ہے، البتہ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ نصوص کتاب و سنت و اجماع امت پر عدم واقفیت کی صورت میں کسی بھی صحابی کا جو قول و فعل نصوص و اجماع سے قریب تر محسوس ہو اس پر اپنی ذاتی رائے کے مقابلہ میں عمل کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ صحیح بخاری میں واقع لفظ ”لا تقبل إلا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ فرمان عمر بن عبدالعزیز کا ایک ٹکڑا ہے، مگر مصنف انوار چونکہ عام اہل علم کے بالمقابل دوسری طرح کے سمجھدار واقع ہوئے ہیں، اس لیے انھوں نے سمجھا کہ ”لا تقبل إلا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ کا لفظ فرمان عمر میں شامل نہیں تھا، بلکہ اسے امام بخاری نے اپنی طرف سے ایجاد کر کے بڑھا دیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے مصنف انوار نے بعنوان ”ایک اہم مغالطہ“ بھاری لغو طرازی کی ہے۔

امام بخاری پر مصنف انوار کی زبان درازی (ایک اہم مغالطہ):

مصنف انوار امام بخاری کے خلاف زہرافشانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”یہاں ایک مغالطہ کا ازالہ ضروری ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”باب کیف یقبض العلم“ میں بطور تعلیق حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرمان مذکورہ کو ذکر کیا ہے اور اس کے بعد یہ جملہ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے کہ ”سوائے“

حدیث رسول ﷺ اور کوئی دوسری چیز نہ لی جائے۔“ بعض لوگوں نے سمجھا کہ یہ جملہ بھی حضرت عمر کا ہی ہے۔ ”اور اس سے ثابت ہوا کہ جو کتاب حزمی نے جمع کی ہوگی اس میں سوائے حدیث رسول کے اور کچھ نہ تھا، کیونکہ عمر نے اپنے فرمان میں ان کو غیر حدیث لکھوانے سے قطعاً روک دیا تھا، حالانکہ یہ ظن فاسد ہے، جس کا منشا موطاً امام محمد و سنن دارمی کی روایات مذکورہ سے ناواقفیت ہے، کیونکہ ان میں صراحت سے حضرت عمر وغیرہ کے اقوال وغیرہ جمع کرنے کا حکم بھی تھا، پھر کیونکر ممکن تھا کہ ابوبکر حزمی حضرت عمر کے فرمان کی تعمیل کرتے اور حضرت عمر و بقیہ خلفاء کے آثار و اقوال نہ لکھتے۔ اس کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام بخاری نے یہ جملہ کیونکر بڑھایا اور اس کی بنا کیا ہے؟ شاید کسی کسی روایت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرمان کی عبارت ناقص نقل ہوئی ہے، اسی لیے غیر حدیث لکھنے کی ممانعت سمجھ لی گئی یا روایت کا اتنا ٹکڑا امام بخاری کی شرط پر صحیح نہ تھا، لیکن اس صورت میں بھی زیادہ سے زیادہ یہ کہ غیر حدیث کا قبول و عدم قبول دونوں بدرجہ مساوی ہی رہتے ہیں یا دوسری صدی کے بعد جو آثار صحابہ اور تعال کی حجیت کو گرایا گیا، اسی کی یہ تمہید ہو کہ ایسی روایات پر پہلے ہی سے کڑی نظر رکھی جائے۔ واللہ أعلم بما فی الصدور! امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ”لا یقبل“ کا اضافہ شاید اس لیے کیا ہو کہ وہ آثار صحابہ کو حجت نہیں سمجھتے تھے۔“¹

ناظرین کرام سب سے پہلے مصنف انوار سے یہ دریافت کریں کہ آپ نے جس ”اہم مغالطہ“ کا تذکرہ اس عبارت میں فرمایا ہے، اس اہم مغالطہ میں لوگوں کو ڈالنے کی کوشش کرنے والے سے آپ کی مراد کون سا شخص ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ مصنف انوار کی مراد سوائے امام بخاری کے اور کوئی نہیں۔ اس طرح اپنے اس بیان کے ذریعے مصنف انوار نے امام بخاری کو مغالطہ دینے والا قرار دیا ہے اور ان کے خلاف طنز و تعریض اور طعن کا جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ ناظرین ان کی عبارت میں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

ایک ہی روایت کے سلسلے میں مصنف انوار کی متعدد غلط بیابیاں:

- ناظرین دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں کئی دعویٰ کیے ہیں:
- ۱- حضرت عمر بن عبدالعزیز کی حدیث مذکور کو امام بخاری نے ”باب کیف یقبض العلم“ میں بطور تعلق ذکر کیا ہے۔
 - ۲- حدیث عمر میں امام بخاری نے اپنی طرف سے یہ جملہ بڑھا دیا ہے کہ ”سوائے حدیث نبوی کے کوئی دوسری چیز نہ لی جائے۔“
 - ۳- حدیث عمر میں امام بخاری کے اس جملہ کے بڑھا دینے سے بعض لوگوں نے سمجھا کہ یہ جملہ حضرت عمر کا ہے، حالانکہ یہ جملہ حضرت عمر کا نہیں ہے۔
 - ۴- حدیث عمر میں امام بخاری کے اس جملہ کے بڑھا دینے سے اس کا یہ مطلب بن گیا کہ جو کتاب ابوبکر حزمی نے بکرم عمر جمع کی اس میں حدیث نبوی کے علاوہ دوسری چیز یعنی آثار و اقوال صحابہ نہیں لکھے گئے، کیونکہ امام بخاری نے اپنی طرف سے یہ جملہ بڑھا کر اس کے یہ معنی پیدا کر دیے کہ حضرت عمر نے حدیث نبوی کے علاوہ دوسری چیزوں کے لکھنے سے منع کر دیا تھا۔

- ۵۔ امام بخاری کے بڑھائے ہوئے جملہ سے جو مذکورہ معنی پیدا ہوا وہ ظن فاسد ہے، جس کا سبب موطأ محمد و سنن داری کی روایت سے ناواقفیت ہے۔
- ۶۔ حدیث عمر میں امام بخاری کے اپنے بڑھائے ہوئے جملہ سے جو یہ معنی پیدا ہو گیا کہ فرمان عمر میں حدیث نبوی کے علاوہ کسی اور چیز کے لکھنے اور قبول کرنے کی ممانعت کی گئی تھی، وہ معنی اس لیے غلط ہے کہ موطأ محمد و داری کی روایت کا مضمون اس کے بالکل خلاف ہے۔
- ۷۔ امام بخاری کے اس اضافہ سے جو مذکورہ بالا خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں، ان کو سامنے رکھنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس جملہ کو بڑھانے سے اتنی ساری خرابیاں پیدا ہوئیں اسے امام بخاری نے اپنی طرف سے کیوں بڑھا دیا؟ کیونکہ ان کی اس کارستانی سے پیدا ہونے والی یہ ساری خرابیاں بہت خطرناک ہیں۔
- ۸۔ مصنف انوار کی نظر میں سوال مذکور کے کئی جواب ہو سکتے ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ صحیح بخاری میں منقول روایت پوری نہیں ادھوری ہے اور امام بخاری اسی ادھوری روایت پر واقف ہو سکے، موطأ محمد وغیرہ والی پوری روایت سے واقف نہیں ہو سکے، اس لیے انھوں نے اپنی واقفیت کے مطابق ادھوری روایت کو نقل کر دیا اور اس میں اپنے نظریہ کے مطابق اپنی طرف سے ”لا تقبل إلا حدیث الرسول“ بڑھا دیا۔
- ۹۔ دوسرا جواب یہ کہ (یہ مصنف انوار کا نواں دعویٰ ہوا) صحیح بخاری سے زائد والا ٹکرا امام بخاری کی شرط پر صحیح نہیں تھا، اس لیے امام بخاری نے اسے نقل نہیں کیا اور اپنے نظریہ کے مطابق اس میں اپنی طرف سے ”لا تقبل...“ کا جملہ بڑھا دیا۔
- ۱۰۔ امام بخاری کی طرف سے اپنے ہی دیے ہوئے جواب مذکور پر مصنف انوار کا یہ اعتراض ہے (یہ اعتراض مصنف انوار کا دسواں دعویٰ ہے) کہ اگر امام بخاری کی شرط پر یہ جملہ صحیح نہیں تھا تو بھی اس فرمان عمر کا یہ مطلب سمجھ لینا غلط ہے کہ اس میں حدیث نبوی کے علاوہ دوسروں کے اقوال و آثار لکھنے کی ممانعت تھی، کیونکہ اس صورت میں اقوال و آثار صحابہ کے لکھنے یا قبول کیے جانے کا پلہ برابر ہونا چاہیے۔
- ۱۱۔ اپنے قائم کردہ سوال کا تیسرا جواب مصنف انوار نے یہ دیا ہے کہ دوسری صدی کے بعد یعنی امام بخاری کے زمانے میں آثار صحابہ و تعامل کی جیت کو گرانے کا جو نظریہ پیدا ہوا، اسی کے تحت امام بخاری نے یہ اضافہ کر دیا۔ ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کے مذکورہ بالا اکثر دعاوی کی حقیقت ہماری گزشتہ تحریر سے واضح ہو چکی ہے۔ دعویٰ اول کی حقیقت اس طرح باسانی معلوم ہو سکتی ہے کہ اس میں مصنف انوار نے یہ کہہ رکھا ہے کہ قول عمر کو امام بخاری نے بطور تعلیق نقل کیا ہے اور اصطلاح محدثین میں ”تعلیق“ بلا ذکر سند نقل کردہ روایت کو کہتے ہیں۔^①
- لیکن جس کا جی چاہے صحیح بخاری کھول کر دیکھ لے کہ امام بخاری نے مذکورہ روایت کے ساتھ اس کی پوری متصل سند بھی ذکر کر دی ہے، اس سے ہر شخص باسانی سمجھ سکتا ہے کہ مصنف انوار نے کھلی ہوئی غلط بیانی کی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ غلط بیانی منصوبہ بند خفیہ سازش کے تحت اپنی عادت کے مطابق کی گئی ہے۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ روایت مذکورہ کی سند امام بخاری کی طرح امام ابن حزم اور ابن بطلال نے بھی بیان کر دی ہے۔

① عام کتب اصول حدیث.

مصنف انوار کے دوسرے دعویٰ کا بطلان اس بات سے ظاہر ہے کہ دعویٰ مذکورہ خالی از دلیل ہونے کے ساتھ امام بخاری کی ذات پر ایک ایسا بے جا الزام ہے جس کا روادار کوئی معتدل مزاج صاحب علم نہیں ہو سکتا۔ نیز ہم بدلائل واضح ثابت کر چکے ہیں کہ صحیح بخاری کی روایت مذکورہ کے علاوہ دوسری روایات معتبرہ بھی اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز صحابہ کے اقوال و آثار کو فی نفسہ حجت شرعیہ نہیں مانتے تھے، لہذا صحیح بخاری کی روایت مذکورہ میں زیر نظر جملہ اگر بالفرض حضرت عمر سے نہ منقول ہو تو بھی انصاف پسند صاحب علم کو یہ مانے بغیر چارہ نہیں کہ حضرت عمر اقوال و آثار صحابہ کو فی نفسہ حجت نہیں مانتے تھے۔

معلوم ہوا کہ مصنف انوار کا دوسرا دعویٰ ثابت شدہ حقیقت کے خلاف ہے، دریں صورت ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ موصوف کا تیسرا دعویٰ بھی باطل ہے، جس میں یہ کہا گیا ہے کہ امام بخاری کے اس جملہ کو بڑھا دینے سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ یہ جملہ حضرت عمر ہی کا ہے، کیونکہ اس میں شک نہیں کہ یہ جملہ حضرت عمر ہی کا ہے، جس کی دلیل بیان ہو چکی ہے اور یہ بات صرف بعض لوگوں نے نہیں سمجھی ہے، بلکہ مصنف انوار کے علاوہ پوری امت یہی سمجھتی ہے کہ حدیث نبوی کے علاوہ دوسروں کے اقوال و افعال فی نفسہ حجت شرعیہ نہیں ہیں۔ مصنف انوار کے چوتھے دعویٰ میں جو یہ کہا گیا کہ جملہ مذکورہ کے بڑھا دینے سے حدیث مذکورہ کا یہ مطلب بن گیا کہ جو کتاب حزمی نے بحکم عمر لکھی، اس میں حدیث نبوی کے علاوہ دوسری چیز نہیں تھی، کیونکہ بڑھائے ہوئے جملہ کا یہ مطلب ہو گیا کہ حضرت عمر نے غیر حدیث نبوی کے لکھنے سے منع کر دیا تھا تو یہ بات صرف مصنف انوار ہی کی سمجھ میں آئی ہوگی، ورنہ اس جملہ کا مطلب صرف یہ ہے کہ بطور حجت و دلیل شرعی غیر حدیث نبوی قبول نہ کرنے کا حکم حضرت عمر نے دیا تھا، اس سے غیر حدیث نبوی کے لکھنے اور جمع کرنے کی ممانعت و نفی ثابت نہیں ہوتی۔

اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ مصنف انوار نے اپنے پانچویں دعویٰ میں جملہ مذکورہ کے جس خود ساختہ معنی کو ظن فاسد کہا ہے، وہ مصنف انوار کا اپنا ظن فاسد ہے، ظاہر ہے کہ یہ ظن فاسد حدیث و اہل حدیث کی تردید کا بے پناہ جذبہ رکھنے کے سبب مصنف انوار کے دماغ میں پیدا ہوا ہے اور اس قسم کے ظنون فاسدہ مصنف انوار جیسے مقلدین جامدین و متعصبین کے اذہان میں بکثرت پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں اور مصنف انوار نے اپنے ایک سابقہ بیان میں سیوطی سے نقل کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے کہ حضرت عمر نے حزمی کو یہ فرمان بھیجا تھا کہ احادیث اور آثار عمر وغیرہ جمع کر کے لکھوائیں تو ناظرین اس سلسلے میں ہماری پیش کردہ تحقیق ملاحظہ کر چکے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ حدیث کی کسی بھی کتاب میں روایت مذکورہ میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ فرمان عمر میں صحابہ و تابعین کے ذاتی اقوال و آثار کو حجت شرعیہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ بعض کتابوں میں صرف یہ منقول ہے کہ احادیث نبویہ کے ساتھ آثار صحابہ و تابعین کو بھی لکھنے کا حکم تھا اور یہ بات اس امر کو مستلزم نہیں کہ صحابہ و تابعین کے ذاتی اقوال و آثار حجت شرعیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

البتہ ہم یہ عرض کر چکے ہیں کہ نصوص کتاب و سنت اور اجماع امت نہ ملنے کی صورت میں اپنے ذاتی قیاس و رائے کے بالمقابل صحابی و تابعی کے قول و عمل کو اخذ کرنا بہتر ہے۔ مصنف انوار نے صحیح بخاری کی روایت کے خلاف بزعم خویش جن روایات کو یہ سمجھ کر پیش کیا ہے کہ یہ روایت صحیح بخاری والی روایت کے بالمقابل صحابہ و تابعین کے اقوال و آثار کے حجت ہونے

پر دال ہیں، ان پر ہم فی نقطۂ نظر سے گفتگو کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی روایت موصوف نے سیوطی کی تنویر الحوالک سے نقل کی ہے۔ دریں صورت ہماری درج ذیل گزارش ملاحظہ ہو:

حدیث بخاری میں سیوطی کی تصحیف:

ہم نے اپنی اس کتاب میں ایک جگہ واضح کر دیا ہے کہ علامہ سیوطی نقلِ روایت میں غیر محتاط، متسائل، حاطب اللیل اور جامع غث وسمین ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنی عادت کے مطابق ”انظر ما كان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أو سنة أو من حدیث عمر أو نحو هذا فاكتبه لي“ والی روایت کی بابت کہہ دیا کہ:

”علقه البخاري في صحيحه“¹

حالانکہ اولاً: صحیح بخاری میں اس روایت کے اندر ”أو سنة أو حدیث عمر أو نحو هذا“ کے الفاظ نہیں ہیں، یہ سیوطی نے اپنی طرف سے تصحیف و تحریف کر کے لکھ دیے ہیں۔

ثانیاً: سیوطی نے کہا ہے کہ روایت مذکورہ کو امام بخاری نے تعلیقاً نقل کیا ہے اور اصطلاح میں تعلیق ایسی روایت کو کہتے ہیں جسے بلا ذکر سند نقل کیا گیا ہو، حالانکہ بخاری میں یہ روایت پوری سند کے ساتھ منقول ہے، جیسا کہ ہم خود اسے سند کے ساتھ نقل کر آئے ہیں۔

دریں صورت نہیں کہا جاسکتا کہ اس روایت کے لیے سیوطی نے جو حوالے دیے ہیں وہ کہاں تک صحیح ہیں؟ امام ہروی ابو اسماعیل عبداللہ بن محمد اصہبانی (مولود ۳۹۶ھ و متوفی ۴۸۱ھ) کی کتاب ذم الکلام سے تنویر الحوالک میں یہ روایت نقل تو کی گئی ہے، مگر اس کی پوری سند نہیں دی گئی کہ اس کے رجال و رواۃ سے اس کی اصل حقیقت معلوم ہو۔

کیا دور صحابہ میں احادیث لکھنے کا رواج نہیں تھا؟

تنویر الحوالک کی نقل کردہ بے سند روایت مندرجہ ذیل الفاظ میں منقول ہے:

”أخرج الهروي في ذم الكلام من طريق يحيى بن سعيد عن عبد الله بن دينار قال: لم يكن الصحابة ولا التابعون يكتبون الحديث، إنما كانوا يؤدونها لفظاً، ويأخذونها حفظاً إلا كتاب الصدقات، والشئ اليسير الذي يقف عليه الباحث بعد الاستقصاء.“

یعنی یحییٰ بن سعید انصاری سے مروی ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن دینار سے روایت کی کہ صحابہ و تابعین حدیث کو لکھتے نہیں تھے، صرف زبانی طور پر بزرگ حافظ اس کی روایت واخذ کرتے تھے، البتہ صدقہ کے متعلق احادیث اور بعض معمولی تعداد میں دوسری حدیثیں بھی لکھتے تھے، حتیٰ کہ علم کے مٹ جانے کا خطرہ پیدا ہوا اور علماء تیزی سے مرنے لگے تو عمر بن عبدالعزیز نے حزمی کو حکم دیا کہ احادیث نبویہ و آثار فاروقی کو لکھیں۔

اولاً: اس روایت کا یہ مضمون خلاف درایت ہے کہ صحابہ و تابعین احادیث لکھتے نہیں تھے۔ خود مصنف انوار نے اس سے پہلے

(۱/ ۱۸، ۱۹، ۲۲، ۲۳) تصریح کی ہے کہ بہت سے صحابہ مثلاً ابن مسعود، ابو ہریرہ، سعد بن عبادہ، ابو موسیٰ اشعری، علی بن ابی طالب، معاذ بن جبل، عمرو بن حزم، عبداللہ بن عمرو بن العاص، وائل بن حجر رضی اللہ عنہم وغیرہ جیسے صحابہ کے پاس احادیث کے تحریری مجموعے موجود تھے۔ مصنف انوار لکھتے ہیں:

”عبداللہ بن عمرو بن العاص سے سنن ابی داؤد میں روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنتا تھا سب لکھ لیا کرتا تھا، ایک دفعہ قریش نے مجھے روکا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب کچھ میری زبان سے نکلی ہوئی باتیں لکھا کرو، میری زبان سے حق ہی بات صادر ہوتی ہے۔“^۱

مصنف انوار کی نقل کردہ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ بعض صحابہ تمام احادیث نبویہ کو لکھ لیا کرتے تھے، کیونکہ انھیں ایسا کرنے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دیا تھا۔ مصنف انوار کا یہ ارشاد بھی ہے:

”تدوین حدیث کے سلسلے میں مذکورہ بالا تفصیل کا خلاصہ یہ ہوا کہ سب سے پہلا اقدام تدوین حدیث و کتاب سنن و آثار کے لیے وہ تھا جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے کیا۔ انھوں نے مجموعہ احادیث تالیف کیا جس کا نام ”صادقہ“ رکھا اور ان کی طرح دوسرے صحابہ نے بھی اس خدمت کو انجام دیا۔“^۲

مصنف انوار کے مذکورہ بالا بیانات ہی سے سیوطی طلب اللیل کی ذکر کردہ زیر بحث امام ہروی والی روایت کی کمزوری ظاہر ہوگی، ثانیاً باعتبار سند اس کا حال یہ ہے کہ پوری سند مذکور نہیں، مگر سند کا جو حصہ مذکور ہے اس میں ایسی زبردست علت قادحہ موجود ہے جس سے روایت ساقط الاعتبار قرار پا جاتی ہے۔

عبداللہ بن دینار اور یحییٰ بن سعید کا تذکرہ:

مذکورہ بالا روایت میں علت یہ ہے کہ اس کے راوی عبداللہ بن دینار عدوی مدنی (متوفی ۱۲۷ھ)^۳ ہیں۔ اگرچہ یہ متکلم فیہ ہونے کے باوجود بقول راجح ثقہ ہیں، مگر ان سے یہ روایت یحییٰ بن سعید انصاری قاضی مدنی (متوفی ۱۴۳ھ، ۱۴۴ھ یا ۱۴۶ھ) نے نقل کی ہے جو ثقہ امام ضرور تھے، مگر بتصریح امام یحییٰ قطان (جو بقول مصنف انوار حنفی تدوین فقہ کی مجلس تدوین کے رکن اور زبردست امام جرح و تعدیل تھے) مدلس ہیں۔

یحییٰ بن سعید انصاری کے مدلس ہونے کی بحث:

تہذیب (۱۱/ ۲۲۳) میں قطان سے منقول ہے کہ ”کان یحییٰ بن سعید یحدث ویدلس“ اسی طرح طبقات المدلسین لابن حجر رحمہ اللہ (ص: ۷۷) پر بھی ان کے مدلس ہونے کی تصریح موجود ہے۔ امام دارقطنی وغیرہ نے انھیں مدلس بتلایا ہے اور مدلس کی معنی روایت بالاتفاق غیر مقبول اور ساقط الاعتبار ہے۔^۴ اور یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ یہ روایت ”ذم الکلام للہروی“ میں یحییٰ انصاری نے معنی نقل کی ہے،^۵ لہذا یہ روایت ساقط وغیر معتبر ہوئی۔ سنن دارمی (۱/ ۱۰۳) حدیث:

① مقدمہ انوار (۱/ ۱۸ آخری پیرا گراف) ② مقدمہ انوار (۱/ ۲۷، ۲۸)

③ ان کا ترجمہ تہذیب التہذیب (۵/ ۲۰۱، ۲۰۲) وغیرہ میں ملاحظہ ہو۔

④ ذم مصلح الحدیث۔ ⑤ ذم الکلام (۴/ ۴۰)

(۴۹۳) میں بھی یہی روایت اس معنی کی یحییٰ مذکور سے معنعن ہی منقول ہے۔ سنن دارمی میں یحییٰ انصاری سے اس روایت کے ناقل ابو ضمیرہ انس بن عیاض (مولود ۱۰۲ھ و متوفی ۲۰۰ھ) اگرچہ ثقہ ہیں، مگر بقول ابن سعد ”کثیر الخطاء“ بقول ابو داؤد ”مغفل“ اور بقول امام مالک ”اجمق“ ہیں۔^۱ ابو ضمیرہ سے اسے روایت کرنے والے ابو عمر اسماعیل بن ابراہیم قطیبی (متوفی ۱۳۶ھ، ۱۳۷ھ) اگرچہ بقول راجح ثقہ ہیں، مگر کوثری نے انھیں ساقط الاعتبار کہا ہے۔^۲

بہر حال ابو عمر ثقہ ہیں، مگر اس روایت کی جن علتوں کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ مجموعی اعتبار سے اس روایت کو ساقط الاعتبار بنانے کے لیے کافی ہیں۔ یہ روایت اسی معنی کے ساتھ موطأ محمد میں بھی مروی ہے، مگر اس کو بھی یحییٰ بن سعید انصاری نے بلا تصریح سماع و تحدیث روایت کیا ہے اور اس کے لیے ”عن“ کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے ”قال“ کہا ہے، اور تدلیس کی یہ صورت بتصریح اہل علم مذموم ترین تدلیس ہے۔^۳

علاوہ ازیں اس روایت کے ناقل امام محمد بن حسن شیبانی اور ان کے نسخہ موطأ کے معتبر وقابل وثوق ہونے پر باعتبار مولانا عبدالحی فرنگی محلی علماء کی ایک جماعت کو کلام ہے۔ مولانا فرنگی محلی نے اگرچہ علماء کے اس کلام کو دفع کرنے کی کوشش کی ہے، مگر آئندہ صفحات میں یہ تفصیل آرہی ہے کہ امام محمد بذات خود معتبر نہیں۔ لہذا موصوف جس روایت کی نقل میں متفرد ہوں وہ بھی معتبر نہیں، موطأ امام مالک کے تیس سے زائد نسخوں میں سے سب سے آخری نسخہ کے ناقل امام یحییٰ بن یحییٰ (متوفی ۲۳۳ھ، ۲۳۴ھ) ہیں۔^۴ موطأ کے اس آخری نسخہ میں روایت مذکورہ موجود نہیں اور موطأ کے دوسرے نسخوں تک ہماری رسائی نہیں، جنہیں دیکھ کر معلوم کیا جاسکے کہ ان میں روایت منقول ہے یا نہیں اور اگر منقول ہے تو ان میں مندرج شدہ الفاظ موطأ محمد والے الفاظ سے مختلف ہیں یا متفق؟ البتہ موطأ کے نسخہ عبداللہ بن وہب مصری (متوفی ۱۹۷ھ) اور تمہید لابن عبدالبر میں امام مالک سے تعلیقاً یہ روایت ایسے الفاظ کے ساتھ منقول ہے جو موطأ محمد والی روایت سے مختلف ہیں۔ تمہید لابن عبدالبر کے الفاظ یہ ہیں:

”ویکتب إلی ابن حزم أن یجمع السنن ویکتب إلیہ بہا۔“^۵

یعنی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے امام حزمی کو لکھا تھا کہ سنن نبویہ جمع کر کے لکھیں اور ان کی خدمت میں بھیج دیں۔

امام مالک سے منقول روایت مذکورہ کے یہ الفاظ ظاہر ہے کہ موطأ محمد کے الفاظ سے مختلف ہیں۔ نیز سنن دارمی میں منقول ہے:

”کتب عمر بن عبد العزیز إلی أهل المدينة أن انظروا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فأکتبوه فإنی قد خفت دروس العلم وذہاب أهلہ“^۶

الغرض محفوظ روایت میں ”حدیث عمر أو نحوه“ یا اس کا ہم معنی لفظ موجود نہیں ہے، اگر بالفرض ہے بھی تو یہ

روایت بخاری کے معارض نہیں ہے اور اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ روایت بخاری میں جو یہ ارشاد عمر ہے کہ حدیث نبوی کے

۱ تہذیب التہذیب (۱/۳۷۶) ۲ تأنیب الخطیب (ص: ۱۱۴)

۳ کتب مصطلح حدیث. ۴ التعلیق الممجد (ص: ۲۹)

۵ مقدمة أوجز المسالك (۱/۲۲ تا ۲۶) و مقدمة تنویر الحوالک، و التعلیق الممجد.

۶ مقدمة تمہید لابن عبدالبر (۱/۸۰، ۸۱) و مقدمة تنویر الحوالک، و التعلیق الممجد (ص: ۱۴)

۷ سنن الدارمی (ص: ۱۷)

علاوہ کوئی چیز (یعنی اقوال و آثار صحابہ بطور حجت و دلیل) قبول نہ کی جائے، وہ روایت موطأ محمد و دارمی وغیرہ کے خلاف ہے، کیونکہ ہم عرض کر آئے ہیں کہ بشرط تسلیم صحت موطأ و دارمی کے الفاظ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حدیث نبوی کے علاوہ صحابہ کرام کے اقوال و آثار کو دلیل شرعی و حجت شرعیہ بھی مان لیا جائے، یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز حدیث نبوی کے علاوہ اقوال و آثار صحابہ کو دلیل شرعی کی حیثیت دے دیں، جبکہ بسند صحیح ان کا یہ ارشاد گزر چکا ہے کہ ”لا رأي لأحد مع سنة سنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“¹

حضرت عمر کا یہ ارشاد قطعی طور پر حدیث بخاری کے اس جزو ”لا تقبل إلا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ کا ہم معنی ہے، صرف الفاظ کا ظاہری فرق ہے، لہذا اگر مان لیا جائے کہ روایت بخاری کا یہ ٹکڑا حزمی کے نام جاری کردہ فرمان عمر میں نہیں تھا تو بھی اس روایت صحیحہ ”لا رأي لأحد مع سنة سنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ سے قطعاً ثابت ہوا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اقوال صحابہ کو حجت نہیں مانتے تھے۔ اگر امام بخاری نے حضرت عمر کے اسی فرمان کو حزمی کے نام جاری کردہ اس فرمان کے ساتھ ملا دیا، جس سے مطلب یہ بن گیا کہ حدیث نبوی ہی بطور حجت و دلیل قبول کی جائے، تو کونسی قیامت آگئی؟

الغرض فرمان عمر بن عبدالعزیز کا حاصل بہر حال یہی ہے کہ احادیث نبویہ کے علاوہ دوسروں کے اقوال و فتاویٰ بذات خود حجت شرعیہ نہیں ہیں۔ البتہ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ کتاب و سنت و اجماع امت کی عدم موجودگی میں جس صحابی کا جو ذاتی قول و فعل نصوص کتاب و سنت و اجماع سے قریب تر ہو اس کو اپنی ذاتی رائے کے بالمقابل معمول بہ بنانا چاہیے، کیونکہ صحابی کا قول و فعل بعد والوں کی ذاتی رائے و قیاس و اجتہاد سے کہیں اچھا اور اُصوب ہے۔

صحیح بخاری اور دیگر کتابوں میں نسخوں کے اختلاف کا سبب:

اوپر یہ ذکر آچکا ہے کہ زیر بحث حدیث صحیح بخاری کے نسخہ یونینی میں اسی طرح ہے، جسے امام ابن حزم اور امام ابن بطلان نے بھی نقل کیا ہے، لیکن صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں اس روایت کے آخر میں درج ذیل الفاظ بھی ملتے ہیں:

”إلى قوله ذهاب العلماء“² یعنی فرمان عمر صرف ”ذهاب العلماء“ کے لفظ تک ہے۔“

ظاہر ہے کہ اس سے یونینی والے نسخہ کا مضمون متعارض و متضاد نہیں ہے، کیونکہ راوی کبھی پوری روایت بیان کرتا ہے اور کبھی اس کے بعض اجزاء حذف کر دیتا ہے اور کتب حدیث میں اختلاف نسخ کا ایک سبب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جملہ محدثین کرام کے یہاں ہمیشہ سے عادت یہ جاری ہے کہ ایک طویل حدیث نبوی یا اثر صحابی یا کلام تابعی کو وہ لوگ کبھی کسی مجلس میں پورے کا پورا بیان کر دیتے ہیں اور کبھی کسی مجلس میں پورے کا پورا بیان کرنے کے بجائے اس کا بعض حصہ بیان کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں اور باقی کو حذف کر دیتے ہیں۔ محدثین کی یہ ایک ایسی عادت ہے جسے بلوغ المرام اور مشکوٰۃ المصابیح پڑھنے والے طلبہ بھی جانتے ہیں، چنانچہ فرمان عمر کے بیان کرنے میں بھی امام بخاری نے محدثین کی اسی عادت کے مطابق عمل کرتے ہوئے کسی مجلس درس میں پورے فرمان عمر کو روایت کیا اور کسی مجلس میں پورے کو بیان کرنے کے بجائے صرف ”ذهاب

العلماء“ تک بیان کیا۔ ہر مجلس میں شریک ہونے والے طلبہ نے امام بخاری کی زبان سے یہ روایت جن الفاظ میں سنی اسے قلمبند کر دیا، بعض نے پورے الفاظ بیان کرنے والی مجلس میں شریک ہونے کے سبب پورے الفاظ سنے، انھوں نے پورے الفاظ نقل کیے اور بعض صرف اسی مجلس میں موجود تھے جس میں امام بخاری نے یہ حدیث صرف ”ذہاب العلماء“ کے لفظ تک بیان کر کے چھوڑ دی، اس میں ”لا تقبل إلا حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم“ امام بخاری نے نہیں کہا، اس لیے انھوں نے صرف انھی الفاظ تک نقل کیا اور بعض دونوں مجلسوں میں تھے، انھوں نے دونوں ہی باتیں نقل کیں۔

الغرض نسخوں کے اس اختلاف کا اصل صرف اس قدر ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کبھی کبھی اس حدیث کو صرف ”ذہاب العلماء“ کے الفاظ تک بیان کرنے پر اکتفاء کرتے تھے اور کبھی پورے الفاظ بیان کر دیتے تھے۔ اس کی مثال کے لیے ”صفة صلوة النبی“ والی حدیث بہت مناسب رہے گی، جس کو محدثین نے کسی جگہ پوری کی پوری نقل کر دیا اور مختلف جگہوں پر مختلف ابواب کے تحت اس کے صرف وہ الفاظ نقل کیے جن کا تعلق خاص ابواب سے ہے۔ صحیح بخاری کے نسخوں کے اختلاف کی ایک وجہ یہ ہے کہ اسے امام بخاری کے کئی شاگردوں نے مرتب کیا اور درس بخاری کی مختلف مجلسوں میں جو اختلاف واقع ہوئے، وہ نسخ صحیح بخاری کے اختلاف کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ ان اختلاف نسخ کی بنا پر اس فرمان عمر کی بابت یہ کہنا کہ چونکہ بعض نسخوں میں یہ تصریح ہے کہ ”حدیث عمر إلى قوله ذهاب العلماء“ لہذا اس کے بعد کے الفاظ فرمان عمر میں شامل نہیں، قطعاً غلط ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ دوسری اسانید سے حضرت عمر کا یہ فرمان صاف طور سے مذکور ہے کہ ”لا رأي لأحد مع النبي صلی اللہ علیہ وسلم“ (کما مر)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اور عینی نے متفقہ طور پر کہا ہے کہ اس کا بھی احتمال ہے کہ فرمان عمر میں پوری کی پوری عبارت شامل ہو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ صرف ”ذہاب العلماء“ تک ہو، اور یہی ”أظهر“ ہے، ہمارے نزدیک دونوں ہی باتیں صحیح ہیں، بعض حدیثوں میں پوری کی پوری عبارت بطور فرمان عمر منقول ہوئی اور بعض میں ”ذہاب العلماء“ تک۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ”ذہاب العلماء“ کے بعد والی عبارت فرمان عمر میں شامل نہیں، خصوصاً ایسی صورت میں کہ دوسری اسانید صحیحہ سے ثابت ہے کہ عمر بن عبدالعزیز غیر حدیث نبوی کو فی نفسہ حجت نہیں مانتے تھے۔

اگر بالفرض فرمان عمر صرف ”ذہاب العلماء“ ہی تک ہو اور اس کے بعد کی عبارت امام بخاری کی ہو، حالانکہ یہ خلاف ظاہر ہے، تو امام بخاری کا یہ فرمان حضرت عمر بن عبدالعزیز اور دوسرے تمام صحابہ و تابعین کے مسلک کے عین مطابق ہونے کے سبب بالکل درست اور بجا ہے، اس پر کسی قسم کی کوئی تکیہ نہیں ہو سکتی۔

حافظ ابن حجر اور عینی نے ”ذہاب العلماء“ کے بعد والی عبارت کے فرمان عمر میں شامل نہ ہونے کو ”أظهر“ اس لیے کہا کہ ان کے خیال میں یہ فرمان عمر مستخرج ابو نعیم میں یہیں تک مروی ہے اور ان حضرات کے بقول ابو نعیم نے اس کی تصریح بھی کی ہے کہ ”ذہاب العلماء“ تک ہی فرمان عمر ہے، مگر جو لوگ ہماری مذکورہ بالا معروضات کو سامنے رکھیں گے، انھیں یقین رہے گا کہ یہ دونوں ہی باتیں اپنی جگہ پر صحیح ہیں کہ بعض نسخوں کے اعتبار سے ”ذہاب العلماء“ تک ہی فرمان عمر منتهی ہوتا ہے اور صحیح بخاری کے معتبر ترین نسخہ یونینی سے اس کے بعد والی عبارت بھی فرمان عمر میں شامل قرار پاتی ہے،

دونوں ہی باتیں صحیح ہیں۔ ”ذہاب العلماء“ کے بعد والی پوری عبارت کے فرمان عمر میں شامل ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ امام بخاری کی عادت نہیں ہے کہ صحیح میں اپنی طرف سے زیادہ بات کہیں اور ”ذہاب العلماء“ کے بعد والی عبارت اچھی خاصی لمبی ہے، یعنی:

”ولا تقبل إلا حديث النبي صلى الله عليه وسلم وليفشوا وليجلسوا حتى يعلم من لا يعلم فإن العلم لا يهلك حتى يكون سراً.“ الخ

ظاہر ہے کہ اتنی لمبی عبارت اپنی طرف سے امام بخاری کو صحیح بخاری میں لکھنے کی عادت نہیں، انھوں نے اپنی بات اس مقدس کتاب میں بہت کم داخل کی ہے، اگر اپنی بات کہی بھی ہے تو دو چار لفظوں میں، خاص طور سے وہ اس جگہ اتنی لمبی بات اپنی طرف سے کیوں کہتے جب کہ اس سے یہ وہم بھی ہونے کا خطرہ ہے کہ اسے کلام عمر میں شامل کر لیا جائے گا!

بھرا اللہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ثقاہت و احتیاط پر امت کو پورا اعتماد ہے، دریں صورت کوئی وجہ نہیں کہ پوری عبارت کلام عمر نہ مانی جائے، امام ابو نعیم کی مستخرج کی عبارت اپنی جگہ درست ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن اس کے درست ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ”ذہاب العلماء“ کے بعد والی عبارت امام بخاری کی دوسری نشستوں میں بطور کلام عمر نہیں بیان ہوئی۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے حدیث نبوی کے علاوہ اقوال الناس کو حجت نہیں مانا اور ابوبکر بن حزم کو صرف حدیث نبوی قبول کرنے اور غیر حدیث نبوی قبول نہ کرنے کا حکم دیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسرے اقوال الناس کو روایت کرنے کے خلاف ہوں، کیونکہ ہم اور جملہ اہل علم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحیح میں اپنی مخصوص شرائط کے تحت احادیث نبویہ کے ساتھ اقوال و آثار صحابہ و تابعین کو بھی نقل کرنے کے باوجود یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ احادیث نبویہ کے علاوہ اقوال غیر فی نفسہ حجت نہیں، اسی طرح عمر بن عبدالعزیز کا بھی یہی نظریہ تھا، لہذا اگر انھوں نے کسی دوسرے حکم کے ذریعہ اقوال و آثار صحابہ بھی نقل کرنے کی ہدایت کی اور اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہو کہ حدیث نبوی کے علاوہ دوسرے اقوال حجت نہیں تو اس میں کوئی تضاد نہیں، کیونکہ اقوال صحابہ و تابعین سے احادیث کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور اختلاف علماء معلوم ہوتے ہیں، البتہ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اقوال صحابہ فی نفسہ حجت ہیں۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز پر مصنف انوار کا طعن و تشنیع:

اس تحقیق کے بعد ناظرین اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ مصنف انوار حضرت عمر بن عبدالعزیز کو مجدد، مجتہد اور فقیہ سبھی کچھ مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خلیفہ راشد یقیناً بہت بڑا فقیہ ہوگا، مگر افسوس کہ مصنف انوار کے اس اصول سے کہ ”توضوا مما مست النار“ کی حدیث روایت کرنے والا غیر فقیہ ہوتا ہے، خلیفہ راشد بھی نعوذ باللہ غیر فقیہ قرار پاتے ہیں، کیونکہ موصوف عمر بن عبدالعزیز نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور اس پر عمل بھی کیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ محدثین سے ذاتی کد و کدورت رکھنے کی وجہ سے مصنف انوار کہاں سے کہاں پہنچ گئے اور غیر شعوری یا شعوری طور پر حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے خلیفہ راشد، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی سیدہ فقہائے صحابہ، زید بن ثابت جیسے عظیم ترین فقیہ اور دوسرے اکابر فقہاء صحابہ و تابعین پر یہ الزام لگا بیٹھے کہ یہ لوگ خلاف اصول شرع حدیثیں بیان کرتے تھے!

ضرورت تدوین حدیث:

مندرجہ بالا عنوان قائم کر کے مصنف انوار نے ضرورت تدوین حدیث محسوس کرانے کی کوشش کرتے ہوئے بعنوان

”تدوین حدیث کے لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی سعی“ فرمایا:

”علمائے وقت نے تدوین حدیث اور کتابت کی منظم طور پر ضرورت محسوس کی، سب سے پہلے اس ضرورت کا احساس خلیفہ عادل حضرت عمر بن عبدالعزیز کو ہوا، جو امت کے سب سے پہلے مجدد تھے اور ان کی امامت، اجتہاد، معرفت احادیث و آثار مسلم تھی، چنانچہ آپ نے اپنے نائب والی مدینہ ابو بکر حزمی کو فرمان بھیجا کہ احادیث نبویہ اور آثار فاروقی جمع کر کے لکھو۔“¹

”موطأ امام محمد میں اس طرح ہے: احادیث رسول اور سنن یا حدیث عمر یا مثل اس کے دوسرے صحابہ کے آثار سب جمع کر کے لکھو، کیونکہ مجھے علم کے ضائع ہونے اور علماء کے ختم ہونے کا اندیشہ ہے“ تقریباً یہی الفاظ داری نے بھی اپنی سنن میں روایت کیے ہیں۔“² الح

ناظرین کرام سب سے پہلے مصنف انوار کے اس بیان کو بغور پڑھیں اس میں انھوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو امت کا سب سے پہلا مجدد مانا ہے اور ان کی امامت، اجتہاد، معرفت احادیث و آثار کو تسلیم کیا ہے، یہی عمر بن عبدالعزیز آگ سے پکی ہوئی چیز کے استعمال کو ناقض و ضومانتے تھے اور دلیل میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت کردہ حدیث ”توضؤا مما مست النار“ کو پیش کرتے تھے۔

مگر اس حدیث کی روایت کو مصنف انوار غیر فقیہ ہونے کی بہت بڑی دلیل قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی روایت کرنے والے صحابہ پر فقہائے صحابہ تنقید کرتے اور انھیں اصول شریعت کے خلاف احادیث کا روایت کرنے والا قرار دیتے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے اس بیان کے مطابق حضرت عمر بن عبدالعزیز نعوذ باللہ غیر فقیہ اور اصول شریعت کے خلاف احادیث کا روایت کنندہ وغیرہ قرار پاتے ہیں۔

مصنف انوار ایک طرف آثار صحابہ و فتاویٰ تابعین کو حجت ماننے اور منوانے پر تلے ہوئے ہیں اور نہ ماننے والوں پر خرق اجماع کا اتہام لگاتے ہیں، مگر اپنے اس اصول کے سب سے زیادہ مخالف یہی مصنف انوار ہیں۔ (کما لا یخفی) چنانچہ عمر بن عبدالعزیز بوقت رکوع نماز میں رفع الیدین کرتے تھے، بلکہ فرماتے تھے کہ ہم کو بچپن میں اس کی تعلیم دی جاتی تھی اور رفع الیدین نہ کرنے پر تادیب ہوتی تھی۔³

مصنف انور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس اثر و فتویٰ کو بھی حجت نہیں مانتے، اگر وہ فتاویٰ تابعین و آثار صحابہ کو حجت مانتے تو خود بھی رفع الیدین کرتے اور دوسروں کو اس کی ہدایت کرتے، اسی طرح حضرت عمر نے جو یہ حکم دیا کہ احادیث نبویہ کو جمع کرو، تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے احادیث نبویہ کی روایت کا بھی حکم دیا، کیونکہ بلا روایت کیے تدوین حدیث ناممکن ہے، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر شدت تقویٰ و توریع کے سبب روایت حدیث سے احتراز کے حامی نہیں تھے، مگر

1 تنویر الحوالک.

2 مقدمہ انوار (۱/۲۳)

3 جزء رفع الیدین للبخاری.

مصنف انوار فرماتے ہیں کہ کبار صحابہ کی اکثریت شدت تقویٰ کے سبب روایت حدیث سے احتراز کرتی تھی۔ (کما مر) حضرت عمر بن عبدالعزیز خود بھی احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت بذریعہ تحدیث و روایت کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے۔ ان کے فرمان ”لیفشوا العلم ولیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم“ کا یہی مقصود و مطلوب ہے کہ وہ احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت بذریعہ تحدیث و روایت شدت تقویٰ کے خلاف نہیں سمجھتے تھے۔ تمام صحابہ غیر واقع شدہ امور سے متعلق مسائل کی ایجاد و تولید کو ناجائز سمجھتے تھے، مگر مصنف انوار اس فعل کو بہت بڑی فضیلت کا باعث قرار دیتے ہیں اور اس چیز کو امام صاحب کے فقیہ اعظم ہونے کی دلیل بتلاتے ہیں۔ اگر مصنف انوار آثار صحابہ کو حجت مانتے ہوتے تو غیر واقع شدہ امور سے متعلق امام صاحب کے مسائل مدوٰنہ کی مدح سرائی سے اجتناب کرتے، کیونکہ ان مسائل کی تدوین کو صحابہ کرام ملعون قرار دے چکے ہیں۔ مصنف انوار اپنے وضع کردہ اصول پر خود عمل نہیں کرتے، بلکہ اس کی مخالفت کرتے ہیں، صحابہ و تابعین کے طریق سے مخالفت کرنے میں جس قدر مصنف انوار کو غلو ہے، ویسا غلو شاید کسی بھی فقیہ اہل الرائے میں نہیں ہے۔

مصنف انوار نے جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے چونکہ احادیث نبویہ کے ساتھ آثار صحابہ بھی امام حزمی کو لکھنے کا حکم دیا تھا، لہذا انھوں نے ضرور اس حکم کی تعمیل میں آثار صحابہ بھی لکھا ہوگا۔ تو ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ اگر فی الواقع حضرت عمر نے حزمی کو ایسا حکم دیا تھا تو انھوں نے اس کی تعمیل کی تھی اور یہ بات حدیث بخاری کے مضمون کے منافی بھی نہیں، جیسا کہ گزرا، البتہ ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ کسی صحیح سند سے یہ ثابت نہیں ہے کہ حضرت عمر کے فرمان مذکور میں آثار صحابہ کے لکھنے کا حکم بھی تھا۔

الحاصل مصنف انوار حدیث عمر کے جس جملہ کو امام بخاری کا اضافہ کہتے ہیں، وہ درحقیقت فرمان عمر ہی کا ایک جزو ہے اور جس حدیث بخاری کو وہ ناقص کہتے ہیں، وہی کامل ہے اور روایت موطأ محمد وغیرہ غیر معتبر ہونے کے ساتھ روایت بخاری کے منافی نہیں اور یہ کہ امام بخاری نے دوسری صدی کے بعد پیدا ہونے والے اس نظریہ کے سبب یہ جملہ نہیں بڑھایا ہے کہ آثار صحابہ حجت نہیں، کیونکہ دوسری صدی کے خاتمہ سے بہت پہلے خود اہل الراہی بھی یہی سمجھتے تھے کہ غیر نبی کے اقوال و آثار فی نفسہ حجت نہیں ہیں۔

آثار صحابہ قرن ثانی میں:

مصنف انوار نے اپنی مندرجہ بالا طویل بات کے بعد بعنوان ”آثار صحابہ قرن ثانی میں“ فرمایا: ”واضح ہو کہ تمام کتب حدیث مدوٰنہ قرن ثانی میں احادیث اور اقوال صحابہ و تابعین ساتھ ساتھ ذکر ہوتے تھے، جیسا کہ امام اعظم کی کتاب الآثار اور امام مالک کی موطأ سے ظاہر ہے، لیکن قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد عدم قبول اقوال صحابہ کا نظریہ پیدا ہوا، بہت سے محدثین نے فقہائے امت کے طرز و طریق سے اعراض کیا، تو ارث سلف کو نظر انداز کیا اور صحت و ضعف حدیث کو صرف اسناد پر موقوف کر دیا، یعنی حدیث کو جو قوت اقوال و آثار صحابہ یا تعامل سلف سے مل سکتی تھی، اس کے دروازے بند کر دیے گئے۔“¹

نصوص قرآنی کے مطابق آثار و اقوال صحابہ حجت نہیں:

ہم کہتے ہیں کہ کتب حدیث مدونہ قرن ثانی ہی نہیں بلکہ قرآن مجید میں بھی اقوال و آثار صحابہ مذکور ہیں، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے واقعہ اُفک کے معاملہ میں قسم کھائی کہ سُطِحَ لِلَّهِ کو بسر اوقات کے لیے جو اخراجات دیتے تھے، بند کر دیں گے، ظاہر ہے کہ صدیق اکبر کا یہ طرز عمل ایک عظیم صحابی کا قول و فعل اور اثر و تعامل ہی تھا۔ اس پر قرآن عزیز نے کہا:

﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أَوْلِيَ الْقُرْبَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي

سَبِيلِ اللَّهِ﴾ [النور: ۲۲]

یعنی جو طرز و طریق عمل ابوبکر صدیق نے اختیار کر رکھا ہے، وہ غلط اور نادرست ہے، اسے ترک کرنا ضروری ہے، اہل ایمان کو یہ طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہیے۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ قرآن مجید میں افضل ترین جلیل القدر صحابی کے اثر و قول کو رد کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورہ احزاب (۲۲/۱) میں بہت سے صحابہ کا یہ اثر منقول ہے کہ وہ طعام ولیمہ کھا کر دیر تک خانہ نبوی میں بیٹھ کر بات چیت کرتے رہے، صحابہ کے اس تعامل و اثر کو قرآن عزیز نے غیر محمود قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا﴾ اگر آثار و تعامل صحابہ حجت ہیں تو قرآن مجید نے صحابہ کے اس تعامل و طرز عمل پر کیوں نکیر کی؟

بہت سے صحابہ کا تعامل و طرز عمل یہ تھا کہ وہ کافروں مشرکوں اور منافقوں سے محبت کرتے تھے، قرآن مجید نے اس پر نکیر کی کچھ صحابہ نے چاہا کہ ان کے اقوال و آراء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم عمل کریں، قرآن عزیز نے کہا:

﴿لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ لَعَنِتُمْ﴾ [الحجرات: ۷]

اگر تمہارے اقوال و آثار کو حجت بنا کر معمول بہ بنا لیا جائے تو تم ہی پریشان کن مشکل میں پھنس جاؤ گے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں بھی اقوال و آثار صحابہ منقول ہیں مگر بطور حجت نہیں، بل فقط دیگر اقوال و آثار صحابہ کو بطور حجت شرعیہ قبول نہ کرنے کا نظریہ قرآن کریم نے خود قائم کیا اور اسی پر صحابہ و تابعین اور جمہور امت کا عمل رہا ہے۔ مگر مصنف انوار معلوم نہیں کس بنیاد پر اتنی لمبی تقریر فرما گئے؟ نیز جس طرح قرن ثانی کی مدونہ کتب حدیث میں احادیث کے ساتھ اقوال صحابہ و تابعین کا ذکر ہے، اسی طرح بعد کی کتب حدیث میں بھی موجود ہے، یعنی حنفی نے عمدۃ القاری (۱۳/۱) میں تصریح کی ہے کہ ”قد أكثر البخاري من الأحاديث وأقوال الصحابة وغيرهم“ الخ یعنی امام بخاری نے صحیح بخاری میں بکثرت اقوال و آثار صحابہ و تابعین کا ذکر کیا ہے۔

علامہ انوار شاہ نے مقدمہ فیض الباری (۴۲/۱) میں فرمایا:

”ومن دأبه أنه يضع في التراجم والتعليقات والآثار.“ الخ

یعنی امام بخاری کی عادت ہے کہ وہ تراجم ابواب میں اقوال صحابہ وغیرہ ذکر کرتے ہیں۔

مصنف از خود رقم طراز ہیں کہ ”امام بخاری نے ”قضايا الصحابة والتابعين“ نام کی کتاب لکھی ہے۔¹

اس طرح امام بخاری کی بہت سی کتابوں میں اقوال و آثار صحابہ مدون ہیں، ان کے معاصر اور بعد کے محدثین میں بھی یہی رواج تھا، پھر معلوم نہیں مصنف انوار کو دوسری صدی کے بعد کے محدثین کے خلاف شکایت کی گنجائش کیسے مل گئی کہ انھوں نے طریق فقہائے امت سے انحراف و اختلاف کیا؟ جمیع فقہاء، صحابہ اور تابعین کی مخالفت کرنے والے وہ اہل الراۃ ہیں جو بقول فاروق اعظم احادیث کے حفظ و ضبط اور روایت سے عاجز ہونے کے سبب نصوص کتاب و سنت و اجماع امت کے خلاف قیاس پر عمل کرتے ہیں۔ حاصل یہ کہ حکم نبوی کے مطابق زیادہ سے زیادہ روایت حدیث کرنے والے صحابہ و تابعین و محدثین پر طعن و تشنیع اور دیگر بہت سے اقدامات کرنے والے مصنف انوار مدعی ہیں کہ ہم نے افراط و تفریط سے ہٹ کر معتدل شاہراہ اختیار کی ہے۔ چونکہ صحابہ و تابعین احادیث نبویہ کے سب سے زیادہ متبع تھے، اس لیے کہیں اتفاق سے ان کا کوئی قول و عمل کتاب و سنت کے خلاف واقع ہوا ہے، مگر اہل الراۃ بقول عمر بن خطاب علوم احادیث سے نا آشنا اور ان کے حفظ و ضبط اور روایت سے عاجز ہونے کے سبب قیاس و رائے کے متبع تھے، اس لیے انھوں نے بکثرت صحابہ و تابعین کے طریق کار کی مخالفت کی ہے۔ صحابہ و تابعین کے آثار و اقوال یقیناً کتاب و سنت کے سمجھنے میں معاون ہوتے ہیں، بلکہ انھیں کے ذریعہ کتاب و سنت کو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے، مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ جو اقوال و آثار خلاف نصوص ہوں، وہ بھی حجت بن جائیں۔ ان کے حجت ہونے کے جو شرائط ہیں ان کی موجودگی میں انھیں یقیناً حجت مانا جاسکتا ہے، مگر وہ بذات خود حجت نہیں، مثلاً صحابہ کرام سنت نبوی کی پیروی میں نماز استسقاء پڑھتے تھے¹۔

ان کا یہ طرز عمل ہمارے لیے اس بنا پر حجت ہے کہ انھوں نے سنت نبوی کی پیروی میں ایسا کیا، مگر مصنف انوار خوب جانتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ صحابہ کرام کے اس تعامل و فتویٰ کے تارک و مخالف اور نماز استسقاء کی مسنونیت کے منکر ہیں، پھر بھی آثار و اقوال صحابہ و تابعین پر عمل نہ کرنے کا طعنہ مصنف انوار نے محدثین ہی کو دیا ہے، حالانکہ حنفی مذہب نے بڑی کثرت سے ایسے آثار و اقوال صحابہ و تابعین کی مخالفت کی ہے جو کتاب و سنت کے عین مطابق ہیں۔

صحیح حدیث کے سند پر موقوف ہونے کی بحث:

مصنف انوار کے صحیح طریق تنقید، معتدل شاہراہ اور خالص دینی و علمی و تحقیقی نقطہ نظر کا حال یہ ہے کہ دوسری صدی کے بعد محدثین پر یہ گھناؤنا الزام لگانے کے بعد کہ انھوں نے قرون مشہود لہا بالخیر کے خلاف راہ عمل اپنایا موصوف یہ گل افشانی بھی فرماتے ہیں کہ:

”صحیح و ضعف حدیث کو صرف اسناد پر موقوف کر دیا گیا، یعنی حدیث کو جو قوت آثار و اقوال صحابہ یا تعامل سلف سے مل سکتی تھی، اس کے دروازے بند کر دیے گئے۔“²

مصنف انوار نے اپنے اس بیان میں صاف طور پر ظاہر کیا ہے کہ حدیث کے صحیح و ضعیف ہونے کے لیے سند کو معیار بنانا محدثین کا بھاری جرم ہے اور یہ بات ان کی ایجاد کردہ بدعت ہے، حالانکہ بقول عبداللہ بن المبارک (یعنی بدعوی مصنف انوار

1 ابن ابی شیبہ بسند صحیح، تعلیق الممجد (ص: ۱۵۸)

2 مقدمہ انوار (۱/ ۲۴)

رکن مجلس تدوین فقہ حنفی) بے راہ رولوگوں کی بے راہ روی کے گمراہ کن اثرات سے امت اسلامیہ کو محفوظ رکھنے کے لیے ”اسناد“ واحد تدبیر ہے۔ عبداللہ بن مبارک کے الفاظ یہ ہیں:

”الإسناد من الدين، لولا الأسناد لقال من شاء ما شاء، فإذا قيل له: من حدثك؟ بقى.“¹
مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے کہا:

”الإسناد مطلوب في الدين، قد رغبت إليه أئمة الشرع المتين، وجعلوه من خصائص أمة سيد المرسلين، وحكموا عليه بكونه سنة من سنن الدين.“²

یعنی اسناد مطلوب دین اور ائمہ شرع متین کی مرغوب چیز اور امت سید المرسلین کے خصائص اور قوانین دین میں سے ہے۔ مگر مصنف انوار نے دین کی اس بنیاد کو ختم کرنے کے لیے یہ خانہ ساز اصول بنا کر ائمہ دین پر طعن و تشنیع کا دروازہ کھول دیا کہ صحت و ضعف حدیث سند پر موقوف نہیں۔ یعنی مصنف انوار نے امت سید المرسلین کی خصوصیت کا خاتمہ اور دین کے ایک قانون محکم کو توڑنے کی منظم سازش کر رکھی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے اساتذہ کے اساتذہ بھی اسناد کو دین کا محکم قانون مانتے تھے۔ امام ابن عبدالبر نے تمہید (۱/۴۳ تا ۶۰) میں ابراہیم نخعی و ابن سیرین وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ ”الإسناد من الدين“ فقہائے اہل الرائے کے سربراہ امام ابوحنیفہ نے ایک حدیث کو رد کرتے ہوئے کہا:

”مداره على زيد بن عياش، وهو مجهول أو قال: وهو ممن لا يقبل حديثه.“³ الخ
حاصل یہ کہ امام ابوحنیفہ نے بھی حدیث کے ضعف و صحت کو سند ہی پر موقوف مانا ہے، امام ابوحنیفہ کے شاگرد خصوصی اور مجلس تدوین فقہ حنفی کے رکن رکیں اور مصنف انوار کے مددور خاص ابو یوسف نے کہا:

”فإن هذا لا يقبل إلا من الرجال الثقات.“⁴

یعنی صرف صحیح سند سے مروی شدہ حدیث ہی قابل قبول ہے۔

مصنف انوار کے استاد کوثری نے تحقیق کا دار و مدار اسناد ہی پر رکھا ہے۔⁵ خود مصنف انوار نے احادیث کی مختلف قسمیں بتلا کر کسی کو متواتر، کسی کو مشہور، کسی کو خیر واحد اور مرسل وغیرہ کہہ کر یہ قانون بیان کیا کہ احادیث متواترہ اور مشہورہ سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز اور آحاد سے جائز نہیں ہے۔⁶ یہ تقسیم کس بنیاد پر ہے، سندوں کی بنیاد پر یا کسی اور چیز کی بنا پر؟

اور مصنف انوار خود بہت سی روایات کی سندوں پر بحث کرنے بیٹھ گئے، اگر سندوں پر مدار صحت و ضعف حدیث نہیں تو انھوں نے یہ فضول کام کیوں کیا؟ جس روایت کو جی چاہے صحیح کہیں، امام ابوحنیفہ نے بزعم مصنف انوار جو کتاب الآثار و مسانید

① ملاحظہ ہو: الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة الكاملة لفرنگی محلی (ص: ۲۱) اور اس کی تعلیق لأبي غده بحوالہ تحفة الأحوذی: (۴/۳۸۸) و الصارم المنكي (ص: ۲۶۸) و منهاج السنة (۴/۹۶) و معرفة علوم الحديث للحاكم (ص: ۶) و مقدمة ابن صلاح (ص: ۳۱، ۳۲) و الجرح والتعديل لابن أبي حاتم وغيره)

② الأجوبة الفاضلة (ص: ۲۱)

③ التعليق الممجد، باب ما يكره من بيع التمر بالرطب (ص: ۳۲۰، ۳۳۱ بحوالہ فتح القدير لا بن همام وغيره)

④ الرد على الأوزاعي (ص: ۵) ⑤ حسن التقاضي (ص: ۳۱، ۳۲)

⑥ أنوار الباري (۸/۱۰۸، ۱۰۹)

تصنیف کی اس کی ہر حدیث و روایت کی سند بیان کی، اگر سند پر صحت و ضعف حدیث موقوف نہیں تو امام ابوحنیفہ نے یہ زحمت شاقہ کیوں برداشت کی؟

تمہید لابن عبدالبر میں ہے کہ تمام صحابہ کا یہ مسلک تھا کہ ”الإسناد من الدین“ یعنی اسناد دین کی بنیادی چیز ہے، مگر مصنف انوار نے عجب روزگار قسم کا نظریہ ایجاد کر کے صحابہ و تابعین کی توخیر مخالفت کی ہے اپنے امام ابوحنیفہ کی بھی مخالفت کی جن کی تقلید کا وہ دم بھرتے ہیں!!

قرون مشہود بالخیر سے جداگانہ طریقہ:

مصنف انوار نے مندرجہ بالا عنوان کے تحت کہا:

”قرون مشہود لہا بالخیر کے طور و طریق سے جداگانہ طریقہ اپنا لیا گیا، پھر اس کے جو مضار و مفاسد سامنے آئے وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ آئندہ کسی موقع پر ہم بھی بیان کریں گے۔“¹

ہم کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کا قول و عمل اور فتویٰ یہ ہے کہ پانی پر قادر نہ ہونے کی صورت میں تیمم سے نماز نہیں پڑھ سکتے۔ امام ابوحنیفہ صحابہ کے اس قول و فتویٰ کو حجت نہیں مانتے، نہ قبول کرتے ہیں، بلکہ ان کے خلاف بذریعہ تیمم نماز کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ اگر امام ابوحنیفہ کے لیے جائز ہوا کہ ابن مسعود اور عمر جیسے صحابہ کے آثار و اقوال اور فتاویٰ و تعامل کو رد کریں اور انھیں قبول نہ کریں تو امام بخاری و دیگر محدثین نے دوسری صدی کے بعد بھی اگر یہی طریقہ اپنایا تو ان کا طریقہ قرون مشہود لہا بالخیر سے جداگانہ کیونکر ہو گیا؟ امام بخاری اور دیگر محدثین کا جو طریقہ امام ابوحنیفہ ہی کے طریقے کے مطابق ہو، اسے صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے طریق سے جداگانہ طریقہ بتلانے والے مصنف انوار کی دیانتداری و تحقیق پسندی و انصاف پرستی قابل دادا ہے، جو طریقہ ۱۵۰ھ میں فوت ہونے والے امام ابوحنیفہ کی زندگی میں رائج تھا اور اس پر خود امام ابوحنیفہ بھی عامل تھے، اس طریق پر عمل کرنے والے امام بخاری کی بابت یہ کہنا کہ انھوں نے قرون مشہود لہا بالخیر سے جداگانہ طریقہ اپنایا، کونسی دیانتداری ہے؟ پھر اس کے ساتھ ہی اس طریقہ کے بارے میں یہ کہنا کہ اس کے مضار و مفاسد اہل علم پر مخفی نہیں، کون سا تحقیقی و علمی و دینی نقطہ نظر اور صحیح طریق تنقید ہے؟

ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ صحیح بخاری میں غیر حدیث نبوی یعنی آثار و اقوال صحابہ کو بطور حجت نہ قبول کرنے کا حکم خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے دیا ہے، اسے قرون مشہود لہا بالخیر سے جداگانہ طریقہ کہنا عجیب انکشاف ہے۔ مصنف انوار اگرچہ اپنی عادت سے مجبور ہو کر اس فرمان عمر کو بے سند کہتے ہیں، مگر ہم اچھی طرح واضح کر چکے ہیں کہ امام بخاری نے فرمان عمر کی سند ذکر کر دی ہے۔ اگر بالفرض فرمان عمر کے اس حصہ کو امام بخاری ہی کا بڑھایا ہوا جملہ مان لیا جائے تو اس کی تفصیل گزر چکی ہے کہ امام بخاری کا یہ فرمان خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دوسرے فرامین کے بالکل مطابق ہے اور نہ صرف فرمان عمر بلکہ کتاب و سنت اور مسلک صحابہ و تابعین کے مطابق ہے۔ اس کے باوجود مصنف انوار رقمطراز ہیں:

”اس موقع پر ارقام الحروف کو یہ بات کھٹکی کہ امام بخاری نے حضرت عمر کی تعلیق ترجمہ الباب میں ذکر کی اور اس کے

ساتھ وہ جملہ بھی بڑھایا، جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، مگر آگے اس کی تائید میں کوئی چیز ذکر نہیں کی نہ اس کا ماخذ بتلایا۔¹ ناظرین کرام دیکھ آئے ہیں کہ امام بخاری نے اگرچہ تعلیق عمر بن عبدالعزیز کی سند بیان کر دی ہے اور اپنی طرف سے اس میں کوئی اضافہ بھی نہیں کیا ہے اور تعلیق مذکور کتاب و سنت کے بالکل مطابق ہے، مگر اس کے باوجود مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں امام بخاری کے خلاف زہرافشانی کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ موصوف نے تعلیق مذکور کا ماخذ بھی نہیں بتلایا، اس کے جواب میں ہم صرف یہ عرض کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ ۔

گر نہ بیند بروز شپہ چشم چشمہ آفتاب را چہ گناہ

امام بخاری پر یہ سارے الزامات لگانے والے مصنف انوار نے اپنی ان ساری باتوں کا ماخذ بتلاتے ہوئے کہا:

یہ بحث ”ما تمس إليه الحاجة“ میں بھی ہے اور ہم نے کچھ اضافہ و تشریح سے اسے یہاں لیا ہے۔²

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار نے باعتراف خویش امام بخاری کے خلاف لکھی ہوئی مذکورہ بالا باتیں کچھ ”ما تمس إليه الحاجة“ سے لی ہیں اور کچھ اپنی طرف سے بطور اضافہ و تشریح لکھی ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ساری باتیں انھیں دونوں حضرات کی ذاتی ایجاد و اختراع ہیں، مصنف ”ما تمس إليه الحاجة“ مصنف انوار کے دوست اور رفیق ہیں اور محدثین و مسلک محدثین کے خلاف ایجاد و اکاذیب میں ایک دوسرے کے معین ہیں، بہر حال ان دونوں کی اختراعات کی حقیقت ہماری گزشتہ تحریر میں واضح ہو چکی ہے۔

تین بڑے فقہاء:

مندرجہ بالا عنوان کے تحت مصنف انوار نے کہا:

”تین بڑے بڑے فقہاء و حفاظ حدیث اور اپنے وقت کے امام و مقتدا، جنھوں نے قرن ثانی میں احادیث رسول اور آثار و اقوال صحابہ کو جمع کیا اور ان کو کتابی شکل میں مدون کیا، شععی، مکحول اور زہری ہیں۔ ان میں شععی بتصریح

امام ذہبی امام اعظم کے شیوخ میں سے ہیں، جنھوں نے پانچ سو اصحاب رسول اللہ ﷺ کو پایا ہے۔“

ہم کہتے ہیں کہ بلاشک یہ تینوں حضرات بڑے فقہاء، حفاظ حدیث اور امام و مقتدا اور احادیث نبویہ و آثار صحابہ کے جامع اور تدوین کنندہ تھے اور شععی ہی نہیں بدعوئی احناف مکحول و زہری بھی امام ابوحنیفہ کے شیوخ میں سے تھے۔³

لیکن ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کی طرح کے بہت سے صحابہ کرام خلاف اصول شرع احادیث بیان کرتے تھے اور نہ انھوں نے ان صحابہ کو غیر فقیہ کہا اور نہ روایت حدیث کو شدت تقویٰ و تورع و احتیاط کے خلاف قرار دے کر اس سے احتراز و اجتناب کیا، بلکہ یہ لوگ صحابہ کرام کی طرح احادیث نبویہ کی اشاعت بذریعہ حدیث و روایت باعث خیر و سعادت سمجھ کر کرتے تھے۔

1 أنوار الباري (۱/ ۲۴) 2 مقدمه انوار (...../ ۲۴)

3 أبي حنيفة للموفق و كدرى.

ایک خاص توجہ طلب بات... مصنف انوار معمولی حساب دانی سے محروم:

ناظرین کرام! ایک خاص بات ملحوظ رکھیں کہ مصنف انوار نے فرمایا کہ شععی و مکحول وزہری نے قرن ثانی میں احادیث و آثار کو جمع کر کے کتابی شکل میں مدون کیا اور مصنف انوار کہہ آئے ہیں کہ قرن ثانی کا زمانہ ۱۱۱ھ سے لے کر ۱۷۰ھ تک ہے^①۔ مصنف انوار کی ان دونوں باتوں کو اکٹھا کیجئے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ ان تینوں حضرات نے ۱۱۱ھ و ۱۷۰ھ کی درمیانی مدت میں تدوین حدیث کا کارنامہ انجام دیا، حالانکہ امام شععی کا انتقال ۱۱۰ھ سے پہلے ۱۰۳ھ، ۱۰۴ھ یا ۱۰۵ھ، ۱۰۶ھ میں ہو گیا تھا اور مکحول کا انتقال ۱۱۲ھ، ۱۱۳ھ میں ہوا ہے اور مصنف انوار خود اس امر کے مدعی ہیں کہ زہری نے تدوین حدیث کا کام حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم کے مطابق ۱۰۱ھ سے پہلے کیا^②۔

دریں صورت مصنف انوار کا یہ بیان کس اصول تحقیق سے درست ہے کہ شععی، مکحول اور زہری نے ۱۱۰ھ کے بعد قرن ثانی میں تدوین حدیث کی؟ کیا شععی اپنی موت کے بعد تدوین حدیث کرنے آگئے تھے یا حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنی وفات کے بعد زندہ ہو گئے تھے کہ انھوں نے زہری سے تدوین حدیث کرائی؟ نیز ۱۱۲ھ، ۱۱۳ھ میں فوت ہونے والے امام مکحول نے ظاہر ہے کہ تدوین حدیث کا کام ۱۱۱ھ سے پہلے ہی کیا ہوگا، الغرض مصنف انوار کے بیانات تضاد و تعارض اور عجائبات کے شاہکار ہیں۔ ناظرین کرام اسی سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ جو آدمی مرے ہوئے لوگوں کی بابت یہ کہے کہ وہ مرنے کے بعد تدوین حدیث کرتے اور کرواتے رہے، اس کی تحقیقات کا حاصل اور معیار کیا ہوگا؟

پہلی صدی میں تدوین حدیث:

مصنف انوار نے ایک طویل بیان سپرد قلم کرتے ہوئے کہا:

”قرن اول گزر گیا اور اکثر صحابہ وفات پا گئے تو علماء نے منظم طور پر کتابت و تدوین حدیث کی شدید ضرورت محسوس کی اور سب سے پہلے اس کا احساس عمر بن عبدالعزیز نے کر کے تدوین حدیث کرنے کا حکم دیا۔“^③

مصنف انوار کے اس بیان کا حاصل یہ نکلا کہ قرن اول یعنی ۱۱۰ھ گزر جانے کے بعد جب اکثر صحابہ کا انتقال ہو گیا تو تدوین حدیث کی ضرورت کا شدید احساس کر کے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تدوین کا حکم دیا، حالانکہ ناظرین کرام جانتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ۱۱۰ھ کے بعد زندہ ہی نہیں تھے۔ بلکہ ۱۰۱ھ میں ہی انتقال کر گئے۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے جمع و تدوین حدیث کا حکم ۱۰۱ھ سے پہلے دیا ہوگا، مگر مصنف انوار کی گہرا فاشانی قابل داد ہے، کیونکہ اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ حضرت عمر نے ۱۱۰ھ کے بعد تدوین حدیث کروائی، اسی طرح مصنف انوار کا یہ بیان بھی قابل داد ہے کہ قرن اول گزر گیا تو اکثر صحابہ وفات پا چکے تھے، کیونکہ قرن اول کا خاتمہ دوسری صدی میں آخری صحابی عامر بن وائلہ کا انتقال ہوتے ہی ۱۱۰ھ میں ہو گیا۔

قرن اول کے خاتمہ کے وقت اکثر صحابہ کیا معنی بلکہ تمام صحابہ وفات پا چکے تھے، اس وقت کوئی ایک صحابی بھی زندہ نہیں رہ گیا تھا، خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کے جمع و تدوین حدیث کا کارنامہ قرن اول ہی میں انجام پذیر ہوا اور اسے انجام دینے

③ مقدمہ انوار (۱/۲۳)

② مقدمہ انوار (۱/۲۴)

① مقدمہ انوار (۱/۱۸)

والے ابوبکر بن حزم و زہری وغیرہ تھے، مگر مصنف انوار کی تحقیقات عجائب خانہ میں محفوظ کیے جانے کے لائق ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے قرن اول گزر جانے کے بعد جمع و تدوین حدیث کروائی اور حزمی و زہری نے قرن اول کے بعد قرن ثانی میں تدوین حدیث بحکم عمر بن عبدالعزیز کی!

تدوین حدیث کرنے والوں کے زمانے کی ترتیب... مصنف انوار کی زبانی:

مصنف انوار نے بڑے محققانہ انداز میں فرمایا ہے:

”حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ امام شعیبی نے بھی احادیث جمع کیں اور غالباً ان سب میں وہی متقدم تھے، پھر زہری (متوفی ۱۲۰ھ) پھر حزمی (متوفی ۱۲۳ھ) نے۔“^①

حالانکہ مصنف انوار نے تنویر الحواکک کے حوالے سے اس سے پہلے جو روایت نقل کی ہے کہ بحکم عمر بن عبدالعزیز حزمی نے تدوین کا کام کیا اس میں صاف طور پر موجود ہے کہ ”صحابہ و تابعین کے زمانے میں جمع و تدوین حدیث کا کام نہیں ہوا تھا، سب سے پہلے خلیفہ راشد عمر نے بذریعہ حزمی تدوین کروائی“ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مصنف انوار کی مستدل روایت میں سب سے پہلے تدوین کنندہ حزمی کو قرار دیا گیا ہے، مگر اپنی مستدل روایت کے خلاف مصنف انوار نے یہ ظاہر کیا کہ سب سے پہلے تدوین کنندہ شعیبی ہیں ان کے بعد زہری ہیں!

ترتیب تدوین میں علامہ انوار شاہ سے مصنف انوار کا اختلاف:

لیکن مصنف انوار کا یہ بیان ان کے امام العصر حافظ حدیث علامہ انور شاہ صاحب کے اس بیان کے بالکل خلاف ہے کہ ”تدوین حدیث میں امام زہری رضی اللہ عنہ نے سبقت کی، وہی سب سے پہلے تدوین حدیث کرنے والے ہیں۔“^②

ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار اپنی اس کتاب ’انوار الباری‘ کو انھی علامہ انور شاہ کا مجموعہ افادات کہہ کر شائع کر رہے ہیں۔ ناظرین کرام ذرا مصنف انوار سے پوچھیں کہ یہ کس قسم کا مجموعہ افادات علامہ انور ہے کہ ان کی تصریحات کے بالکل خلاف اس میں بہت ساری باتیں بھری پڑی ہیں!؟

نیز امام عبدالعزیز بن محمد دروردی نے کہا ہے:

”أول من دون العلم وكتبه ابن شهاب الزهري.“^③

یعنی سب سے پہلے تدوین حدیث امام زہری نے کی۔

علامہ انور صاحب کی تقریر مقدمہ فیض الباری میں تدوین حدیث کرنے والوں کا تذکرہ موجود ہے، جن میں امام مالک اور بخاری کا ذکر نمایاں ہے، مگر اس میں امام صاحب اور ان کے خصوصی تلامذہ ابو یوسف، محمد، حسن بن زیاد، نوح بن ابی مریم اور نوح بن دراج وغیرہ کا نام بھی نہیں، بلکہ یہ تصریح ہے کہ مسانید ابی حنیفہ وغیرہ کے نام سے پائی جانے والی کتابیں تصنیف

② مقدمة فيض الباري (۱/ ۱۴)

① مقدمه انوار (۱/ ۲۳)

③ جامع بيان العلم لابن عبد البر (ص: ۷۳) و حلية الأولياء (۳/ ۳۶۳) و البداية والنهاية (۹/ ۳۴۵، ۳۴۶)

ابی حنیفہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ مجموعہ افادات علامہ انور کہہ کر شائع کی جانے والی اس کتاب انوار الباری میں تصریحات علامہ انور کے خلاف بہت ساری باتوں کے ساتھ یہ لکھ کر کہ ”تدوین حدیث میں امام صاحب کو اپنے اقران میں اولیت و افضلیت کا مقام حاصل ہے“ مصنف انوار نے اپنی تکذیب کا پورا سامان خود ہی کر لیا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف مصنف انوار مدعی ہیں کہ تورع و احتیاط کے سبب امام صاحب روایت حدیث کرتے ہی نہ تھے، اور دوسری طرف تصاد بیانی کرتے ہوئے مدعی ہیں کہ تدوین حدیث میں امام صاحب کو اپنے اقران میں اولیت کا مقام حاصل ہے۔ شدت تورع سے روایت حدیث نہ کرنے والے امام صاحب مصنف کتب حدیث کیسے بن گئے؟ جبکہ کسی بھی معتمد علیہ صاحب علم نے تدوین حدیث کرنے والوں میں امام ابوحنیفہ کا نام نہیں لیا، بلکہ امام ذہبی نے یہ کہا کہ ۱۴۳ھ میں امام ابوحنیفہ نے فقہ اہل الرائے کی تدوین کی۔¹

مصنف انوار فقہاء، شععی، زہری اور مکحول کی تدوین حدیث کا ذکر کر کے بڑی شان سے فرماتے ہیں:

”ان کے بعد سراج الامۃ، فقیہ الملت، حافظ حدیث، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا دور شروع ہو جاتا ہے، جو حسب تصریح اقران و معاصرین امام اس زمانے کے تمام فقہاء و محدثین پر اپنے غیر معمولی حفظ، تفقہ اور کمال زہد و ورع کی وجہ سے فائق تھے۔“²

اپنے اس بیان میں مصنف انوار نے امام صاحب کو جو ”سراج الامۃ“ لکھا ہے وہ ایک خانہ ساز وضعی حدیث کی بنیاد پر کہا ہے۔ (کما مر) اور وضعی حدیث کو بطور حجت بیان کرنے والوں کو دربار نبوی سے جہنم کی وعید ہے۔ مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیان میں امام صاحب کو جن خطابات سے ملقب کر کے دعویٰ کیا ہے کہ موصوف امام صاحب اپنے اقران و معاصرین کے حسب تصریح تمام فقہاء و محدثین پر فائق تھے تو اس کی حقیقت آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

امام صاحب کو سراج الامۃ وغیرہ قرار دینے کے بعد بزعم خویش مصنف انوار نے (ص: ۲۵، ۲۶) امام صاحب کے بعض معاصرین کی طرف منسوب کردہ جھوٹی باتوں کو مدح ابی حنیفہ کے طور پر بڑے فخر کے ساتھ تحریر کیا ہے اور ان سے اکثر کو کمرسہ کر بھی نقل کیا ہے، ہم آگے چل کر ان روایات کی حقیقت بھی واضح کریں گے۔

تصانیف ابی حنیفہ کا ذکر مکرر:

اس جگہ انھی صفحات (ص: ۲۵، ۲۶ و ۲۸) میں معاصرین کے مکذوبہ اقوال کے ذریعہ مدح ابی حنیفہ کے ساتھ ہی ساتھ درمیان میں اور بعد میں بھی مصنف انوار نے تکرار کی بھرمار کرتے ہوئے امام صاحب کی تصانیف اور تدوین فقہ و حدیث کا تذکرہ طول بیانی کے ساتھ چھیڑ دیا ہے، جس کی تکذیب کے لیے علامہ انور شاہ کا وہ بیان بہت کافی ہے جسے ہم گزشتہ صفحات میں نقل کر چکے ہیں۔ افسوس کہ تصریحات علامہ انور شاہ کے خلاف یہ ساری باتیں لکھنے والے مصنف انوار مدعی ہیں کہ انوار الباری مجموعہ افادات انور ہے!!

یہ عجیب دیدہ دلیری ہے کہ علامہ انور شاہ نے تدوین حدیث کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ اور ان کے اہل الرائے تلامذہ

کا اگرچہ نام تک نہیں لیا مگر مصنف انوار کا ارشاد ہے کہ ”تدوین حدیث کے سلسلے میں سب سے پہلا اقدام عبداللہ بن عمرو بن العاص اور دوسرے صحابہ کا تھا، دوسرا اقدام عمر بن عبدالعزیز کا اور اور تیسرا امام اعظم ابوحنیفہ کا“^①

فسيعلم الذين كذبوا أي منقلب ينقلبون!!

حدیث مرسل پر مفصل بحث:

مذکورہ بالا مباحث کے بعد نیز دوسرے کئی مقامات پر بھی مصنف انوار نے حدیث مرسل کا ذکر کرتے ہوئے اسے حجت نہ ماننے والوں پر بہت رد و قدح کی ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اس موضوع پر اس جگہ پوری تحقیق کے ساتھ مفصل گفتگو کریں۔ مصنف انوار الباری نے بعنوان ”حدیث مرسل و حسن کا انکار“ لکھا:

”دوسری صدی کے بعد حدیث مرسل و حسن سے استدلال و احتجاج کے خلاف نظریہ پیدا ہوا، حالانکہ سلف و متقدمین ان سے برابر حجت پکڑتے تھے، خصوصیت سے امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث حسن سے استدلال و احتجاج کا بڑی شدت سے انکار کیا، جس پر امام و سر تاج غیر مقلدین شوکانی بھی خاموش نہ رہ سکے اور نیل الاوطار میں امام بخاری کے خلاف لکھا کہ اسی طرح اس حدیث سے بھی استدلال و احتجاج درست ہے جس کے حسن ہونے کی تصریح ائمہ معتبرین نے کی ہو، کیونکہ حدیث حسن پر عمل جمہور کے نزدیک صحیح ہے اور ان کے خلاف عدم جواز کا فیصلہ صرف بخاری و ابن عربی نے کیا ہے، لیکن حق وہی ہے جو جمہور علمائے امت کا فیصلہ ہے۔“^②

پھر آگے چل کر مصنف انوار نے ابن عبدالبر، قاسم بن قطلوبغا اور عراقی وغیرہ کی طرح امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری (مولود ۲۲۲ھ، ۲۲۵ھ و متوفی ۳۱۰ھ) سے نقل کیا ہے کہ حدیث مرسل سے عدم احتجاج کا نظریہ دوسری صدی کے بعد امام شافعی نے ایجاد کیا۔^③

حدیث مرسل اور امام ابن جریر طبری کا نظریہ:

ہم کہتے ہیں کہ طبری سے اس قول کے ناقل ابن عبدالبر (مولود ۳۶۸ھ متوفی ۴۶۳ھ) ہیں اور قاسم بن قطلوبغا و عراقی وغیرہ نے ابن عبدالبر رحمہ اللہ ہی کے حوالے سے یہ بات طبری کی طرف منسوب کی ہے، مگر طبری بذات خود حدیث مرسل کے حجت ہونے کے منکر ہیں۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”وروي جميع ذلك عن ابن عباس، وليست الرواية عنه من رواية من يجوز الاحتجاج بنقله، وذلك أن الذي روى عنه: أن خمسة منها من لسان العجز من هوازن. الكلبي عن أبي صالح، وأن الذي روى عنه: أن اللسانين الآخرين قریش و خزاعة. قتادة، و قتادة لم يلقه ولم يسمع منه.“^④

اس کا حاصل یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں ابن عباس سے مروی روایت کے ناقل قتادہ ہیں، جن کا لقا و سماع ان سے نہیں

① ملخص مقدمہ انوار (۱/۲۷، ۲۸) ② مقدمہ انوار (۱/۲۸)

③ ملاحظہ ہو: أنوار الباري (۸/۱۰۸، ۱۰۹) بعنوان اصول فقہ و استنباط فقہ حنفی، حواشی و متن

④ تفسیر ابن جریر (۱/۲۲)

ہے۔ یعنی یہ روایت مرسل ہے اور مرسل روایت سے احتجاج جائز نہیں ہے۔ طبری کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ حدیث مرسل سے احتجاج کو جائز نہیں مانتے۔ اگر احتجاج بالمرسل کے انکار کا نظریہ ان کے نزدیک دوسری صدی کے بعد کی ایجاد ہوتا تو اس مبتدعانہ نظریہ پر خود بھی عامل نہ ہوتے۔ دریں صورت ضرورت ہے کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی اس عبارت پر غور کیا جائے جسے انھوں نے طبری کی طرف منسوب کیا ہے۔

حدیث مرسل کے متعلق طبری کے بیان پر بحث:

واضح رہے کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے طبری سے یہ نہیں نقل کیا کہ مرسل سے عدم احتجاج کا نظریہ امام شافعی رحمہ اللہ نے دوسری صدی کے بعد ایجاد کیا ہے، بلکہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

”زعم الطبري أن التابعين بأسرهم أجمعوا على قبول المرسل، ولم يأت عنهم إنكاره ولا عن أحد الأئمة بعدهم إلى رأس المأتين، كأنه يعني أن الشافعي أول من أباي من قبول المرسل.“¹
یعنی طبری رحمہ اللہ کا یہ خیال ہے کہ تمام تابعین متفق طور پر حدیث مرسل قبول کرتے تھے، اس نظریہ سے کسی تابعی کا اختلاف منقول نہیں اور نہ دوسری صدی تک ان کے بعد ہی کسی امام سے اختلاف مروی ہے، گویا طبری نے دوسری صدی کے بعد اس نظریہ سے اختلاف کرنے والے سے مراد امام شافعی کو لیا ہے۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی یہ عبارت صاف بتلاتی ہے کہ طبری نے امام شافعی کا نام نہیں لیا ہے، بلکہ طبری کے کناہیہ اشارہ کا مفہوم ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے یہ سمجھ لیا کہ شاید طبری کی مراد امام شافعی ہے، حالانکہ یہ ضروری نہیں کہ ابن عبدالبر کا یہ ظن درست ہو۔ خود امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے طبری کے اس خیال کو ایک زعم (یعنی خیال خام) قرار دیا ہے کہ دوسری صدی تک حدیث مرسل سے احتجاج صحیح مانا جاتا تھا۔

کیا مرسل حدیث کو رد کرنے کا نظریہ امام شافعی کی ایجاد ہے؟

تمہید کے حاشیہ نگار اہل علم نے طبری کے خیال کی تردید میں کہا:

”التوقف في قبول المرسل والتحري في شأنه بدأ في عصر مبتكر، ففي مقدمة صحيح مسلم (١٠/١) أن ابن عباس لم يقبل مرسل بعض التابعين مع كون ذلك التابعي ثقة حجة، وأن ابن سيرين قال: ”لم يكونوا يستلون عن الإسناد، فلما وقعت الفتنة قالوا: سموا لنا رجالكم فينظر إلى أهل السنة فيؤخذ حديثهم، وينظر إلى أهل البدع فلا يؤخذ حديثهم.“²
یعنی مرسل کے قبول کرنے میں توقف و تحری کا نظریہ ابتدائی زمانہ ہی میں موجود تھا، مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ ابن عباس نے بعض ثقہ تابعین کی مرسل حدیث قبول نہیں کی اور محمد بن سيرین نے فرمایا کہ پہلے سندوں کے متعلق سوال نہیں ہوتا تھا، لیکن فتنہ کا زمانہ آجانے کے سبب رواۃ کی چھان بین ہونے لگی۔ اہل سنت کی حدیث قبول کی جاتی اور اہل بدعت کی نہیں۔

² صحیح مسلم (١١/١) و حاشیہ تمہید (٤/١)

¹ مقدمہ التمهيد (٤/١)

مطلب یہ کہ مرسل روایت کو رد کیا جانے لگا، لہذا یہ کہنا کہ دوسری صدی تک قبول مرسل ہی کا نظریہ تھا، غیر صحیح ہے۔ گویا طبری کے بیان میں ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے غلطی محسوس کر لی، اسی لیے انھوں نے طبری کے اس خیال کو خیال خام کہا۔ نیز صحاح ستہ کی کتابوں میں مروی ایک نہایت پختہ حدیث سے ثابت ہے کہ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز اور عروہ بن زبیر جیسے تابعی عدم احتجاج بالمرسل پر متفق تھے¹۔

اس تفصیل میں یہ بتلایا گیا ہے کہ طبری کا یہ خام خیال بالکل غلط ہے کہ دوسری صدی تک متفقہ طور پر حدیث مرسل سے احتجاج کا نظریہ پایا جاتا تھا، کیونکہ دور صحابہ میں حضرت ابن عباس جیسے جلیل القدر اور عظیم المرتبت فقیہ صحابی بھی مرسل حدیث کو حجت نہیں مانتے تھے۔ اور ابن سیرین جیسے زبردست تابعی نے اپنے زمانے کے اہل علم کا نظریہ بیان کیا کہ وہ بھی حدیث مرسل کو حجت نہیں مانتے پھر یہ دعویٰ کیسے صحیح ہوا کہ عدم احتجاج بالمرسل کا نظریہ دوسری صدی کے بعد پیدا ہوا جب کہ ابن عباس جیسے صحابی اور ابن سیرین جیسے تابعی اور دوسرے تابعین بھی عدم احتجاج بالمرسل کا نظریہ رکھتے تھے؟ مصنف انوار کے شیخ ایشیوخ مولانا شبیر احمد عثمانی نے بھی نقل کیا ہے کہ عدم احتجاج بالمرسل کا نظریہ حضرت سعید بن المسیب (امام ابوحنیفہ کے استاذ الاساتذہ) امام محمد بن سیرین، ابن مہدی اور یحییٰ قطان وغیرہ سے منقول ہے جو امام شافعی سے پہلے گزرے ہیں، لہذا امام شافعی کو اس نظریہ کا موجد کہنا قطعاً غلط ہے²۔

اوپر نقل ہوا کہ ابن عباس بھی مرسل کو مردود مانتے ہیں مگر مصنف انوار کو یہ سب نظر نہیں آتا، مصنف انوار نے اپنی بد قسمتی سے ابن عباس کو فقیہ صحابی تسلیم کر لیا ہے، یعنی وہ اس جگہ یہ کہہ کر نہیں بچ سکتے کہ چونکہ ابن عباس غیر فقیہ تھے، اس لیے ان کا قول اسی طرح خلاف اصول شرع ہے جس طرح حضرت ابو ہریرہ کی بیان کردہ حدیثیں نعوذ باللہ خلاف اصول شرع ہوتی ہیں۔ اسی طرح وہ ابن سیرین کو بھی غیر فقیہ نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح وہ سعید بن المسیب، عروہ بن زبیر اور عمر بن عبدالعزیز وغیرہم کو، جو امام ابوحنیفہ کے اساتذہ کے قابل فخر استاد ہے، غیر فقیہ نہیں کہہ سکتے۔ مصنف انوار اگر کسی مصلحت سے ابن عباس، ابن سیرین، ابن مسیب اور عمر بن عبدالعزیز وغیرہم کو غیر فقیہ کہہ دینے کی جرأت کر ہی بیٹھیں تو ابن عباس، سعید بن المسیب اور ابن سیرین کی ان تصریحات کے ہوتے ہوئے انھوں نے طبری کے اس دعویٰ کو کیونکر صحیح مان لیا کہ حدیث مرسل سے عدم احتجاج کا نظریہ دوسری صدی کے بعد پیدا ہوا؟ حالانکہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ طبری بھی حدیث مرسل کو حجت نہیں مانتے۔ صحیح بخاری کی شرح لکھنے والے مصنف انوار کیا صحیح مسلم کا مقدمہ نہیں سمجھ سکتے ہیں؟ اگر وہ مقدمہ صحیح مسلم کو سمجھے بغیر ہی صحیح بخاری کی شرح لکھنے بیٹھ گئے ہیں تو صحیح بخاری پر اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ مقدمہ صحیح مسلم سمجھے بغیر آدمی شارح بخاری بن جائے؟ افسوس تو یہ ہے کہ مصنف انوار نے اپنے سلف کبیر مولانا عثمانی کی فتح الملہم شرح مسلم کا مقدمہ بھی دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی، ورنہ وہ ابن جریر کی طرف منسوب بات کو دلیل و حجت بنا کر ائمہ محدثین کی شان میں اتنی بڑی عظیم گستاخی کے مرتکب شاید نہ ہوتے۔

مصنف انوار نے معلوم نہیں انور شاہ، کوثری اور دوسرے حنفی دیوبندی اساتذہ کی درسگاہوں میں کتب حدیث کو کس طرح

1 موطأً إمام مالک و صحاح ستہ. 2 مقدمة فتح الملہم (ص: ۳۴)

پڑھا کہ وہ یہ نہیں سمجھ سکے کہ صحابہ و تابعین بھی حدیث مرسل سے عدم احتجاج کے قائل تھے؟ اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ مصنف انوار اقوال و آثار صحابہ کو حجت مانتے ہیں، اور نہ ماننے والوں پر سخت معترض ہیں، پھر وہ رد مرسل کے معاملہ میں صحابہ و تابعین کے طریق سے کیوں منحرف ہیں؟

امام شافعی کی کتاب ”الرسالة“ کا زمانہ تصنیف:

امام شافعی (مولود ۱۵۰ھ و متوفی ۲۰۴ھ) نے امام عبدالرحمن بن مہدی (مولود ۱۳۴ھ و متوفی ۱۹۸ھ) اور علی بن مدینی (متوفی ۲۳۴ھ) وغیرہ کی درخواست پر اپنی مشہور عالم کتاب ”الرسالة“ تصنیف کی۔ اس میں موصوف امام شافعی نے عدم احتجاج بالمرسل کے نظریہ کو مدلل طور پر اس طرح بیان کیا کہ مخالفین کی زبانیں گنگ ہو کر رہ گئیں۔ جب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الرسالة“ ابن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ) کی درخواست پر لکھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذکورہ کتاب ۱۹۸ھ سے پہلے لکھی گئی۔^① پھر یہ کہنا کہ رد مرسل کا نظریہ امام شافعی نے دوسری صدی کے بعد یعنی ۲۰۰ھ کے بعد ایجاد کیا، کیونکر صحیح ہے؟

مرسل حدیث کے رد پر علمائے متقدمین کا اجماع:

اس کتاب میں امام شافعی نے بتلایا کہ بعض مرسل حدیثوں کو کسی نے بھی حجت نہیں مانا۔^② کیونکہ اہل علم اس مرسل حدیث کو غیر ثابت و غیر صحیح و غیر معتبر مانتے ہیں۔^③ حالانکہ اس مرسل کی روایت محمد بن منکدر جیسے ثقہ ترین تابعی نے کی ہے۔^④ جب ثقہ ترین تابعی کی بیان کردہ مرسل حدیث کو کسی تابعی نے حجت نہیں مانا تو مصنف انوار یہ بتلائیں کہ یہ تابعین کرام دوسری صدی کے بعد پیدا ہوئے تھے یا دوسری اور پہلی صدی کے تھے؟ مصنف انوار مدعی ہیں کہ جمہور علماء احتجاج بالمرسل کے قائل ہیں حالانکہ الفیہ عراقی میں ہے۔

واحتج مالک کذا النعمان و تابعوہما بہ ودانوا
ورده جماہیر النقاد للجهل بالساقط في الإسناد
وصاحب التمهيد عنهم نقله ومسلم صدر الكتاب أصله^⑤
یعنی احتجاج بالمرسل کے قائل صرف ابو حنیفہ، مالک اور ان کے مقلدین ہیں، ورنہ جمہور اہل علم اسے رد کر دیتے ہیں، ابن عبدالبر صاحب تمہید اور امام مسلم نے مقدمہ صحیح میں یہی بات کہی ہے۔
چنانچہ مقدمہ صحیح مسلم میں ہے:

”والمُرسل في قولنا وقول أهل العلم بالأخبار ليس بحجة.“^⑥

① تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: مقدمة الرسالة للعلامة محمد شاکر (ص: ۹ تا ۱۲) و تاریخ خطیب (۲/ ۲۴، ۲۵) والانساب (ورق: ۵۶۶) ومعجم الأدباء یعنی إرشاد الأريب: ۲/ ۲۸۸، ۳۸۹ و الانتقاء لابن عبدالبر: ۷۲، ۷۳ و طبقات الشافعية: ۱/ ۲۴۹
② الرسالة (ص: ۴۶۸، ۴۶۷، فقره: ۱۲۸۹ تا ۱۲۹۱)
③ الرسالة (ص: ۴۶۹، فقره: ۱۲۹۵ و ۱۲۹۴)
④ الرسالة (فقره: ۱۲۹۵ و ۱۲۹۶)
⑤ ملاحظہ ہو: الألفية مع فتح المغیث (۱/ ۶۹)
⑥ حاصل از مقدمة مسلم، و فتح المغیث، و مقدمة ابن الصلاح.

یعنی ہم محدثین اور تمام اہل علم کے نزدیک حدیث مرسل حجت نہیں۔

کیا مصنف انوار نے امام مسلم کے اس قول کو فتح الملہم کی شرح کے ساتھ (۱/ ۱۲۵) اور مقدمہ فتح الملہم (ص: ۳۲ تا ۳۶) میں نہیں دیکھا ہے؟ مقدمہ صحیح مسلم کی اس تصریح کا مطلب کم از کم یہ ہے کہ اکثر بیشتر اہل علم کے نزدیک مرسل حجت نہیں ہے، اس کے باوجود مصنف انوار نے بزعم خویش بحوالہ ابن عبدالبرؒ لکھا ہے:

”ابن جریر نے کہا کہ سب سے پہلے امام شافعی نے قبول مراہیل سے انکار کیا، پھر اس کے بعد کہا ہے کہ اس میں تو شریعت کی توڑ پھوڑ ہوتی ہے۔“^①

حالانکہ یہ مصنف انوار کی تلمیسی محض ہے۔ ابن عبدالبر نے قبول مرسل کے معاملہ میں اختلاف علماء کا ذکر کرتے ہوئے صاف طور سے کہا ہے:

”وقال سائر أهل الفقه وجماعة أهل الحديث في كل الأمصار فيما علمت: الانقطاع (المراد به الإرسال) في الأثر علة، تمنع من وجوب العمل به.“^②

یعنی پوری جماعت اہل حدیث اور عام فقہاء پوری دنیا میں میرے علم کے مطابق انقطاع کو ایک ایسی علت مانتے ہیں جو حدیث مرسل پر عمل کے وجوب کو ساقط کر دیتی ہے۔

ابن عبدالبر کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ عام فقہاء اور اہل حدیث مرسل کو حجت نہیں مانتے، مگر مصنف انوار کی دیانت داری قابل داد ہے کہ موصوف نے بے دھڑک کہہ دیا کہ عدم قبول مرسل سے شریعت کی توڑ پھوڑ لازم آتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مصنف انوار نے ابن عبدالبر کی طرف غلط منسوب کی۔ امام ابن عبدالبر کا ارشاد تو یہ ہے کہ:

”ہمارے مالکی بھائیوں کا اگرچہ اصل مذہب یہی ہے کہ حدیث مرسل حجت ہے، مگر میں نے تمام علماء کو، خواہ مالکی ہوں یا اہل حدیث، فقہاء ہوں یا مناظرین، دیکھا ہے کہ اگر ان کے خلاف کوئی مرسل پیش کی جاتی ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں کرتے، بلکہ حدیث متصل کا مطالبہ کرتے ہیں۔“^③

گویا یہ ابن عبدالبرؒ کی طرف سے اعتراف ہے کہ میدان مناظرہ میں مالکی، اہل حدیث اور فقہاء سبھی حدیث مرسل کو حجت نہیں مانتے۔ آگے چل کر ابن عبدالبرؒ نے مدلس کی روایت کے غیر معتبر ہونے پر تمام علماء کا اجماع نقل کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ مدلس کی روایت دراصل منقطع (مرسل) ہوتی ہے۔ ابن عبدالبر کے نزدیک منقطع مراہیل ہی میں شامل ہے، کیونکہ وہ غیر متصل سند کو مرسل کہتے ہیں۔

امام ابن عبدالبرؒ کے نزدیک مرسل کی تعریف:

امام ابن عبدالبر نے تمہید (۱/ ۲۱) میں کہا:

”المنقطع عندي: كل ما لا يتصل، سواء كان إلى النبي صلى الله عليه وسلم أو إلى غيره.“

ابن عبدالبرؒ کے نزدیک مدلس کی روایت غیر معتبر ہونے کی وجہ و علت انقطاع یا ارسال ہے۔ اس سلسلے میں انھوں

نے بطور مثال ایک مدلس راوی ابو العباس الولید بن مسلم اموی (متوفی ۹۵ھ) کی روایت پیش کی ہے جو دراصل مرسل ہے، مگر تدلیس کے سبب متصل نظر آتی ہے۔^۱ ابن عبدالبرؒ نے بحوالہ امام احمد اس قسم کی تدلیس کی سخت مذمت کی ہے، جس سے غیر متصل روایت متصل نظر آنے لگے۔^۲

آگے چل کر ابن عبدالبرؒ نے بتلایا ہے کہ ابو العباس کی بیان کردہ جو روایت تدلیس کے سبب بظاہر متصل نظر آتی ہے وہ دراصل مرسل ہے، حتیٰ کہ اس روایت کو ابو العباس کے بجائے امام مالک نے بروایت یحییٰ بن یحییٰ اس طرح نقل کیا ہے کہ وہ متصل نظر آتی ہے، یعنی ”مالك عن ابن شهاب عن عباد بن زياد، وهو من ولد المغيرة بن شعبه، عن أبيه المغيرة بن شعبه عن النبي صلى الله عليه وسلم.“ الخ ابن عبدالبرؒ نے کہا ہے کہ یہ وہم ہے، دراصل عباد بن زياد مغیرہ کے نہیں ابوسفیان کے پوتے ہیں۔^۳

ہم کہتے ہیں کہ عبادہ بن زیاد اور مغیرہ کے درمیان بقول امام نسائی عروہ بن زبیر واقع ہیں۔^۴ اس طرح درحقیقت یہ حدیث بروایت نسائی متصل ہے، فافہم۔ الحاصل مدلس کی روایت بلا تصریح تحدیث محض اس لیے غیر مقبول ہے کہ سند میں ارسال یا انقطاع ہے اور مدلس کی بغیر تصریح تحدیث والی روایت متفقہ طور پر غیر مقبول ہے، تو لازم آیا کہ اصولی طور پر سبھی لوگ مرسل کے غیر مقبول ہونے پر متفق ہیں۔ بایں ہمہ اگر کچھ لوگوں نے اس متفق علیہ اصول سے اختلاف کر کے مرسل کو حجت مانا ہے تو ان علمائے اہل حدیث کو قصور وار اور غلط کار نہیں کہا جاسکتا جو مرسل کو حجت نہیں مانتے۔

اس سلسلے میں ابن عبدالبرؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر ارسال کرنے والا راوی بذات خود ثقہ ہو اور اس کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ غیر ثقہ سے ارسال نہیں کرتا تو اس کی روایت قبول کی جائے، ورنہ اگر ارسال کرنے والا راوی ثقہ ہے مگر غیر ثقہ سے ارسال کرتا ہو تو اس کی روایت غیر مقبول ہے، اسی طرح مدلس کا بھی معاملہ ہے۔^۵

ہم کہتے ہیں کہ اگر فی الواقع کوئی ایسا ثقہ راوی ہے جو صرف ثقہ ہی سے ارسال کرتا ہو تو اس کی مرسل روایت قبول کی جائے گی مگر ایسا ہے کونسا راوی؟ بعض ثقہ راوی کسی راوی کو اپنے طور پر ثقہ سمجھتے ہیں، مگر وہ کسی معتبر جرح سے مجروح ہونے کے سبب بقول راجح غیر ثقہ ہوتا ہے، البتہ اگر کوئی ثقہ راوی متفق علیہ ثقہ یا بقول راجح ثقہ سے ارسال کرے اور یہ بات متحقق طور پر معلوم ہو جائے تو اس کی مرسل روایت قبول کی جاسکتی ہے۔

امام مالک بھی ردِ مرسل کے قائل ہیں:

امام مالک کے بارے میں اگرچہ مشہور یہی ہے کہ وہ مرسل کو حجت مانتے ہیں مگر امام حاکم نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام مالک مرسل کو حجت نہیں مانتے۔^۶ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قبول مرسل کے معاملے میں امام مالک کے دو قول ہیں۔ پھر یہ دعویٰ کیونکر صحیح ہوا کہ امام مالکؒ مرسل کو حجت ہی مانتے تھے ان سے اختلاف قول مروی نہیں؟ حالانکہ اس اختلاف کے

② تمہید (۱/۱۴)

① تمہید (۱/۱۳، ۱۴)

⑤ (تمہید: ۱۷/۱)

④ مسوی شرح موطأ.

③ ملحض از تمہید (۱/۱۴۹، ۱۴۸) و تجرید التمہید.

⑥ ملاحظہ ہو: المدخل للحاکم (ص: ۱۲) و إرشاد الفحول (ص: ۶۵)

ہوتے ہوئے ان کے اسی قول کو ان کا مذہب قرار دینا چاہیے جو جمہور اور صواب کے مطابق ہے اور جو قول بدلائل واضحہ خلاف صواب ہے اسے ان کا مذہب نہیں قرار دینا چاہیے کیونکہ اسلاف غیر صواب سے صواب کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ہم بتلا آئے ہیں کہ قبول مرسل میں صحیح مسلک عدم قبول ہی کا ہے اور یہی مذہب جمہور اہل علم کا ہے جو کتاب و سنت کے بھی مطابق ہے۔

الکفایۃ میں عبداللہ بن سلمہ بن اسلم سے مروی ہے کہ میں نے امام مالک رضی اللہ عنہ سے کہا:

”ینبغی لنا أن نعرف حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ممن هو وعمن أخذنا.“

یعنی ہمارے لیے مناسب ہے کہ ہم دیکھیں کہ کس قسم کے راوی سے حدیث مروی ہے اور ہم کس کی حدیث قبول کر رہے ہیں؟

اس پر امام مالک نے فرمایا: ”صدقت یا أبا سلمة“ آپ سچ کہتے ہیں۔ ابن سلمہ کہتے ہیں کہ اس وقت سے یہ حال ہو گیا: ”فكنت لا أقبل حدیثا حتی یسند لی، وتحفظ مالک بن أنس الحدیث من أیامئذ“ کہ میں غیر متصل یعنی مرسل حدیث قبول نہیں کرتا تھا اور امام مالک بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

یہ روایت اس امر کی دلیل ہے کہ امام مالک نے احتجاج بالمرسل کے مسلک سے رجوع کر کے عدم احتجاج کا مسلک اختیار کر لیا تھا، اس روایت کی سند اگرچہ کمزور ہے کیونکہ عبداللہ بن سلمہ پر کلام ہے اور ان سے اس روایت کے ناقل محمد بن اسماعیل جعفری بھی منکر الحدیث ہیں، مگر یہ روایت حاکم و شوکانی کی نقول کی شاہد و مؤید ہے۔

بہر حال مرسل حدیث کے مقبول اور غیر مقبول ہونے کی بحث سے قطع نظر مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مصنف انوار کا یہ دعویٰ غیر صحیح ہے کہ حدیث مرسل سے عدم احتجاج کا نظریہ دوسری صدی کے بعد پیدا ہوا، کیونکہ صحابہ و تابعین بھی اس مسلک پر عامل تھے، جن میں اساتذ ابی حنیفہ بلکہ ان کے اساتذہ کے اساتذہ بھی شامل ہیں۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک قبول مرسل کی شرط:

مصنف انوار نے انوار الباری (۸/۱۰۸، ۱۰۹) میں ایک عجیب بات کہتے ہوئے امام ابو حنیفہ کا یہ مسلک نقل کیا ہے کہ ”قبول مرسلات ثقات جب کہ اس سے قوی روایت معارض نہ ہو۔“

اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ صرف ثقات کی مراسیل اس شرط کے ساتھ حجت مانتے ہیں کہ اس کے مقابلے میں کوئی دوسری قوی حدیث نہ ہو۔ یعنی امام صاحب مطلقاً مرسل کو حجت نہیں مانتے تھے، بلکہ صرف ثقات کی مراسیل کو اور وہ بھی جب کہ اس کے مقابلے میں اس سے قوی روایت موجود نہ ہو۔ مگر مصنف انوار جیسے لوگوں کا حال یہ ہے کہ حنفی مذہب کی تائید میں خواہ کتنے ہی غیر ثقہ رواۃ کی مراسیل ہوں اور وہ مراسیل اپنے سے قوی تر احادیث کے معارض بھی ہوں، پھر بھی مصنف انوار اور ان جیسے لوگ انھیں حجت بنا لیتے ہیں۔ مصنف انوار جیسے فقہاء اہل الرائے کے اس طرز عمل کا شکوہ مولانا شبیر احمد عثمانی نے مقدمہ فتح الملہم (ص: ۳۴۰، ۳۵) میں بھی کیا ہے۔

ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس جگہ مرسل و متصل کا مقابلہ ہو وہاں امام ابو حنیفہ کے اصول کے مطابق متصل کو ترجیح ہونی چاہیے، مگر مصنف انوار احناف کے اس اصول کے مخالف ہیں۔ مصنف انوار کو چونکہ اس کا اعتراف ہے کہ امام ابو حنیفہ صرف

اس مرسل حدیث کو قبول فرماتے تھے جو اپنے سے قوی تر حدیث کے معارض نہ ہو، اس لیے ہم ان کی معلومات میں اضافہ کے لیے عرض کرتے ہیں کہ امام شافعی حدیث مرسل کو مطلقاً رد نہیں کرتے جیسا کہ تفصیل ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔

قبول مرسل کے لیے امام شافعی کی شرائط:

امام شافعی نے کہا:

”المنقطع مختلف، فمن شاهد أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم، من التابعين،

فحدث حديثاً منقطعاً عن النبي صلى الله عليه وسلم اعتبر عليه بأموه.“ الخ

یعنی حدیث مرسل کی کئی قسمیں ہیں، جن میں سے کبار تابعین نے نقل کیا ہو ان کے بارے میں یہ دیکھا جائے گا کہ:

- ۱۔ اگر اس حدیث مرسل کے ہم معنی ثقہ حفاظ نے متصلاً روایت کی ہے تو وہ مرسل قبول ہوگی۔
- ۲۔ اس معنی کی دوسری متصل روایت اگر نہ ہو مگر اس معنی کو دوسرے ثقہ تابعی نے بھی مرسل روایت کیا ہو تو اسے قوی مانا جائے گا، مگر اس کا درجہ پہلی کی بہ نسبت کمزور ہوگا، اگر ثقہ کی مرسل کی تائید میں کوئی متصل یا مرسل روایت دوسری نہیں، مگر اس کے موافق کسی صحابی کا عمل ہے تو یہ مرسل بھی قوی مانی جائے گی۔
- ۳۔ اسی طرح جس مرسل پر اہل علم کا عمل و فتویٰ ہو تو وہ بھی معتبر ہوگی۔ (یعنی بشرطیکہ اس کے خلاف کوئی حدیث متصل صحیح نہ ہو)
- ۴۔ مرسل کا راوی ایسا ثقہ ہو کہ اگر اس سے درمیانے راوی کا نام پوچھا جائے تو وہ مجہول اور غیر معتبر راوی کے بجائے ثقہ کا نام بتلایا کرتا ہو تو یہ مرسل بھی قابل قبول ہوگی۔

۵۔ راوی مرسل حفاظ حدیث میں سے کسی کی مخالفت نہیں کرتا اور اگر کرتا ہو تو اس طرح کہ حفاظ کے مقابلے میں اس کی روایت کے الفاظ ناقص ہوتے ہیں تو ایسی مرسل بھی مقبول ہوگی^۱۔

حاصل یہ کہ کبار ثقہ تابعین کی مرسل کو امام شافعی رحمہ اللہ شروط معتبرہ کے ساتھ مقبول اور غیر کبار کی مطلقاً مردود مانتے ہیں، اس تفصیل کے بعد امام شافعی پر یہ الزام کہ وہ مطلقاً مرسل کو حجت نہیں مانتے، کیونکر درست ہے؟ جب مصنف انوار بھی احتجاج بالمرسل کے لیے یہ قید لگاتے ہیں کہ مرسل حدیث دوسری قوی تر حدیث کے معارض نہ ہو تو امام شافعی کی قیود کے ساتھ قبول مرسل کا نظریہ کیوں قابل ملامت ہو گیا؟ قبول و عدم قبول مرسل کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا تفصیل کا امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے مذہب شافعی کے بیان میں ذکر نہیں کیا، بلکہ مطلقاً رد مرسل کے قائلین میں امام شافعی کو شمار کرتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں کہ ”وهذا كله قول الشافعي وأصحابه وأهل الحديث“^۲

حالانکہ ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ سے اس جگہ تسامح ہو گیا ہے، کیونکہ رد مرسل کے معاملہ میں امام شافعی نے تفصیل سے کام لیا ہے۔

حدیث مرسل اور امام ابو داؤد:

مصنف انوار نے مزید کہا:

② تمہید (ص: ۶)

① الرسالة: (ص: ۶۶۱ تا ۶۶۵)

”امام ابوداؤد نے لکھا ہے کہ پہلے زمانہ میں مراہیل سے استدلال کیا کرتے تھے تا آنکہ شافعی آئے اور اس میں کلام کیا۔“^①

ناظرین کرام امام ابوداؤد کے اصل کلام کو ملاحظہ فرمائیں:

وأما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء فيما مضى، مثل سفیان الثوري و مالك و الأوزاعي، حتى جاء الشافعي فتكلم فيها، وتابعه على ذلك أحمد وغيره، فإذا لم يكن مسند غير المراسيل فالمرسل يحتج به وليس هو مثل المتصل في القوة.^②

یعنی گزشتہ زمانے کے علماء میں سفیان ثوری، مالک اور اوزاعی جیسے لوگ مرسل کو حجت مانتے تھے مگر امام شافعی نے اس میں کلام کیا اور امام احمد وغیرہ نے بھی اس پر ان کی پیروی کی۔ اگر مرسل حدیث متصل کے بالمقابل نہ ہو تو مرسل کو حجت بنایا جاسکتا ہے، مگر وہ متصل کی طرح قوی نہیں ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ امام ابوداؤد کی اس بات کا مطلب مصنف انوار کے شیخ الشیوخ صاحب فتح الملہم نے یہ سمجھا اور بتلایا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے رد مرسل کے مسئلہ پر ائمہ سلف کی بہ نسبت زیادہ تفصیل و توضیح سے کام لیا ہے۔^③

اور یہی صحیح بھی ہے، ورنہ اگر امام ابوداؤد کے کلام کا مطلب یہ بتلایا جائے کہ امام شافعی سے پہلے سبھی لوگ قبول مرسل کا نظریہ رکھتے تھے تو یہ بات بدیہی طور پر باطل ہوگی، جس کا صدور امام ابوداؤد سے مستبعد ہے۔ ہمارے نزدیک امام ابوداؤد کے قول کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ گزشتہ زمانہ میں امام اوزاعی، ثوری اور مالک جیسے لوگ صحیح الاسناد متصل حدیث کی عدم موجودگی میں مرسل کو حجت مانتے تھے، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرے علماء اس کے مردود ہونے کے قائل نہیں تھے۔ یہ بات ہم اس بنیاد پر کہہ رہے ہیں کہ بدلائل واضحہ ثابت ہے کہ حضرت ابن عباس، خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز، عروہ اور سعید بن المسیب وغیرہ جیسے اکابر رد مرسل کے قائل تھے اور یہ ناممکن ہے کہ ابوداؤد کے سامنے یہ ساری باتیں نہ رہی ہوں۔ خود انھوں نے اپنی سنن میں وہ حدیث بسند صحیح نقل کی ہے جس میں صاف طور پر ہے کہ خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز اور عروہ بن زبیر جیسے تابعین حدیث مرسل کو مردود مانتے تھے۔^④

قبول مرسل کے متعلق امام بخاری پر مصنف انوار کا اتہام:

مصنف انوار نے یہ بھی کہہ رکھا ہے کہ:

”اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں مراہیل کے ساتھ استدلال کیا ہے، جس طرح کہ جزء القراءة وغیرہ میں، اور صحیح مسلم وغیرہ میں بھی مراہیل موجود ہیں، پھر جس نے بھی مراہیل کو نظر انداز کیا، اس نے سنت معمول بہا کا آدھا حصہ ترک کر دیا۔“^⑤

① انوار الباری (۱۰۹/۸) بحوالہ معارف السنن للنبوری (۲۶/۱)

② توجیہ النظر (ص: ۱۵۲ بحوالہ الرسالة لأبي داود)

③ فتح الملہم (جلد: ۱)

④ ملاحظہ ہو: سنن أبي داود مع شرح أبي داود باب في المواقيت (۱/۵۵ تا ۲۶۳)

⑤ انوار الباری (۱۰۹/۸)

اس کے بعد اپنے شیخ انور شاہ سے ناقل ہیں کہ:

”امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ و بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مرسل قبول نہیں کی تاہم امام شافعی نے چھ مواضع میں قبول کیا ہے جو نخبہ میں مذکور ہے۔“^①

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مصنف انوار اور ان کے شیخ انور کے بیان میں کس قدر تضاد ہے۔ مصنف انوار کہتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی صحیح اور غیر صحیح میں مراہیل سے استدلال کیا ہے اور ان کے شیخ کہتے ہیں کہ امام شافعی و بخاری نے حدیث مرسل قبول نہیں کی۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ انوار الباری کو مجموعہ افادات انور کہنے کے باوجود اس میں ان کی بات کے خلاف دوسری بات کہی گئی ہے۔ مصنف انوار کی یہ بات کہ جس نے مرسل حدیث کو رد کیا اس نے سنت کا آدھا حصہ رد کر دیا۔ ان اسلاف کرام کی شان میں بڑی گستاخی ہے جو رد مرسل کے قائل ہیں، مگر مصنف انوار کا یہ طریق عمل ان کے خالص دینی و علمی نقطہ نظر کے مطابق نہایت معتدل اور اچھی چیز ہے۔ نیز مصنف انوار کی یہ بات بالکل ہی سفید جھوٹ ہے کہ امام بخاری نے اپنی صحیح و غیر صحیح میں مراہیل سے استدلال کیا ہے۔ اسی طرح ان کی یہ بات بھی جھوٹ ہے کہ صحیح مسلم میں مراہیل موجود ہیں۔ کیونکہ صحیح مسلم میں اگر کوئی مرسل حدیث ہے تو وہ اصل حدیث کے طور پر نہیں بلکہ ضمنی اور شاہد کے طور پر ہے۔ امام بخاری یا اس قسم کے کسی بھی محدث نے حدیث مرسل سے استدلال شرائط معتبرہ مذکورہ کے ساتھ کیا ہے یا مخالف پر اقامت الزام کے لیے یا اس لیے کہ اس حدیث کے علاوہ کوئی دوسری روایت نہیں اور اگر یہ حدیث نہ بھی ہوتی تو ان کے نزدیک بطریق استنباط مسئلہ کی یہی صورت ہوتی جو حدیث مرسل سے مستفاد ہے، مگر مصنف انوار بات سمجھتے نہیں۔ مصنف انوار اس طرح کی خلاف واقع باتیں لکھ کر مدعی ہیں کہ ہم نے نہایت معتدل راستہ اختیار کیا ہے۔ مصنف انوار کے شیخ نے جو یہ کہا کہ امام شافعی نے چھ مواضع میں مراہیل قبول کیا ہے تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ چھ شرائط کے تحت امام شافعی نے مرسل کو قبول کیا ہے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ امام شافعی نے مطلقاً مرسل کو رد نہیں کیا۔

مرسل نخی پر بحث:

حدیث مرسل کی اس طویل بحث کے ساتھ ناظرین کرام کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ:

”ابن عبدالبر کی تمہید میں ہے کہ اہل نقد مراہیل نخی کو صحیح احادیث کے درجہ میں سمجھتے ہیں۔“^②

اولاً: ناظرین کرام مصنف انوار سے پوچھیں کہ اگر اہل نقد مراہیل نخی کو صحیح حدیثوں کے درجہ میں سمجھتے تھے تو کیا اس کا مفہوم

یہ ہو سکتا ہے کہ اہل نقد نخی کے علاوہ تمام لوگوں کی مراہیل کو بھی احادیث صحیحہ کے درجہ میں سمجھتے ہیں؟

واضح رہے کہ بہت سے اہل علم احادیث صحیحہ کی عدم موجودگی میں قیاس و رائے پر عمل کرنے کے بجائے احادیث

ضعیفہ ہی پر عمل کو بہتر سمجھتے ہیں اور مرسل بھی از قسم ضعیف حدیث ہے۔ اس لیے جن لوگوں نے مراہیل پر عمل کیا ان کی

طرف علی الاطلاق یہ منسوب کرنا کہ مراہیل کو صحیح مانتے تھے یا حدیث صحیح کا علم رکھتے ہوئے بھی مرسل کو مطلقاً حجت مانتے

تھے، قطعاً غلط ہے، حتیٰ کہ جو لوگ شرائط معتبرہ مذکورہ کے ساتھ کبار تابعین کی مراہیل کو حجت مانتے ہیں وہ بھی انھیں

② مقدمہ انوار (۱/ ۴۱)

① انوار الباری (۸/ ۱۰۹)

احادیث صحیحہ کے درجہ میں نہیں مانتے۔ (کما مر)

ثانیاً: مصنف انوار نے تمہید کے حوالہ سے لکھی ہوئی بات کے لیے تمہید کے صفحہ و جلد اور اصل عبارت کا حوالہ نہیں دیا۔ مصنف انوار کی تحریر میں عام طور سے یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ کسی کتاب کے حوالے سے بلا ذکر اصل عبارت دعاوی کرتے چلے جاتے ہیں، حالانکہ حقیقت امر ان کے دعاوی کے خلاف ہوتی ہے، کیونکہ وہ اصل عبارت میں حسب منشا ترمیم کر لیا کرتے ہیں اور حقیقت امر یہ ہے کہ تلاش بسیار کے باوجود ہم کو تمہید لابن عبدالبر میں وہ بات نہیں مل سکی جس کا ذکر مصنف انوار نے کیا ہے، البتہ اہل نقد کے امام، امام شعبہ یعنی استاذ ابی حنیفہ سے منقول ہے:

”قال یحییٰ: قال شعبۃ: یضعف إبراہیم عن علی.“¹

یعنی حضرت علی سے نخعی کی نقل کردہ مراسیل ضعیف ہوتی ہیں۔

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ امام شعبہ کے اس فرمان سے مصنف انوار کے زیر بحث دعویٰ کی تکذیب و تردید ہوتی ہے، کیونکہ اگر اہل نقد مراسیل نخعی کو احادیث صحیحہ کے درجہ میں سمجھتے تو اہل نقد کے امام شعبہ مراسیل نخعی عن علی کو ضعیف بتلاتے۔ اہل نقد کے دوسرے امام جناب امام شافعی فرماتے ہیں:

”فأما من بعد كبار التابعین فلا أعلم منهم واحداً یقبل مرسله.“²

یعنی کبار تابعین کی مراسیل تو شرائط مذکورہ کی موجودگی میں قبول کی جاسکتی ہیں مگر غیر کبار تابعین کی مراسیل کی بابت میں کسی بھی صاحب علم کو نہیں جانتا جو ان کی مراسیل قبول کرتا ہے۔

اور یہ معلوم ہے کہ نخعی کبار تابعین میں سے نہیں تھے بلکہ وہ اوساط میں سے بھی نہیں تھے، وہ صغار تابعین میں سے تھے اور وہ بھی صرف بعض صحابہ کو دیکھے ہوئے تھے، کسی سے روایت نہیں کر سکے تھے۔ امام شافعی کے بیان سے معلوم ہوا کہ اس زمانے میں نخعی کی مراسیل کوئی بھی صاحب علم قبول نہیں کرتا تھا، چہ جائیکہ اہل نقد مراسیل نخعی کو احادیث صحیحہ کا درجہ دیں؟ نیز اہل نقد کے ترجمان امام ذہبی نے کہا ہے:

”استقر الأمر علی أن إبراہیم حجة وأنه إذا أرسل عن ابن مسعود فلیس بحجة، وفي نسخة: لیس بحسن.“³

یعنی یہ طے ہو چکا ہے کہ نخعی بذات خود حجت ہیں، البتہ ان کی مراسیل حجت نہیں ہیں۔

معلوم ہوا کہ اہل نقد مراسیل نخعی کو حجت نہیں سمجھتے اور جب اہل نقد مراسیل نخعی کو حجت نہیں سمجھتے تو انھیں احادیث صحیحہ کے درجہ میں کیونکر سمجھتے ہوں گے؟ پھر ان مراسیل کو مسانید پر ترجیح دینا تو اور بھی بعید از قیاس ہے!

حافظ ابن حجر نے نخبہ الفکر اور اس کی شرح میں مراسیل نخعی کو مستثنیٰ کیے بغیر جملہ مراسیل کو احادیث مردودہ میں شمار کیا ہے

اور موصوف نے تہذیب التہذیب تذکرہ نخعی میں ایک متاخر حافظ ابوسعید علائی کے حوالہ سے جو یہ نقل کیا ہے:

① الکفاية في علم الرواية للخطيب (ص: ۳۷۸)

② الرسالة للامام الشافعي رحمه الله (ص: ۴۶۵، فقرة: ۲۷۷) و الکفاية للخطيب (ص: ۴۰۵، ۴۰۶)

③ مقدمة تحفة الأحمدي بحواله ميزان الاعتدال.

”جماعة من الأئمة صححوا مراسيلهم، وخص البيهقي ذلك بما أرسله عن ابن مسعود“
 یعنی ائمہ کی ایک جماعت نے مراسیل نخعی کو صحیح قرار دیا ہے مگر بیہقی نے صرف مراسیل نخعی عن ابن مسعود ہی کو صحیح کہا ہے۔
 تو اس نقل سے جس جماعت ائمہ کا نظریہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مراسیل نخعی کو صحیح مانتی ہے، اس سے حافظ ابن حجر متفق نہیں ہیں، کیونکہ وہ بلا استثنائے نخعی رد مرسل کے قائل ہیں اور کوئی شک نہیں کہ ہماری پیش کردہ تفصیل کے بعد مراسیل نخعی کو احادیث صحیحہ کا درجہ دینے کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ نیز اس نقل سے معلوم ہوا کہ ائمہ کی صرف ایک جماعت ہی مراسیل نخعی کو صحیح مانتی ہے، اس کا مفہوم یہ ہوا کہ دوسرے تمام ائمہ مراسیل نخعی کو صحیح نہیں مانتے۔ دریں صورت مصنف انور نے جو علی الاطلاق ابن عبدالبر کی طرف یہ دعویٰ منسوب کیا ہے کہ اہل نقد مراسیل نخعی کو احادیث صحیحہ کا درجہ دیتے ہیں، وہ مکذوب ہے، البتہ کچھ محدثین کا یہ نظریہ ہے کہ احادیث صحیحہ نہ ہونے کی صورت میں ضعیفہ پر عمل کر لیا جائے اور مراسیل بھی از قسم ضعیفہ ہے، اس لیے اس پر بھی احادیث صحیحہ نہ ہونے کی صورت میں وہ عمل کر لیتے ہیں۔ کبار تابعین کی مراسیل، جو شرائط معتبرہ کے ساتھ معمول بہ ہیں، انھیں بھی جمہور محققین احادیث صحیحہ کا درجہ نہیں دیتے اور یہ بات معلوم ہے کہ نخعی کبار تابعین سے نہیں ہیں۔ (کما مر)
 اہل علم نے تصریح کی ہے:

”اتفقوا على أن مراسلات سعيد بن المسيب أصح المراسيل.“¹

یعنی کبیر ترین تابعی سعید بن المسیب کی مراسیل صحیح ترین مراسیل ہیں۔

اور اس کے باوجود مراسیل سعید بن المسیب کو صحیح احادیث کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ کبار تابعین مثلاً سعید بن المسیب وغیرہ جیسے تابعین کی مراسیل کو شرائط معتبرہ کے ساتھ قبول کرنے کے باوجود اہل نقد کے امام امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ولا نستطيع أن نزع من أن الحجة تثبت به ثبوتها بالموتصل.“²

دریں صورت بحوالہ تمہید لابن عبدالبر مصنف انوار کا یہ دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے کہ اہل نقد مراسیل نخعی کو صحیح احادیث کے درجے میں سمجھتے تھے بلکہ ان کے مراسیل کو اپنے مساوی پر ترجیح دیتے تھے؟!

مصنف انوار کے امام محمد بن حسن مراسیل کو حجت نہیں مانتے:

اگرچہ یہ بات کافی شہرت رکھتی ہے کہ ائمہ احناف مراسیل کو حجت مانتے ہیں، یہ بات المدخل للحاکم میں بھی موجود ہے، مگر مصنف انوار کے مسلم امام محمد بن حسن شیبانی فرماتے ہیں:

”وإنما يروى هذا عن مالك من مرسل سعيد، ولم يسنده هو، ولم يروه عن أحد.“³

یعنی یہ حدیث مرسل ہے، متصل نہیں۔ مطلب یہ کہ مرسل ہونے کے سبب یہ روایت حجت نہیں بن سکتی۔

امام محمد کے اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی مرسل روایت کو حجت نہیں مانتے، مگر اس کے باوجود عمل کا حال یہ ہے کہ ائمہ احناف بلکہ امام محمد خود بھی نہ جانے کن امور کے سبب مراسیل کو حجت بنائے ہوئے ہیں، شاید اس لیے کہ انھیں ان

① تقریب التهذيب وكفاية الخطيب (ص: ٤٠٤، ٤٠٥) ومعرفة علوم الحديث للحاكم (ص: ٣٢٢، ٣٣)

② الرسالة (فقره: ٦٢٧٥٥) ③ كتب الحج (ص: ٥٩)

کے خلاف مسانید صحیحہ کا علم نہیں ہو سکا۔ جب مرسل روایت پر امام محمد کو بھی کلام ہے تو مراسیل نخعی کو صحیح احادیث کے درجے میں رکھنے کے وجوہ و علل کیا ہیں؟ براہ کرم مصنف انوار اصول و قواعد کی پابندی کے ساتھ اس موضوع پر روشنی ڈالیں!

اگر مصنف انوار علانی کے قول کو حجت بنا کر کہیں کہ ائمہ کی ایک جماعت نے مراسیل نخعی کو صحیح کہا ہے تو ہم عرض کریں گے کہ مصنف انوار کا دعویٰ علی الاطلاق یہ ہے کہ اہل نقد مراسیل نخعی کو احادیث صحیحہ کے درجے میں سمجھتے ہیں، ہمارا اصل اعتراض مصنف انوار کے اس دعویٰ پر ہے، ورنہ اختلافی مسائل میں ایک جانب ائمہ کی ایک جماعت اور دوسری جانب دوسری جماعت ہوا کرتی ہے، دونوں جماعتوں کے قول میں ترجیح اسے ہوتی ہے جس کے دلائل قابل ترجیح ہوتے ہیں اور ہم اس موضوع پر بحث کر کے قول راجح مع وجوہ ترجیح بتلا چکے ہیں۔

حدیث حسن اور امام نخعی:

اوپر مصنف انوار کا یہ قول نقل ہو چکا ہے کہ ”امام بخاری“ حدیث حسن کو حجت نہیں مانتے جس پر امام و سرتاج غیر مقلدین شوکانی بھی ساکت نہیں رہ سکے۔“ اس کے متعلق ہماری گزارش یہ ہے کہ بدعویٰ احناف امام ابوحنیفہ جس ابراہیم نخعی کے اقوال و فتاویٰ کو اپنے دین کا اصول بنائے ہوئے تھے وہ فرماتے ہیں کہ ”کرہوا أن یخرج الرجل حسن حدیثہ“¹ یعنی اہل علم حسن احادیث کی تخریج (روایت) مکروہ جانتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب بقول نخعی اہل علم حسن حدیث کی روایت کو مکروہ سمجھتے تھے تو اسے دلیل و حجت بدرجہ اولیٰ نہیں مانتے ہوں گے۔ اور امام ابوحنیفہ کے قابل فخر استاذ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حدیث حسن کو حجت نہیں مانتے۔ چنانچہ مروی ہے:

”قیل لشعبۃ: لماذا لا تروی عن عبد الملك بن أبي سليمان العزمي وهو حسن الحديث؟ فقال: من حسنه فررت.“²

یعنی شعبہ سے پوچھا گیا کہ آپ عزمی کی حدیث کیوں نہیں روایت کرتے جب کہ وہ حدیث حسن بیان کرتی ہیں؟ موصوف نے جواب دیا کہ میں ان کی حدیث حسن ہی کے سبب ان سے روایت کرنے سے بھاگتا ہوں۔

دریں صورت یہ دعویٰ کیسے صحیح ہوا کہ دوسری صدی کے بعد حدیث حسن سے حجت کی نفی کا نظریہ امام بخاری وغیرہ نے ایجاد کیا؟ واضح رہے کہ یہاں پر حدیث حسن سے مراد حدیث غریب یعنی شاذ ہے اور اسی قسم کی حدیث حسن کو نخعی اور ان کے معاصر و اسلاف اور شعبہ و بخاری حجت نہیں مانتے، ورنہ امام بخاری نے اپنے رسائل میں بکثرت حدیث حسن سے استدلال و احتجاج کیا ہے۔ توجیہ النظر (ص: ۱۳۸) میں ہے کہ امام بخاری ”حسن لغیرہ“ کو بھی حجت مانتے ہیں، پھر تو وہ ”حسن“ کو بدرجہ اولیٰ حجت مانتے ہوں گے، البتہ مصنف انوار نے امام ابو حاتم محمد بن ادریس حظلی کو امام الجرح والتعدیل تسلیم کیا ہے اور ابو حاتم سے منقول ہے کہ ”حدیث حسن لیس بحجة“³

① ملاحظہ ہو: کتاب العلم للإمام أبي خيثمة (ص: ۱۱۸، نمبر ۳۷) و توجیه النظر (ص: ۱۴۸ وغیرہ)

② ملاحظہ ہو: تهذيب التهذيب (۶۳۹۷) و خطيب (۳۹۵/۹) ترجمة عزمي) و توجیه النظر (ص: ۱۴۸)

③ توجیه النظر (ص: ۱۴۶) و حواشی فتح المغیث وغیرہ۔

البتہ امام بخاری نے عزری کی حدیث کو جو حسن ہوتی ہے، حجت مانا ہے۔^① حالانکہ امام ابوحنیفہ کے استاذ شعبہ اسے حجت نہیں مانتے۔ پھر بھی مصنف انوار نے امام بخاری کو نشانہ طعن و تشنیع بنایا اور امام ابوحنیفہ کے استاذ کو چھیڑا تک نہیں۔ اسی طرح امام محمد بن اسحاق (متوفی ۱۵۰ھ، ۱۵۱ھ) حسن الحدیث ہیں۔ ان کی روایت صحیح نہیں ہوتی، اسی لیے صحیح بخاری میں ان سے کوئی حدیث نقل نہیں کی، مگر جزء القراءة (ص: ۳۳، ۳۴) میں ان کی حدیث کو حجت قرار دیا اور اہل علم سے بھی یہی نقل کیا ہے، امام ترمذی نے بھی محمد بن اسحاق کی حدیث حسن قرار دی ہے۔^②

حاصل یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حدیث حسن کو حجت مانتے ہیں، البتہ ممکن ہے کہ حسن کی جس قسم کو ابراہیم نخعی حجت نہیں مانتے اسی کو وہ بھی نہ مانتے ہوں، ورنہ الفیہ عراقی میں حسن کو از قسم صحاح قرار دیا گیا ہے۔

والفقاء کلہم یستعملہ والعلماء الجلل منہم یقبلہ

وہو بأقسام الصحیح ملحق حجیة وإن یکن لا یلحق^③

یعنی سارے فقہاء اور اہل علم حسن کو قبول کرتے اور اقسام صحیح سے شمار کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ ان سارے فقہاء اور اہل علم میں امام بخاری شامل ہیں، ورنہ ان کے اختلاف کا ذکر عراقی اور دوسرے اہل علم ضرور کرتے اور یہاں اہل علم نے اس کی صراحت کر دی ہے کہ امام بخاری حدیث حسن کو حجت مانتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ امام شوکانی کا یہ بیان ازراہ تسامح و تساہل صادر و سرزد ہو گیا ہے کہ:

”وہکذا یجوز الاحتجاج بما صرح أحد الأئمة المعترین بحسنہ، لأن الحسن یجوز العمل

به عند الجمهور، ولم یخالف فی الجواز إلا البخاری و ابن العربی، والحق ما قاله الجمهور.“^④

یعنی جس حدیث کو معتبر علماء نے حسن کہا ہے، اس سے استدلال جائز ہے، کیونکہ جمہور نے حدیث حسن پر عمل کیا

ہے، اس کی مخالفت سوائے بخاری اور ابن العربی کے کسی نے نہیں کی۔

مدت رضاعت کے مسئلہ میں نص قرآنی کے خلاف احناف کا عمل:

یہ عجیب بات ہے کہ امام شوکانی کے ایک تساہل و تسامح کو مصنف انوار نے امام بخاری کے خلاف حربہ اعتراض بنا لیا اور حدیث مرسل کے قبول اور عدم قبول کے مختلف فی مسئلہ میں امام شافعی و بخاری و دیگر محدثین کے اختیار کردہ موقف پر سخت برہمی کا اظہار کیا، مگر نصوص قرآنیہ، جن کے واجب العمل ہونے پر سب کا اتفاق ہے، کی صریح مخالفت کرنے والے حنفی یعنی امام ابوحنیفہ و دیگر ائمہ احناف کے خلاف مصنف انوار کچھ نہیں کہتے، بلکہ ان کی مدح و توصیف ہی کرتے ہیں، مثلاً مدت رضاعت (دودھ پلانے کی مدت) نص قرآنی کے مطابق دو سال ہے، مگر اس صریح قرآنی آیت کے خلاف فقہاء حنفیہ مدت رضاعت ڈھائی سال بتلاتے ہیں اور وہ امام طبری، جن کی آڑ میں مصنف انوار نے مرسل کے مسئلہ پر امام شافعی وغیرہ کو نشانہ طعن و تشنیع بنایا ہے، انھوں نے صحابہ و تابعین میں سے حضرت عمر فاروق خلیفہ راشد، ابن عباس، ابن مسعود، ابن عمر، علقمہ، شعبی

① تہذیب.

② جامع ترمذی مع تحفة الأوحذی (۱/۲۵۳، ۲۵۴)

④ نیل الأوطار (۱/۲۲)

③ الألفية مع فتح المغیث (۱/۴۰)

اور ابراہیم نخعی وغیرہم کا مسلک یہی نقل کیا ہے کہ یہ لوگ نص قرآنی کے مطابق مدت رضاعت دو سال مانتے ہیں^① اور مصنف انوار مدعی ہیں کہ ابن مسعود کے جانشین علقمہ اور علقمہ کے ابراہیم نخعی اور نخعی کے حماد اور حماد کے جانشین امام ابوحنیفہ ہیں۔^② نیز یہ کہ ابن مسعود فقہ حنفی کے مورث اعلیٰ ہیں مگر احناف نے نص قرآنی اور اپنے مورث اعلیٰ ابن مسعود اور جملہ صحابہ و تابعین حتیٰ کہ ابراہیم نخعی کی مخالفت کی تو مصنف انوار کو کچھ غصہ نہیں آیا، مصنف انوار کا یہی تضاد عمل ہی ان کی خالص علمی و دینی خدمت اور تحقیقی نقطہ نظر ہے!!

لطف یہ کہ مصنف انوار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو سیدہ فقہاء صحابہ مانتے ہیں اور حال یہ ہے کہ حضرت عائشہ مصنف انوار کے مذہب کی مقرر کردہ مدت رضاعت کے بعد بھی عمر کے کسی بھی مرحلہ میں کسی عورت کا دودھ پانچ گھنٹہ پی لینے سے حرمت رضاعت کو واقع مانتی ہیں، نیز وہ پانچ گھنٹہ سے کم دودھ پینے میں حرمت رضاعت کی قائل نہیں ہیں۔^③

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد سفر میں پوری نماز پڑھنے کے قائل ہیں مگر مصنف انوار ان جملہ امور میں حضرت عائشہ کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ اور ان کی تقلید میں مصنف انوار نے امام طبری کی تصریح کے مطابق نص قرآنی اور جمیع صحابہ و تابعین حتیٰ کہ اپنے علمی مورثین کی مخالفت کی ہے۔ نیز سیدہ فقہاء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور عثمان غنی کے اقوال و آثار کو بھی رد کر دیا ہے، حالانکہ مصنف انوار سے پوچھیں کہ صحابہ کرام کی اتنی کثرت سے مخالفت کر کے آپ کیوں قرون مشہود لہا بالآخر کی مخالفت کے مرتکب ہوئے؟

غیر واقع شدہ امور سے متعلق فرضی مسائل کے معاملہ میں تمام صحابہ سے احناف کی مخالفت:

مصنف انوار امام شافعی اور دیگر ائمہ کے رد مرسل پر تو بہت برہم ہیں، جو ایک اختلافی مسئلہ ہے، مگر تمام صحابہ اس پر متفق ہیں کہ غیر واقع شدہ اور غیر مسئلہ مسائل کی تدوین و ترتیب فعل ملعون ہے۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ مگر مصنف انوار امام ابوحنیفہ کی بہت بڑی فضیلت اس بات کو بتلاتے ہیں کہ انھوں نے غیر واقع شدہ اور غیر مسئلہ مسائل کی تدوین و ترتیب کی۔^④

وقف کے مسئلہ میں احادیث متواترہ، اجماع صحابہ و تابعین سے امام ابوحنیفہ کی مخالفت:

اسی طرح وقف کے جواز میں احادیث متواترہ اور اجماع صحابہ و تابعین موجود ہیں، مگر ان سبھی چیزوں کے خلاف امام ابوحنیفہ نے اپنے ذاتی قیاس پر عمل کیا۔ امام صاحب کے اس طرز عمل پر مشہور و معروف حنفی امام ہلال الراہی نے اپنی کتاب الوقف (ص: ۶) میں یہ اعتراض کرتے ہوئے فرمایا:

”هذه أخبار متواترة لا يجوز ردها.“ یعنی یہ متواترہ احادیث ہیں، ان کا رد کرنا جائز نہیں۔

مگر مصنف انوار نے امام صاحب کے اس عمل پر کسی قسم کا اعتراض کرنے کے بجائے محدثین کو ہدف طعن بنا رکھا ہے۔ اپنے مندرجہ بالا بیانات میں امام شافعی اور امام بخاری وغیرہ محدثین کو ہدف طعن و تشنیع بنانے سے مصنف انوار کی

طبیعت سیر نہیں ہوئی تو مندرجہ ذیل عنوان کے تحت کہا:

① تفسیر طبری (۲/۲۷۹ تا ۲۸۱) و موطأ امام مالک مع مسوی (۲/۱۲۸) و کتاب الاعتبار للحازمی (ص: ۱۸۷ تا ۱۹۰ و درمنشور)

② مقدمہ انوار (۱/۳۶ تا ۴۰) ③ کتاب الاعتبار للحازمی و عام کتب حدیث.

④ مقدمہ انوار (۱/۱۵۷، ۱۹۴، ۱۹۵)

قرن ثالث میں حدیث شاذ پر عمل:

”اس دور میں زیادہ اعتناء طرق حدیث کی طرف ہوا، حتیٰ کہ وہ احادیث جو عہد صحابہ و تابعین میں شاذ کے درجہ میں سمجھی جاتی تھیں اور فقہاء صحابہ و تابعین نے ان کو معمول بہا نہیں بنایا تھا مگر طرق حدیث کی زیادتی کے باعث وہ قرن ثالث میں معمول بہا بن گئیں، مثلاً حدیث قلتین کہ وہ شاذ تھی اور حسب تصریح ابن قیم وغیرہ سلف میں اس پر عمل بھی نہیں ہوا۔ اس کی ہر طرح سے حمایت کی گئی اور اس کے خلاف آراء کو گرانے کی سعی کی گئی۔ اسی طرح قرن ثالث کے محدثین نے ان تمام احادیث کو جن پر صحابہ و تابعین کے جلیل القدر ارباب فتویٰ نے عمل نہیں کیا تھا، معمول بہا بنا لیا اور اس طریقہ سے ان لوگوں نے سلف کے خلاف کافی اقدامات کیے اور صحابہ و تابعین کے فتاویٰ و اقوال کو اپنی مرویات پر اعتماد کرتے ہوئے نظر انداز کر دیا، حتیٰ کہ یہ بھی کہہ دیا گیا کہ ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں، ان کو کوئی ترجیح نہیں۔“¹

اپنے اس بیان میں مصنف انوار نے ظاہر کیا ہے کہ تیسری صدی کے محدثین نے سلف یعنی صحابہ و تابعین کے خلاف بہت سے اقدامات کیے، جن میں سے ایک بھاری اقدام یہ تھا کہ طرق حدیث کی طرف زیادہ اعتناء کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دور صحابہ و تابعین میں جو حدیث شاذ ہونے کے سبب متروک العمل تھی، وہ تیسری صدی کے محدثین کے نزدیک قابل عمل بن گئی، جس کی ایک مثال حدیث قلتین ہے۔ سلف کے خلاف ان محدثین نے دوسرا بھاری اقدام یہ کیا کہ اپنی مرویات کے بالمقابل اقوال صحابہ و تابعین کو نظر انداز کر دیا، یعنی احادیث مرفوعہ کے بالمقابل اقوال صحابہ و تابعین کو متروک العمل قرار دے دیا۔ اس سلسلے میں مصنف انوار کی پہلی بات کی حقیقت صرف اس بات سے ظاہر ہے کہ دور صحابہ میں اکابر صحابہ کا کثرت طرق کی طرف اعتناء ثابت شدہ چیز ہے، جس کی صرف ایک مثال ہی مصنف انوار کے خیالات کی تکذیب کے لیے کافی ہے، وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے صغار صحابہ میں سے ایک صحابی قبصہ بن ذویب (متوفی ۸۶ھ، ۸۷ھ) ہیں۔ ان کا ترجمہ العقد الثمین فی تاریخ البلد الامین (۷/ ۳۷، ۳۸) و استیعاب و اصحابہ وغیرہ میں ہے، اگرچہ طبقات ابن سعد (۵/ ۱۳۱، ۶/ ۲۶۳) قسم دوم میں انھیں ثقہ تابعی کہا گیا ہے مگر وہ دیدار نبوی سے مشرف تھے، اس لیے صحابی ہیں۔²

انھی قبصہ بن ذویب سے مروی ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور اس نے عرض کیا کہ میرا پوتا یا نواسا مر گیا ہے اور مجھے خبر دی گئی ہے کہ کتاب اللہ میں اس کی میراث سے مجھے بھی حصہ ملنا چاہیے، لہذا آپ میرا حصہ دلائیے، صدیق اکبر نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں تمہارا کوئی حصہ نہیں بیان کیا گیا ہے اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے بھی نہیں سنا ہے کہ تم کو پوتے یا نواسے کی میراث سے حصہ لے گا، لہذا تم فی الوقت واپس جاؤ، میں اس بارے میں لوگوں سے پوچھ گچھ کروں گا، وہ عورت چلی گئی اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو جمع کر کے عورت کے مسئلہ کو ان کے سامنے پیش کیا اور کہا:

”أیکم سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فی الجدة شیئاً؟“

”تم میں سے کس نے جدہ کے بارے میں فرمان نبوی سن رکھا ہے؟“

² تقریب التہذیب و اکمال فی أسماء الرجال.

¹ مقدمہ انوار (۱/ ۶۸)

حاضرین میں سے مغیرہ بن شعبہ (متوفی ۵۰ھ) نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے جدہ کو چھٹا حصہ دیا ہے۔ صدیق اکبر نے کہا: اور کس نے یہ حدیث سنی ہے؟ حضرت محمد بن مسلمہ (متوفی ۴۲ھ، ۴۳ھ) نے کہا کہ میں نے! صدیق اکبر نے اس حدیث کے مطابق فیصلہ کیا۔^۱

۱۔ اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ احادیث نبویہ کی تحدیث و روایت کا حکم دیتے تھے اور اس کے مطابق عمل بھی کرتے تھے، مگر مصنف انوار کا دعویٰ ہے کہ۔

”اکابر صحابہ روایت حدیث سے احتراز کرتے تھے اور انھیں کے طریق پر امام ابوحنیفہ بھی عامل تھے۔“

۲۔ اس روایت صحیحہ سے معلوم ہوا کہ صدیق اکبر جیسے کبیر ترین صحابی جو سایہ کی طرح اول اسلام سے لے کر وفات نبویہ تک نبی ﷺ کے ساتھ رہے، وہ بھی بعض وجوہ کے سبب بعض احادیث نبویہ سے ناواقف تھے، جب ایسے عظیم صحابی کا یہ حال ہے تو بعد کے اہل الرائے فقہوں کا کیا حال ہوگا، جو علم حدیث سے دلچسپی رکھنے کے بجائے غیر واقع شدہ امور و فرضی فقہی مسائل کی تخریج میں عمر عزیز صرف کرتے تھے اور جن کی بابت ارشاد فاروقی ہے کہ اہل الرائے دشمنان سنت ہیں، کیونکہ وہ حفظ احادیث سے عاجز ہونے کے سبب قیاس پر عمل کرتے ہیں۔ دریں صورت دوسری صدی میں جس حدیث کا علم امام ابوحنیفہ کو نہیں ہوسکا، مگر اس کا علم دوسروں کو اسی زمانہ میں اور اس کے بعد تیسری صدی کے محدثین کو ہو گیا اور انھوں نے اس حدیث پر عمل کیا جب کہ علم نہ ہونے کے سبب امام ابوحنیفہ نے خلاف حدیث قیاس پر عمل کیا تو قصور کس کا ہے اور موقف کس کا صحیح ہے؟

۳۔ اس بوڑھی عورت نے اگرچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ بات سنائی تھی کہ بعض لوگ فتویٰ دیتے ہیں کہ مجھے پوتے کی میراث میں حصہ ملنا چاہیے اور ظاہر ہے کہ یہ فتویٰ دینے والے صحابہ ہی تھے، مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس فتویٰ کو اس لیے قبول نہیں کیا کہ ان کے خیال میں کتاب اللہ اور سنت نبوی میں پوتا سے جدہ کے حصہ کا ثبوت نہیں تھا، مگر مقلدین کا حال یہ ہے کہ اپنے تقلیدی امام کے فتویٰ کو بہر حال قابل تقلید سمجھتے ہیں، خواہ وہ کتاب اللہ و سنت نبوی کے کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو!

پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کی تحقیق کے لیے جب صحابہ کو طلب کیا تو ان سے یہ نہیں کہا کہ مسئلہ زیر بحث میں تمام لوگ اپنا فتویٰ پیش کرو، کوئی حدیث مت سنانا، کیونکہ روایت حدیث شدت تورع و تقویٰ اور احتیاط کے خلاف ہے، بلکہ انھوں نے حدیث نبوی بیان کرنے کا حکم دیا اور حاضرین صحابہ میں سے کسی نے یہ بھی نہیں کہا کہ آپ مسئلہ زیر نظر میں صرف لوگوں کا فتویٰ حاصل کیجئے، طلب روایت خلاف تورع ہے۔ حاضرین میں سے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے مسئلہ زیر بحث میں وارد شدہ وہ حدیث نبوی سنادی جو انھیں معلوم تھی، انھوں نے بھی اسے شدت تورع کے خلاف نہیں سمجھا اور حاضرین میں سے کسی نے بھی اسے خلاف شدت تورع نہیں قرار دیا۔ پھر معلوم نہیں مصنف انوار نے کہاں سے یہ مسئلہ ایجاد کر لیا کہ روایت حدیث سے کبار

① جامع ترمذی مع تحفة الأحمدي بسند صحیح (۳/ ۱۸۱) موطأ امام مالک مع مصفی (۲/ ۹۳، ۹۴) و مسند أحمد و

أبوداود مع عون المعبود (۳/ ۱۸۱) ابن حبان، حاکم، کفایة للخطیب (ص: ۷۶، ۷۷) سنن دارمی (۲/ ۲۵۹)، حدیث

نمبر (۲۹۴۲) و منتقى لابن جارود (ص: ۳۲۰)

صحابہ احترام کرتے تھے، کیونکہ شدت تورع کا تقاضا بھی یہی تھا؟ نیز حدیث مغیرہ پر کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ قرآن میں میراث جدہ کا ذکر نہیں، پھر میراث جدہ کا ذکر حدیث میں کہاں سے آگیا؟ مگر فقہاء اہل الرائے بہت سے مسائل میں کہتے ہیں کہ اس کا ذکر قرآن مجید میں نہیں، اس لیے اس سلسلے میں وارد شدہ حدیث ماننے کے لائق نہیں۔ (کما سیأتی التفصیل)

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تحقیق و تائید مزید کے لیے کہا کہ یہ حدیث کوئی اور بھی جانتا ہے؟ اس پر محمد بن مسلمہ نے کہا کہ میں جانتا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی حدیث کئی طرق سے معلوم کرنا فعل محمود ہے، اگرچہ عمل کے لیے صرف ایک سند سے مروی حدیث ہی کافی ہے، کیونکہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صرف خبر واحد اور ایک ہی سند والی حدیثوں کو حجت مانتے تھے، جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ وفات نبوی کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ جس کسی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کے دینے کا کوئی وعدہ کیا ہو وہ مجھ سے بیان کر کے لے جائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے مال بحرین سے تین لپ درہم دینے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فوراً انھیں تین لپ دینے، جن کی مقدار پندرہ سو درہم تھی، اس موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مزید شاہد و گواہ نہیں طلب کیے، اسی طرح حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے تیرہ اونٹوں کے دینے کا وعدہ تھا، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انھیں بھی بلا طلب گواہ اونٹنیاں دیں۔^① حاصل یہ کہ صدیق اکبر خبر واحد کو مطلقاً حجت مانتے، اس کے لیے فقہاء اہل الرائے کی طرح شرائط و قیود نہیں رکھتے، البتہ تحقیق مزید و تائید بلیغ کے لیے دوسرے طریق سے بھی حدیث نبوی حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور یہی طریقہ دوسرے صحابہ کا بھی تھا، چنانچہ حضرت عمر بھی بلا قید و شرط خبر واحد پر عمل کرتے تھے۔^②

مگر بعض مرتبہ صدیق اکبر کی طرح جمع طرق کے لیے یا کسی بھی سبب سے، مثلاً اپنے زمانہ میں پیدا ہونے والے بعض کذابین جو اپنے گھر سے اسی طرح احادیث وضع کر لیا کرتے تھے جیسے بعض کذابین نے امام ابوحنیفہ کو تابعی ثابت کرنے کے لیے بہت سی حدیثیں وضع کر لیں ہیں، ایسے کذابین کی تنبیہ کی غرض سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایسا کرتے تھے کہ اگر کوئی صحابی کوئی حدیث تنہا بیان کرتا تو اس پر بظاہر عتاب کا اظہار کرتے ان کا مقصود صحابہ پر نہیں بلکہ کذابین پر عتاب ہوتا، جو وضع حدیث کرنے کا کاروبار کرتے تھے۔ (اس امر کی تفصیل مناسب موقع سے آئے گی) کسی صحابی کا ایک حدیث کو کئی سندوں سے طلب کرنا اس امر کی ہرگز دلیل نہیں کہ وہ خبر واحد کو حجت نہیں مانتا تھا۔^③ جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔ مجوس سے جزیہ (ٹیکس) لینے کے معاملہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمن بن عوف کی خبر واحد ہی کو حجت مانا تھا۔^④ حمل کے بچے کو ہلاک کرنے کے مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے حدیث نبوی دریافت کی، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث سنائی۔ مزید تائید کے لیے حضرت

① جامع ترمذی.

② ملاحظہ ہو: جامع ترمذی مع تحفة الأحوذی (جلد: ۳، کتاب الفرائض، باب تراث المرأة من دية زوجها) و الکفاية للخطیب (ص: ۲۷ تا ۳۱)

③ وانظر الرسالة للإمام الشافعي (۴۳۲، ۴۳۳ فقرہ: ۱۱۸۸ و ۱۱۸۹)

④ موطأ مع مصفى (۲/۳۵۰) عون المعبود (۳/۱۳۲، ۱۳۳) الرسالة (ص: ۴۳۰ تا ۴۳۲) کتاب الأم (۶/۹۶) بخاری مع فتح الباری (۶/۱۸۴)

عمرؓ نے تحریک کی تو محمد بن مسلمہؓ نے بھی وہی حدیث سنائی، اس پر فاروق اعظمؓ نے عمل کیا۔¹

مصنف انور کے شیخ اکبر مولانا احمد علی فرماتے ہیں کہ محمد بن مسلمہ کی تائید کے باوجود بھی حدیث مغیرہؓ خبر واحد ہی ہے، لہذا معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروقؓ قصاص و دیات کے معاملہ میں خبر واحد کو حجت مانتے تھے۔² ہم کہتے ہیں کہ حدیث مغیرہ پر طلب شہادت کثرت طرق کے حصول کے لیے تھی، ورنہ حضرت عمرؓ خبر واحد پر عمل کرتے تھے۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ حج کے موقع پر میدان منیٰ میں حضرت عمرؓ نے صحابہ کو قسم دلا کر دینہ الجنین کے بارے میں حدیث نبویؐ سنانے کی درخواست کی، اس پر حضرت حمل بن مالکؓ نے حدیث نبویؐ سنائی کہ ایک غلام دیت دینی ہوگی۔³

ان امور سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ روایت حدیث کی ترغیب دلاتے تھے، اگر کسی انفرادی واقعہ کی وجہ سے یہ دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے کہ خبر واحد حجت نہیں تو لازم آئے گا کہ آیات قرآنیہ اور اخبار متواترہ بھی حجت نہیں، کیونکہ تیمم کے مسئلہ میں اگرچہ قرآنی آیات موجود ہیں، مگر حضرت عمرؓ و ابن مسعودؓ یاد دہانی کے باوجود کسی طرح جواز تیمم کے قائل نہیں ہوتے تھے۔ (صحیحین) حضرت عمرؓ کو قائل ہوتا ہوا نہ دیکھ کر حضرت عمار نے بطور اعتراض کہا کہ آپ کا حکم ہوتو میں اس باب میں حدیث نبویؐ بیان نہ کروں، فاروق اعظم نے کہا نہیں تم ضرورت حدیث نبویؐ بیان کرو۔⁴

اگر خلافت فاروقی کا دور ہوتا تو خبر واحد کے قبول پر شرائط و قیود لگانے والوں کی سرزنش بھی ہوتی اور انھیں کوڑے بھی لگائے جاتے۔ (کما سیاتی) ذوالحلیفہ میں حضرت عمرؓ نے دو رکعت نماز پڑھی ابن السمط نے ان سے کہا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا، حضرت عمرؓ نے جواباً فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسا ہی کرتے دیکھا تھا۔⁵

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ سے ان کے فعل پر دلیل طلب کی جاتی اور وہ بخوشی ترویج حدیث کی غرض سے حدیث سناتے، روایت حدیث کو خلاف تورع نہیں سمجھتے تھے۔ اس کا حاصل یہ نکلا کہ ابوبکر صدیقؓ اور عمر بن خطابؓ کثرت طرق حدیث کی طرف توجہ دیتے تھے اور دوسرے صحابی بھی ایسا کرتے تھے پھر یہی بات اگر تیسری صدی کے محدثین نے کیا تو انھیں مصنف انوار الباری کا مورد الزام ٹھہرانا کونسی خالص علمی و دینی خدمت اور اعتدال پسندی ہے؟ الغرض کثرت طرق کی طرف اعتناء کا ثبوت افضل الصحابہ خلفائے راشدین اور دوسرے تمام صحابہ سے موجود ہے، لہذا کثرت طرق کی طرف اعتناء کو سلف صحابہ و تابعین کے خلاف اقدام قرار دینا بہت شرارت و شونہی ہے۔ نیز تیسری صدی سے پہلے ہی احادیث متواترہ، مشہورہ اور خبر واحد کی قسموں کی اصطلاح رائج ہو چکی تھی، جو بالکل واضح اور بدیہی چیز ہے اور کتب مصطلح حدیث میں مذکور ہے۔ یہ چیز اس امر کی صریح دلیل ہے کہ تیسری صدی سے پہلے امام ابوحنیفہ اور مالک کے زمانہ میں کثرت طرق حدیث کی طرف توجہ دینے کا رواج عام تھا، مگر نامعلوم مصنف انوار کس طرح صحیح بخاری کی شرح لکھنے بیٹھ گئے ہیں کہ اس قسم کی نہایت

1 صحیح بخاری: باب الدیات، و سنن أبي داود مع عون المعبود (۴/۳۱۶)

2 حاشیة بخاري (۲/۱۰۳۲)

3 إصابه (۱/۳۵۵ بحواله صحيح) و سنن أبي داود مع عون المعبود (۴/۳۱۶، ۳۱۷) و نسائي مع تعليقات سلفية (۲/

۲۴۴) و سنن دارمي (ص: ۳۱۲)

4 الإحكام لابن حزم (۲/۱۳۴، ۱۴۲) 5 مسند أحمد مع تعليقات شاكر (۱/۲۴۱ و ۲۴۴ سندہ صحیح)

واضح باتوں کے علم سے بھی محروم ہیں؟ مصنف انوار نے کثرت طرق کی طرف اعتناء کے جس نتیجہ بد کی طرف توجہ دلائی ہے کہ اس سے ایسی شاذ حدیث پر بھی تیسری صدی میں عمل ہونے لگا جو عہد صحابہ و تابعین میں شاذ ہونے کے سبب متروک العمل تھی تو مصنف انوار کی یہ بات جمع تقيضین کے مترادف ہے۔ جو حدیث دور صحابہ و تابعین میں شاذ ہوگی، وہ حدیث بھلا تیسری صدی میں کس طرح کثرت طرق سے مروی ہو کر شاذ کی تعریف سے خارج ہو جائے گی؟

معلوم نہیں مصنف انوار نے شرح بخاری کا اقدام اپنی اس علمی بے مائیگی کے باوجود کیسے کیا؟ ”إنما الأعمال بالنیات“ والی مشہور و معروف حدیث جسے اہل علم نے نصف یا تہائی دین قرار دیا ہے، صرف ایک صحابی عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہی سے بسند صحیح مروی ہے اور ان سے اس کی روایت کرنے والے تابعی بھی صرف ایک ہی ہیں۔ مگر اس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ یہ حدیث قابل عمل ہے، اب اگر اس طرح کی کسی صحیح الاسناد حدیث کو شاذ کہہ کر کوئی بد طینت آدمی بلا وجہ رد کر دے اور اس کے خلاف اپنے قیاس و رائے کو یا کسی دوسرے شخص کے قیاس و رائے کو، خواہ وہ کوئی صحابی و تابعی ہی کیوں نہ ہو، لائحہ عمل بنا لے تو اس میں ان لوگوں کا کیا قصور جو اس صحیح الاسناد حدیث پر عمل کریں؟ یہ تو عمل نہ کرنے والے کی شوخی و شرارت اور بے راہ روی ہے کہ جان بوجھ کر صحابہ و تابعین کے طریق کے خلاف مبتدعانہ رویہ اختیار کر رہا ہے، مصنف انوار نے اپنے سلسلہ کلام میں جس حدیث قلتین کو اس قسم کی حدیث شاذ کی مثال میں پیش کیا، جو صحابہ و تابعین کے دور میں شاذ ہونے کے سبب تو متروک تھی، مگر تیسری صدی کے محدثین کے یہاں کثرت طرق کے سبب قابل عمل قرار دے لی گئی، اس پر عمل کرنے والوں کی بابت مصنف انوار کے شیخ اکبر مولانا قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند فرماتے ہیں:

”وقد أخذ فيما اختاره بحديث جيد الإسناد قابل للاعتماد.“¹

یعنی امام شافعی نے جس حدیث قلتین کو معمول بہ بنایا ہے، وہ قابل اعتماد اور جید الاسناد ہے۔

مصنف انوار ازراہ دیانت داری و تقویٰ شعاری جید الاسناد حدیث کا مطلب بتلا کر فرمائیں کہ کیا جید الاسناد حدیث کو شاذ کہہ کر اس پر عمل کرنے والوں کو صحابہ و تابعین و سلف کے خلاف بہت زیادہ اقدامات کرنے والا قرار دینا جائز ہے؟ یہ مولانا قاسم نانوتوی وہ ہیں جن کے بنائے ہوئے دارالعلوم دیوبند میں رہ کر مصنف انوار نے علامہ شاہ انور وغیرہ سے تعلیم پائی ہے مگر اسی دارالعلوم دیوبند کے بانی کی جید الاسناد اور قابل اعتماد قرار دی ہوئی حدیث کو مصنف انوار شاذ کہہ کر فرماتے ہیں کہ اس پر عمل کرنے والے صحابہ و تابعین اور سلف کے خلاف بہت زیادہ اقدامات کرنے والے ہیں!!

بانی دارالعلوم دیوبند کی نظر میں مصنف انوار طبیعت سلیمہ سے محروم ہیں:

مصنف انوار کے یہی شیخ اکبر بانی دارالعلوم دیوبند حدیث قلتین کو قانون محکم، قابل اعتماد اور لائق عمل مان کر مزید فرماتے ہیں:

”وقد أوجب بعض الأحناف عن حديث القلتين بأوجوبة لا ترضاها الطبائع السليمة.“²

یعنی بعض حنفیوں نے حدیث قلتین کے مختلف جواب دیے ہیں جنہیں طبائع سلیمہ پسند نہیں کرتیں۔

② الكواكب الدراري (ص: ٤٣)

① الكواكب الدراري (١ / ٤٠)

بانی دارالعلوم کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ حدیث قلینین جید الاسناد ہے، اسے شاذ کہہ کر رد کرنے والے طبیعت سلیمہ سے محروم ہیں، جس کا لازمی مطلب یہ نکلا کہ مصنف انوار دارالعلوم دیوبند کے بانی شیخ قاسم نانوتوی کی نظر میں طبیعت سلیمہ سے محروم ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک، سچ ہے۔

إذا كان الطباع طباع سوء فلا أدب يفيد ولا أديب

افسوس کہ مصنف انوار نے بانی دارالعلوم دیوبند کی تصریحات کا بھی کوئی لحاظ و خیال نہیں کیا۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مصنف انوار کے کے فتویٰ کے مطابق بانی دارالعلوم شیخ نانوتوی بھی صحابہ و تابعین و سلف کے خلاف بہت زیادہ اقدامات کرنے والے ہیں، کیونکہ وہ بھی حدیث قلینین کو شاذ نہیں کہتے بلکہ جید الاسناد اور قابل اعتماد بتلاتے ہیں، گویا مصنف انوار کے فتویٰ سے بانی دارالعلوم دیوبند مخالف صحابہ و تابعین ہی نہیں بلکہ صحابہ و تابعین کے خلاف بہت زیادہ اقدامات کرنے والے قرار پائے، اور بانی دارالعلوم کے فتویٰ کے مطابق مصنف انوار طبیعت سلیمہ سے محروم! عجیب دلدل میں پھنسے ہیں مصنف انوار کہ اس سے رہائی مشکل ہی نہیں ناممکن ہے!!

بانی دارالعلوم نے اس حدیث کو جید الاسناد و قابل اعتماد قرار دے کر جس انداز میں اس پر عمل کیا ہے، اس کی تفصیل تو ان شاء اللہ آئندہ آئے گی، مگر ناظرین کو ہم اس جگہ یہ بتلا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس حدیث نبوی پر ابن عباس، ابن عمر، ابو ہریرہ وغیرہ جیسے صحابہ اور مجاہد و عبید اللہ بن عبد اللہ بن عمر وغیرہ جیسے تابعین کا بھی عمل رہا ہے، حتیٰ کہ اشارتاً ابن مسعود سے بھی اسی پر فتویٰ منقول ہے۔ (کماسیاتی) اور مصنف انوار ابن مسعود کو فقہاء صحابہ میں بہت عظیم ترین فقیہ مانتے ہیں، مگر ناظرین کرام مصنف انوار کی مذکورہ بالا باتوں کی روشنی میں دیکھیں کہ وہ صحابہ مذکورین کے خلاف کیا اقدام کیے ہوئے ہیں؟

عمل متوارث کی حجیت:

مذکورہ بالا مباحث کے بعد مصنف انوار نے مندرجہ بالا عنوان کے تحت کہا:

”عمل متوارث عند الفقہاء ہمارے لیے بہت بڑی اہم دستاویز ہے اور اسی سے بہت سی احادیث کی صحت کی جانچ ہو سکتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ اتفاق سلف اور ان کا توارث فقہ میں اصل عظیم ہے۔“¹

ہم کہتے ہیں کہ عمل متوارث عند الفقہاء سبھی اہل علم کے لیے بڑی اہم دستاویز ہے۔ دور صحابہ سے لے کر آج تک تمام صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے خدا ترس لوگ متفق تھے کہ کسی فقہی گروہ اور فقہی مسلک کی مدح و منقبت کے لیے استعمال کا ذیہ نہ کیا جائے، نہ اس کے لیے احادیث و آثار سلف گھڑے جائیں، مگر کذا بین کا ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا جس نے اس عمل متوارث کے خلاف استعمال کا ذیہ کے ذریعہ خاص فقہی گروہ و مذہب کی مدح سرائی کی۔ نیز سید الفقہاء امیر المؤمنین عمر فاروق کا فرمان ہے کہ غیر واقع شدہ امور سے متعلق مسائل کی تدوین کرنے والے ملعون و مردود ہیں۔ حضرت عمر کے اس فرمان سے تمام صحابہ متفق ہیں اور اسی پر دور نبوی سے لے کر دور تابعین تک عمل چلا آ رہا تھا، مگر غیر واقع شدہ امور سے متعلق

مسائل کی تدوین و ترویج اور مدح و توصیف کو مصنف انوار نے اپنا فریضہ بنا لیا ہے۔

اور مصنف انوار نے یہ جو یہ کہا ہے کہ:

”امام ابو داؤد نے اپنی سنن کے ”باب لحم الصيد للمحرم“ میں فرمایا کہ جب دو حدیثیں متضاد ہمارے سامنے آئیں تو دیکھا جائے گا کہ صحابہ نے کس پر عمل کیا۔“^①

تو ہم کہتے ہیں کہ یہ فرمان فاروقی معلوم ہو چکا ہے کہ غیر واقع شدہ امور سے متعلق مسائل کی تدوین باعث لعنت ہے، اس سے کسی صحابی کا اختلاف بھی نہیں، اس پر تمام صحابہ و تابعین کا عمل متواتر بھی ہے، اس بارے میں متضاد حدیثیں بھی نہیں اور فرمان فاروقی ہے کہ حفظ حدیث سے عاجز ہونے کے سبب اہل الرائے قیاس و رائے کے تابع ہوتے ہیں، اس لیے ان سے پرہیز کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فرمان سے بھی کسی صحابی کا اختلاف منقول نہیں اور اس سلسلے میں متضاد حدیثیں بھی نہیں ہیں، بلکہ کتاب و سنت سے اہل الرائے کی مذمت مستفاد ہوتی ہے۔ لہذا صحابہ کے عمل کو دیکھتے ہوئے ان کے مذہب سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا چاہیے، کیونکہ بدعویٰ مصنف انوار فقہ اہل الرای کی خصوصیت ہے کہ اس میں غیر واقع شدہ واقعات سے متعلق فرضی مسائل مدون ہیں۔

سنن ابی داؤد باب صید الحرم (۲/۱۰۸، ۱۰۹ مع عون المجدود) میں منقول دو متضاد حدیثوں میں سے ہر ایک پر صحابہ کے دو گروہوں کا عمل ہے۔ مصنف انوار بتلائیں کہ کن صحابہ کی پیروی کی جائے اور کن کی مخالفت؟ جس حدیث پر بھی عمل کیا جائے صحابہ کے ایک گروہ کی مخالفت لازم آئے گی، پھر تو مصنف انوار تارک تعامل صحابہ قرار پائیں گے! ہم اس قسم کے اصول پر مفصل گفتگو کریں گے۔ ان شاء اللہ

البتہ ناظرین کرام یاد رکھیں کہ یہ اصول اہلحدیث کا ہے اور اہل الرائے اس کے خلاف اپنی رائے کے مقابلہ میں نہ صحابہ کا تعامل دیکھتے ہیں، نہ نصوص کتاب و سنت کی پرواہ کرتے ہیں، بطور مثال عرض ہے کہ نص قرآنی میں مدت رضاعت دو سال بتلائی گئی ہے، اسی پر صحابہ کا تعامل تھا، کسی صحابی سے اس سے اختلاف منقول نہیں۔ اصحاب الرائے نے قرآنی نص کو چھوڑ کر قیاس و رائے کی پیروی کرتے ہوئے مدت رضاعت ڈھائی سال بتلائی ہے مگر مصنف انوار کو ذرا بھی غیرت نہیں کہ نص قرآنی اور صحابہ کے تعامل کے خلاف اہل الرائے کے اس اتباع قیاس و رائے پر تکیہ اور رد و قدح کریں، بلکہ اصحاب الرائے کی قصیدہ خوانی ہی کرتے ہیں۔

مصنف انوار نے کہا:

”امام محمد نے امام مالک سے روایت کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف حدیثیں آئیں اور ہمیں معلوم ہو جائے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نے کسی ایک پر عمل کیا ہے اور دوسری کو چھوڑا ہے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حق انھیں کے عمل کے ساتھ ہے۔“

ہم کہتے ہیں کہ عمامہ پر مسح کرنے کے جواز پر بہت سی احادیث نبویہ دلیل قاطع ہیں، ان کے خلاف کوئی بھی حدیث نبوی

نہیں ہے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کا عمل بھی جواز پر تھا، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:
 ”من لم يطهره المسح على العمامة فلا طهره الله.“¹

مگر مصنف انوار کے مذہب نے ان احادیث اور ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی اس مسئلہ میں اسی طرح مخالفت کی ہے جس طرح دوسرے بہت سے مسائل میں، اس طرح کی متعدد مثالیں موجود ہیں، جو آئندہ صفحات آئندہ میں آئیں گی۔ تقریباً یہی بات مصنف انوار نے بھی بحوالہ بیہقی و دارمی نقل کی ہے، اس کے بعد فرمایا ہے:

”مشہور امام مجتہد ابوبکر جصاص نے احکام القرآن میں لکھا ہے کہ جب دو متضاد حدیثیں مروی ہوں تو اگر سلف کا عمل کسی ایک پر معلوم ہو تو وہی برقرار رکھی جائے گی۔ شیخ الاسلام ابن الہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے کہ جن چیزوں سے حدیث کی صحت معلوم کی جاتی ہے ان میں سے ایک ان کے موافق علماء کا عمل ہونا بھی ہے، علامہ حیدر حسن کا عمل متوارث کی حجیت پر مستقل رسالہ قابل دید ہے۔“

ہم کہتے ہیں کہ اپنے بیان کردہ ان اصولوں کی سب سے زیادہ مخالفت مصنف انوار نے کر رکھی ہے، جیسا کہ ناظرین کرام کو بڑی حد تک یہ بات معلوم ہو چکی ہے اور بہت کچھ معلوم ہو جائے گی۔

سلف میں باہمی اختلاف رحمت تھا:

احادیث نبویہ جو بطریق کثیرہ ثابت ہوں انھیں شاذ کہہ کر رد کر دینے کا خانہ ساز اصول بنانے والے حامیان حدیث کی دیانتداری کی محیر العقول مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ مندرجہ بالا عنوان کے تحت مصنف انوار نے ایک وضعی روایت کو حدیث صحیح کہہ کر بطور دلیل و حجت پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

”حدیث صحیح ہے کہ ”میری امت کا اختلاف رحمت ہے“ اس سے معلوم ہوا کہ فروعی مسائل میں اختلاف امت کے لیے رحمت و سہولت کا باعث ہے، چنانچہ قرون مشہود لہا بالخیر میں یہ اختلاف ایسا ہی تھا، مگر بعد کے لوگوں نے اس اختلاف رحمت کو اختلاف زحمت بنا دیا اور معمولی معمولی اختلاف پر دوسروں کو ہدف ملامت بنایا، طعن و تشنیع پر کمر باندھی، بہتان و افتراء تک بھی نوبت پہنچائی، ایک دوسرے کے خلاف کتابیں تصنیف ہوئیں اور بے تحقیق دوسروں پر غلط مسائل و نظریات تھوپے گئے، ایسے ہی وہ اختلاف ہے جو امام صاحب اور آپ کے اصحاب و تلامذہ کے ساتھ پیش آیا۔“² الح

ہم کہتے ہیں کہ حدیث مذکور بہتر صحیح اہل علم موضوع ہے۔³ اسے صحیح قرار دے لینا بذات خود ایک فتنہ انگیزی و بھاری جرم ہے، خصوصاً جب کہ کتاب و سنت میں مطلقاً اختلاف کو ممنوع و مہلک قرار دے کر اس سے پرہیز کا حکم دیا گیا ہے اور اگر اختلاف ہوئی جائے تو ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ کے حکم قرآنی کے ذریعہ کتاب و سنت کی طرف رجوع کر کے اختلاف ختم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، مگر مصنف انوار اور ان کی برادری نے اس کی مخالفت کر کے اختلافی و غیر اختلافی سبھی معاملات میں ان فقہیوں کو اپنا مرجع بنایا جن کی بہت بڑی خصوصیت خود مصنف انوار نے یہ بتلائی ہے

1 رواہ الخلال. 2 مقدمہ انوار (۱/۲۹) 3 فیض القدیر شرح جامع صغیر للمناوی (جلد: ۱)

کہ وہ غیر واقع شدہ امور و غیر مسئلہ مسائل کی زندگی بھر تدوین کرتے رہے، حالانکہ تمام صحابہ نے متفقہ طور پر ایسے مسائل کی تدوین کو حرام و ناجائز کہا ہے اور اختلافی مسائل کو مصنف انوار خود سب سے زیادہ اختلاف زحمت بنانے والے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ وہ بذات خود اپنے اس قول کے مصداق ہیں کہ بعد کے لوگوں نے (یعنی مصنف انوار جیسے لوگوں نے) معمولی معمولی اختلاف پر دوسروں کو (یعنی صحابہ و تابعین اور ان کے تابع فقہاء و محدثین) کو ہدف ملامت بنایا اور وہ اس طرح کہ صحابہ کرام کی روایت کردہ احادیث نبویہ کی مخالفت کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے اور صحابہ کرام کو مجرم قرار دینے کے لیے مصنف انور نے یہ پروپیگنڈہ کیا کہ یہ صحابہ نعوذ باللہ اصول شریعت کے خلاف احادیث روایت کرتے تھے، اس لیے ان کی روایت کردہ احادیث مردود ہیں!

نیز حدیث مرسل کو قبول کرنے کے مختلف فیہ مسائل کے معاملہ میں اگرچہ بعض صحابہ و تابعین و اتباع تابعین بھی امام شافعی کے ہم خیال ہیں مگر ان کی بابت یہ کہا گیا کہ انھوں نے قرون مشہود لہا بالآخر کے خلاف راستہ نکالا اور اسلاف کے خلاف بہت زیادہ اقدامات کیے۔ مصنف انوار ہی نے غیر حنفی فقہاء اور محدثین (جو صحابہ اور تبع تابعین کے پیروکار ہیں) کے طعن و تشنیع پر کمر باندھ کر یہ افتراء کیا کہ طرق کثیرہ سے مروی احادیث نبویہ پر عمل کر کے ان لوگوں نے سلف کے خلاف کافی اقدامات کیے اور مصنف انوار ہی نے سیکڑوں اکاذیب ایجاد کر کے انھیں مناقب احناف اور مثالب غیر احناف میں خالص علمی و دینی چیز قرار دے کر پیش کیا جیسا کہ ناظرین کرام مشاہدہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ معمولی چیزوں کی بنا پر لوگوں کو ہدف ملامت بنانا، طعن پر کمر باندھنا، بہتان و افتراء تک نوبت پہنچانا، صحابہ، تابعین اور محدثین کے خلاف تصانیف کے ذریعہ بہت سارے اقدامات کرنا سب مصنف انوار اور ان کی پارٹی کا شیوہ و شعار ہے اور انوار الباری بذات خود ہمارے اس دعویٰ کی شاہد عادل ہے۔ بجز اللہ محدثین اور اہل حدیثوں نے بے تحقیق دوسروں پر یا احناف پر غلط مسائل و نظریات نہیں تھوپے ہیں، نہ امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ ہی کے ساتھ ایسا کیا ہے، البتہ مصنف انوار الباری اپنی کتاب انوار الباری کے ذریعہ محدثین و اہل حدیثوں بلکہ صحابہ و تابعین کے خلاف یہ سارے کام ضرور کر رہے ہیں، جن کا ناظرین کرام مشاہدہ کرتے آ رہے ہیں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور فرقہ مرجیہ کا تذکرہ:

اپنی مذکورہ بالا باتوں کے بعد مصنف انوار نے کہا:

”امام صاحب نے اپنے زمانے میں بڑے بڑے فتنوں کا بے جگری سے مقابلہ کیا، فرق باطلہ معتزلہ، قدریہ، جبریہ اور دہریہ وغیرہ سے مناظرے کیے، ان کو دلائل و براہین قویہ سے لاجواب کیا، اس سلسلے میں چونکہ امام صاحب نے بہت ضروری عقائد و مسائل کو پوری صراحت و وضاحت سے بیان فرمایا تو ان کو بھی موجب فتنہ بنا لیا گیا۔“^۱ ا

اپنے اس حقیقت افروز بیان کے بعد مصنف انوار نے مختلف عناوین سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے غیر مرجی ہونے پر کلام کیا ہے، اس سلسلے میں مصنف انوار نے بزعم خویش بہت زیادہ ”تحقیق“ سے کام لیا ہے اور مختلف جگہوں پر اس مسئلہ کو چھیڑا

ہے، چونکہ محدثین کرام خصوصاً امام بخاری نے امام ابوحنیفہ کو ان کے معاصر ائمہ کرام کی شہادتوں اور تصریحات کی بنا پر مرجی کہہ دیا ہے، اس لیے مصنف انوار نے جملہ محدثین خصوصاً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر اظہار برہمی کیا اور ان کے خلاف حسب عادت زہر افشانیوں سے کام لے کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر مختلف مقامات پر مزید گفتگو کی ہے۔ ہم ان شاء اللہ ان تمام باتوں پر حسب مواقع مفصل گفتگو کریں گے اور مصنف انوار کی ”صحیح تنقید“ اور ”افراط و تفریط سے پاک معتدل شاہراہ“ کی حقیقت واضح کریں گے۔

عہد نبوی میں تعلیمی انتظامات:

کوئی معاند حقائق، خواہ وہ کتنا ہی ہٹ دھرم و تنگ نظر ہو، مگر وہ کچھ ایسی باتیں کرنے اور کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے جو اس کے خلاف حجت اور رد بلیغ کا کام دے سکیں۔ مصنف انوار نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کوئی ہونے کی مناسبت سے کوفہ کے فضائل و مناقب بیان کرنے کی بہت زیادہ کوشش کی مگر اس سے پہلے وہ مندرجہ بالا عنوان کے تحت یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ:

”مدینہ طیبہ تمام علمی و تبلیغی جدوجہد و مساعی کا مرکز تھا، جہاں چار بڑے معلم اور ایک خوش نویس کا تب تعلیم کے لیے مقرر تھے اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مدیر اعلیٰ اور سرپرست تھے، نیز یہ کہ عالی مرتبت صحابہ کی تعلیم و تربیت سرور کائنات بنفس نفیس خود فرماتے تھے، جن کے سرفہرست خلفاء راشدین، ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ تھے، یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ”إنما بعثت معلماً“ کا فیض تھا کہ تھوڑے ہی دنوں میں سرزمین عرب کا جہالت کدہ علوم و فنون کا گہوارہ بن گیا اور انھیں کی شاگردی ایشیا، افریقہ اور یورپ تک نے اختیار کی۔“^۱

ظاہر ہے کہ خلفائے راشدین، اکابر صحابہ اور ان کے بعد ان کے تلامذہ راشدین و جانشین کی سرپرستی و تعاون سے چلنے والا علمی ادارہ دنیا کے دوسرے تمام علمی اداروں پر بدرجہا فائق و برتر ہوگا، خواہ پرستاران کوفہ، کوفہ کو دنیا کا سب سے بڑا علمی و مرکزی دارالعلوم قرار دینے کے لیے فضائل کوفہ میں کتنی ہی جھوٹی داستانیں، رنگین بیانیوں ایجاد و اختیار کریں اور کوفہ پرستوں کی طبیعت خواہ حریمین کی علمی خصوصیت تسلی کرنے پر آمادہ نہ ہو، مگر

صداقت ہوں تو دل سینوں میں کھینچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

اور

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے

اس اعتراف کے باوجود کہ مدینہ کے علمی ادارے کے مدیر اعلیٰ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تھے، مصنف انوار نے کوفہ کی فضیلت میں وہی طرز بیان اختیار کیا ہے جو ”سیرۃ النعمان“ میں علامہ شبلی نے کیا، بلکہ انھوں نے مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ پر کوفہ کو علم و فضل کے اعتبار سے برتر و فائق ثابت کرنے کے لیے نہایت جارحانہ طرز بیان اختیار کیا۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جس سرزمین کو اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کا علمی و دینی و روحانی مرکز بنا دیا اور جہاں باعتراف مصنف انوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود تعلیم و تزیین اور درس و تدریس اصلاح و تبلیغ، تدریب و تربیت کا فریضہ خیر امت کے منتخب افراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعاون سے انجام دیتے رہے، جو سر

زمین ملائکہ رحمت خصوصاً حضرت جبرئیل کا مہبط ہو، اس پر کوفہ کو کس طرح علمی یا دینی فوقیت حاصل ہوگی؟ آج بھی مدینہ منورہ میں قائم جامعہ اسلامیہ اور مکہ مکرمہ کے جامعہ ام القری سے جو دینی و علمی خدمات پذیر ہو رہی ہیں، وہ اہل نظر سے مخفی نہیں۔

کوفہ کی مدح سرائی میں مصنف انوار کی مبالغہ آرائی:

چونکہ عام طور سے ہر آدمی پر اس کے مولد و مسکن اور درسگاہ کے ماحول و کوائف کے اثرات پڑتے ہیں اس لیے مصنف انوار نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اثبات فضائل و مناقب کے لیے ان کے مولد و موطن کوفہ کی مدح سرائی کی طرف کافی توجہ صرف کی، ساتھ ہی ساتھ وہ کسی نہ کسی انداز میں اس حقیقت کے معترف ہیں کہ کوفہ کی عظمت و فضیلت کوفہ میں بعض صحابہ کے قیام کی مرہون منت ہے، اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ کوفہ میں جن بعض صحابہ کے چند روزہ قیام سے کوفہ کی قسمت جاگی تھی، وہ مدینہ منورہ میں قائم شدہ درسگاہ نبوی کے فیض یافتہ تھے۔ مدینہ منورہ عالم اسلام کا مرکز تھا اور وہاں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ خدمت دین میں ہمہ وقت مصروف رہا کرتے تھے، خصوصاً کبار فقہاء صحابہ و خلفاء راشدین اور ان کے تلامذہ کی علمی و دینی خدمات کا اصل مرکز مدینہ منورہ ہی تھا، کوفہ ہو یا کوئی اور جگہ تمام کی تمام جگہیں جملہ امور میں مدینہ منورہ کی محتاج تھیں، بعض صحابہ و تابعین کے قیام کے سبب کوفہ کو اگرچہ کسی قدر علمی عظمت حاصل ہو گئی تھی، مگر اس کی عظمت و فضیلت ۱۷ھ، ۱۸ھ کے بعد ہی قائم ہوئی ہے، کیونکہ وہ بحکم فاروق اعظم ۷ھ، ۱۸ھ میں آباد ہوا تھا، اور ہر دور میں شرور و فتن کا گہوارہ رہا، وہاں سے نہایت خوفناک قسم کے ہلاکت خیز طوفانی فتنے اٹھتے رہے، وہاں جابر جعفی جیسے ”أکذب الناس“ رافضی پیدا ہوئے، جن کی درسگاہ میں امام ابوحنیفہ نے تربیت پائی، بقول امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جابر جعفی کا حال یہ تھا کہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ رائے و قیاس سے جو فقہی مسئلہ مستخرج کرتے، جعفی مذکور اس کے مطابق کوئی حدیث وضع کر دیتے۔^①

اس سرزمین کوفہ میں حماد بن ابی سلیمان (امام صاحب کے استاذ خاص) بھی رونما ہوئے جو امام ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۹۶ھ) کے شاگرد خاص ہونے کے سبب وفات نخعی کے بعد مسند نخعی کے جانشین بنے تھے، مگر کوفہ کے پرفتن ماحول کے سامنے سپر انداز ہو کر مرتبی بن گئے اور دماغی خلل کے باعث اہل کوفہ کے بچوں کے بچوں کو بھی حجاز کے اکابر اماموں سے علم و فضل میں برتر کہتے تھے۔ جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ اسی قسم کی باتوں کے بل پر مصنف انور نے کوفہ کو اسلامی دنیا کا سب سے بڑا علمی ادارہ اور علوم فنون کا مرکز کہا ہے۔

مرکز علم مدینہ منورہ کا تذکرہ:

لیکن اس حقیقت کی تکذیب نہیں کی جاسکتی کہ مدینہ منورہ کی صرف ایک فقیہ عورت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے علم و فضل کے سامنے سارے فقہاء کوفہ کی مجموعی علمی فضیلت ذرہ ناچیز کی حیثیت رکھتی ہے۔ خود مصنف انوار معترف ہیں کہ ”عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سیدہ فقہاء امت ہیں۔“^②

فقہاء کوفہ کے سرتاج امام ابوحنیفہ کے قابل فخر مدنی استاذ امام زہری نے کہا:

”قال قبيصة بن ذؤيب: كانت عائشة أعلم الناس، يسألها الأكابر من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم.“¹

یعنی حضرت قبیصہ صحابی نے کہا کہ حضرت عائشہ تمام صحابہ میں علم تھیں، ان سے اکابر صحابہ علوم سیکھتے تھے۔ حضرت عائشہ کی بابت اس قسم کی شہادتیں بکثرت وارد ہیں امام ابوحنیفہ کے قابل فخر اساتذہ کے مشہور و معروف استاد امام مسروق نے کہا کہ ”اکابر صحابہ کرام علوم فرائض میں حضرت عائشہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔“²

امام ذہبی نے کہا: ”کان فقهاء أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يرجعون إليها“ ابو موسیٰ نے کہا کہ ”ما أشكل علينا أصحاب محمد قط فسألنا عائشة إلا وجدنا عندها منه علماً“ حاصل یہ کہ صحابی بھی اس امر کے معترف تھے کہ حضرت عائشہ مرجع علوم و فنون تھیں، حتیٰ کہ اکابر صحابہ بھی ان کی طرف تحقیق مسائل میں رجوع کیا کرتے تھے۔³

مصنف انوار رقمطراز ہیں:

”صحیح حاکم میں شععی سے روایت ہے کہ صحابہ میں چھ قاضی تھے، جن میں سے تین مدینہ میں تھے، عمر، ابی بن کعب، زید اور تین کوفہ میں علی، ابن مسعود، ابو موسیٰ۔“⁴

ایک دوسری جگہ مصنف انوار نے اس طرح فرمایا:

”علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں امام مسروق سے نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کو دیکھا تو ان سب کے علوم کا سرچشمہ چھ صحابہ کو پایا، علی، ابن مسعود، عمر، زید، ابودرداء اور ابی۔ اس کے بعد پھر دیکھا تو ان چھ کے علم کا خزانہ حضرت علی و ابن مسعود کو پایا۔ ان دونوں کا علم یشرب کی پہاڑیوں سے اٹھا اور کوفہ کی وادیوں میں برسا، ان دونوں آفتاب و ماہتاب نے ریگستان کوفہ کے ذرہ ذرہ کو چمکا دیا۔“⁵

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے مندرجہ بالا بیان میں جن چھ سات مخازن علوم صحابہ کا تذکرہ کر کے کوفہ کی فضیلت کا اظہار کرنا چاہا ہے ان میں سے تین کی بابت خود مصنف انوار معترف ہیں کہ وہ مدینہ میں رہتے تھے، یعنی عمر، ابی بن کعب اور زید، اور باقی کے بارے میں بحوالہ شععی اگرچہ یہ دعویٰ ہے کہ وہ کوفہ میں رہتے تھے، مگر آنے والی تفصیل سے معلوم ہوگا کہ ان حضرات کی زندگی کا بیشتر حصہ اور علمی خدمت کا زیادہ وقت مدینہ منورہ ہی میں گزرا، کوفہ میں ان کی مدت اقامت مدینہ منورہ کی بہ نسبت نہایت قلیل بلکہ نہ ہونے کے برابر ہے اور مصنف انوار جن ابن مسعود اور علی کی بابت مدعی ہیں کہ وہ تمام صحابہ کے علوم کے مخزن تھے، ان میں سے ابن مسعود حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کی بابت فرماتے ہیں:

”لو أن علم عمر وضع في كفة الميزان، ووضع علم أهل الأرض في كفة لرجح علم عمر.“⁶

② طبقات ابن سعد (۸/ ۴۵ و ۲/ ۳۷۰)

① طبقات ابن سعد (۲/ ۳۷۴)

④ مقدمہ انوار (۱/ ۳۵)

③ تذکرۃ الحفاظ (۱/ ۲۳، ۲۴) و طبقات ابن سعد (۲/ ۳۷۵، ۳۷۶)

⑤ مقدمہ انوار (۱/ ۳۷)

⑥ کتاب العلم لأبي خيثمة (ص: ۱۲۳ بسند صحیح) ومعناه في طبقات ابن سعد (۲/ ۹۹ قسم ثانی)

یعنی پوری دنیا کا علم اگر ترازو کے ایک پلڑے میں اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا علم دوسرے پلڑے میں رکھ کر تولا جائے تو عمر کا پلڑا بھاری پڑے گا۔“

اسی طرح ابن مسعود کا یہ بیان بھی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا علم (۹/۱۰) حصہ ملا تھا، باقی صرف (۱/۱۰) حصہ میں پوری دنیا کا علم ہے۔^①

حتیٰ کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔“^② اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق کا علم حضرت عمر سے بڑھا ہوا تھا اور یہ حضرات مدینہ منورہ میں تھے، کوفہ کی زمین ان کی بُو بھی سو گنھنے سے محروم رہی تھی، ایک بار حضرت عمر نے کوفہ جانے کا رجحان بھی ظاہر کیا، مگر لوگوں نے ان سے کہا کہ سر زمین کوفہ فسادات و فتن و شر و فساد کا مخزن ہے، آپ وہاں جانے سے پرہیز کریں، چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دوبارہ اس کی طرف رخ نہیں کیا۔^③

جن صحابہ کے کوفہ میں چند روز یا چند سال قیام پر مصنف انوار کو اس قدر فخر ہے وہ مدینہ منورہ کے اصل باشندے اور رہنے والے تھے، وہیں رہ کر وہ دین و ملت کی خدمت کرتے تھے، کوفہ تو ۱۷ھ، ۱۸ھ یا اس کے بعد آباد ہوا، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عارضی طور پر بضرورت تھوڑے دنوں کے لیے کوفہ یا دوسری جگہ چلے جاتے تھے، پھر بھی مدینہ منورہ سے ان کا رابطہ و تعلق گہرا ہی رہتا تھا، کیونکہ:

اولاً: مدینہ منورہ ان کا موطن و مسکن تھا، ان کے اہل خاندان و احباب وہیں رہتے تھے۔

ثانیاً: مدینہ منورہ ہی عالم اسلام کا مرکز تھا، پورے عالم اسلام کے علوم و فنون یا سیاسی امور کے نظم و نسق مدینہ منورہ ہی کے زیر انتظام چلتے تھے۔

دریں صورت ہر صاحب عقل سوچ سکتا ہے کہ مدینہ منورہ کی علمی حیثیت کوفہ کے مقابلے میں کیا ہوگی؟ نیز کوفہ کی علمی فضیلت خواہ کتنی ہی ہو، وہاں کے بعض افراد اور گروہ کا علمی و تحقیقی نقطہ نظر سے قابل بحث و نظر اور لائق نقد و جرح ہونا مستبعد نہیں۔ جابر جعفی کوفہ ہی کے تھے مگر وہ خود بھی مجروح تھے اور ان کا مذہب بھی مبغوض و مکروہ تھا، اور جس جماعت (یعنی فرقہ روافض) سے ان کا تعلق تھا، وہ بھی مبغوض تھی۔

تعمیر کوفہ ۱۷ھ، ۱۸ھ:

بقول واقدی اور بعض دیگر اہل علم کوفہ ۱۷ھ میں بحکم عمر فاروق رضی اللہ عنہ آباد کیا گیا اور بقول ابو عبیدہ ۱۸ھ میں ”وقال أبو عبیدة: كان تكويف الكوفة في سنة ۱۸ ھ“^④

شہر کوفہ کی تعمیر کے بعد اس کے سب سے پہلے گورنر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بنائے گئے، ان کی گورنری کے ابھی دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ ان کے خلاف اہل کوفہ نے ریشہ دو انیاں شروع کر دیں اور دار الخلافہ مدینہ منورہ میں فاروق

① أبو خيشمة، كتاب العلم (ص: ۱۲۴ بسند صحيح) و طبقات ابن سعد وغيره.

② ترمذي مع تحفة الأحوذی (۴/۳۱۵) و أحمد و حاکم وغيره.

③ كنز العمال والبدایة والنہایة.

④ فتوح البلدان (ص: ۲۸۶) و تاریخ طبری (۴/۱۸۸ تا ۱۹۰، واقعات ۱۷ھ) و معجم البلدان وغيره.

اعظم رضي الله عنه کے پاس ان کی شکایات پہنچائی گئی، حضرت عمر فاروق رضي الله عنه نے انہیں معزول کر کے مدینہ بلا لیا، اس موقع پر انہوں نے اہل کوفہ کے خلاف یہ بددعا کی کہ ”اللهم لا ترض نهم أميراً ولا ترضهم بأمير.“¹ ”اے اللہ! تو اہل کوفہ کو کسی امیر سے مت خوش کر!“

حضرت سعد رضي الله عنه کے بعد وہاں حضرت عمار بن یاسر رضي الله عنه کو بھیجا گیا، اہل کوفہ نے ان کی بھی شکایت کی، اس پر حضرت عمر رضي الله عنه نے فرمایا: ”من عزيري لأهل الكوفة؟“²

نیز حضرت عمر فاروق رضي الله عنه نے یہ بھی فرمایا کہ ”عراق میں شیطان نے اٹلے بچے دے رکھے ہیں اور وہ شرور و فتن کا ماویٰ و بلجاء ہے۔“³ حضرت ابن مسعود رضي الله عنه کو ۲۱ھ میں کوفہ بھیجا گیا تھا۔⁴ امام ابن الجوزی نے کہا ہے:

”وولي قضاء الكوفة، وبيت مالها، لعمر وصدراً من خلافة عثمان، ثم صار إلى المدينة فمات بها سنة ۳۲ھ.“⁵

یعنی خلافت فاروقی کے اواخر اور خلافت عثمانی کے ابتدائی دور میں حضرت ابن مسعود کوفہ کے قاضی اور معتمد مالیات تھے، پھر وہ مدینہ منورہ میں چلے آئے اور وہیں ۳۲ھ میں انتقال کر گئے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعود ۲۱ھ سے لے کر ابتدائی دور عثمانی یعنی زیادہ سے زیادہ کل چند سال کوفہ میں مقیم رہے۔ ظاہر ہے کہ ۲۱ھ سے پہلے ابن مسعود مدینہ طیبہ ہی میں رہ کر تعلیم و تدریس اور خدمات دین کا فریضہ انجام دیا کرتے تھے۔ مصنف انوار معترف ہیں کہ نبی صلی الله علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں ابن مسعود کو درس و تعلیم کی اجازت عطا فرمادی تھی اور صحابہ کو ارشاد فرمایا تھا کہ ”ابن مسعود سے تعلیم حاصل کرو۔“⁶

معلوم ہوا کہ ابن مسعود کوفہ آنے سے پہلے تقریباً اکیس سال تک مدینہ منورہ میں تعلیم و تدریس کا کام کرتے رہے تھے اور ۲۱ھ سے لے کر چند سال کوفہ میں رہے۔ اس کے بعد پھر مدینہ طیبہ ہی میں رہ کر علوم دینیہ کی تعلیم دیتے تھے۔ ناظرین سوچ سکتے ہیں کہ ابن مسعود کے علوم و فنون اور ان کی خدمات سے مدینہ کی سر زمین کوفہ سے کہیں زیادہ بہرہ ور ہوئی۔ یہی حال دوسرے صحابہ کا بھی ہے جن کی بابت مصنف انوار مدعی ہیں کہ وہ کوفہ میں رہ کر خدمت دین کرتے تھے۔ یہ حقیقت سورج سے زیادہ روشن ہے کہ کوفہ کو جو بھی علمی عظمت حاصل ہے وہ محض مدینہ منورہ کے رہنے والے بعض صحابہ کی برکت سے ہے۔

حضرت علی رضي الله عنه کوفہ میں زیادہ سے زیادہ چار سال رہے اور زندگی کا بیشتر حصہ مدینہ میں گزار کر دین و ملت کی خدمت

① فتوح البلدان (ص: ۲۸۷) و تاریخ طبری (۴/ ۲۳۷ تا ۲۳۹، واقعات: ۲۱ھ) و البداية و النہایة و المعرفة و التاریخ للفسوي (۲/ ۷۵۴)

② فتوح البلدان (ص: ۸۸) و طبری (۴/ ۲۶۱، ۲۶۲) و البداية و النہایة.

③ المعرفة و التاریخ للفسوي (۲/ ۷۵۴، ۷۵۵) و البداية (۹/ ۱۳۲) وغیرہ

④ شذرات الذهب (۱/ ۳۲) و تاریخ طبری وغیرہ. ⑤ تلخیص الفہوم (ص: ۶۰) ⑥ مقدمہ انوار (۱/ ۳۶)

کرتے رہے، مگر مدینہ کا علمی مقام و مرتبہ کوفہ پرستوں کے نزدیک صرف یہ رہ گیا ہے کہ وہاں کے ائمہ کی بھوک کے لذت محسوس کریں، حتیٰ کہ امام دارالہجرۃ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی بابت مصنف انوار جیسے مدعی علم و انصاف یہ فرمائیں کہ ان کے فقہی مسائل سے اطمینان قلب نہیں ہوتا اور یہ کہ مدینہ و مکہ کے کبار تابعین کرام کا علم کوفہ کے بچوں کے بچوں سے بھی کمتر ہے۔^① اس مسئلہ پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے۔

مصنف انوار کو جن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کے چند سالہ قیام کوفہ پر فخر ہے اور جن کی بابت انھوں نے کہا ہے کہ سارے صحابہ کے علم کا مخزن یہی دو حضرات تھے، وہ مدینہ میں زندگی بھر رہے۔ اور یہ ایک روشن اور واضح حقیقت ہے کہ اہل الرائے نے بڑی کثرت کے ساتھ ان دونوں جلیل القدر صحابہ کے فرامین و تعامل سے اختلاف کیا ہے، امام شافعی نے اس سلسلے میں ایک باب ”اختلاف ابن مسعود و علی“ قائم کر کے بتلایا ہے کہ اصحاب الراي نے بکثرت دونوں صحابہ کی مخالفت کی ہے۔^②

یہ معلوم ہے کہ کوفہ عراق کا مرکزی شہر اور خلافت اسلامیہ کے ایک صوبہ کا دارالسلطنت تھا اور عراق کا دوسرا نام بابل ہے اور بابل نامی ایک شہر بھی تھا جو عراق یا ملک بابل کا قدیم دارالسلطنت ہے، یہ شہر بابل کوفہ سے قریب ہی ہے، ملک بابل و شہر بابل کا تذکرہ قرآن مجید میں جس طرح ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں، یعنی کہ یہ مرکز شیاطین ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ (۹/۱۰) شر اور خرابیاں کوفہ کے اندر موجود ہیں، باقی (۱/۱۰) شر اور خرابیاں پوری دنیا میں ہیں۔ نیز یہ کوفہ شیاطین اور سرکش جنات کا مرکز ہے۔^③ حضرت علی نے کوفہ اور اہل کوفہ کے خلاف بہت زیادہ بددعا کر رکھی ہے۔^④ حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا کہ اہل کوفہ جھوٹ بولنے میں بڑی مہارت رکھتے تھے، اسی طرح کی بات حضرت عبداللہ بن عمر اور سعد بن ابی وقاص وغیرہ صحابہ نے بھی کہی ہے۔^⑤ حضرت علی کے صاحبزادے حضرت حسن اور حسین نے بھی کوفہ کی بڑی مذمت کی ہے۔^⑥ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب نے اہل عراق کو باطل پرست اور باطل پرستی پر ہٹ دھرمی کرنے والا بتلایا ہے۔^⑦ کوفہ کا ایک حاکم مدعی نبوت تھا۔^⑧ مختار ثقفی جیسا کذاب اور مدعی نبوت بھی کوفہ کا باشندہ تھا، حضرت احنف بن قیس کے ساتھ بعض اہل کوفہ نے مکالمہ کیا، احنف نے کہا کہ کوفہ وہ سرزمین ہے جہاں مختار ثقفی جیسے کذابین اور بدطینت لوگ پیدا ہوئے، یہ سن کر اہل کوفہ کی گردن شرم سے جھک گئی۔^⑨

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے عراق و کوفہ کی مذمت:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

”رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يشير بيده يؤم العراق، فقال: أن الفتنة ههنا ثلاث

مرات من حيث يطلع قرن الشيطان.“

① مقدمہ انوار (۱/۳۵ و ۴۲) ② کتاب الام (۷/۱۵۱ تا ۱۷۷) ③ فسوي (۲/۷۵۱)

④ فسوي (۲/۷۵۱ و ۷۵۲) تاريخ بغداد للخطيب (۲/۳۰۵) والبداية والنهاية (۸/۱۲)

⑤ فسوي (۲/۷۵۹ و ۷۶۰) ⑥ فسوي (۲/۷۵۳، ۷۵۴) والبداية والنهاية (۸/۱۶۱) و خطيب (۱/۱۳۹)

⑦ فسوي (۱/۷۵۶) ⑧ فسوي (۲/۷۵۸) ⑨ فسوي (۲/۳۰، ۳۲)

یعنی عراق کو رسول ﷺ نے مسلسل تین بار مرکز شرور و فتن قرار دیا۔

اس صحیح الاسناد حدیث نبوی کے علاوہ صحیح مسلم کتاب الفتن (۳۹۴/۲) میں بروایت سالم بن عبد اللہ بن عمر مروی ہے:

”یا أهل العراق ما أسئلكم عن الصغيرة و أر كبكم على كبيرة، سمعت أبي يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن الفتنة تجيء من ههنا، و أوماً بيده نحو المشرق من حيث يطلع قرن الشيطان.“

یعنی اے اہل عراق! تم معمولی باتوں کے متعلق کس قدر سوال کرنے والے اور کبار معاصی کا کتنا ارتکاب کرنے والے ہو! میرے باپ نے یہ حدیث نبوی سنائی ہے کہ سرزمین مشرق سے فتنے اٹھیں گے، وہیں سے شیطانی گروہ نمودار ہوگا۔

دونوں حدیثوں کو یکجا کرنے سے مستخرج ہوتا ہے کہ عراق کو زبان نبوی سے ارض مشرق و مرکز فتنہ و فساد کہا گیا ہے، اسی طرح اسے نجد کے لفظ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ ابن عمر نے کہا کہ ”رسول اللہ ﷺ شام وغیرہ کی بابت دعائے برکت فرما رہے تھے کہ ایک آدمی نے کہا ”وفي عراقنا“ وفي رواية: في نجدنا یا رسول اللہ یعنی نجد (عراق) کی بابت بھی یہی دعا کر دیجیے، آپ نے فرمایا: ”هناك الزلازل والفتن“ یعنی وہ مرکز فتن و شرور اور جائے زلازل ہے۔¹

مناقب امام مالک للشیخ عیسیٰ الزواوی (ص: ۵۱ تا ۵۲) میں عراق خصوصاً کوفہ کے مرکز شرور و فتن اور منبع اکاذیب و باطل ہونے پر تفصیلی بحث کی گئی ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوفہ بالکل ہی حق پرستوں سے خالی تھا، چنانچہ امام ابراہیم نخعی، جنہیں مصنف انوار حنفی مذہب کے مورثین میں قرار دیتے ہیں، اہل الراي خصوصاً فرقہ مرجیہ سے بہت برہم رہا کرتے تھے اور انہیں اپنی درسگاہ میں بیٹھنے بھی نہیں دیتے تھے، حتیٰ کہ ان کی وفات کے بعد جب حماد طریق سنت (یا بلنظ دیگر طریق نخعی) کو چھوڑ کر مرجئی اور اہل الراي بن گئے تو ان کے (یعنی امام نخعی کے) خصوصی تلامذہ نے حماد کا بایکٹ کر دیا اور ان سے سلام و کلام بند کر دیا، کیونکہ امام نخعی کی ہدایت ہی یہ تھی کہ مرجئی المذہب اور اہل الراي سے دور ہا کرو۔ (کما سیأتي)

مصنف انوار کی تنقیص ملک شام:

مصنف انوار نے حجاز مقدس مکہ و مدینہ کے علم و فضل کی تحقیر اور مدح کوفہ کے بعد درج ذیل گہرا فحشانی کی:

”علامہ عبد بن رجب سے نقل ہے کہ آپ سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا، جواب دیا تو سائل نے کہا کہ اہل شام آپ کی اس بات کے خلاف بتلاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اہل شام کو ایسا مرتبہ کہاں سے حاصل ہوا یہ مرتبہ تو صرف اہل مدینہ و اہل کوفہ کا ہے کہ ان کے اقوال سے حجت پکڑی جائے۔“²

ہم کہتے ہیں کہ شام کی عظمت و فضیلت کے لیے یہ قرآنی آیت کافی ہے ﴿الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ﴾

① المعرفة والتاريخ للفسوي (۲/ ۷۴۶ تا ۷۵۰) و تاريخ دمشق ابن عساكر (۱/ ۳۰۳) كنز العمال (۷/ ۱۶۱ و ۱۶۴) و

فتح الباري (۱۳/ ۳۸، ۳۹، مطبوعه مصر، كتاب الفتن)

② مقدمه انوار (۱/ ۳۵، ۳۶، بحواله عقود الجواهر المنفية)

قرآن نے سرزمین شام کو ارض مقدس کہا ہے، مگر کوفہ کو زبان نبوی سے زلازل و فتن کی آماجگاہ بتلایا گیا ہے۔ نیز شام کی عظمت و فضیلت اس فرمان نبوی سے ظاہر ہے:

”اللهم بارك لنا في شامنا ثلاث مرات، وقالوا: في عراقنا؟ قال: هناك الزلازل والفتن.“
یعنی اے اللہ! تو ہمارے شام میں برکت دے۔ (یہ دعا آپ نے تین مرتبہ کی) لوگوں نے عرض کیا کہ عراق کے لیے بھی دعائے برکت کر دیجیے، آپ نے فرمایا: وہاں زلازل و فتن ہیں۔“
البتہ شام کی بابت ارشاد نبوی ہے:

”عليكم بالشام، فإنها خيرة الله من أرضه، يحبتي إليها خيرة من عباده، فإن الله عز وجل توكل لي بالشام وأهله.“¹

یعنی اے اہل اسلام! تم ارض شام کو اپنے اوپر لازم پکڑو، کیونکہ وہ اللہ کا منتخب کردہ پسندیدہ ملک ہے، وہاں اللہ کے منتخب و پسندیدہ بندے رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے شام و اہل شام کے لیے مجھ سے حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔
اس میں کوئی شک نہیں کہ سرزمین کوفہ گہوارہ شر و فتن ہونے کے باوجود بعض صحابہ کرام اور ان کے ہم مسلک پختہ کار تابعین عظام کے وجود با مسعود سے شرفیاب و سرفراز تھی، اور انھیں کے طریق پر چلنے والے پختہ کار اہل علم سے تحصیل علم کے لیے دوسرے محدثین اور امام بخاری کوفہ جاتے تھے، چنانچہ مصنف انوار نے جو یہ کہا ہے کہ ”امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں تحصیل علم کے لیے مختلف شہروں میں گیا، لیکن کوفہ و بغداد اتنی بار گیا کہ ان کا شمار بھی نہیں کر سکتا۔“²
تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ امام بخاری اور دوسرے محدثین کوفہ کے ان لوگوں سے بھی علم حاصل کرنے جاتے تھے، جن کی بابت ارشاد فاروقی ہے کہ اہل الرای احادیث نبویہ کے حفظ و ضبط سے عاجز ہونے کے سبب قیاس و رائے پر عمل کرتے ہیں، تم ان سے دور رہو۔

امام ابوحنیفہ کی اپنے حجازی اساتذہ کی تکریم و تعظیم:

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام ابوحنیفہ اپنے کو فی استاذ جابر جعفی کو اکذب الناس کہنے کے باوجود اپنے مدنی استاذ امام مالک کی خدمت میں بچوں کی طرح با ادب بیٹھے اور امام مالک کے تلامذہ سے علوم مالک سیکھنے کی کوشش کرتے، نیز مدینہ منورہ کے ایک امام ربیعہ بن ابی عبد الرحمن (متوفی: ۱۳۶ھ) (استاذ خاص امام مالک) کے سامنے امام ابوحنیفہ کا یہ حال تھا کہ:
”قال یونس بن یزید: رأیت أبا حنیفة عند ربیعة، وكان مجهود أبي حنیفة أن يفهم كلام ربیعة.“³
یعنی امام یونس نے کہا کہ میں نے ابوحنیفہ کو امام ربیعہ کے پاس دیکھا کہ وہ کلام ربیعہ سمجھنے میں اپنی سارے کوشش صرف کرتے تھے۔

ہر طالب علم اپنے استاذ کے کلام کو سمجھنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے مگر مندرجہ بالا روایت میں مصنف انوار کے استاذ کوثری کو

① رواه أحمد و أبوداود عن عبدالله بن حواله مرفوعاً. ② مقدمه انوار (۱/۳۶)

③ خطیب (۸/۴۲۲ ترجمہ ربیعة)

قدح ابی حنیفہ محسوس ہوئی، بنا بریں انھوں نے روایت مذکورہ کو غیر معتبر قرار دے دیا۔ (کما سیأتی) ابن ندیم رافضی نے قلب موضوع کر کے ربیعہ کو شاگرد ابی حنیفہ قرار دے دیا۔¹ اس کذاب رافضی کی تقلید مصنف انوار وغیرہ نے بھی کی ہے۔ (کما سیأتی) احناف معترف ہیں کہ امام صاحب اپنے مجازی استاذ امام باقر اور امام صادق کا بڑا احترام کرتے تھے۔² امام صادق نے امام ابوحنیفہ کو قیاس و رائے سے اشتغال رکھنے سے منع کیا تھا۔³ امام عطاء کو امام ابوحنیفہ نے ”ما رأیت أفضل منه“ کہا۔ ایک بار امام عطاء نے امام ابوحنیفہ سے کہا کہ تم اسی شہر کوفہ کے رہنے والے ہو جہاں کے باشندوں نے فرقہ پرستی اختیار کر کے شیرازہ ملت کو بکھیر دیا ہے۔ (سیأتی التفصیل علی هذا الموضوع)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ کوفہ کی علمی فضیلت ثابت ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں قابل رد و قدح اور مجروح و مطعون قسم کے بعض ایسے فقہاء و رواۃ نہیں پیدا ہوئے جو بذات خود غیر ثقہ ہونے کے ساتھ قابل نقد و نظر فقہی و فکری مسلک و مذہب کے بانی و موسس ہوں، آخر خوارج و روافض وغیرہ جیسے فرقوں کے قائدین، فقہاء اور ائمہ کوفہ ہی میں پیدا ہوئے تھے، جو ناپسندیدہ مذاہب کے بانی و پیرو ہونے کے ساتھ بذات خود بھی نقل روایت میں مجروح و غیر ثقہ تھے۔ کوئی شک نہیں کہ کوفہ میں وہ اصحاب الرائے بکثرت پائے جاتے تھے جن کی بابت فاروق اعظم کا فرمان ہے کہ اصحاب الرائے اعداء السنن ہوتے ہیں، کیونکہ وہ حفظ و ضبط و روایت احادیث نبویہ سے عاجز ہونے کے سبب قیاس و رائے کے تابع ہوتے ہیں، لہذا ان سے اجتناب و پرہیز کرو اور ان سے بچ کر رہو۔

مرکز علم کوفہ کے دارالعلوم سے فارغ شدہ علماء:

مندرجہ بالا عنوان سے مصنف انوار نے بحوالہ حافظ ابن قیم امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک کوفہ کے محدثین فقہاء، قضاة اور مفتیوں کے پانچ طبقات کا تذکرہ کیا ہے اور اس سے پہلے مدح کوفہ میں یہ بھی فرمایا ہے:

”مجم البلدان میں کوفہ کے بیان میں امام احمد سے سفیان ثوری کا یہ مقولہ منقول ہے کہ احکام حج کے لیے مکہ، قراءت کے لیے مدینہ، اور حلال و حرام کے لیے کوفہ مرکز ہے۔“⁴

ہم کہتے ہیں کہ کوفہ کے مرکز حلال و حرام ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہاں روافض و خوارج جیسے فرق باطلہ اور دوسرے بد مذہب مبتدعین و متروکین و غیر ثقہ رواۃ کا وجود نہیں تھا۔

شیوخ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ:

مذکورہ بالا عنوان کے تحت مصنف انوار نے اولاً حضرت ابن مسعود کے فضائل و کمالات بیان کر کے دعویٰ کیا ہے کہ حنفی مذہب کے مورث اعلیٰ یہی ابن مسعود رضی اللہ عنہ تھے۔⁵

① فہرست ابن ندیم (ص: ۲۸۵)

② جامع المسانید للخوازمی (۱/۲۰۴، ۲۰۵ و ۱/۲۲۲، ۲۲۳) و موفق.

③ حلیۃ الأولیاء (۳/۱۹۶، ۱۹۷) و وفیات الأعیان لابن خلکان.

④ مقدمہ انوار (۳۵/۱)

⑤ مقدمہ انوار (۱/۳۶ تا ۳۸)

ہم کہتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کے فضائل و کمالات مصنف انوار کے بیان سے بھی کہیں زیادہ ہیں، مگر مصنف انوار کا یہ دعویٰ کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حنفی مذہب کے مورث اعلیٰ ہیں، قطعاً غلط ہے، جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے، مگر یہ دعویٰ ”ابن مسعود حنفی مذہب کے مورث اعلیٰ ہیں۔“ امر واقع کے خلاف ہونے کے باوجود احناف کا نظریہ بن چکا ہے، حالانکہ یہ نظریہ تخریب پسندی و شخصیت پرستی کے اصول پر قائم ہے، جملہ صحابہ و تابعین کو چھوڑ کر صرف ایک صحابی کو اپنے فقہی مسلک و مذہب کا مورث کہنا اور وہ بھی امر واقع کے خلاف، اسلامی روح کے منافی ہے، کیونکہ اسلامی نقطہ نظر سے سبھی صحابہ و تابعین دین کے پیشوا اور ائمہ رشد و ہدایت ہیں، ان میں سے کسی ایک کی طرف اپنے مذہب کو منسوب کرنا فرقہ پرستی کے رجحان کا غماز ہے۔ لطف یہ کہ مصنف انوار نے اگرچہ ابن مسعود کو اپنے مذہب کا مورث اعلیٰ کہا ہے اور اقوال و آثار صحابہ کو حجت نہ ماننے والوں پر طریق سلف سے اعراض و انحراف کا الزام لگایا ہے۔¹

مگر بنیادی طور پر ان کا تقلیدی مذہب جملہ صحابہ و تابعین بشمول ابن مسعود کی تصریحات کی مخالفت پر قائم ہے، لیکن یہاں صرف دو بنیادی چیزیں بطور مثال عرض ہیں۔ اولاً تقلید پرستی کسی بھی صحابی و تابعی کا مذہب نہیں تھا، بلکہ سبھی اس کے خلاف تھے، مگر مصنف انوار کا مذہب ہی تقلید پرستی ہے، ثانیاً مصنف انوار نے تذکرہ ابن مسعود ہی میں کہا ہے کہ ”تمام صحابہ کے علوم کا سرچشمہ حضرت علی، ابن مسعود، عمر بن الخطاب، زید بن ثابت، ابو درداء و ابی بن کعب رضی اللہ عنہم ہیں۔“² لیکن یہ سب صحابہ دیگر تمام صحابہ کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ غیر واقع شدہ امور سے متعلق فرضی مسائل کی پوچھ گچھ اور ان کے بارے میں سوال و جواب ملعون و مقبوح اور حرام کام ہے۔

غیر واقع شدہ امور سے متعلق فرضی مسائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں:

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

”سمعت عمر بن الخطاب يلعن من سأل عمالماً يكن.“³

یعنی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس شخص پر لعنت کرتے تھے جو غیر واقع شدہ امور سے متعلق پوچھ گچھ کرتا تھا۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ غیر واقع شدہ باتوں کے متعلق سوال کرنا حلال و مباح نہیں۔⁴

انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”تم غیر واقع شدہ باتوں کے بارے میں سوال کرو نہ جواب دو، کیونکہ اگر یہ باتیں کبھی واقع ہوں گی تو اس وقت کے علماء ان کا جواب دے لیں گے۔“⁵ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بعض غیر واقع شدہ مسائل پوچھے گئے تو انہوں نے فرمایا: ”ذروہ حتی یکون“ یعنی اس کے متعلق پوچھ گچھ اور سوال و جواب ترک کر دو اور جب تک واقع نہ ہو تب تک خاموش رہو۔⁶ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا مسلک و مذہب بھی غیر واقع شدہ امور سے متعلق سوال و جواب

² مقدمہ انوار (۱/۳۷ و ۶۹)

¹ مقدمہ انوار (۱/۲۴)

³ کتاب العلم لأبي خيثمة (ص: ۱۴۳) و سنن دارمي (۱/۲۸، ۲۹) و جامع بيان العلم (۲/۱۳۹)

⁴ جامع بيان العلم (۲/۱۴۲) وغیره) ⁵ جامع بيان العلم (۲/۱۴۳) وغیره)

⁶ سنن دارمي (۱/۲۸، ۲۹) و کتاب العلم لأبي خيثمة (ص: ۱۲۶، ۱۲۷) و جامع بيان العلم (۲/۱۴۲)

کی بابت وہی تھا، جو حضرت عمر و زید رضی اللہ عنہما کا تھا۔¹

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

روی نحو ذلك عن عمر و علی و ابن عباس و ابن مسعود فی کراهة التکلم فیما لم یُنزل²
یعنی حضرت عمر، علی، ابن عباس، ابن مسعود سے بھی غیر واقع شدہ امور کی بابت کلام کے مکروہ ہونے کا فتویٰ منقول ہے۔

اور کیوں نہ ہو خود سرور کائنات خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے غیر واقع شدہ امور سے متعلق تکلم کو ممنوع قرار دے دیا تھا۔³
گویا تمام صحابہ کا اجماعی مسلک تھا کہ فرضی مسائل بالخصوص غیر واقع امور کے متعلق سوالات پوچھے جائیں اور نہ حل کیے جائیں، حضرت عمر نے یہ بات خطبہ میں کہی تھی اور سارے صحابہ نے اس پر سکوت اختیار کیا تھا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ سب صحابہ ان کے خیال سے متفق تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس امر میں اتنا تشدد تھا کہ واقع شدہ مسائل میں بھی نصوص کتاب و سنت کی عدم موجودگی میں جواب دینے میں بہت زیادہ فرار اختیار کرتے تھے، حتیٰ کہ ایک مسئلہ کے پوچھنے پر انہوں نے پوچھنے والوں سے کہا: ”فأتوا غیري وأستلوا، أهل تجدون فيه أثراً.“ ”تم لوگ دوسروں کے پاس جا کر یہ مسئلہ دریافت کرو، شاید کسی کے پاس کوئی حدیث نبوی مل جائے۔“

مگر پوچھنے والوں کو طلب بسیار کے باوجود اس کا جواب دوسروں کے پاس نہ ملا، وہ برابر ابن مسعود کی طرف بھی رجوع کرتے رہے، اس طرح ایک ماہ گزر گیا:

”فاختلفوا إليه شهراً، وقالوا: من نسأل إن لم نسألك؟ ولا نجد غيرك، قال: سأقول فيها بجهد رأيي الحديث.“⁴

آخر لوگوں نے ابن مسعود سے جب ایک ماہ کی مسلسل دوڑ و دھوپ کے بعد یہ کہا کہ اگر آپ سے نہ پوچھیں تو ہم کس سے پوچھیں؟ کیونکہ ہم آپ سے بڑا صاحب علم کسی کو نہیں پاتے تو انہوں نے بڑے لیت و لعل کے بعد کہا کہ اچھا میں اس کا جواب اپنے اجتہاد سے دیتا ہوں، اگر جواب باصواب ہوا تو خیر ورنہ خطا ہونے پر اسے میری غلطی مانا جائے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب اپنے اجتہاد سے دیا تو اس وقت لوگ وہاں موجود تھے، انہوں نے اس امر کی شہادت دی کہ جس طرح کا جواب آپ نے دیا ہے، اسی طرح کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا تھا، اس پر ابن مسعود بے حد خوش ہوئے اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ ابن مسعود کے اس قول سے معلوم ہوا کہ انھیں کی تصریح کے مطابق ان کے ذاتی قول و اثر میں غلطی و خطا کا احتمال ہے، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان کے اور دوسرے صحابہ کے ذاتی اقوال و آثار کو حجت شرعیہ ماننا صحیح نہیں ہے، مگر مصنف انوار ایک طرف انھیں حجت شرعیہ منوانے پر مصر ہیں اور نہ ماننے پر خفا، لیکن دوسری طرف سب سے زیادہ اقوال و آثار صحابہ کے معاند و مخالف بھی وہی ہیں!!

1 ملاحظہ ہو: سنن دارمی (ص: ۳۱) و کتاب العلم لأبي خيشمة (ص: ۱۲۷) و جامع بيان العلم وغيره.

2 حجة الله البالغة (۱/ ۱۴۸)

3 سنن دارمی (ص: ۲۸، ۲۹ و ۳۲ عن معاذ بن جبل) وكذلك في جامع بيان العلم (۲/ ۱۴۲)

4 سنن نسائي مع تعليقات سلفية (ص: ۷۹، ۸۰) و دیگر کتب حدیث.

روایت مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحبت نبوی سے گہرے اختصاص کے باوجود بھی ابن مسعود پر بعض سنن نبویہ اور احادیث مخفی تھیں اور جب ابن مسعود جیسے سابق الاسلام، قدیم الصحبہ، امتیازی خصوصیت رکھنے والے صحابہ پر بعض سنن نبویہ و احادیث مخفی رہتی تھیں حتیٰ کہ وہ معذور کو بذریعہ تیمم نماز پڑھنے کی اجازت بھی نہیں دیتے تھے اور نسخ تطبیق پر واقف نہیں تھے وغیرہ وغیرہ، تو ان اصحاب الرائے کا کیا حال ہوگا جن کی بابت فاروق اعظم کا یہ فرمان ہے کہ وہ احادیث نبویہ کے حفظ و ضبط اور روایت سے عاجز ہونے کے سبب محض رائے و قیاس کے قیاس ہوتے ہیں۔

حضرت ابن مسعود کا فرمان ہے کہ ”جو شخص ہر سوال و استفتاء کا جواب دیتا پھرتا ہے، وہ مجنون ہے۔“^①

خود سید المرسلین ﷺ کثرت مسائل کو ناپسند فرماتے تھے۔^② مگر مصنف انوار نے غیر واقع شدہ امور سے متعلق فرضی مسائل کی تدوین و ترویج کو امام ابوحنیفہ کا بہت بڑا کارنامہ اور ان کا بھاری فضل و کمال قرار دیا ہے۔ چنانچہ مصنف انوار نے امام ابوحنیفہ کی مدح سرائی کی غرض سے لکھا ہے:

قیس بن ربیع سے جب کوئی امام صاحب کی خصوصیت دریافت کرتا تو جواب میں فرماتے: ”أعلم بما لم یکن“ یعنی جو حوادث ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے ان کے متعلق احکام کے وہ سب سے بڑے عالم تھے۔^③ ایک دوسری جگہ مصنف انوار رقمطراز ہیں:

”ایک وجہ امام مالک کی تفقہ میں کمی کی یہ ہے کہ ان کا نظریہ یہ تھا کہ جو واقعات و حوادث ابھی پیش نہیں آئے، ان کا جواب دیا جائے اور نہ ان کے بارے میں غور و خوض کیا جائے برخلاف اس کے امام اعظم اور ان کے اصحاب کا طریقہ یہ تھا کہ ہر قسم کے احتمالات اور امکانی صورتوں پر بھی غور کیا جائے اور ہر سوال کا جواب دیا جائے۔“^④ ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ صحابہ کے متفق علیہ طور پر ملعون و ممنوع قرار دیئے ہوئے کام کو مصنف انوار امام صاحب کا بہت بڑا کارنامہ اور کمال تفقہ و وجہ فضیلت بتلا رہے ہیں اور اس معاملہ میں صحابہ کی پیروی کرنے والے امام مالک کو قلت تفقہ کے عیب سے متصف بتلا رہے ہیں، پھر بھی صحابہ کے آثار و فتاویٰ پر عمل پیرا ہونے کے مدعی ہیں اور دوسروں کو صحابہ کی مخالفت کا الزام دیتے ہیں!!

فضیلت کوفہ پر ایک مکذوبہ روایت سے مصنف انوار کا استدلال:

مصنف انوار کوفہ اور اہل کوفہ اور ابن مسعود کی فضیلت میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

”کوفہ میں ابن مسعود کے حلقہ درس میں بیک وقت چار چار ہزار طلبا شریک ہوتے تھے، جس وقت حضرت علی کوفہ پہنچے تو ابن مسعود اپنے شاگردوں کو لے کر استقبال کے لیے شہر سے باہر نکلے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرط مسرت سے کہا: ”ابن مسعود تم نے کوفہ کو علم و فقہ سے مالا مال کر دیا اور یہ شہر تمہاری وجہ سے علم کا مرکز بن گیا۔“ مگر مصنف انوار نے اپنے اس بیان کو خود ہی خلاف تحقیق بھی قرار دیا ہے۔^⑤

① مسند دارمی (ص: ۳۵) و جامع بیان العلم و کتاب العلم لأبی خنیسہ وغیرہ.

② کتاب العلم لأبی خنیسہ (ص: ۱۲۷) و صحیحین و موطاً وغیرہ. ③ مقدمہ انوار (۱/ ۱۵۵) بحوالہ موفق (۲/ ۴۰)

⑤ مقدمہ انوار (۱/ ۳۷)

④ مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۴، ۱۹۵)

اس روایت کا غیر معتبر بلکہ مکذوب ہونا اس طرح ظاہر ہے کہ کوفہ میں حضرت علیؑ کے جانے سے بہت پہلے حضرت ابن مسعود کوفہ کو خیر باد کہہ چکے تھے اور مدینہ ہی میں آ کر مقیم ہو گئے تھے۔ خلافت عثمانی ہی کے زمانہ میں ابن مسعودؓ کا انتقال مدینہ منورہ میں ہو گیا تھا، یعنی حضرت علی کے ورود کوفہ سے پہلے ابن مسعود فوت ہو چکے تھے اسی طرح کی بے شمار مکذوبہ روایات کو صحیح و معتبر کہہ کر مصنف انوار نے مدح مذہب حنفی و ائمہ احناف میں پیش کیا ہے مگر تعجب ہے کہ اپنی عادت کے خلاف موصوف نے مذکورہ بالا روایت کو خلاف تحقیق کیسے کہہ دیا؟!

حضرت ابن مسعودؓ کے معلم کوفہ ہونے کی حقیقت:

کوفہ کی آباد کاری ۱۷ھ، ۱۸ھ کے بعد سے اگرچہ کوفہ میں بہت سے صحابہ کسی نہ کسی سلسلے میں گئے تھے، مگر مصنف انوار نے چونکہ ابن مسعود کا تذکرہ زیادہ اہمیت و خصوصیت کے ساتھ کر کے کوفہ میں ابن مسعود کے ورود کو حنفی مذہب کی فضیلت کی دلیل بنایا ہے اس لیے ہم بھی صرف ابن مسعود کے تذکرہ پر اکتفاء کرتے ہیں۔

ناظرین کرام کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ ابن مسعود ۲۱ھ یعنی اواخر دور فاروقی میں کوفہ گئے اور ابتدائے دور عثمانی تک یعنی چند سال صرف کوفہ میں مقیم رہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ابن مسعود کوفہ کے عہدہ قضا و شعبہ مالیات سے متعلق تھے، ظاہر ہے کہ ان کی مشغولیات بھی انہیں امور سے متعلق زیادہ ہوں گی، ان چند سالوں میں کوفہ کے اندر ابن مسعود کا طریق تعلیم و تدریس کیا رہا اس کی تفصیل نا معلوم ہے۔ مگر مصنف انوار کا دعویٰ ہے کہ کوفہ جانے والے صحابہ کو فاروق اعظمؓ نے وصیت کر دی تھی کہ وہاں تم لوگ احادیث نبویہ بیان کرنے سے احتراز کرنا۔ اس لیے مصنف انوار کو بہر حال یہ ماننا ہوگا کہ کوفہ جانے والے صحابہ خصوصاً ابن مسعود کوفہ میں احادیث نبویہ کی تعلیم نہیں دیتے تھے، اور بعض مرسل روایات سے ثابت ہے کہ فاروق اعظمؓ نے ابن مسعود اور ان کے بعض ساتھیوں کو احادیث نبویہ بیان کرنے سے روک دیا تھا۔¹

مصنف انوار کے نزدیک مرسل حدیث حجت ہے، لہذا انہیں ماننا چاہیے کہ ابن مسعود کوفہ میں علم حدیث کی تعلیم نہیں دیتے تھے، اور یہ معلوم ہے کہ اسلاف کے نزدیک اصل علم ”حدیث نبوی“ ہی ہے، اسی پر قرآنی علوم کے سمجھنے کا بھی مدار ہے، بلکہ حدیث نبوی قرآن مجید کی شرح و تبیین ہے، اور جب کوفہ جانے والے صحابہ کو بدعویٰ احناف حدیث نبوی کی تعلیم دینے سے منع کر دیا گیا تھا تو انہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ دعویٰ کریں کہ صحابہ کوفہ میں احادیث نبویہ کی تعلیم دیتے تھے۔

البتہ ہمارے نزدیک تمام صحابہ جہاں کہیں جاتے تھے، اپنی طاقت بھر علوم نبویہ کی اشاعت کی کوشش کرتے تھے، البتہ اصحاب الرائے خواہ کوفہ کے ہوں یا کسی اور جگہ کے علوم حدیث سیکھنے سے محروم ہی رہتے تھے، کیونکہ بقول فاروق اعظمؓ اصحاب الراي حفظ و ضبط اور احادیث نبویہ کی روایت سے محروم و عاجز ہونے کے سبب رائے و قیاس کے متبع تھے، ہم بتلا چکے ہیں کہ ایک مسئلہ کے حل کرنے میں ابن مسعود کو ایک ماہ لگ گئے تھے، جس کے بارے میں انہیں حدیث نبوی معلوم نہ تھی، حالانکہ اس کا تعلق واقع شدہ امور سے تھا، پھر امام ابوحنیفہ کے حل کردہ ساڑھے بارہ لاکھ فقہی مسائل میراث ابن مسعود کیسے ہوں گے جن کی خاصی مقدار غیر واقع شدہ مسائل پر مشتمل ہے؟

1 ابن سعد (۲/۳۳۶ وغیرہ)

ابن مسعود کے شاگرد خاص علقمہ بن قیس فقیہ عراقی (متونی ۶۱ھ، ۶۲ھ) کا ذکر خیر:

مصنف انوار نے اگرچہ علقمہ کو ابن مسعود کا جانشین قرار دیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ وفات ابن مسعود کے بعد وہی مسند ابن مسعود پر متمکن ہوئے، مگر ابراہیم نخعی کا بیان ہے کہ وفات ابن مسعود کے بعد لوگوں نے علقمہ سے کہا کہ آپ ان کی جگہ پر درس و تدریس کا کام کیجئے، تو علقمہ نے جواب دیا کہ ”أتریدون أن یؤطا عقبی“^۱

یعنی موصوف نے مسند ابن مسعود پر بیٹھنے سے انکار کر دیا۔ مگر نامعلوم کیوں مصنف انوار کی نظر اس روایت پر نہیں پڑتی؟! اوپر یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ ابن مسعود کی زیادہ تر تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں کا محور و مرکز مدینہ منورہ تھا، البتہ وہ کچھ دنوں تک کوفہ بھی رہے، کوفہ میں ان کے کچھ تلامذہ ضرور تھے، مگر علقمہ کو ان کا خصوصی شاگرد کہا جاتا ہے، اس بناء پر مصنف انوار نے مذہب حنفی کا جو علمی نسب نامہ ابن مسعود تک بیان کیا ہے اس میں علقمہ کو ابن مسعود کا جانشین اور شاگرد خصوصی قرار دے کر ان نقول کو جن میں کہا گیا ہے کہ علقمہ ابن مسعود کے نمونہ تھے، بشوق و ذوق نقل کیا ہے۔ نیز یہ دعویٰ کیا ہے کہ علوم علقمہ کے وارث و جانشین نخعی اور نخعی کے حماد اور حماد کے جانشین امام ابوحنیفہ تھے، مگر ہم بتلا چکے ہیں کہ حماد امام نخعی کے طور و طریق سے منحرف ہو گئے تھے، لہذا حماد کو جانشین نخعی کہنا درست نہیں ہے اور جب حماد کو جانشین نخعی کہنا درست نہیں تو مذہب حنفی کو نخعی و علقمہ کے توسط سے ابن مسعود کی میراث بھی قرار دینا درست نہیں۔ مگر مصنف انوار نے اپنے اس دعویٰ کو مختلف جگہ دہرایا ہے کہ حنفی مذہب بواسطہ حماد عن ابراہیم عن علقمہ حضرت ابن مسعود کی میراث ہے۔^۲

ایک جگہ مصنف انوار رقمطراز ہیں کہ ”فقہ کا کھیت ابن مسعود نے بویا، علقمہ نے سینچا، ابراہیم نے کاٹا، حماد نے بانٹا، ابو حنیفہ نے پیسا، ابو یوسف نے گوندا، محمد نے پکایا اور سب نے کھا۔“^۳

مگر ناظرین کرام پر مصنف انوار کے اس دعویٰ کی حقیقت واضح ہو چکی ہے، کیونکہ لوگوں کو معلوم ہو چکا ہے کہ حماد مذہب نخعی پر قائم نہیں رہے تھے، بلکہ اس سے منحرف ہو کر مذہب مرجی کے پیروکار اور پابند ہو گئے تھے۔ حضرت علقمہ ایمان میں کمی و بیشی کے قائل تھے حتیٰ کہ تعلیم و تعلم کو بھی زیادتی ایمان کا باعث قرار دیتے تھے، ابراہیم نخعی نے کہا:

”ان علقمة قال لأصحابه: امشوا بنا نزد؟ إیماننا یعنی یتفقہون۔“^۴

یعنی علقمہ نے اپنے اصحاب سے کہا: آؤ! ذرا ہم لوگ اپنے ایمان کو بڑھانے کا سامان کریں۔ چنانچہ ان لوگوں نے فقہ کی تعلیم و تعلم شروع کیا۔

علقمہ سے کسی نے پوچھا آپ مومن ہیں تو موصوف نے جواب دیا کہ: ”أرجو“^۵

مگر اس طرح کا جواب احناف کے نزدیک ایمان کے مشکوک ہونے کی علامت ہے، یعنی حنفی مذہب میں علقمہ کا ایمان مشکوک تھا، پھر نہ جانے کس طرح مصنف انوار نے علقمہ کو حنفی مذہب کے مورثین میں شمار کر لیا ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے

① طبقات ابن سعد (۶/۶۰ وغیرہ) ② ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (۳۸، ۳۹، ۶۸، ۶۹، ۱۰۳، ۱۰۴ وغیرہ)

③ مقدمہ انوار (۱/۱۰۳، ۱۰۴) ④ حلیۃ الأولیاء (۲/۹۹ وغیرہ)

⑤ طبقات ابن سعد (۶/۵۸) و حلیۃ الأولیاء (۲/۱۰۰)

کہ علقمہ ایمان میں کمی بیشی کا عقیدہ رکھتے تھے، مگر حنفی مذہب اسلام کے اس بنیادی عقیدہ کے خلاف ایمان میں کمی بیشی کا منکر ہے اور نہ صرف یہ کہ منکر ہے، بلکہ اس عقیدہ کو معیوب اور تفقہ کے خلاف سمجھتا ہے، حتیٰ کہ مصنف انوار کے استاذ کوثری اسے خوارج وغیرہ جیسے فرق باطلہ کا عقیدہ قرار دیتے ہیں۔ (کما سیأتی)

علقمہ نے ابن مسعود سے نقل کیا کہ: ”الصبر نصف الإيمان، والیقین كله“¹

یعنی صبر نصف ایمان ہے۔ مگر حنفی مذہب ابن مسعود کی علمی میراث کا مدعی ہونے کے باوجود ابن مسعود اور علقمہ کے ان فرامین کا مخالف ہے، اور ناظرین کرام کو معلوم ہے کہ ایمان میں کمی بیشی کا انکار مرجیہ کی خاص الخاص علامت ہے۔

مدحِ علقمہ کی آڑ میں مصنف انوار نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص کی:

مصنف انوار نے ایک مکذوبہ روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا:

”قابوس نے اپنے والد سے پوچھا کہ آپ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کو چھوڑ کر علقمہ کے پاس کیوں جاتے ہیں؟ فرمایا: بات یہ ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ خود صحابہ ان کے پاس تحقیق مسائل کے لیے آتے تھے۔“²

اس روایت میں ایک غیر صحابی کے بالمقابل صحابہ کرام کو علمی اعتبار سے کمتر بتلانے کی سعی کی گئی ہے۔ اگر دوسری صدی کے کسی محدث کو امام ابوحنیفہ اور ان کے ہم مذہب حضرات سے زیادہ صاحب علم و فضل کہا جائے تو مصنف انوار اسے گوارہ کرنے کے لیے تیار نہیں، بلکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا علم صحابہ و تابعین کے علوم سے زیادہ نفع بخش ہے۔ (کما سیأتی) لیکن علقمہ کے بارے میں مصنف انوار کی نقل کردہ روایت (جسے مصنف انوار نے صحیح و معتبر کہہ کر تحقیق کے نام پر تحریر کیا ہے) کی سند کا حال یہ ہے کہ اسے قابوس نے اپنے باپ ظہیان سے روایت کیا ہے۔³

اور قابوس کی بابت امام ابن حبان نے بتلایا ہے کہ ”تفرد عن أبيه بما لا أصل له.“ یعنی موصوف اپنے باپ سے بے اصل باتیں روایت کرنے میں منفرد ہوا کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں قابوس کو ابن معین، ابن ابی حاتم، نسائی، ابن سعد، احمد بن حنبل اور دارقطنی وغیرہ نے ضعیف و غیر ثقہ کہا ہے۔⁴ نیز اس کی سند میں محمد بن عثمان بن ابی شیبہ بھی ہیں۔⁵ مصنف انوار کے استاذ کوثری نے غیر معتبر بلکہ کذاب کہا ہے۔⁶ حالانکہ موصوف ثقہ ہیں۔⁷

ہر صاحب انصاف سوچ سکتا ہے کہ علقمہ کے مقابلے میں باعتبار علم و فضل صحابہ کو کمتر بتلانے کے لیے ایک مکذوبہ روایت کو دلیل و حجت بنا کر مصنف انوار نے کتنی دیانتداری سے کام لیا ہے۔ علقمہ کے استاذ مسروق کا بیان ہے:

”ہم نے صحابہ کرام سے جب بھی کوئی علمی بات دریافت کی تو ان کے علم کو اپنے علم سے کہیں زیادہ پایا، ہمارا علم صحابہ سے کمتر و قاصر ہے۔“⁸

1 آخر جہ الطبرانی بسند صحیح و عمدة القاري حاشية صحيح بخاري مولانا أحمد علي سهارنپوري (۶/۱)

2 مقدمہ انوار (۱/۴۳) 3 ملاحظہ ہو: کتاب العلم لأبي خيمثة (ص: ۱۲۲ وغیرہ)

4 کتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (۳/۱۴۵ قسم ثانی) تهذيب التهذيب (۷/۳۰۶) میزان الاعتدال (۳/۳۳۷ وغیرہ)

5 حلية الأولياء (۲/۹۸) ترجمة علقمة (ص: ۱۴۷ و ۱۶۸)

6 تانيب (ص: ۱۴۷ و ۱۶۸) 7 التنكيل (۱/۴۶۰، ۴۶۱) 8 کتاب العلم لأبي خيمثة (ص: ۱۲۰)

امام ابوحنیفہ سے مروی ہے:

”مقام أحدهم مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ساعة واحدة خير من عمل أحدنا جميع عمره وإن طال.“^①

یعنی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی بھی صحابی کا تھوڑا وقت گزارنا بھی ہماری طویل مدت زندگی سے کہیں بہتر ہے۔

امام صاحب سے مروی اس روایت کی روشنی میں بھی مصنف انوار کی نقل کردہ مندرجہ بالا مکذوبہ روایت دیکھنی چاہیے۔ علقمہ کا ایک بہترین صاحب علم و فضل ہونا مسلم ہے، مگر مصنف انوار کا یہ احساس کہ تابعین میں علقمہ سے زیادہ قرآن و حدیث کا عالم کوئی نہیں تھا۔^② ان کے اس نظریہ پر قائم ہے کہ علقمہ حنفی مذہب کے علمی نسب نامہ کے ایک بنیادی فرد تھے، حالانکہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ مصنف انوار کا یہ نظریہ خلاف واقع ہونے کے ساتھ روح اسلامی کے منافی بھی ہے۔

سب سے افضل تابعی کی بحث:

نیز از روئے تحقیق تابعین میں مدینہ منورہ کے امام وقت حضرت سعید بن المسیب کا مقام علم و فضل میں علقمہ سے کہیں بڑھا ہوا ہے، نیز بفرمان نبوی حضرت اولیس قرنی خیر التابعین ہیں۔^③ اولیس قرنی یمن کے اصل باشندے تھے اور چند دنوں کے لیے کوفہ آئے تھے، باختلاف روایت آذر بائجان یا مکہ مکرمہ یا صفین یا حیرہ میں فوت ہوئے۔^④ مگر ان سے درس و تدریس کا سلسلہ جاری نہیں ہو سکا، ان سے سلسلہ درس و تدریس جاری کرنے کی درخواست کی گئی تو انھوں نے کہا:

”لست أحب أن أفتح هذا الباب على نفسي، ولا أحب أن أكون قاضياً ومفتياً.“^⑤

یعنی میں نہ تو اپنے اوپر درس و تدریس کا دروازہ کھولنا چاہتا ہوں اور نہ قاضی و مفتی بننا چاہتا ہوں۔

امام بخاری نے فرمایا کہ ان تک کوئی روایت نظر سے خالی نہیں۔^⑥ البتہ جن تابعین سے سلسلہ علم و فن جاری ہوا، ان میں سعید بن المسیب کا نام سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، امام ابوحنیفہ کے قابل فخر اساتذہ میں سے قتادہ، زہری، مکحول اور اوزاعی وغیرہ نے کہا:

”ما رأينا أحدا أعلم من سعيد بن المسيب.“ ”ہم نے سعید سے زیادہ عالم کسی کو نہیں دیکھا۔“

حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ کے جلیل القدر استاذ امام حسن بصری مسائل مشککہ میں انھیں کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔^⑦ امام علقمہ صرف علوم ابن مسعود کے خصوصی ماہر تھے، مگر امام سعید بن المسیب خلفائے راشدین و اکابر صحابہ و امہات المؤمنین کے علوم پر پوری دسترس رکھتے تھے، خود ابن المسیب بھی بات فرماتے تھے اور اہل علم ان کی اس بات کی تصدیق کرتے تھے۔^⑧ امام ابوحنیفہ کے اساتذہ کے استاذ میمون بن مہران نے کہا کہ سب سے بڑے فقیہ سعید بن المسیب ہیں، خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز کوئی

① موفق (۱/۸۴) ② مقدمہ انوار (۱/۳۸) ③ صحیح مسلم، و تدریب الراوی (ص: ۴۲۲)

④ لسان المیزان و حلیۃ الأولیاء وغیرہ۔ ⑤ حلیۃ الأولیاء (۲/۸۵)

⑥ تعقیب التقریب۔ ⑦ ملاحظہ ہو: تذکرۃ الحفاظ (۱/۴۶، ۴۷) و حلیۃ الأولیاء (۱/۱۶۳) و تہذیب التہذیب۔

⑧ طبقات ابن سعد (۵/۸۹، ۹۰، قسم اول)

فیصلہ سعید بن المسیب کے مشورے کے بغیر نہیں کرتے تھے، حجاج بن یوسف جیسا ظالم روزگار اور سنگ دل شخص بھی امام ابن المسیب کی توجہ سے اچھے طریقہ پر نماز پڑھنے لگا۔¹

عبدالملک جیسے باجروت خلیفہ نے ان سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی تو انہوں نے کہلا دیا کہ مجھے خلیفہ سے ملاقات کرنے کی حاجت نہیں، خلیفہ ان کے پاس سرکاری آدمی بھیجتا تو اسے ہدایت کر دیتا کہ اگر وہ سوتے ملیں تو مت جگانا، خلیفہ ان کی تعریف و توصیف ہی کرتا، حالانکہ امام موصوف اس پر سخت تنقید بھی کرتے رہتے، موصوف ہمیشہ روز رکھتے تھے اور ہمہ وقت باوجود رہا کرتے تھے۔²

اس کے باوجود بہر حال ہمارا عقیدہ ہے کہ ”المجتہد یصیب ویخطئ“ غیر نبی خواہ کوئی ہو اس کی نہ تو تقلید ہو سکتی ہے اور نہ خلاف نصوص اس کے کسی قول و فعل کو حجت بنایا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس مصنف انوار کا دعویٰ اگرچہ یہ ہے کہ صحابہ و تابعین کے اقوال و افعال حجت ہیں، مگر اس کی مخالفت کرنے میں مصنف انوار سب سے آگے ہیں، اس کا اندازہ ناظرین کرام کو گزشتہ صفحات کے مباحث سے ہو گیا ہوگا اور تحقیقی تفصیل آگے بھی آئے گی۔

امام ابن المسیب عظیم المرتبت رضوانی صحابی مسیب بن حزن کے قابل فخر بیٹے اور تربیت یافتہ تھے، ان کے دادا حزن بن ابی وہب بھی جلیل القدر صحابی تھے اور جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔³ اور یہ معلوم ہے کہ امام سعید بن مسیب کو خلفاء راشدین، عشرہ مبشرہ، امہات المؤمنین اور کبار صحابہ کی شاگردی کی سعادت و شرف حاصل ہے، موصوف صرف ایک حدیث کے لیے کئی کئی راتوں کا سفر کرتے تھے۔ (ابن سعد) یہ چیز مدینہ کے اس عالم دین کی علمی فضیلت پر بہت بڑی دلیل ہے۔ (کما لا یخفی) طریق علقمہ پر امام ابوحنیفہ عامل نہیں تھے:

مصنف انوار مدعی ہیں کہ ”علقمہ سے کتب حدیث میں ہزاروں احادیث مروی ہیں۔“⁴

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام علقمہ احادیث نبویہ کی بکثرت تحدیث و روایت کرتے اور اسے خلاف احتیاط و تورع نہیں سمجھتے تھے، مگر بدعوائے مصنف انوار امام ابوحنیفہ کے علمی خاندان والے یعنی ابن مسعود، علقمہ، ابراہیم اور حماد روایت حدیث میں سخت محتاط و تشدد ہونے کے باعث قلیل الروایت تھے۔⁵

ظاہر ہے کہ مصنف انوار کا یہ دعویٰ ان کے اس دعویٰ کے معارض و مخالف ہے کہ علقمہ ہزاروں احادیث کے راوی ہیں، کیا ہزاروں احادیث کے راوی کو قلیل الروایت کہنا صحیح ہے؟ اس طرح ابن مسعود بھی ساڑھے آٹھ سو احادیث کے راوی ہیں، جس کا مقتضی ہے کہ وہ بھی کثیر الروایت تھے اور حماد بھی کثیر الروایت ہی تھے۔⁶ پھر ان حضرات کو مصنف انوار کا قلیل الروایت کہنا کیا معنی رکھتا ہے، لطف یہ کہ ان سارے حضرات کے وارث امام ابوحنیفہ اپنے ان تمام مورثین کے طریق کے خلاف بدعویٰ مصنف

1 طبقات ابن سعد (۵/۹۵) 2 طبقات ابن سعید (۱/۹۵، ۹۶، قسم اول) و حلیۃ الأولیاء (۲/۱۶۲، ۱۶۳)

3 معرفة علوم الحدیث للحاکم (ص: ۳۲، ۳۳) تذکرۃ الحفاظ (ص: ۴۶، ۴۷) حلیۃ الأولیاء (۲/۱۶۱ تا ۱۷۵) طبقات ابن سعد وغیرہ)

4 مقدمہ انوار (۱/۳۸) 5 مقدمہ انوار (۱/۱۹، ۳۰ وغیرہ) 6 طبقات ابن سعد و میزان الاعتدال.

انوار شدت احتیاط و تورع کے باعث حدیثوں کی تحدیث و روایت نہیں کرتے تھے۔¹

حضرت علقمہ تاکیداً فرماتے تھے کہ ”تذاکروا الحدیث فإن حیاته ذکر.“²

مگر امام ابوحنیفہ کو احادیث کے مذاکرہ سے دلچسپی نہیں تھی، بلکہ انھیں مذاکرہ حدیث کے بجائے غیر واقع شدہ امور سے متعلق فرضی مسائل کو حل کرنے سے دلچسپی تھی، حالانکہ صحابہ اس سے روکتے اور مذاکرہ حدیث کا حکم دیتے تھے، حتیٰ کہ علقمہ و ابن مسعود بھی اس کی تاکید کرتے تھے، مگر امام صاحب ان کے وارث ہونے کے باوجود مذاکرہ حدیث کے بجائے فقہ اصحاب الراء سے اشتغال رکھتے تھے۔ مصنف انوار نے علقمہ کے مسند علم کا جانشین ابراہیم نخعی کو قرار دیا ہے، اب ہم ابراہیم نخعی کے متعلق مفصل گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

ابراہیم نخعی (مولود ۵۰ھ و متوفی ۹۶ھ):

مصنف انوار نے تصریح کی ہے کہ علقمہ کی وفات ۶۲ھ میں اور ابراہیم نخعی کی ولادت ۵۰ھ میں ہوئی اور وفات علقمہ کے بعد نخعی ہی مسند علقمہ کے جانشین ہوئے۔³

مصنف انوار کے اس بیان کے مطابق وفات علقمہ کے وقت نخعی کی عمر بارہ سال تھی اور ناظرین کرام جانتے ہیں کہ کسی بارہ سالہ لڑکے کا درسگاہ علقمہ (یعنی جانشین ابن مسعود) کا جانشین و وارث ہونا ناممکن ہے، مگر مصنف انوار کے نزدیک تحقیقی و علمی خدمت کے نام پر سب کچھ جائز و درست ہے۔

امام ابراہیم نخعی کا سال ولادت:

مشہور و معروف قول اور روایات صحیحہ کے مطابق وفات علقمہ ۶۱، ۶۲ھ میں ہوئی، یہ دونوں قول فضل بن دین ابو نعیم سے منقول ہیں، جو اخبار الناس، تواریخ اور انساب و رجال کے ماہر ترین امام تھے، ابن معین نے کہا ہے کہ وفات علقمہ ۶۲ھ میں ہوئی۔⁴ ابن حبان کا قول ہے کہ ولادت نخعی ۵۰ھ میں ہوئی اور ابن سعد نے کہا:

”أجمعوا علی أنه توفي ۹۶ ھ وهو ابن تسع وأربعین سنة لم يستكمل الخمسین.“

یعنی اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ نخعی کی وفات ۹۶ھ میں بمر ۳۹ سال ہوئی، وہ پچاس تک نہیں پہنچے تھے۔

اور موصوف امام ابراہیم نخعی کے ایک نواسے نے کہا کہ حجاج کے چار پانچ ماہ بعد نخعی کا انتقال ہوا۔⁵ اس اعتبار سے موصوف

کی وفات ابتداءً ۹۶ھ میں اور ولادت ۴۷ھ میں ہوئی۔

دریں صورت وفات علقمہ کے وقت موصوف کی عمر چودہ سال تھی، موصوف کا اس عمر میں بھی درسگاہ علقمہ کا جانشین ہونا

مستبعد ہے، امام اعمش (سلیمان بن مہران استاذ ابی حنیفہ مولود ۵۹، ۶۱ھ) کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شقیق

(متوفی ۸۲ھ) کی زندگی میں نخعی کو کوئی بھی علمی اہمیت حاصل نہیں تھی۔

③ مقدمہ انوار (۱/۳۸، ۳۹)

② حلیۃ الأولیاء (۲/۱۰۱)

⑤ طبقات ابن سعد.

④ تہذیب التہذیب (۸/۲۷۸) و طبقات ابن سعد (۶/۲۶ و غیرہ)

”کنا نأتي شقيقا ونأتي ذا و ذاولا نرى أن عند إبراهيم شيئاً“¹

یعنی ہم حصول علم کے لیے درسگاہ شقیق اور فلاں فلاں کی تعلیم گاہوں میں جاتے تھے اور ابراہیم نخعی کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ یعنی ان کی درسگاہ میں تحصیل علم کے لیے نہیں جاتے تھے۔

اگر نخعی درسگاہ علقمہ کے جانشین وفات علقمہ یعنی ۶۱، ۶۲ھ کے بعد ہی فوراً ہو گئے ہوتے تو ۵۹ھ یا ۶۱ھ میں پیدا ہونے والے امام اعمش اور ان کے اصحاب نخعی کی بابت مذکورہ بالا بات ہرگز نہ کہتے، کیونکہ درسگاہ علقمہ کا جانشین ہرگز اس طرح کا آدمی نہیں ہو سکتا ہے جس کے متعلق اعمش یہ کہنے کی جرأت کرتے کہ ہم سمجھتے تھے کہ ان کے پاس کوئی خاص علم نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ امام اعمش کم از کم گیارہ بارہ سال کی عمر میں پڑھنے کے لیے جانے لگے ہوں گے، یعنی ۷۱، ۷۲ھ کے بعد بھی نخعی کا ایک شہرت یافتہ استاذ کی حیثیت سے طلباء علم میں معروف نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ وفات علقمہ کے بعد یعنی ۶۱، ۶۲ھ کے بعد جانشین علقمہ کی حیثیت سے مشہور نہیں ہوئے تھے۔

عن أبي إسحاق الشيباني قال: خرجت إلى خراسان، وما يذكرك إبراهيم، ورجعت وقد أفتى ومات.²
خود نخعی کا ارشاد ہے:

”عليك بشقيق فياني أدركت الناس وهم متوافرون وأنهم ليعدون من خيارهم.“³

یعنی تم شقیق کی صحبت لازم پکڑو، کیونکہ میں نے اہل علم کو دیکھا کہ وہ انہیں بہترین اساتذہ و شیوخ میں شمار کرتے تھے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جانشین علقمہ کی حیثیت سے نخعی کی کوئی خاص اہمیت اہل علم کے درمیان نہیں تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وفات علقمہ کے فوراً بعد علقمہ کے جانشین کی حیثیت سے نخعی کا مسند علقمہ پر رونق افروز ہونا ناممکنات میں سے ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نخعی کا سال ولادت متعین کرنے میں مصنف انوار نے جمہور اہل علم کے اجماع اور مشہور اور معروف قول سے انحراف کیا ہے، معلوم نہیں کیوں مشہور اقوال کی مخالفت کو مصنف انوار نے اپنا شیوہ و شعار بنا رکھا ہے!؟

تاریخ صغیر للبخاری (ص: ۱۰) اور طبقات ابن سعد (۶/ ۱۹۵) میں ہے کہ حماد نے کہا جاج کے مرنے کی بشارت میں نے نخعی کو دی تو وہ سجدہ شکر میں چلے گئے۔ تذکرۃ الحفاظ مطبوعہ حیدرآباد میں حماد کی یہ روایت بواسطہ ابوحنیفہ بخذف ذکر حماد کاتب کی غلطی سے نقل ہو گئی ہے، اس کی اصلاح ضروری ہے ورنہ غلطی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہے۔

کیا نخعی چند صحابہ کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے؟

مصنف انوار مدعی ہیں کہ ابراہیم نخعی چند صحابہ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے۔⁴ اس سلسلے میں ایک بات ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ امام ابن المدینی نے فرمایا:

”لم يلق النخعي أحدا من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم.“⁵

1 ابن سعد (۶/ ۱۸۹) 2 فسوي (۲/ ۶۴۰) 3 تهذيب التهذيب (۴/ ۳۶۲)

4 مقدمه انوار (۱/ ۳۸) 5 تهذيب التهذيب (۱/ ۷۸)

یعنی ابراہیم نخعی کسی ایک صحابی سے بھی نہیں مل سکے۔

نیز موصوف امام ابن المدینی نے کہا کہ عائشہ سے ابراہیم کے لقا کی بات ابو معشر نے کہی جو ضعیف ہیں، معلوم ہوا کہ عائشہ و دیگر صحابہ سے لقاء ابراہیم کا دعویٰ غیر صحیح ہے، البتہ یہ صحیح ہے کہ نخعی نے دو ایک صحابی کو دیکھا ضرور ہے، حافظ ابن حجر نے نخعی کو طبقہ خامسہ میں شمار کیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ موصوف صرف دو ایک صحابی کو دیکھ سکے ہیں کسی سے ملاقات و روایت نہیں کر سکے۔ اور ناظرین جانتے ہیں کہ دیکھنے اور ملاقات و روایت کرنے میں فرق عظیم ہے، الحاصل بلا شک نخعی سے کسی بھی صحابی سے مروی کوئی روایت معتبر نہیں۔

مصنف انوار نے کہا:

”نخعی فن حدیث کے امام ہیں انھیں اس طرح کمال و تبحر حاصل تھا کہ ”صیر فی الحدیث“ کے خطاب سے مشہور تھے۔“

ہم کہتے ہیں کہ نخعی بلا شک ائمہ حدیث میں سے باکمال و تبحر تھے مگر ان کے ”صیر فی الحدیث“ ہونے کی بات اعمش استاذ ابی حنیفہ سے مروی ہے اور انھیں سے یہ بھی مروی ہے:

”کننا نأتي شقيقا ونأتي ذا و ذاولا نرى أن عند إبراهيم شيئاً“¹

یعنی ہم تحقیق مسائل کے لیے امام شقیق وغیرہ کے پاس جاتے تھے، مگر یہ سمجھتے تھے کہ ابراہیم کے پاس کوئی علم نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شقیق کی بہ نسبت نخعی کو علمی شہرت حاصل نہیں تھی اور یہ بھی معلوم ہے کہ حماد طریق نخعی پر قائم نہیں رہ گئے تھے اور حماد ہی کے توسط سے حنفی مذہب کو میراث نخعی کہا جاتا ہے، لہذا نخعی کی فضیلت و مدح کے ذریعہ حنفی مذہب کی فضیلت و مدح و عظمت ثابت نہیں ہو سکتی۔

مصنف انوار نے کہا ہے کہ ”نخعی کے علمی عظمت و جلال کا رعب سلاطین جیسا تھا۔“² الخ

ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نخعی کا رعب سلاطین جیسا تھا۔³ اور اس وجہ سے ان کے منع کر دینے کے سبب مرجیہ اور دیگر بدعتی فرقے کے لوگ نخعی کی درسگاہ و خدمت میں حاضری دینے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے، البتہ ان کی وفات کے بعد حماد کو بھی مرجی بننے کی ہمت ہو گئی، حتیٰ کہ مصنف انوار کی متدل روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ وغیرہ نے چالیس ہزار درہم دے کر انھیں مرجی جماعت کا سرپرست و سردار بھی بنا لیا۔

مصنف انوار نے کہا ہے کہ ”نخعی شہرت سے بہت بچتے تھے، درس میں بھی ممتاز جگہ نہ بیٹھتے تھے۔“

ہم کہتے ہیں کہ اہل علم و فضل کی یہی شان ہوتی ہے، مگر کتب احناف میں مذکور ہے کہ امام ابو یوسف وغیرہ جیسے فقہاء احناف باکمال ہونے سے پہلے ہی ریاست و سیادت کی تلاش میں اپنے اساتذہ کو چھوڑ کر علیحدہ درس گاہ قائم کر کے مدرس بن گئے، بلکہ دیگر یہ حضرات طالب شہرت ہوئے اور بعد میں انھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور حماد کوفہ کے بچوں کے بچوں کو بھی

① ابن سعد (۱۸۹/۶)

② مقدمہ انوار (۳۹/۱)

③ فسوی (۶۰۴/۲) و طبقات ابن سعد (۱۷۲/۶) و الجامع الخلاق الراوی (۳۱/۱)

امام ابوحنیفہ کے اساتذہ سے فائق سمجھتے تھے، پھر تو وہ اپنے کو اساتذہ ابی حنیفہ سے کہیں زیادہ بلند و بالا سمجھتے ہوں گے، گویا حماد اور فقہاء احناف اس معاملے میں بھی امام نخعی کے طریق پر نہیں تھے۔

مصنف انوار نے خلاصۃ التذہیب کے حاشیہ سے بحوالہ ابن شعیب نقل کیا:

”بصرہ، کوفہ، حجاز اور شام میں ابراہیم سے زیادہ کوئی عالم نہیں تھا، ابن سیرین و حسن بصری بھی علم میں ان سے زیادہ نہ تھے۔“^①

ہم کہتے ہیں کہ نخعی ایک بڑے عالم ضرور تھے، مگر ابن شعیب (ابوبکر عبداللہ بن شعیب) کی روایت غیر صحیح ہے، کیونکہ ابن شعیب ضعیف و غیر معتبر راوی ہیں۔ نیز اسی سند میں محمد بن عثمان، ابن ابی شیبہ بھی ہیں، ان کو استاذ مصنف انوار کوثری نے ساقط الاعتبار کہا ہے۔^②

حالانکہ موصوف ثقہ ہیں (التکلیل) نیز اس روایت میں کہا گیا ہے کہ ابراہیم کا انتقال زمانہ حجاج میں یعنی رمضان ۹۵ھ سے پہلے ہوا، حالانکہ یہ بات خلاف تحقیق ہے، خود امام ابوحنیفہ نے کہا کہ حماد نے ابراہیم کو موت حجاج کی خبر دی تھی اور وہ سجدہ شکر میں خوشی سے گر گئے تھے، معلوم ہوا کہ ابن شعیب کا قول روایتاً و درایتاً غیر صحیح ہے اور ناظرین کو معلوم ہے کہ اعمش نے کہا کہ ”ولا نری أن عند ابراہیم شیئاً“، یعنی ہم نخعی کو علمی اعتبار سے کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ دریں صورت نخعی کو حجاز و کوفہ و شام کا مطلقاً سب سے بڑا عالم قرار دینا حتیٰ کہ ابن سیرین و حسن بصری سے بھی صرف اس اعتبار سے صحیح کہا جاسکتا ہے کہ اس قول کے قائل کے نزدیک وہ اسی قسم کے عالم تھے۔ اس قسم کے اقوال عموماً بالکل اعتباری ہوتے ہیں، کسی کے اعتبار سے کوئی زیادہ عالم ہوتا ہے اور کسی دوسرے کے اعتبار سے کوئی اور، بہر حال نخعی کا علم و فضل مسلم ہے، البتہ از روئے تحقیق امام ابن سیرین و حسن بصری کا علم و فضل نخعی سے کہیں بلند و بالا ہے، اس کا اندازہ ان حضرات کے تراجم کو کتب رجال میں دیکھ کر کیا جاسکتا ہے۔

مصنف انور نے کہا:

”نخعی کے انتقال پر علامہ شعمی نے کہا: انھوں نے اپنے بعد کسی کو اپنے سے زیادہ عالم نہیں چھوڑا، کوفہ میں بجمہ

افتاء ممتاز تھے اور حضرت علقمہ کے افضل ترین شاگرد تھے، ان کی جگہ بھی مسند علم پر بیٹھے۔“

ہم کہتے ہیں کہ بدعویٰ مصنف انوار وفات علقمہ کے وقت نخعی کی عمر بارہ سال تھی، پھر وہ کس طرح علقمہ کے بعد ان کے مسند درس پر بیٹھے؟ البتہ شعمی کی جو یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ نخعی نے کسی کو اپنے سے بڑا عالم نہیں چھوڑا تو شعمی کی طرف اس قول کی نسبت صحیح ماننے کی صورت میں عرض ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نخعی شعمی سے بھی بڑے عالم تھے، کیونکہ اس قسم کی باتیں بعض اعتبار سے کہی جاتی ہیں اور شعمی متواضع بھی بہت تھے۔ امام نخعی اس اعتبار سے اپنے معاصرین میں ضرور فائق تھے کہ وہ بدعتی لوگوں خصوصاً مرجیہ پر دوسروں کی بہ نسبت بہت زیادہ سخت گیر تھے اور ان کے شاہانہ رعب و جلال کی بدولت مرجیہ کو ان کی زندگی میں سر اٹھانے کا موقعہ نہیں مل سکا تھا، ان کی وفات کے بعد مرجیہ اتنے جری ہو گئے کہ حماد جیسے لوگوں کو

① مقدمہ انور (۱/۳۹) ② حلیۃ الأولیاء (۴/۲۲۰) و میزان الاعتدال (۳/۳۴۶، ۳۴۸)

③ تآنیب (ص: ۱۴۷ و ۱۶۸)

بھی انھوں نے مصنف انوار کی مستدل روایت کے مطابق چالیس ہزار درہم کے بدلے مرجی بنا لیا۔
مصنف انوار نے شععی کے بارے میں خود فرمایا ہے:

”عاصم کہتے ہیں کہ کوفہ، بصرہ، حجاز (روایت میں تمام آفاق کا بھی ذکر ہے) میں شععی سے زیادہ کوئی عالم نہ تھا۔ خود شععی فرماتے تھے کہ میں نے بیس سال سے کوئی روایت کسی محدث سے ایسی نہیں سنی جو مجھے نہ معلوم ہو۔ ابن عمر نے کہا کہ شععی مجھ سے اور تمام محدثین سے بھی زیادہ علم مغازی جانتے ہیں۔ ان کے درس میں صحابہ بھی شریک ہوتے تھے۔ ابو مجلز نے کہا کہ شععی ابن المسیب، عطاء، حسن بصری، ابن سیرین سے بھی زیادہ فقیہ تھے، ابن عیینہ و ابواسحاق نے کہا شععی اپنے زمانہ میں بے مثل و بے نظیر تھے۔“¹

مصنف انوار کے مندرجہ بالا بیان میں مذکورہ بعض روایات غیر معتبر ہیں جن کی تفصیل آرہی ہے، مگر اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ شععی نخعی وغیرہ سے زیادہ صاحب علم و فضل تھے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی تمام چیزیں مختلف اشخاص کے اپنے خیال و اعتبار کے مطابق ہوتی ہیں، البتہ اس میں شک نہیں کہ تحقیقی موازنہ سے نخعی کے مقابلہ میں شععی کا مقام و مرتبہ کہیں بلند و برتر ہے۔ امام ابوحنیفہ کے استاذ اعمش کا بیان ہے کہ نخعی رات میں امام شععی سے پڑھتے تھے اور دن میں مسند درس و افتاء پر بیٹھ کر دوسروں کو پڑھاتے تھے۔²

معلوم ہوا کہ امام نخعی استاذ و مدرس بن جانے کے بعد بھی امام شععی کی خدمت میں برائے استفادہ حاضری دیا کرتے تھے اور ان کی درسگاہ میں رات کو رہ کر دن کے وقت پڑھانے کی تیاری کرتے تھے، بایں ہمہ امام شععی ازراہ تواضع و انکساری کہا کرتے تھے کہ ”ہم فقیہ و عالم نہیں ہیں۔“³

صلت بن بہرام نے کہا کہ میں نے شععی سے زیادہ کسی کو ”لا أدري“ کہتے نہیں سنا۔ نخعی پر شععی کی علمی برتری اس طرح ظاہر ہے کہ شععی اکابر صحابہ میں سے حضرت عائشہ، ابو ہریرہ، فاطمہ بنت قیس، مغیرہ بن شعبہ، ابن عباس، ابن عمر، عدی بن حاتم وغیرہ کے تربیت یافتہ شاگرد تھے۔ انھیں خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز نے منصب قضاء بھی تفویض کیا تھا۔ (کتب رجال) جبکہ نخعی کسی بھی صحابی سے مستفید نہیں ہو سکے، ان کی بہت بڑی فضیلت یہی ہے کہ انھوں نے دو ایک صحابی کو آنکھوں سے دیکھ لیا تھا، نخعی کو بعض اہل علم نے مدس قرار دیا ہے۔⁴

دریں صورت ہر شخص سوچ سکتا ہے کہ نخعی و شععی میں علمی اعتبار سے کون بلند ہے اور ابن سیرین و حسن بصری کا مقام و مرتبہ بھی نخعی سے کہیں بلند ہے۔
مصنف انوار نے کہا ہے:

”تہذیب التہذیب میں ابوالمثنیٰ سے نقل ہے کہ علقمہ ابن مسعود کے فضل و کمال اور اعمال کا نمونہ ہیں اور ابراہیم تمام علوم میں علقمہ کا نمونہ ہیں۔“⁵

2 تذکرۃ الحفاظ (۱/ ۷۴ ترجمۃ شععی)

1 مقدمہ انوار (۱/ ۳۹)

4 طبقات المدلسین لابن حجر: المرتبۃ الثانیۃ (ص: ۸)

3 تذکرۃ الحفاظ و حلیۃ الأولیاء: ترجمۃ شععی.

5 مقدمہ انوار (۱/ ۳۹)

ہم کہتے ہیں کہ ابراہیم اگرچہ علقمہ کے اور علقمہ ابن مسعود کے نمونہ تھے، مگر حماد نے ابراہیم و علقمہ و ابن مسعود کے طور و طریق کو چھوڑ کر مرجی مذہب اختیار کر لیا تھا، اس لیے وہ بہر حال ابراہیم کے نمونہ نہیں تھے اور مدح ابراہیم کے ذریعہ مذہب حنفی کی فضیلت ثابت ہونا مشکل امر ہے۔

امام صاحب کے شاگردِ امام ابراہیم نخعی ہونے پر بحث:

مصنف انوار نے کہا ہے:

”وفات نخعی کے وقت امام ابوحنیفہ کی عمر چھبیس سال تھی اور یہ کہ ابوحنیفہ نے امام نخعی سے بھی روایت کی ہے۔“¹

مصنف انوار کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ ۷۰ھ میں پیدا ہوئے، جس کی حقیقت ہم واضح کر کے بتلا آئے ہیں کہ امام صاحب ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور وفات نخعی کے وقت ان کی عمر سولہ سال تھی، اس لیے بلحاظ عمر وہ درس گاہ نخعی میں ضرور پڑھ سکتے تھے، مگر مصنف انوار ہی کا دعویٰ ہے کہ امام شافعی ۱۵۰ھ میں پیدا ہونے کے باوجود ۱۸۱ھ میں فوت ہونے والے ابو یوسف سے ملاقات نہیں کر سکے تھے، حالانکہ اس وقت امام شافعی کی عمر تیس سال سے زیادہ تھی، مگر مصنف انوار کا کہنا ہے کہ دونوں میں ملاقات کا چونکہ ثبوت نہیں اس لیے ملاقات ثابت نہیں۔ مصنف انوار کی اس بات کے مطابق وفات ابراہیم کے وقت سولہ سال کی عمر والے امام ابوحنیفہ کی ملاقات ابراہیم نخعی سے اسی وقت معتبر و صحیح مانی جاسکتی ہے جبکہ اس کا کوئی معتبر ثبوت ہو، مگر دونوں کے مابین ملاقات کا کوئی بھی معتبر ثبوت نہیں، البتہ ملاقات نہ ہونے پر قرآن واضح موجود ہیں، وہ یہ کہ ۹۰ھ میں پیدا ہونے والے امام حمزہ بن مغیرہ (متوفی ۱۸۰ھ) کا بیان ہے کہ رمضان کے مہینہ میں امام ابوحنیفہ اپنی والدہ کے ساتھ عمر بن زری کی مسجد میں نماز تراویح پڑھنے کے لیے آیا کرتے تھے، حالانکہ امام صاحب کا گھر عمر بن زری کی قیام گاہ سے بہت ہی زیادہ دور تھا۔²

اور یہ معلوم ہے کہ عمر بن زری مرجی مذہب کے پیشوا و امام تھے اور امام نخعی مرجیہ سے سلام و کلام کے بھی روادار نہ تھے، نہ ان سے ملنا جلنا جائز سمجھتے تھے اور اپنے تلامذہ و متعلقین کو بھی ان سے دور رہنے کا حکم دیتے تھے، اس کے باوجود امام صاحب کا اپنی والدہ کے ساتھ دور دراز کا سفر کر کے عمر بن زری جیسے امام المرجیہ کے یہاں جا کر نماز تراویح پڑھنا اس امر کی صریح دلیل ہے کہ امام صاحب اپنی والدہ کی متابعت میں عمر بن زری سے گہری عقیدت و ربط رکھتے تھے، صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب عمر بن زری سے اتنا گہرا تعلق و ربط رکھنے کی صورت میں امام نخعی سے کسی قسم کا تعلق و ربط نہیں رکھ سکتے تھے، یہ بھی ظاہر ہے کہ وفات نخعی کے وقت عمر امام صاحب کی سولہ سال کے لگ بھگ تھی اور اس وقت تک آدمی عموماً اپنے والدین کے زیر اثر رہتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ والدہ امام صاحب جن ائمہ مرجیہ کی معتقد تھیں، وہ بارگاہ نخعی سے نکال باہر کیے گئے تھے۔ دریں صورت وہ اپنے بیٹے کو کیونکر درس گاہ نخعی میں جا کر پڑھنے کی اجازت دے سکتی تھیں اور امام صاحب جیسا مطیع والدین، والدہ کی مرضی کے خلاف کیونکر درس گاہ نخعی میں پڑھنے جاسکتا تھا؟ الحاصل نخعی سے امام صاحب کا رشتہ تلمذ مستبعد ہے۔

② الانتقاء (ص: ۱۳۹، بسند صحیح)

① مقدمہ انوار (۱/۳۹)

اہل کوفہ میں تحصیل علم حدیث شروع کرنے کی عمر:

نیز کوفہ کے علمی گھرانوں کا رواج عام تھا کہ جب لڑکے بیس سال کے ہوتے تھے تو انھیں حدیث کی درسگاہوں میں حصول علم کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ ابراہیم نخعی کی درسگاہ درسگاہ حدیث ہی تھی اور کسی کوئی کوفہ کے اس رواج عام کے خلاف کم عمری میں حدیث کا طالب علم جب ہی مانا جاسکتا ہے کہ اس پر دلیل موجود ہو اور اس امر کی کوئی دلیل نہیں کہ امام ابوحنیفہ بیس سال کی عمر سے پہلے علم حدیث حاصل کرنے کے لیے کسی درسگاہ حدیث میں داخل ہوئے بلکہ قرآن و شواہد اس کے خلاف ہی ہیں۔ بہر حال اگر امام صاحب بیس سال کی عمر میں علم حدیث حاصل کرنے کے لیے کمر بستہ ہوئے ہوں، یعنی ۱۰۰ھ میں تو ظاہر ہے کہ اس وقت نخعی کو انتقال کیے ہوئے تقریباً پانچ سال ہو چکے تھے، امام نخعی سے ان کے تلمذ کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ موسیٰ بن ہارون نے کہا:

”أهل البصرة يكتبون لعشر سنين وأهل الكوفة لعشرين وأهل الشام لثلاثين.“¹

”اہل بصرہ دس سال کی عمر میں حدیث لکھنے پڑھنے لگتے ہیں اور اہل کوفہ بیس سال کی عمر میں اور اہل شام تیس سال کی عمر میں۔“

موسیٰ بن اسحاق سے پوچھا گیا کہ آپ نے امام ابو نعیم سے روایت حدیث کیوں نہیں کی؟ تو انھوں نے جواب دیا:

”كان أهل الكوفة لا يخرجون أولادهم في طلب الحديث صغاراً حتى يستكملوا عشرين سنة.“²

یعنی اہل کوفہ بیس سال مکمل ہوئے بغیر لڑکوں کو تحصیل حدیث کے لیے نہیں بھیجتے تھے۔

امام سفیان ثوری رضی اللہ عنہ سے بھی یہ قول منقول ہے۔³

امام کعب کے بارے میں کہا گیا کہ انھوں نے کم عمری میں تحصیل علم شروع کر دیا حالانکہ وہ اٹھارہ سال کی عمر میں پڑھ رہے تھے۔⁴ مصنف انوار کی مستدل روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب ۱۰۲ھ تک علم کلام کی تحصیل اور تعلیم و تعلم میں اس طرح مشغول تھے کہ فقہ کا معمولی مسئلہ بھی نہیں جانتے تھے۔ اس کے بعد موصوف علم فقہ کی طرف اور فقہ کے بعد علم حدیث پڑھنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا مطلب ہوا کہ مصنف انوار کی مستدل روایات کے مطابق امام صاحب اپنی عمر کے بیس سال کے عرصہ بعد یعنی ۱۰۲ھ یا اس کے بعد تحصیل علم کے لیے حدیث کی درسگاہوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت امام نخعی کو انتقال کیے کئی سال بیت چکے تھے، اور یہ معلوم ہے کہ نخعی درس حدیث ہی دیا کرتے تھے، علم کلام یا فقہ اہل الرائے یا مسئلہ ارجاء کا درس نہیں دیتے تھے اور یہ بھی معلوم ہے کہ احناف کے دعویٰ کے مطابق امام صاحب نے ابتدا میں علم کلام حاصل کیا، اس میں ماہر بنے اور مناظرہ میں شہرت یافتہ شخصیت کے حامل بنے، اس کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے اور مصنف انوار کی مستدل روایت کے مطابق انھوں نے وفات نخعی کے بعد جانشین نخعی یعنی حماد کو چالیس ہزار روپیہ دے کر مرجی مذہب کا سرپرست بنایا، پھر کب اور کیسے امام نخعی سے پڑھ کر ان کے شاگرد بنے؟

① الكفاية للخطيب (ص: ۵۵) و تدریب الراوي (ص: ۲۳۷، ۲۳۸)

② الكفاية (ص: ۵۴)

④ الكفاية (ص: ۵۴)

③ الكفاية (ص: ۵۴، ۵۵)

ہم دیکھتے ہیں کہ کسی ایسے شیخ الحدیث و الفقه سے امام صاحب کے تلمذ کا تذکرہ کتب رجال میں قابل وثوق ذریعہ سے نہیں ملتا جن کا انتقال ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ سے پہلے ہوا ہو۔ امام صاحب کے اکبرترین شیخ و استاذ امام شمعوی و عطاء کہے جاتے ہیں، مگر شمعوی بدعویٰ مصنف انوار ۱۰۳ھ میں اور بقول راجح اس کے بعد فوت ہوئے^①۔ امام عطاء ۱۱۵ھ میں فوت ہوئے، منتقدین کے یہاں اسناد عالی کی بڑی اہمیت تھی، اس کا اعتراف مصنف انوار کو بھی ہے^②۔ مگر امام صاحب کے شیوخ کی فہرست میں کسی ایسے استاد کا نہ ملنا جو ۱۰۳ھ سے پہلے فوت ہوا ہو، اس امر کا قرینہ ہے کہ امام صاحب تحصیل علوم کی طرف ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ کے پہلے متوجہ نہیں ہوئے، مثلاً ۱۰۲ھ میں امام ابوالتوکل علی بن داود کا انتقال ہوا۔^③

یہ کوفہ ہی کے استاذ حدیث تھے اور بہت مشہور و معروف تھے، امام ابوحنیفہ کے بہت سے اساتذہ کے استاذ و شیخ تھے، اگر امام صاحب کی توجہ ان کی زندگی میں تحصیل علم حدیث و فقہ کی طرف ہوئی ہوتی تو ان کی خدمت میں وہ ضرور پہنچتے۔ اسی طرح بقول مشہور امام ضحاک بن مزاحم کا انتقال بھی ۱۰۲ھ میں ہوا یہ بہت بڑے فقیہ اور استاذ ہیں مگر ان سے بھی امام صاحب کا تلمذ ثابت نہیں، بعض اہل علم نے امام ضحاک کے سال انتقال ۱۰۵ھ یا ۱۰۶ھ بھی بتلایا ہے، خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز ۱۰۱ھ میں فوت ہوئے، حدیث و فقہ میں عظیم المرتبت امام اور بڑے بڑے محدثین و فقہاء کے استاذ ہیں، عرصہ تک مدینہ منورہ کے گورنر رہے، ان سے بھی امام صاحب کا لقا و سماع نہیں۔ پھر ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں فوت ہو جانے والے امام نخعی سے امام صاحب کے لقا و سماع کا دعویٰ مصنف انوار نے آخر کس دلیل کی بنیاد پر کیا ہے، اس دعویٰ کی دلیل اور ماخذ کا آخر موصوف نے کیوں ذکر نہیں کیا جبکہ وہ امام بخاری تک پر معترض ہیں کہ انھوں نے بلا ماخذ بتلائے اپنی بات لکھ دی ہے؟ حالانکہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ امام بخاری پر مصنف انوار کا یہ اعتراض بالکل ہی بے جا ہے۔

۹۵ھ یا ۹۶ھ میں فوت ہو جانے والے امام نخعی سے امام صاحب کے لقا و سماع کے دعویٰ ہی پر مصنف انوار نے اکتفا نہیں کیا بلکہ خانہ ساز روایات کو دلیل بنا کر ۹۱ھ یا ۹۲ھ میں فوت ہونے والے حضرت انس اور ۸۶ھ میں فوت ہونے والے حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء سے بھی سماع و لقا کا دعویٰ کیا ہے، حالانکہ جس طرح کی خود ساختہ و مکذوبہ روایات کی بنیاد پر موصوف نے یہ دعویٰ کیا ہے اسی طرح کی مکذوبہ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کا ۵۴ھ میں فوت ہو جانے والے حضرت عبداللہ بن انیس سے بھی لقا و سماع ہے مگر مصنف انوار نے نہ جانے کیوں اس طرح کی روایات کو دلیل بنا کر یہ دعویٰ نہیں کیا کہ امام صاحب ۵۴ھ سے بھی پہلے پیدا ہو گئے تھے، اس لیے وفات نخعی کے وقت ان کی عمر چالیس سال سے بھی زیادہ تھی۔ مصنف انوار ازراہ دیانت داری فرمائیں کہ مکذوبہ باتوں کو دلیل بنا کر یہ دعویٰ کرنا کیونکر دینی و علمی خدمت ہے کہ ”امام صاحب وفات نخعی کے وقت چھبیس سال کے تھے اور انھوں نے امام نخعی سے روایت کی۔“ مگر یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں کہ امام صاحب حضرت عبداللہ بن انیس کی وفات سے بھی پہلے پیدا ہوئے، اس لیے ان کی عمر وفات نخعی کے وقت چالیس سال سے متجاوز تھی؟ نیز موصوف یہ بھی بتلائیں کہ آپ کے دعویٰ مذکورہ کے صحیح ہونے پر وہ کون سی معتبر دلیل قائم ہے جس کی وجہ سے اسے اس گروہ کے پھیلائے ہوئے اکاذیب میں نہیں شمار کیا جاسکتا، جو آپ ہی کے دعویٰ کے مطابق سفید کو سیاہ کر دکھانے کے

① تفصیل کے لیے تہذیب التہذیب ملاحظہ ہو۔ ② ملاحظہ ہو: تذکرہ ابی یوسف۔ ③ العبر للذہبی (۱/ ۱۲۴)

لیے جھوٹ کو کار خیر و ثواب سمجھ کر مسلمانوں میں پھیلاتا رہا ہے؟^①

مصنف انوار نے ایک روایت اس طرح نقل کی ہے:

”محمد بن فضیل بلخی نے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ نے بیان کیا کہ میں خلیفہ منصور کے پاس گیا تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے علم کس سے حاصل کیا؟ میں نے کہا حماد سے اور حماد نے ابراہیم نخعی سے، انہوں نے حضرت عمر بن خطاب، حضرت علی بن ابی طالب، عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس سے، منصور نے سن کر کہا خوب خوب، ابوحنیفہ تم نے بہت مضبوط علم حاصل کیا، وہ سب طہین و طاہرین تھے۔“^②

ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا روایت کو بھی مصنف انوار نے صحیح و معتبر قرار دے کر نقل کیا ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ خلیفہ منصور کے دریافت کرنے پر امام صاحب نے بتلایا کہ میں نے بواسطہ حماد امام نخعی کے علوم حاصل کیے اور امام نخعی نے یہ علوم صحابہ مذکورین سے حاصل کیے، یعنی کہ مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی اس روایت میں اس بات کا اشارہ بھی نہیں کہ امام صاحب نے منصور کو یہ بتلایا کہ میں نے امام نخعی سے براہ راست روایت کی ہے بلکہ اس روایت میں امام صاحب رضی اللہ عنہ کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ میں نے علوم نخعی حماد کے ذریعہ حاصل کیے، حالانکہ یہ موقع ایسا تھا کہ اگر امام صاحب نے امام نخعی سے روایت کی ہوتی تو منصور کے سامنے وہ اس کا اظہار ضرور کرتے تاکہ موصوف کے عالی السند ہونے کے ساتھ یہ بھی ظاہر ہو جاتا کہ وہ امام نخعی جیسے عظیم المرتبت امام کے شاگرد ہیں۔ مصنف انوار ذرا ازراہ دیانت داری بتلائیں کہ ان کی دلیل بنائی ہوئی اس روایت میں یہ کیوں نہیں ظاہر کیا گیا کہ امام صاحب نے امام نخعی سے تحصیل علم کیا بلکہ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ امام صاحب نے حماد سے امام نخعی کے وہ علوم سیکھے جو انہوں نے صحابہ مذکورین سے حاصل کر رکھے تھے؟

ناظرین کرام سمجھتے ہوں گے کہ انوار الباری میں صرف صحیح و معتبر باتیں لکھنے کا بھاری بھارے دعویٰ کرنے والے مصنف انوار کی لکھی ہوئی مذکورہ بالا روایت فی الواقع صحیح اور معتبر ہوگی، مگر موصوف کی دیانت داری ظاہر کرنے کے لیے عرض ہے کہ روایت مذکورہ کی سند میں ابو مطیع بلخی ہے۔^③ اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ یہ شخص کذاب اور وضاع ہے، نیز اس کی سند میں دوسری علل قاذبہ بھی موجود ہیں۔

نیز جس طرح مصنف انوار نے یہ خانہ ساز دعویٰ کر رکھا ہے کہ امام صاحب امام نخعی کے شاگرد ہیں، اسی طرح موصوف کی دلیل بنائی ہوئی اس روایت میں بھی یہ جھوٹا دعویٰ کیا گیا ہے کہ امام نخعی نے صحابہ مذکورین سے تحصیل علم کیا ہے، حالانکہ امام نخعی حضرت عمر بن خطاب، علی بن طالب اور ابن مسعود کی وفات کے زمانہ بعد پیدا ہوئے اور کسی صحابی سے تحصیل علم نہیں کر سکے، جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے۔

ناظرین کرام سوچیں کہ جب مصنف انوار ایسی روایت کو صحیح و معتبر قرار دے کر دلیل بنائے ہوئے ہیں جس میں کھلا ہوا

جھوٹا دعویٰ موجود ہے تو وہ اپنے منصوبہ بند مقاصد حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کر سکتے!؟

② مقدمہ انوار (۱۰۳/۱)

① مقدمہ انوار (۱۲۳/۱، ۱۲۴)

③ خطیب (۱۳/۳۳۴) و موفق و کردری وغیرہ.

شرح مسند ابی حنیفہ ملا علی قاری کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں ایک عجیب سی عبارت موجود ہے:

”إبراهيم النخعي قد عد من مشائخ الإمام، قال الكردي: سمع إبراهيم النخعي، وكان أعلم الناس برأيه، مات سنة ١٢٠ هـ.“^①

یعنی امام نخعی کو اساتذہ امام صاحب میں شمار کیا گیا ہے، کردری نے کہا کہ امام صاحب نے امام نخعی سے سماع کیا اور وہ ان کی ”رائے“ کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے تھے اور وہ ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس عبارت میں یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ امام صاحب امام نخعی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، کردری کے حوالہ سے کہا گیا ہے کہ امام صاحب نے امام نخعی سے حدیث سنی اور ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے، ہر صاحب نظر با سانی سمجھ سکتا ہے کہ عبارت مذکورہ میں حذف و تحریف واقع ہوئی ہے اور اس میں بڑی عجیب بات یہ ظاہر کی گئی ہے کہ امام صاحب ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے، حالانکہ یہ بدیہی طور پر غلط ہے، کیونکہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام صاحب ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے یہاں بذریعہ تاویل یہ کہنا بھی ممکن نہیں کہ ۱۲۰ھ کو امام نخعی کا سال وفات بتلایا گیا ہے، کیونکہ یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ امام نخعی کا انتقال ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں ہوا اور جس کردری کے حوالہ سے عبارت مذکورہ لکھی گئی ہے، اس میں یہ بات اس طرح ہے:

”حماد بن أبي سليمان الأشعري تابعي، سمع إبراهيم النخعي رحمه الله، أعلم الناس برأيه مات سنة ١٢٠ هـ.“^②

یعنی حماد بن ابی سلیمان اشعری تابعی ہیں، انھوں نے ابراہیم نخعی سے حدیث سنی اور یہ امام نخعی کی ”رائے“ کے سب سے زیادہ واقف کار تھے، ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے تھے۔

اس عبارت میں واضح طور پر حماد کو شاگرد نخعی کہہ کر بتلایا گیا ہے کہ وہ ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے اور امام ابن سعد نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ حماد ۱۲۰ھ میں فوت ہوئے، البتہ ابن سعد کے بعد امام بخاری اور ابن حبان نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ وہ ۱۱۹ھ میں فوت ہوئے۔^③

اس سے معلوم ہوا کہ ملا علی قاری والی عبارت میں حذف و تحریف واقع ہوئی ہے اور اسی طرح کی باتوں، نیز اپنی خانہ ساز باتوں کو ایجاد کر کے مصنف انوار طرح طرح کے عجیب و غریب دعادی کرنے کے عادی ہیں اور اپنی اس کارستانی کو خالص علمی و دینی خدمات کہتے پھرتے ہیں!

عبارت مذکورہ میں حذف و تحریف واقع ہونے پر ایک دوسری دلیل یہ ہے کہ ملا علی قاری نے جس حدیث کی شرح کے تحت مذکورہ بالا عبارت لکھی ہے، وہ حدیث امام صاحب نے جامع المسانید میں مذکور شدہ تخریج کے مطابق بواسطہ حماد امام نخعی سے روایت کی ہے۔^④

حاصل یہ کہ تحریف و حذف کے سبب ملا علی قاری والی عبارت سے کج فہم لوگ یہ مطلب نکالنے کی کوشش کر سکتے ہیں کہ امام صاحب شاگرد نخعی تھے، حالانکہ یہ عبارت اپنے محرف ہونے پر بذات خود دلالت کرتی ہے۔

① شرح مسند أبي حنيفة لملا علي قاري (ص: ۸) ② کردري (۲/۷۵)

③ تہذیب التہذیب. ④ جامع المسانید (۲/۱۹۷، بحوالہ کتاب الآثار لمحمد بن حسن)

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ وفات نخعی کے وقت امام صاحب کی عمر لگ بھگ سولہ سال تھی، اس لیے بلحاظ عمر وہ امام نخعی سے استفادہ کر سکتے تھے، مگر ثبوت استفادہ نہ ہونے کے سبب دعویٰ استفادہ صحیح نہیں ہے، خصوصاً ہمارے ذکر کردہ ان قرآن کی موجودگی میں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں کے مابین رشتہ تلمذ مستبعد ہے۔ خاص طور پر اس لیے کہ مصنف انوار کی معتمد علیہ کتابوں کی متعدد روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ ۱۰۲ھ تک امام صاحب مسلک اہل کلام کے پیروکار رہے، پھر اس سے تائب ہو کر تحصیل علم فقہ کی طرف متوجہ ہوئے، کیونکہ یہ معلوم و معروف حقیقت ہے کہ امام نخعی اہل کلام کے حریف و مخالف تھے اور وفات نخعی کے زمانہ بعد تک بھی امام صاحب مسلک اہل کلام کے پیرو ہونے کے سبب امام نخعی کو اپنا حریف و مخالف سمجھتے تھے۔ دریں صورت یہ بات بہت مستبعد ہے کہ امام صاحب امام نخعی سے رشتہ تلمذ قائم کرتے، کیونکہ امام نخعی اہل کلام اور مرجیہ سے سلام و کلام تک کے روادار نہ تھے۔ (کما سیأتی)

مصنف انوار کو ایک بات پوری کیے بغیر دوسری شروع کر دینے کی عادت ہے، پھر دوسری کو ادھوری چھوڑ کر تیسری بات چھیڑ دینے کا بھی ذوق ہے، یہاں بھی انھوں نے یہی کیا کہ ذکر نخعی کو ادھورا چھوڑ کر تذکرہ حماد چھیڑ دیا، پھر اسے پورا کیے بغیر دوسرے اساتذہ امام صاحب کے ذکر میں لگ گئے، اس وقت ہم بھی مصنف انوار کے ادھورے تذکرہ حماد پر تبصرہ کو آئندہ صفحات کے لیے مؤخر کرتے ہوئے دوسرے اساتذہ امام صاحب کے سلسلے میں موصوف کی پیش کردہ باتوں کا جائزہ لے رہے ہیں۔

امام عامر بن شراحیل (علامة التابعین):

امام نخعی و حماد کے ادھورے تذکروں کو چھوڑ کر مصنف انوار نے امام عامر بن شراحیل شععی کا ذکر شروع کرتے ہوئے پہلے امام شععی کے بعض فضائل بیان کیے، پھر فرمایا:

”سب سے پہلے علامہ شععی ہی نے امام صاحب کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اندازہ کر کے ان کو علم حاصل کرنے کا شوق دلایا تھا اور امام صاحب برسوں ان کے حلقہ درس میں شریک رہے، اسی لیے امام صاحب کے بڑے شیوخ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔“^①

اولاً: مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا دعویٰ کا ماخذ نہیں بتلایا اور ناظرین کرام دیکھ آئے ہیں کہ موصوف نے اپنی اسی کتاب (۲۳/۱) میں بعنوان ”قرون مشہود لها بالخیر“ امام بخاری کی نقل کردہ ایک حدیث کے سلسلے میں امام بخاری کو مطعون کرتے ہوئے کہا:

”امام بخاری نے اپنی لکھی ہوئی اس بات کا ماخذ نہیں بتلایا نہ اس کی تائید میں کوئی بات ذکر کی۔“

حالانکہ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ جس بات کے سبب امام بخاری پر مصنف انوار نے طعن مذکور کیا ہے، اس کا ماخذ امام بخاری نے صحیح سند کے ساتھ بیان کر دیا ہے، دریں صورت امام بخاری پر موصوف کا طعن مذکور بے جا اور غلط ہی نہیں بلکہ افترا اور بہتان ہے، لیکن امام بخاری پر اس طرح کی بہتان تراشی کرنے والے مصنف انوار سے ناظرین کرام دریافت کریں کہ آپ نے اپنے اس دعویٰ کا ماخذ اور معتبر ہونا کیوں نہیں بتلایا؟ آخر اس دعویٰ کے صحیح ہونے پر وہ کون سی معتبر دلیل قائل ہے جس کی

وجہ سے اسے اس گروہ کے خانہ ساز اکاذیب میں نہیں شمار کیا جاسکتا جو آپ ہی کے کہنے کے مطابق سیاہ کو سفید کر دکھانے کے لیے جھوٹ کو کار خیر سمجھ کر مسلمانوں میں پھیلاتا ہے؟

ثانیاً: اس بات کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ مصنف انوار کی معتمد علیہ کتابوں کی متعدد روایات سے مستفاد ہوتا ہے کہ امام صاحب ۱۰۳ھ تک مسلک اہل کلام کے پابند رہے، اس کے بعد مذہب اہل کلام سے تائب ہو کر تحصیل علم فقہ کی طرف متوجہ ہوئے، یعنی کہ موصوف ۱۰۲ھ تک محدثین و فقہاء کو اپنا حریف و مخالف سمجھنے کے سبب ان سے علوم نہیں پڑھتے تھے۔ امام شعی امام نخعی کی طرح محدث و فقیہ تھے، اس لیے یہ بات بعید از قیاس ہے کہ امام صاحب ۱۰۲ھ سے پہلے حصول علم کے لیے امام شعی کے پاس آئے ہوں، یعنی ۱۰۲ھ میں یا اس کے بعد ہی امام شعی سے امام صاحب کے تلمذ کا دعویٰ صحیح مانا جاسکتا ہے، حالانکہ مصنف انوار کی معتمد علیہ کتابوں کی بعض روایات سے امام شعی سے امام صاحب کے تلمذ کی نفی ہوتی ہے۔ (کما سیأتی)

نیز مصنف انوار نے امام شعی کا سال وفات ۱۰۳ھ بتلایا ہے۔^① ۱۰۳ھ میں فوت ہو جانے والے جس استاذ کی خدمت میں پڑھنے کے لیے امام صاحب ۱۰۲ھ میں یا اس کے بعد حاضر ہو سکے اس استاذ کے بارے میں مصنف انوار کا یہ دعویٰ کیا معنی رکھتا ہے کہ:

”امام صاحب برسوں ان کے (یعنی امام عامر شعی رضی اللہ عنہ کے) حلقہ درس میں شریک رہے۔“

آخر مصنف انوار کا مذکورہ بالا دعویٰ کس معتبر دلیل معتبر پر قائم ہے؟

ثالثاً: امام شعی سے امام صاحب کے برسوں مستفید ہوتے رہنے کے دعویٰ کو صحیح ماننے کی صورت میں یہ ماننا بھی لازم ہوگا کہ ۱۰۲ھ سے بہت پہلے امام صاحب امام شعی سے پڑھنے لگے تھے، مگر سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مصنف انوار کی معتمد علیہ کتابوں سے مستفاد ہونے والی اس بات کا کیا جواب ہے جس کا لازمی مطلب ہے کہ امام صاحب ۱۰۲ھ تک علم کلام سے اشتغال رکھنے کے سبب امام شعی اور ان جیسے دوسرے محدثین کو اپنا حریف سمجھتے رہنے کی وجہ سے ۱۰۲ھ سے پہلے امام شعی اور دوسرے محدثین سے فقہ و حدیث نہیں پڑھ سکے؟

رابعاً: اگر یہ مان لیا جائے کہ امام صاحب ۱۰۲ھ کے پہلے امام شعی کی ترغیب و تشویق سے تحصیل علم میں مصروف ہوئے تو کیا یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ امام شعی نے امام صاحب کو مذہب کلام سے وابستہ رہ کر علم کلام پڑھنے کی ترغیب دی ہوگی؟ ظاہر ہے کہ اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا، لہذا اگر یہ کہا جائے کہ ۱۰۲ھ سے پہلے امام صاحب ترغیب شعی سے تحصیل علم میں لگ گئے تھے تو یہ ماننا بھی لازم ہوگا کہ امام صاحب اپنے خیر خواہ استاذ کی منشا کے خلاف حدیث و فقہ سیکھنے کے بجائے کلام کے ساتھ مشغول رہے اور یہ نہ ماننے کی صورت میں مصنف انوار کی معتمد علیہ کتابوں سے مستفاد ہونے والی باتوں کی تکذیب ہوگی، حالانکہ ان کتابوں میں مندرج شدہ اسی طرح کی باتوں کو مصنف انوار بکثرت دلیل و حجت بنائے ہوئے ہیں۔

درسگاہِ شععی سے امام صاحب کا اخراج:

مصنف انوار نے اپنے بہت سارے مذبذبہ دعاوی کی طرح اگرچہ یہ دعویٰ بھی کر رکھا ہے کہ امام شععی کی ترغیب و تشویق سے امام صاحب حصول علم فقہ و حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور موصوف امام شععی رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ میں برسوں پڑھتے رہے، مگر معلوم نہیں کیوں مصنف انوار نے اپنی معتمد علیہ کتابوں میں مذکورہ درج ذیل روایات کو دلیل نہیں بنایا:

”امام ابوحنیفہ نے کہا کہ میں حجاج کے زمانے میں، جبکہ ایک نوعمر لڑکا تھا، ریشم فروشوں کے بازار میں آمد و رفت رکھتا تھا اور لوگوں سے مناظرے کیا کرتا تھا، ایک روز ایک آدمی نے مجھ سے ایک فتویٰ پوچھا، میں ٹھیک سے اس کا جواب نہ دے سکا، اس شخص نے کہا تم اتنے بڑے مناظر ہو کر فرائض شریعت کا ایک مسئلہ نہیں بتلا سکے! مجھے اس شخص کی بات سے شرم محسوس ہوئی، لہذا میں فقہ پڑھنے کی طرف متوجہ ہو گیا، چنانچہ میں حصول فقہ کے لیے سب سے پہلے شععی کے یہاں گیا، میں نے دیکھا کہ شععی شطرنج کھیل رہے ہیں، میں نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس کے بارے میں لونڈی زادے حکم بن عتیہ اور حماد بن ابی سلیمان کیا کہتے ہیں؟ میں شععی کے اس سوال پر خاموش رہا، میں نے شععی کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا کہ نذر معصیت میں کفارہ نہیں ہے۔ میں نے ان سے کہا قرآن میں ظہار پر کفارہ کا حکم ہے اور اسے قرآن مجید نے منکر اور قول زور یعنی معصیت قرار دیا ہے، میری اس بات پر امام شععی نے مجھے اپنے یہاں سے نکال باہر کیا اور ساتھ ہی ساتھ فرمایا کہ تم قیاس ہو؟ وہاں سے میں قتادہ کے یہاں آیا، وہ مسئلہ قدر پر بحث کر رہے تھے، میں وہاں سے چل کر ابو زبیر کے یہاں پہنچا، انھیں علم میں خام اور زبان کا خراب پایا، پھر حماد کے یہاں آیا انھیں اپنے معیار کا پایا، لہذا ان کا شاگرد بن گیا اور ان سے فقہ پڑھنے لگا۔“¹

سب سے پہلے مصنف انوار یہ بتلائیں کہ انھوں نے روایت مذکورہ بالا کو کیوں نہیں قبول کیا؟ اگر مصنف انوار کہیں کہ یہ غیر معتبر ہے تو موصوف یہ بتلائیں کہ ان کا زیر بحث دعویٰ کسی دلیل کی بنا پر معتبر ہے؟ اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب کو ترغیب شععی سے نہیں بلکہ ایک آدمی کی ملامت سے تحصیل علم فقہ کا شوق پیدا ہوا تھا اور امام صاحب ترغیب شععی کے بجائے ایک آدمی کی ملامت سے متاثر و عبرت پذیر ہو کر مناظرہ بازی کے مشغلہ کو چھوڑ کر کے تحصیل علم فقہ کے لیے خدمت شععی میں گئے تھے، مگر امام شععی کی خدمت میں پہلی مرتبہ کی حاضری کے وقت ہی ایسی صورت حال پیش آئی کہ امام شععی نے موصوف امام صاحب کو اپنے یہاں سے یہ کہہ کر نکال باہر کیا کہ تم قیاس کے آدمی ہو۔

اہل الراہ سے امام شععی کی بیزاری:

مندرجہ بالا روایت الفاظ مذکورہ کے ساتھ اگرچہ سنداً صحیح نہیں، کیونکہ اسے چھٹی صدی کے موفقی نے اپنے ایک معاصر ابو الحسن حسن بن علی بن عبدالعزیز مرغینانی سے نقل کیا ہے اور مرغینانی نے اسے بلا سند امام صاحب کے ایک شاگرد نعیم بن عمرو سے نقل کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بے سند روایت ساقط ہے، لیکن اس روایت میں فتویٰ شععی پر جس طرح کا قیاسی اعتراض امام

① مناقب کردری (۲/ ۱۱۹) و موفق (۱/ ۶۴) وجاءت هذه الرواية في جامع المسانيد (۲/ ۲۵۵ و ۱/ ۲۸ مختصراً)

صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس طرح کے قیاسی اعتراض کرتے رہنے کی عادت عام اہل الرائے میں پائی جاتی ہے، اور اہل الرائے نیز مذہب اہل الرائے سے عام اسلاف کی طرح امام شعی کا برہم و بیزار ہونا بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے، چنانچہ امام صالح بن مسلم بکری سے بسند صحیح مروی ہے:

”سمعت الشعبي يقول والله لقد بغض هولاء القوم إلى المسجد حتى لهو أبغض إلي من كناسة داري، قلت: من هم يا أبا عمر؟ قال: الآرائيون قال: فيهم الحكم وحماد بن أبي سليمان وأصحابهم.“¹

یعنی میں نے امام شعی کو یہ کہتے سنا کہ خدا کی قسم ان لوگوں نے اپنے بُرے کردار سے میرے لیے مسجد کو میرے گھر کے کوڑا خانہ سے بھی بدتر بنا دیا ہے۔ میں نے کہا کہ کن لوگوں نے ایسا کر رکھا ہے؟ امام شعی نے جواب دیا کہ ”الآرائیون“ یعنی اہل الرائے والقیاس نے، جن میں سے حماد اور ان کے اصحاب بھی ہیں۔

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ امام عامر شعی نے اپنے اس بیان میں حماد اور ان کے اصحاب پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے اس کا یہ سبب بتلایا ہے کہ یہ لوگ مذہب رائے و قیاس کے پابند ہیں۔ اس روایت کے مطابق امام شعی نے ان اہل الرائے والقیاس کو لفظ ”الآرائیون“ سے یاد کیا ہے جبکہ دوسری روایت کے مطابق انھیں ”الآرائیون“ کے بجائے ”الصعافقة“ کے نام سے بھی یاد کیا ہے چنانچہ جس صالح بن مسلم بکری سے مذکورہ بالا روایت مروی ہے، انھیں سے بسند صحیح یہ بھی مروی ہے:

”كنت مع الشعبي، ويدي في يده أو يده في يدي فانتهينا إلى المسجد، فإذا حماد في المسجد وحوله أصحابه، ولهم ضوضاء وأصوات، قال: فقال: والله لقد أبغضني هولاء هذا المسجد حتى تركوه أبغض إلي من كناسة داري معاشر الصعافقة، فانصاع راجعاً ورجعنا.“²

”میں (مسلم بن صالح) امام شعی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے مسجد پہنچا، وہاں حماد اور ان کے اصحاب موجود تھے، یہ لوگ شور و غل کر رہے تھے، امام شعی نے فرمایا کہ ان ”صعافقة“ نے مسجد کو میرے لیے میرے گھر کے کوڑا خانہ سے بھی زیادہ مبغوض بنا دیا ہے، یہ کہہ کر موصوف مسجد سے واپس چلے آئے اور ہم بھی ان کے ساتھ واپس آ گئے۔ مذکورہ بالا روایت میں امام شعی نے حماد اور اصحاب حماد کو جس لفظ ”صعافقة“ سے یاد کیا ہے وہ صالح بن مسلم ہی سے مروی شدہ مندرجہ ذیل روایت میں بھی وارد ہوا ہے:

”قال لي عامر الشعبي يوما أخذنا بيدي: إنما هلكتم حين تركتم الآثار، وأخذتم بالمقاييس، لقد بغض إلي هذا المسجد فلهو أبغض إلي من كناسة داري، هولاء الصعافقة.“³

یعنی مجھ سے امام شعی نے ایک دن کہا کہ تم مسلمانوں پر ہلاکت اس لیے آئی ہوئی ہے کہ تم نے آثار چھوڑ کر قیاس پرستی شروع کر دی، یقیناً ان ”صعافقة“ نے میرے لیے مسجد کو اپنی روش سے مبغوض بنا دیا حتیٰ کہ وہ میرے

① جامع بیان العلم لابن عبدالبر (۲/ ۱۶۴) و ذکرہ ابن حزم مختصراً في الأحكام (۵۵/ ۶)

② طبقات ابن سعد (۶/ ۲۵۱) ③ الأحكام في أصول الأحكام لابن حزم (۸/ ۳۳)

لیے میرے گھر کے کوڑا خانہ سے بھی زیادہ مبغوض ہو گئی۔

مذکورہ بالا دونوں روایتوں میں ”صعافقہ“ سے امام شعیبی نے اظہار بیزاری کیا ہے اور پہلی روایت میں بصراحت بتلایا گیا ہے کہ یہ لفظ امام شعیبی نے حماد اور اصحاب حماد کے بارے میں استعمال کیا ہے، اور دوسری روایت سے اس بات کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ ان صعافقہ سے موصوف کی بیزاری کا سبب ان کا طریق قیاس اور رائے پرستی تھا، مگر اس لفظ ”صعافقہ“ کی تفسیر صالح بن مسلم ہی سے مروی درج ذیل روایت کے ساتھ زیادہ وضاحت کے ساتھ ہوتی ہے:

”قال لي عامر الشعبي: إنما هلكتم بأنكم تركتم الآثار، وأخذتم بالمقاييس، ولقد بغض إلی هؤلاء المسجد حتى أنه لأبغض إلی من كناسة داري يعني أصحاب الرأي.“¹

یعنی مجھ سے امام شعیبی نے ایک دن کہا کہ تم مسلمانوں کی ہلاکت ترک آثار اور عمل بالقیاس کے سبب ہے، یقیناً ان اہل الرائے نے میرے لیے مسجد کو اپنے طریق کار کے سبب میرے گھر کے کوڑا خانہ سے بھی زیادہ مبغوض بنا دیا ہے۔

اس روایت میں پوری صراحت ہے کہ اپنے طریق عمل سے امام شعیبی کے لیے مسجد کو کوڑا خانہ سے بھی زیادہ مبغوض بنا دینے والے لوگ اصحاب الرائے تھے، جن کو پہلی دونوں روایتوں میں لفظ ”صعافقہ“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام عامر شعیبی نے صعافقہ سے مراد اہل الرائے لیے ہیں، ان تینوں روایات سے واضح ہو گیا کہ امام شعیبی اہل الرائے والقیاس سے سخت بیزار تھے۔ امام شعیبی سے مذکورہ بالا روایتوں کے راوی امام صالح بن مسلم بکری ثقہ ہیں۔²

حماد اور ان کے اصحاب کے لیے امام شعیبی نے جس لفظ ”صعافقہ“ کا استعمال کیا ہے اس کے معنی ہیں کینے و بد ذات لوگ جو شور و شغب اور غل غپاڑہ چمانے کے عادی ہوتے ہیں، چونکہ حماد اور ان کے اصحاب اپنے مسائل قیاس و رائے پر بحث و نظر کے دوران مسجد میں بہت شور و غل مچاتے تھے اور مسجد میں شور و غل چمانے سے مطلقاً ممانعت کی گئی ہے۔ نیز قیاس و رائے کے ذریعہ مسائل شرعیہ حل کرنے کو رسول اللہ ﷺ نے فتنہ عظیمہ قرار دیا ہے۔³

① حلیۃ الأولیاء (۴/۳۲۰) ② الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم (۲/۴۱۲، قسم ثانی)

③ رواه الطبرانی في الكبير والبزار ورجاله رجال الصحيح، مجمع الزوائد (۱/۱۷۹، باب في القياس والتقليد) والمستدرک (۴/۴۳۰) و سنن دارمی (۱/۶۵ وغیرہ) کتب حدیث ورجال کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث صحیح کو کم سے کم آٹھ افراد امام نعیم بن حماد خزاعی، عبداللہ بن جعفر رقی، سوید بن سعید حدثانی، حکم بن المبارک ابو صالح خواتی، عمرو بن عیسیٰ بن یونس سعیمی، عبدالوہاب بن الضحاک حمصی، عبداللہ بن وہب محمد بن سلام انجی نے درج ذیل سند کے ساتھ روایت کیا ہے: ”عن عیسیٰ بن یونس عن خریز بن عثمان عن عبدالرحمن بن جبیر بن نفیر عن أبیه عن عوف بن مالک الأشجعی“ ان میں سے اول الذکر چار حضرات ثقہ و صدوق ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ سند مذکور سے اس حدیث کو روایت کرنے میں کم از کم چار ثقہ و صدوق رواۃ ایک دوسرے کے متابع ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تاریخ خطیب، ترجمہ نعیم بن حماد (۱۳/۳۰۸ تا ۳۱۱) والأحكام للبکری و میزان الاعتدال، بایں ہمدان نقل کے حاشیہ میں علامہ ناصر الدین البانی نے معلوم نہیں کیسے کہہ دیا کہ نعیم بن حماد اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کرنے میں متفرد ہیں، حالانکہ مذکورہ بالا تینوں ثقہ حضرات نے بھی انہیں الفاظ میں اس روایت کو نقل کیا ہے، ان متابعات کی موجودگی میں کسی طرح بھی حدیث مذکورہ صحیح سے کمتر نہیں قرار دی جاسکتی جب کہ معنوی طور پر متعدد صحابہ سے متعدد اسانید کے ساتھ بھی منقول ہے، اس وقت ہم اسی مختصر اشارہ پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ اس کے طرق و اسانید کی تفصیل اور اصول جرح و تعدیل سے اس پر بحث و تحقیق پوری ایک کتاب میں بھی پھیل سکتی ہے۔ (رکس)

اس لیے قیاسی مسائل کے سلسلے میں مسجد کے اندر ان شور و شغب مچانے والوں کو امام شعی نے اتنے مکروہ اور سخت کلمہ سے یاد کیا مگر حماد کے شاگرد خاص امام ابوحنیفہ مسجد میں اس طرح کے شور و غل کو نہ صرف یہ کہ جائز بتلاتے ہیں، بلکہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کے شور و غل کے بغیر علم فقہ حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ابراہیم بن بشار نے کہا:

”حدثنا سفیان بن عیینة قال: مررت بأبي حنيفة، وهو مع أصحابه في المسجد، وقد ارتفعت أصواتهم فقلت: يا أبا حنيفة هذا في المسجد والصوت لا ينبغي أن يرفع فيه! فقال: دعهم فإنهم لا يفقهون إلا بهذا.“¹

یعنی امام سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ میرا گزر امام ابوحنیفہ پر ہوا، اس وقت وہ اور ان کے اصحاب مسجد میں شور و غل کر رہے تھے، میں نے کہا: اے ابوحنیفہ! مسجد میں یہ شور و غل کیسا؟ مسجد میں ایسا کرنا مناسب نہیں! امام صاحب نے فرمایا کہ انھیں یہ شور و غل کرنے دیجیے، کیونکہ شور و غل کیے بغیر یہ لوگ فقیہ نہیں بن سکیں گے۔

یہ روایت صحیح ہے اور اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب اور ان کے ہم مذہب مسجد میں اس طرح کے شور و غل کو نہ صرف جائز قرار دیتے ہیں بلکہ فقیہ بننے کے لیے اسے ایک لازمی ضرورت سمجھتے ہیں۔ جو فقہ مسجد میں شور و غل کے بغیر نہ حاصل ہو سکے، جبکہ مسجد میں شور و غل سے شرعی ممانعت موجود ہے، وہ فقہ مسلمانوں کے لیے کس قدر مفید و نفع بخش ہو سکتی ہے؟! ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ امام شعی نے حماد پر سخت طعن و تنقید کی ہے اور انھیں اہل الرائے والقیاس بتلایا ہے، اور مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام ابوحنیفہ انھی حماد کی درسگاہ میں اٹھارہ سال تعلیم و تربیت پا کر فقیہ بنے۔ جس روایت میں درسگاہ شعی سے امام صاحب کے نکالے جانے کا ذکر ہے اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ امام صاحب نے امام شعی سے جب ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے حماد اور حکم بن عتیبہ کا نام لے کر کہا: ”ما یقول بنواستھا“ یعنی اس بارے میں ”بنواستھا“ کیا کہتے ہیں؟ یہ روایت اگر صحیح نہیں ہے مگر یہ لفظ درج ذیل روایت میں بھی مذکور ہے:

قال عبد الحمید بن عبد الرحمن الحماني: حدثني أبو حنيفة قال: رأيت الشعبي يلبس الخبز، ويجالس الشعراء، فسألته عن مسئلة، فقال ما يقول فيها بنواستها؟ يعني الموالي.² یعنی عبد الحمید حمانی نے کہا کہ امام صاحب نے بیان کیا کہ میں نے امام شعی کو دیکھا وہ شعراء کے ساتھ بیٹھے تھے، میں نے ان سے ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے کہا کہ اس کے بارے میں ”بنواستھا“ یعنی موالی (لوٹری زادے) کیا کہتے ہیں؟“

امام شعی نے یہاں بھی یہ کلمہ یعنی ”بنواستھا“ اہل الرائے کے لیے بطور تعریض استعمال کیا ہے اور امام صاحب کے سوال کا اصل جواب دینے کے بجائے اپنے حریف و مخالف اہل الرائے کی تعریض پر اکتفا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ امام صاحب اور شعی کے مابین اس مکالمہ کے ثبوت سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ امام صاحب نے محدثین و فقہاء کے معروف طریق پر امام شعی سے فقہ و حدیث کا درس لیا ہے، لہذا امام شعی سے امام صاحب کے برسوں یا چند مہینوں بلکہ چند دنوں یا چند گھنٹوں تک باقاعدہ فقہ و

② ابن سعد (۱/۶۵۱)

① جامع بیان العلم (۱/۱۳۹)

حدیث پڑھنے کے دعویٰ پر الگ سے معتبر دلیل دینی ہوگی۔

امام عبداللہ بن ابی السفر سے بسند صحیح مروی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام شعیبی جب بھی اپنے حریف اہل الرائے کو دیکھتے تھے تو ان کی زبان سے عام طور پر بے ساختہ ”بنواستھا“ یا ”صعافقہ“ کا لفظ نکل جایا کرتا تھا۔ چنانچہ امام عبداللہ بن ابی السفر نے کہا:

”وكان يقول إذا مر عليهم: ما يقول هؤلاء الصعافقة أو قال: بنواستها.“¹ الخ

یعنی امام شعیبی کا گزر جب کبھی ان پر ہوتا تو فرماتے کہ یہ صعافقہ یا بنواستھا کیا کہتے ہیں۔

روایت مذکورہ کو ابو یوسف یعقوب بن یوسف فسوی نے بسند صحیح اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔² علمائے لغت

نے ”بنواستھا“ کے معنی لوٹنی زادہ ہی بتلائے ہیں۔³ یہ بتلایا جا چکا ہے کہ ”صعافقہ“ سے امام شعیبی کی مراد اہل الرائے ہیں، اہل الرائے کو ایسے مکروہ لفظ کے ساتھ یاد کرنے کی وجہ ظاہر ہے کہ ان سے امام شعیبی کی شدت بیزاری و نفرت تھی، لیکن اہل الرائے کو اس لفظ یا لقب سے یاد کرنے کی ایک مناسبت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک معتبر مرفوع حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

”عن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لم يزل أمر بني إسرائيل

معتدلاً حتى بدأ فيهم أبناء سببها الأمم، فأفتوا بالرأي فضلوا وأضلوا.“⁴

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنو اسرائیل کا حال اس وقت تک اعتدال پر قائم رہا جب تک کہ کچھ لوٹنی

زادوں نے پیدا ہو کر اسے خراب نہیں کر دیا، ان لوٹنی زادوں نے مذہب رائے و قیاس اختیار کر کے رائے و

قیاس کے مطابق فتاویٰ دیے، بنا بریں خود تو گمراہ ہوئے ہی دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

کشف الاستار عن زوائد مسند البزار میں ہے کہ حدیث مذکور مسلماً بھی مروی ہے، بہر حال یہ حدیث معتبر و

حسن ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو صحابی سے اس حدیث مرفوع کے راوی امام عروہ بن زبیر سے کئی اسانید کے ساتھ اس مفہوم

کی روایت منقول ہے:

”لم يزل أمر بني إسرائيل مستقيماً حتى أدرك فيهم المولدون أبناء سببها الأمم فأخذوا

فيهم بالرأي فضلوا وأضلوا.“⁵

یعنی بنو اسرائیل کا حال درست و معتدل تھا مگر کچھ لوٹنی زادوں نے پیدا ہو کر مذہب قیاس و رائے کے مطابق

عمل کرنا شروع کر دیا، اس لیے یہ لوگ گمراہ و تباہ ہو گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا حدیث نبوی امام عامر شعیبی کے زمانے میں اور ان کے تلامذہ کے مابین بہت مشہور و معروف

1 ابن سعد (۲۵۱/۶) 2 المعرفة والتاريخ للفسوي (۵۹۲/۲) 3 ملاحظه ہو: لسان العرب (۳۹۷/۱۳)

4 زوائد مسند بزار، باب التحذير من علماء السوء، وقال الهيثمي في مجمع الزوائد: إسناده حسن.

5 جامع بيان العلم (۱۳۶/۲ و ۱۳۸) والإحكام لابن حزم (۵۵/۶) و تاريخ خطيب، ترجمة إمام أبي حنيفة (۳۹۵، ۳۹۴/۱۳)

تھی، چنانچہ یہ قول امام سفیان بن عیینہ، محمد بن مسلمہ اور حمیدی وغیرہم سے بھی منقول ہے اور چونکہ منصوص طور پر رسول اللہ ﷺ نے بتلایا تھا کہ بنو اسرائیل میں مذہب الرائے والقیاس کی ایجاد و اختراع کرنے والے لوٹڑی زادے تھے اور ان کے لیے خود رسول اللہ ﷺ نے ہی لوٹڑی زادوں (أبناء سبایا الأمم) کا لفظ استعمال کیا تھا۔ محدثین کرام نے جب دیکھا کہ امت مسلمہ میں بھی مذہب رائے و قیاس کے بڑے بڑے مشہور امام لوٹڑی زادے ہی ہیں، تو اس لیے ان حضرات نے ان کے لیے یہ لفظ استعمال کر دیا، یعنی کہ محدثین کرام نے اہل الرائے کے لیے اس کلمہ و لفظ کا استعمال اتباع سنت میں کیا ہے۔

امام شعیبی رحمہ اللہ مذہب اہل الرائے کو مسلمانوں کے لیے تباہ کن سمجھتے تھے:

اہل الرائے سے امام شعیبی کی اس شدت بیزاری کا سبب یہ تھا کہ وہ مذہب اہل الرائے کو مسلمانوں کے لیے تباہ کن اور مہلک سمجھتے تھے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اہل الرائے کے بارے میں ان سے مروی اقوال سے ظاہر ہوتا ہے، مثلاً ان کا یہ قول کہ ”إنما هلكتم حين تركتم الآثار، و أخذتم المقاييس.“ مطلب یہ کہ مسلک اہل الرائے والقیاس مسلمانوں کے لیے تباہ کن اور ہلاکت خیز ہے، نیز یہ کہ ”إنما هلك من كان قبلکم في أرايت“¹ یعنی مذہب رائے ہی کے سبب امم ماضیہ ہلاک ہوئیں۔

اہل الرائے سے امام شعیبی کی اس شدت بیزاری کا نہایت معقول سبب یہ بھی تھا کہ دار الخلافہ مدینہ منورہ سے اہل کوفہ کی تعلیم و تربیت کے لیے بھیجے جانے والے حضرت عبداللہ بن مسعود اور ان کے اصحاب و تلامذہ عام صحابہ و تابعین کی طرح اتباع سنت و پیروی شریعت کی بنیاد پر مذہب رائے و قیاس سے اظہار بیزاری کرتے رہتے تھے، اور لوگوں کو اس سے روکتے اور اسے مہلک و مضر قرار دیتے تھے۔ مصنف انوار حضرت ابن مسعود کی فقہی اور علمی عظمت کے معترف ہیں اور امام شعیبی فرماتے ہیں:

”ما رأيت قوماً أعظم أحلاماً، ولا أفقه رجلاً من قوم صحبوا ابن مسعود، لو لا الصحابة ما فضلت عليهم أحداً.“²

یعنی میں نے ابن مسعود کے اصحاب سے زیادہ کسی جماعت کو حلم و فقہ والا نہیں دیکھا، اگر صحابہ کی عظمت مانع نہ ہوتی تو میں کسی کو ان پر فوقیت نہ دیتا۔

حضرت علی اور سعید بن جبیر سے مروی ہے:

”أصحاب ابن مسعود سرج هذه القرية.“³ یعنی اصحاب ابن مسعود کوفہ کے چراغ ہیں۔

امام زبیرقان بن عبداللہ اسدی نے کہا:

”إن أبا وائل شقيق بن سلمة قال له: إياك ومجالسة من يقول: رأيت رأيت.“⁴

یعنی امام شقیق نے مجھے سے فرمایا کہ ”أرأيت رأيت“ کہنے والوں کی صحبت سے پرہیز کرو، یعنی کہ اہل

1 جامع البيان (۱/ ۱۴۷) 2 حلیۃ الأولیاء (۴/ ۱۷۰) و طبقات ابن سعد وغیرہ.

3 حلیۃ الأولیاء (۴/ ۱۷۰) وابن سعد وغیرہ.

4 الإحکام فی أصول الأحکام (۶/ ۵۵) و جامع بیان العلم وإعلام الموقعین (۱/ ۲۶)

الرائے سے دور رہو۔^①

مذکورہ بالا بات کہنے والے امام شقیق حضرت ابن مسعود کے خاص تلامذہ میں سے تھے، امام اعمش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: قال لي إبراهيم: عليك بشقيق، فإني قد أدركت أصحاب عبد الله، وهم متوافرون، وهم يعدونه من خيارهم.^② شقیق کی صحبت لازم پکڑو، میں نے تلامذہ ابن مسعود کو دیکھا کہ وہ لوگ شقیق کو اپنے میں افضل ترین لوگوں سے شمار کرتے تھے۔

ایک دوسری روایت میں امام شقیق کا یہ قول منقول ہے: ”لا تقاعد أصحاب أريت.“^③ یعنی اہل الرائے کے ساتھ مت اٹھو بیٹھو۔^④

امام شقیق کا ایک ہم نام شخص شقیق ضمی کے نام سے مشہور تھا، وہ اہل الرائے میں سے تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک جلیل القدر شاگرد ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن حبیب سلمی نے حکم دے رکھا تھا کہ اس شخص سے مصاحبت رکھنے والا ہماری درسگاہ میں نہ آئے، اس پر ایک دن شخص مذکور نے پوچھا کہ آپ میرے پاس آنے سے لوگوں کو کیوں روکتے ہیں؟ موصوف ابو عبد الرحمن سلمی نے جواب دیا:

”إني رأيتك مضلاً لدينك تطلب أريت أريت.“^⑤

یعنی میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگوں کو اپنے مذہب رائے کے ذریعہ گمراہ کر رہے ہو۔ کتب رجال میں تصریح ہے:

”كان من أصحاب ابن مسعود.“^⑥

”ابو عبد الرحمن سلمی حضرت ابن مسعود کے اصحاب میں سے تھے۔“

حضرت ابن مسعود کے ایک دوسرے مشہور و معروف شاگرد مسروق بن اجدع سے کئی اسانید کے ساتھ منقول ہے: ”میں قیاس و رائے سے اس لیے کام نہیں لیتا کہ اس کے سبب صحیح راستہ سے ہٹ جانے کا خطرہ ہے۔“^⑦ ظاہر ہے کہ امام مسروق نے یہ طریق عمل اتباع سلف خصوصاً صحبت ابن مسعود کے فیض سے اختیار کیا تھا۔ امام سعید بن منصور نے کہا:

”حدثنا خلف بن خليفة حدثنا أبو زيد عن الشعبي قال: قال ابن مسعود: إياكم وأرأيت أريت، فانما هلك من كان قبلكم بأرأيت أريت، ولا تقيسوا شيئاً فتزل قدم بعد ثبوتها، وإذا سئل أحدكم بما لم يعلم فليقل: لا أعلم، فإنه ثلث العلم.“^⑧

① نیز ملاحظہ ہو: سنن دارمی (۶۶/۱) ابن سعد (۹۹/۶) و تہذیب (۳۶۲/۴)

② جامع البيان (۱۴۶/۲) نیز ملاحظہ ہو: طبقات ابن سعد (۱۰۱/۶)

③ حلیۃ الأولیاء بسند صحیح (۱۹۳/۴) تہذیب التہذیب و تاریخ خطیب، ترجمۃ عبد اللہ بن حبیب سلمی

④ جامع بیان العلم (۱/۷۶، ۱۳۷) و الإحکام لابن حزم (۳۲/۸) و سنن دارمی. ⑤ إعلام الموقعین (۲۰/۱)

یعنی ابن مسعود نے فرمایا کہ ”أرأیت“ سے پرہیز کرو، کیونکہ پہلے لوگ اسی سے تباہ ہوئے ہیں۔ قیاس سے کچھ بھی کام مت لو ورنہ راہ راست سے ہٹ جاؤ گے اور جس سے کوئی ایسی چیز پوچھی جائے جس کا اسے علم نہ ہو تو صاف کہہ دے کہ میں نہیں جانتا کیونکہ یہ تہائی علم ہے۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام شعیبی تک اس روایت کی سند متصل ہے اور صحیح بھی کیونکہ شعیبی سے اسے ابو زید عطاء بن السائب ثقفی (متوفی ۱۳۶ھ یا ۱۳۷ھ) نے نقل کیا ہے، جو ثقہ و صدوق ہیں، عطاء موصوف کی کنیت میں اختلاف ہے، ابو زید، ابو یزید، ابو محمد، ابو السائب، یہ چار کنیتیں ان کے لیے مشہور ہیں۔^① اور ابو زید موصوف سے اس روایت کے ناقل خلف بن خلیفہ بھی ثقہ ہیں۔^② اور خلف سے اس کے ناقل امام سعید بن منصور ہیں۔ یہ روایت ایک دوسری سند کے ساتھ بھی مروی ہے جس میں جابر حنفی ضعیف ہیں۔^③ مگر جب شعیبی تک اس روایت کی دوسری سند صحیح ہے تو جابر کی متابعت سے اس میں اور بھی قوت آجاتی ہے، البتہ شعیبی کا ابن مسعود سے سماع نہیں ہے، یعنی یہ روایت مرسل ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ امام عجمی نے کہا:

”لا یکاد الشعبي یرسل إلا صحیحاً.“^④

یعنی امام شعیبی کی بیان کردہ مراسیل تقریباً صحیح ہی ہوتی ہیں۔

مصنف انوار کے نزدیک مرسل حجت ہے بلکہ مرسل کو حجت نہ ماننے والوں پر مصنف انوار معترض ہیں اور دوسرے اہل علم کے نزدیک مرسل روایت کی متابعت کسی متصل روایت سے ہو جائے، خواہ وہ ضعیف ہو، تو بھی حجت ہو جاتی ہے اور روایت مذکورہ کی معنوی متابعت کئی سندوں سے موجود ہے۔ مجالد بن سعید نے کہا کہ شعیبی نے مسروق سے اور مسروق نے ابن مسعود سے یہ حدیث بیان کی:

”ثم یحدث قوم یقیسون الأمور برأیہم فیہدم الإسلام وینثلم.“^⑤

یعنی ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں پیدا ہونے والے کچھ لوگ امور دین کو رائے و قیاس سے حل کریں گے، ایسا کرنے سے اسلام ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔

حضرت ابن مسعود کی اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام شعیبی نے اپنے زمانے کے اہل الرائے کے بارے میں خود بھی مذکورہ بالا قسم کے خیال کا اظہار کیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعود بھی اہل الرائے سے سخت بیزار و ناراض تھے۔ یہ وہی ابن مسعود ہیں جن کو مصنف انوار اپنے تقلیدی حنفی مذہب کا مورث قرار دیتے ہیں، حضرت ابن مسعود کے اس ارشاد کے ہوتے ہوئے مذہب اہل الرائے کو موصوف ابن مسعود کی میراث قرار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

حضرت ابن مسعود کی یہ پیش گوئی کیسی صحیح ثابت ہوئی کہ قیاس و رائے کو دین قرار دے لینے والے لوگ اپنے کو ثقہ فی الدین کا ٹھیکیدار سمجھنے لگے اور تبعین نصوص کتاب و سنت و تارکین قیاس و رائے پر طعن و تشنیع کرنے لگے اور کیوں نہ ہو حضرت ابن مسعود کی یہ پیش گوئی حدیث مرفوعہ کے حکم میں ہے اور احادیث مرفوعہ سے بھی قول ابن مسعود کی تائید ہوتی ہے، بلکہ انھیں

① تہذیب التہذیب وغیرہ.

② تہذیب التہذیب.

③ مجمع الزوائد (۱/ ۱۸۰ بحوالہ طبرانی)

④ تہذیب التہذیب (۵/ ۶۷)

⑤ جامع البیان (۲/ ۱۳۵، ۱۳۶) الإحکام لابن حزم (۸/ ۲۹) المقاصد الحسنة (ص: ۳۲۴ بحوالہ دارمی، و یعقوب بن شیبہ.

احادیث نبویہ کی متابعت میں دراصل حضرت ابن مسعود نے اپنی یہ بات کہی ہے۔

امام شعی نے بواسطہ عمرو بن حریش حضرت امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے:

”إياكم وأصحاب الرأي فإنهم أعداء السنن، أعيبتهم الأحاديث أن يحفظوها، فقالوا بالرأي فضلوا وأضلوا.“¹

یعنی تم اہل الرائے سے دور رہا کرو کیونکہ یہ لوگ احادیث و سنن نبویہ کے دشمن ہوتے ہیں، یہ لوگ احادیث کے حفظ و ضبط سے عاجز ہونے کے سبب قیاس و رائے سے کام لیتے ہیں، دریں صورت خود گمراہ ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔“

یہ روایت گزشتہ صفحات میں بھی نقل کی جا چکی ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ امام شعی نے اہل الرائے کے خلاف اتنا سخت موقف اکابر صحابہ کے فرامین پر عمل کرتے ہوئے اختیار کیا تھا، خصوصاً اس لیے کہ اہل الرائے کی مذمت و تنقید پر حضرت عمر بن خطاب اور ابن مسعود متفق ہیں۔ نیز امام شعی نے کہا ہے:

”إذا اختلف الناس في شيء فخذوا بما قال عمر.“²

یعنی جب لوگوں میں اختلاف ہو تو حضرت عمر بن خطاب کے قول پر عمل کرو۔

اور یہاں معاملہ یہ ہے کہ حضرت عمر اور ابن مسعود کے اس موقف و طریق سے کسی صحابی کا اختلاف ثابت نہیں، گویا مذہب اہل الرائے کی مذمت پر تمام صحابہ کا اجماع سکوتی ہے اور نصوص شرعیہ بھی اسی کے مطابق ہیں۔ امام شعی کا یہ موقف اس وقت کے لیے ہے جبکہ قول عمر نص شرعی کے خلاف نہ ہو، اسی طرح دوسرے ائمہ کرام کا بھی یہی موقف ہے، مثلاً امام اعمش کا ایک قول ہے:

”إن إبراهيم كان لا يعدل بقول عمر و عبد الله إذا اجتماعاً، فإذا اختلفا كان قول عبد الله أعجب إليه.“³

یعنی امام ابراہیم نخعی حضرت عمر اور ابن مسعود کے اس موقف و طریق عمل سے نہیں ہٹتے تھے جس پر دونوں متفق ہوں اور دونوں میں اگر اختلاف ہو تو موصوف امام نخعی ابن مسعود کا موقف و طریق عمل اختیار کرتے تھے۔

ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ مذہب رائے و قیاس کی مذمت پر حضرت عمر اور ابن مسعود متفق تھے اور کسی صحابی سے اس معاملہ میں اختلاف منقول نہیں، اس سے لازمی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ امام نخعی بھی امام شعی اور دوسرے اہل علم کی طرح مذمت رائے و قیاس میں حضرت ابن مسعود اور عمر کے طریق پر گامزن تھے، چنانچہ مصنف انوار خود بھی ناقل ہیں کہ امام اعمش یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے دیکھا کہ ابراہیم کبھی کوئی بات اپنی رائے سے نہیں کہتے تھے۔⁴

مصنف انوار نے امام ابراہیم کے اس طرز عمل کا معنی و مطلب اپنے تقلیدی طریق پر نہایت لغو انداز میں بیان کیا ہے، جس پر بحث آگے آرہی ہے، مگر امام اعمش کے حوالہ سے موصوف نے امام نخعی کا جو طریق نقل کیا ہے وہ بسند صحیح منقول ہے۔⁵

1 الإحكام في أصول الأحكام (٤٢/٦) 2 إعلام الموقعين (٦/١) و عام كتب رجال.

3 إعلام الموقعين (٧/١) و عام كتب رجال. 4 مقدمه انوار (٤١/١)

5 حلية الأولياء، و كتاب العلم لأبي خيثمة (ص: ١١٨، حديث نمبر: ٣٨)

امام اعمش بھی بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب کے استاذ ہیں^①۔

امام مغیرہ سے بسند صحیح مروی ہے:

”امام سعید بن جبیر سے پوچھا گیا کہ آپ سے بھی زیادہ صاحب علم کوئی ہے؟ سعید نے کہا کہ ہاں عکرمہ۔ جب سعید مقتول ہو گئے تو ابراہیم نخعی نے کہا کہ اپنے جیسا صاحب علم انھوں نے نہیں چھوڑا اور جب امام نخعی کی خبر مرگ امام شععی کو ملی تو انھوں نے نخعی کے بارے میں یہی بات کہہ کر مزید کہا کہ انھوں نے فقہی گھرانے میں نشوونما پا کر علم فقہ حاصل کیا، پھر ہم سے حدیث پڑھی۔“^②

ظاہر ہے کہ یہ سارے حضرات اہل الرائے کی مذمت پر متفق ہیں، ان میں سے امام شععی کے اقوال مذکور ہو چکے ہیں، دریں صورت ہر صاحب ہوش و گوش بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ مذہب اہل الرائے سے امام شععی کس قدر برہم و ناراض تھے، لہذا اگر امام صاحب فی الواقع ان کی درسگاہ میں تحصیل علم کے لیے جاتے اور انھیں پتہ چل جاتا کہ امام صاحب مذہب اہل الرائے کے پابند ہیں، جس کے بارے میں حضرت عمر بن خطاب اور ابن مسعود کے مذکورہ بالا فرامین موجود ہیں تو وہ امام صاحب کے ساتھ جو برتاؤ کرتے وہ ظاہر ہے۔ کم از کم موصوف از راہ خیر خواہی امام صاحب کو مذہب رائے ترک کرنے کا حکم ضرور دیتے، جیسا کہ انھوں نے اپنے شاگرد ابو زید داؤد بن یزید اودی کو بطور نصیحت کہا تھا:

”إياك والمقايسة في الدين، فإذا أنت قد أحللت حراماً أو حرمت حلالاً، وتنزل قدم بعد ثبوتها، وفي رواية: لا تتبع مسألتك أ رأيت أ رأيت، إلى أن قال: فلا تقس بشيء فتحرم حلالاً وتحل حراماً.“ الخ^③

یعنی دین میں قیاس و رائے سے کام مت لو، ورنہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے بیٹھو گے اور راہ صواب سے تمہارے پاؤں پھسل جائیں گے۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ کسی مسئلہ کے بارے میں اہل الرائے کی طرح فرضی اعتراض کر کے ”أ رأيت أ رأيت“ کہہ کر بحث و مباحثہ مت کرو اور نہ قیاس آرائی سے کام لو، ورنہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہہ بیٹھو گے۔

نیز امام شععی نے اپنے ایک دوسرے شاگرد ابن ابجر عبد الملک بن سعید بن حبان بن ابجر کو فی نصیحت کی:

”ماحدثوك عن أصحاب محمد فخذہ، وما قالوا برأيهم قبل عليه.“^④

یعنی لوگ صحابہ سے جو احادیث روایت کریں ان پر عمل کرو اور اپنی رائے سے جو بات کہیں ان پر پیشاب کر دو۔

اس معنی و مفہوم کی بات امام شععی نے مالک بن مغول اور دوسرے لوگوں کو بھی کہی تھی۔^⑤

عیسیٰ بن ابی عیسیٰ نے کہا کہ امام شععی نے فرمایا:

① مقدمہ انوار (۱/ ۴۰) ② کتاب العلم لأبي خيثمة (ص: ۱۱۷) و حلیة الأولیاء، وابن سعد وغیرہ۔

③ حلیة الأولیاء (۴/ ۳۱۹) و الإحکام فی أصول الأحکام (۲۲/ ۸)

④ حلیة الأولیاء (۴/ ۳۱۹) و الإحکام لابن حزم۔

⑤ الإحکام لابن حزم (ص: ۵۴، ۵۵) و حلیة الأولیاء (۴/ ۳۱۹) و جامع بیان العلم (۲/ ۱۴۶)

”إياكم والمقايسة، فوالذي نفسي بيده إن أخذتم بالمقايسة لتحلن الحرام...“¹ الخ
یعنی تم لوگ قیاس آرائی سے پرہیز کرو ورنہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر لو گے۔
حتی کہ رائے و قیاس سے موصوف امام شععی کو اس قدر بیزار تھی کہ کسی ایک مسئلہ میں ایک شخص نے ان کی ذاتی رائے
معلوم کی تو جواب دیا:

”ما تصنع برأیی؟ بل علی رأیی.“²

”تم میری رائے کو کیا کرو گے، میری رائے پر پیشاب کر دو!“

امام اسماعیل بن ابی خالد سے امام شععی نے فرمایا:

”ما کلمة أبغض إلي من رأیت.“³

”میرے نزدیک ”أرأیت“ سے زیادہ مبغوض کوئی کلمہ نہیں۔“⁴

یہ کلمہ ”أرأیت“ اہل الرائے و القیاس کا خاص کلمہ ہے، بروایت مجاہد، شععی نے قیاس و رائے کی مذمت میں ابن مسعود
سے بواسطہ امام مسروق ایک روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا:

”لعن الله رأیت.“⁵ ”اللہ تعالیٰ ”أرأیت“ پر لعنت بھیجے۔“⁶

جس روایت میں مذکور ہے کہ درسگاہ شععی میں جاتے ہی امام صاحب نے ان کے بتلائے ہوئے مسئلہ پر اعتراض کر دیا،
اس لیے وہ وہاں سے خارج کر دیے گئے! اگرچہ غیر صحیح ہے مگر اس میں شک نہیں کہ اہل الرائے احادیث سے ثابت شدہ
مسائل پر اس قسم کے اعتراضات کرنے کے عادی ہوتے ہیں، حالانکہ یہ اعتراض اسی طرح باطل و بے معنی ہوتے ہیں جس
طرح کہ روایت مذکورہ میں امام صاحب کی طرف منسوب اعتراض لغو و باطل ہے، کیونکہ ظہار اور نذر معصیت کے درمیان ایسی
حد فاصل موجود ہے جس کے سبب ظہار پر نذر معصیت کو قیاس کرنا سراسر لغو و باطل ہے، اور ظہار کے صرف منکر و زور ہونے کو
وجوب کفارہ کا سبب سمجھنا بھی جہالت در جہالت ہے، اگر ظہار کا محض منکر و زور ہونا باعث وجوب کفارہ کا باعث ہوتا تو ہر جھوٹی
بات، چغل خوری اور اس طرح کے گناہوں پر کفارہ عائد ہوتا، بس صرف اتنی سی بات سے اس اعتراض کی لغویت ظاہر ہو جاتی ہے۔

کیا امام شععی سے مستفید نہ ہونے پر امام صاحب نادم تھے؟

مصنف انوار کی معتمد علیہ کتاب مناقب ابی حنیفہ للکردری میں منقول ہے:

”قال أبو حنیفة: أتیت الشعبي فسألته عن أشياء فاستقبلني بمكروه فتركت الاختلاف إليه،

ثم ندمت بعد ذلك فسمعت عن رجل أو رجلين عنه، ومن كان مثله في العلم والسنن.“⁷

1 الأحكام لابن حزم (۳۳/۸)

2 طبقات ابن سعد (۳۵۰/۶) و حلیة الأولیاء (۳۱۹/۴) والأحكام لابن حزم (۵۲/۶) و جامع بیان العلم (۳۲/۲)

3 جامع البیان (۱۴۶/۲) 4 نیز ملاحظہ ہو: سنن دارمی (ص: ۶۵) 5 الإحكام لابن حزم (۴۹/۶)

6 نیز ملاحظہ ہو: إعلام الموقعین (۲۶/۱) 7 مناقب أبی حنیفة للکردری (۴/۲)

یعنی امام صاحب نے کہا کہ میں نے امام شعی کے پاس آ کر چند باتیں دریافت کیں، اس کے جواب میں وہ مجھ سے بری طرح پیش آئے، لہذا میں نے ان کے پاس جانا ہی ترک کر دیا، پھر مجھے ندامت و شرمندگی ہوئی تو میں نے ایک یا دو آدمیوں کے واسطے سے ان کا علم حاصل کیا اور ایسے لوگوں سے بھی تحصیل علم کیا جو شعی ہی جیسے صاحب علم اور انھیں کے ہم عمر تھے۔

معلوم نہیں مصنف انوار نے مذکورہ بالا روایت کو صحیح و معتبر قرار دے کر دلیل و حجت کیوں نہیں بنایا، جب کہ موصوف نے مناقب ابی حنیفہ للکدری کی بہت سی دیگر روایات کو دلیل و حجت بنا لیا ہے؟ اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب امام شعی کی درسگاہ میں مستفید ہونے سے محروم رہے، جس پر امام صاحب نام بھی تھے۔

مسانید ابی حنیفہ میں امام شعی سے امام صاحب کی مرویات کی تعداد:

مذکورہ بالا روایت سے قطع نظر ہم دیکھتے ہیں کہ مسند ابی حنیفہ للخصفکی مع شرح ملا علی قاری (ص: ۱۲۶ تا ۱۲۸) میں امام شعی سے براہ راست امام صاحب کی کل پانچ روایات مذکور ہیں، اور ان پانچوں کا حال بھی یہ ہے کہ جامع المسانید للبخاری میں ان کی سندوں کی دی ہوئی تخریج کے مطابق پہلی اور چوتھی روایت شعی سے براہ راست نہیں بلکہ بواسطہ عون بن عبداللہ عن الشعی مروی ہیں۔^۱ باقی تین روایتیں اگرچہ امام شعی سے براہ راست مروی ہیں مگر امام صاحب تک ان کی سندیں صحیح نہیں ہیں، کیونکہ ان کی تخریج ابو محمد بخاری حارثی کذاب اور وضاع نے کی ہے، جس کا مختصر تعارف گزشتہ صفحات میں کرایا جا چکا ہے۔^۲ کتاب الآثار لمحمد بن حسن (ص: ۱۰۵) ”باب النذر فی معصیة“ میں ہے کہ:

”أخبرنا أبو حنیفة قال: سمعت عامر الشعبي يقول: لا نذر في معصية.“ ”امام صاحب نے فرمایا کہ امام شعی سے سنا کہ ”لا نذر في معصية“ مگر یہ بیان ہو چکا ہے کہ مناقب موفق وغیرہ کے مطابق امام شعی کی اس بات پر اعتراض کرنے کے سبب امام صاحب درسگاہ شعی سے خارج کر دیے گئے تھے۔ مصنف انوار از راہ دینت داری بتلائیں کہ موفق وغیرہ میں اضافہ شدہ اس بیان کو انھوں نے کیوں دلیل و حجت بنا کر یہ دعویٰ نہیں کیا کہ امام صاحب درسگاہ شعی سے مستفید ہونے سے محروم رہے؟ جب کہ موصوف اسی طرح کی دوسری روایات کو دلیل و حجت بنائے ہوئے ہیں؟ عنقریب یہ بحث آرہی ہے کہ امام شعی ہی کی طرح امام ابراہیم نخعی بھی اہل الرائے والقیاس اور ان کے مذہب سے نفرت و وحشت رکھتے تھے، حالانکہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام ابوحنیفہ مذہب نخعی ہی کے پیرو تھے!

مرجی مذہب سے امام شعی کی بیزاری:

یہ بات بیان کی جا چکی ہے کہ امام شعی نے کہا کہ صحابہ میں اختلاف ہو تو حضرت عمر بن خطاب کا قول اختیار کرو، اور یہ کہ امام نخعی اس قول سے انحراف نہیں کرتے تھے جس پر حضرت عمر اور ابن مسعود متفق ہوں اور اگر دونوں میں اختلاف ہو تو موصوف ابن مسعود کے قول کو ترجیح دیتے تھے۔ ہم یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ امام شعی، نخعی اور دوسرے ائمہ کا یہ موقف اس وقت ہوتا تھا کہ حضرت عمر اور ابن مسعود کے اقوال نصوص کے خلاف نہ ہوں، اور یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابن مسعود

② ملاحظہ ہو: جامع المسانید (۱/۲۷۶ و ۹۳ و ۱۷۶/۲)

① جامع المسانید (۱/۲۱۸، ۲۱۹ و ۲۸۴)

ایمان میں کمی پیشی ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے اور یہی عقیدہ حضرت ابن مسعود کے عام اصحاب و تلامذہ خصوصاً امام علقمہ و اسود بن یزید، شقیق بن وائل اور سعید بن جبیر وغیرہم کا بھی تھا۔^①

اور حضرت عمر بن خطاب کا یہ ارشاد منقول ہے کہ وہ اپنے اصحاب کو بلا کر کہا کرتے تھے:
”ہلمو نزد ایمانا۔“ یعنی آؤ ہم ایمان میں اضافہ کریں۔

حضرت عمر سے مروی یہ روایت مرسل ہے جو مصنف انوار کے یہاں حجت ہے اور دوسرے اہل علم کے یہاں اس لیے حجت ہے کہ دوسرے متصل طریق سے بھی یہ روایت منقول ہے۔ حضرت ابن مسعود اور عمر بن خطاب کے اس عقیدہ سے کسی صحابی کا اختلاف منقول نہیں بلکہ متعدد صحابہ سے اتفاق منقول ہے۔^③ اور نصوص کتاب و سنت بھی اس کے موافق ہیں، امام ابو عبیدہ قاسم بن سلام نے بتلایا ہے کہ عام صحابہ و تابعین کی طرح امام عامر شعمی و امام نخعی بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے۔^④ اور یہ معلوم ہے کہ اس کے خلاف ایمان میں کمی و پیشی کے منکرین کو امام عامر شعمی اور ان کے اصحاب مرجیہ کہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”حدثنا خلف بن حیان حدثنا معقل بن عبيد الله العباسي قال: قدم علينا سالم الأفتس بالإرجاء، فنفر منه أصحابنا نفوراً شديداً، منهم ميمون بن مهران و عبد الكريم بن مالك... الخ.“^⑤
یعنی معقل نے کہا کہ سالم اُفتس ہمارے یہاں مرجیہ مذہب لے کر آئے، ہمارے اصحاب نے ان سے شدید نفرت ظاہر کی جن میں ميمون بن مهران اور عبدالکریم جزری بھی تھے۔

یہ روایت بہت طویل ہے۔ اس میں امام صاحب کے اساتذہ امام عطاء بن ابی رباح اور زہری وغیرہ سے بھی مذہب ارجاء پر سخت تنقید منقول ہے۔ کوئی شک نہیں کہ جس طرح امام شعمی اہل الرائے اور ان کے مذہب سے متنفر و متوحش تھے، اسی طرح مرجیہ اور مذہب مرجیہ سے بھی۔ ہم زیادہ تفصیل و تطویل میں پڑے بغیر امام شعمی سے مروی ایک طویل روایت کا ایک ٹکڑا نقل کر رہے ہیں جسے موصوف امام شعمی نے اپنے ایک شاگرد عبید اللہ بن الولید و صافی نصیحت کے طور پر کہا تھا:

”لا تكن شيعياً، ولا تكن مرجياً ولا تكن قدرباً.“^⑥
یعنی تم نہ شیعہ بن کر رہو نہ مرجیہ اور نہ قدری۔

عنقریب یہ بحث آ رہی ہے کہ امام شعمی کی طرح امام نخعی بھی مرجیہ اور مرجیہ سے نفرت رکھتے تھے، حتیٰ کہ موصوف مرجیہ آدمی سے سلام و کلام کے بھی روادار نہ تھے۔ اسلاف کرام مرجیہ و قدریہ اور اہل الرائے کو ”أهل الأهواء“ (نفس پرست) کے لقب سے بھی یاد کیا کرتے تھے۔ امام شعمی بھی ”أهل الأهواء“ کی مذمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”إنما سموا أهل الأهواء أهل الأهواء لأنهم يهوون في النار“^⑦

① کتاب الإيمان لابن تیمیہ (ص: ۱۶۱، ۱۶۲، بحوالہ أبي عبيد)

② کتاب الإيمان لابن تیمیہ بحوالہ أحمد بن حنبل (ص: ۱۱۸) و کتاب الإيمان لابن أبي شيبة (ص: ۳۶)

③ کتاب الإيمان لابن تیمیہ (ص: ۱۱۸، ۱۱۹) و کتاب الإيمان لابن أبي شيبة.

④ کتاب الإيمان لابن تیمیہ (ص: ۱۶۱، ۱۶۲) ⑤ کتاب الإيمان لابن تیمیہ (ص: ۱۰۸، ۱۰۹)

⑥ طبقات ابن سعد (۶/۲۴۸ مختصراً) ⑦ حلية الأولياء (۴/۳۲۰)

یعنی اہل الایہواء کو اہل علم نے اس نام سے اس لیے یاد رکھا ہے کہ یہ جہنم رسید ہوں گے۔

امام شعیبی کے اس ارشاد کی موافقت بھی امام ابراہیم نخعی نے کر رکھی ہے۔^① امام آدم سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے امام نخعی سے ایک مسئلہ پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ ”لا أدري“ مجھے اس کا جواب معلوم نہیں۔ اتنے میں امام شعیبی ادھر سے جاتے ہوئے نظر آئے تو امام نخعی نے سائل سے کہا کہ ان بزرگ سے جا کر پوچھو اور جو کچھ جواب دیں مجھے بھی آ کر بتلاؤ۔ اس شخص نے شعیبی کے پاس سے واپس آ کر نخعی کو بتلایا کہ وہ بھی ”لا أدري“ فرماتے ہیں، امام نخعی نے کہا: ”ہذا واللہ الفقہ“ بخدا یہی فقہ ہے۔^② اسلاف میں سے کچھ حضرات سے منقول ہے کہ ”لا أدري نصف العلم“ یعنی ”لا أدري“ آداب علم ہے۔^③

امام شعیبی سے بھی یہ قول منقول ہے۔ (دارمی: ۱/۴۳) نیز حدیث نبوی میں ہے:

”الطهور نصف الإیمان“^④

مگر امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ان دونوں ہی باتوں پر تعریض کرتے ہوئے فرمایا:

”للتوضأ مرتین حتی تستکمل الإیمان، ولیقل مرتین لا أدري حتی یستکمل العلم“^⑤
یعنی دو مرتبہ وضو کر لیا جائے تو ایمان مکمل ہو جائے گا اور دو مرتبہ ”لا ادري“ کہہ دیا جائے تو پورا علم حاصل ہو جائے گا!

ظاہر ہے کہ اس طرح کی بات امام نخعی و شعیبی اور ان کے ہم خیال وہم مزاج اسلاف کے طور و طریق کے خلاف ہے اور اس سے حدیث نبوی پر بھی تعریض ہوتی ہے۔

امام شعیبی رحمۃ اللہ علیہ امام نخعی کے استاذ تھے:

حافظ ذہبی نے کہا ہے کہ کئی سندوں سے مروی ہے کہ امام شعیبی نے فرمایا کہ امام نخعی رات کو ہم سے پڑھ کر دن میں اپنے تلامذہ کو پڑھاتے ہیں۔^⑥ اس سے معلوم ہوا کہ مسند درس پر بیٹھنے کے بعد بھی امام شعیبی سے امام نخعی پڑھا کرتے تھے۔ نیز مصنف انوار نے کہا کہ:

”امام شعیبی نے کہا کہ ابراہیم نے فقہی گھرانہ میں تعلیم و تربیت پائی ہے، اس لیے فقہ تو ان کے گھر کی چیز ہے، پھر ہمارے پاس پہنچے تو ہمارے پاس کی تمام اعلیٰ درجہ کی حدیث لے کر اپنے حاصل کردہ فقہ کے ساتھ ملا لیں۔“^⑦

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار کی ذکر کردہ یہ بات حلیۃ الاولیاء (۳/۲۲۱) میں منقول ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ امام شعیبی نے یہ بات ان کی خبر مرگ کے موقع پر کہی تھی، یعنی ۹۶ھ میں۔ اس موقع پر امام شعیبی نے کہا تھا:

”إنه نشأ في أهل بيت فآخذ فقههم، ثم جالسنا فأخذ صفو حدیثنا إلى فقہ أهل بیہ.“

③ جامع بیان العلم.

② طبقات ابن سعد (۶/۲۵۰)

① حلیۃ الاولیاء ترجمۃ نخعی.

⑤ خطیب (۱۳/۳۸۸، ۳۸۹)

④ جامع صغیر مع فیض القدیر، کتاب الإیمان لابن أبی شیبہ (ص: ۴۱، ۴۲)

⑦ مقدمہ انوار (۱/۴۱)

⑥ تذکرۃ الحفاظ، المعرفۃ والتاریخ للفسوی (۲/۶۰۳)

یعنی موصوف نخی نے فقہی گھرانے میں پرورش پائی، لہذا اپنے گھرانے کی فقہ حاصل کر چکنے کے بعد موصوف نے ہماری درسگاہ میں بیٹھ کر ہم سے اعلیٰ درجہ کی احادیث کا علم حاصل کر کے اپنی فقہ میں شامل کر لیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام نخی امام شعی کے شاگرد اور شعی کی زیر تربیت رہ کر موصوف امام نخی نے حدیث کی اعلیٰ تعلیم پائی اور امام نخی کی یہ بہت بڑی سعادت مندی و خوش نصیبی تھی کہ وہ اہل الرائے والقیاس والارجاء سے نفرت و کراہت رکھنے میں اپنے اس جلیل القدر استاذ نیز تمام اسلاف کرام کے ہم زبان و ہم خیال تھے، مگر یہ عجیب حیرت انگیز و عبرت خیز اور افسوسناک بات ہے کہ ان دونوں جلیل القدر اماموں کی درسگاہوں میں تعلیم پانے کے باوجود حماد بن ابی سلیمان نے وفات نخی کے کچھ دنوں بعد ان دونوں جلیل القدر استاذہ کے مسلک و مذہب سے اعراض و انحراف کر کے مسلک اہل الرائے والارجاء اختیار کر لیا، بلکہ یوں کہیے کہ عام اسلاف کا طور و طریق چھوڑ کر موصوف مذہب رائے و ارجاء کے پیرو ہو گئے اور انھوں نے مسلک سلف کے خلاف مسلک رائے و ارجاء کی پیروی میں ایسا طریق عمل اختیار کیا کہ ان کے طرز عمل سے برافروختہ ہو کر امام شعی حماد اور ان کے ہم مسلک اصحاب کو ”صعافقہ“ جیسے سخت لفظ سے یاد کرنے لگے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اور مصنف انوار کے دعویٰ کے مطابق امام ابوحنیفہ انھیں حماد کے ہم مسلک تھے، امام نخی اگرچہ عمر میں امام شعی سے چھوٹے تھے، کیونکہ بدعویٰ مصنف انوار امام شعی رحمۃ اللہ علیہ ۷۵۰ھ میں پیدا ہوئے، یعنی کہ امام شعی سے نخی تینتیس (۳۳) سال چھوٹے تھے، بلطف دیگر ولادت نخی کے وقت شعی کی عمر تینتیس سال تھی اور عمر میں اس قدر چھوٹے ہونے کے ساتھ امام نخی امام شعی کے شاگرد تھے، ان کی درسگاہ سے انھوں نے حدیث کی اعلیٰ تعلیم پائی تھی اور موصوف امام نخی اپنے اس جلیل القدر استاذ سے بہت پہلے ۹۶ھ ہی میں وفات پا چکے تھے، جبکہ ان کی وفات کے کئی سال بعد بقول مصنف انوار ۱۰۳ھ میں امام شعی فوت ہوئے، یعنی کہ وفات نخی کے بعد امام شعی کئی سال زندہ رہے، مگر چونکہ امام نخی اپنے اس جلیل القدر استاذ یعنی امام شعی اور دوسرے استاذہ سے تعلیم پا کر ایک عظیم المرتبت صاحب علم و کمال اور عالم باعمل اور مسلک سنت کے پیرو بننے کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے، اس لیے امام شعی اور دوسرے اہل علم نے امام نخی کے علم و فضل اور تفقہ و بیرونی سنت کی تعریف و مدح کی جیسا کہ مصنف انوار نے بھی مدح نخی میں امام شعی اور بعض دوسرے اہل علم کے اقوال نقل کیے ہیں، مگر اہل انصاف خود فیصلہ کریں کہ ان جلیل القدر اماموں یعنی شعی و نخی سے تعلیم پانے والے ان کے جو شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد اپنے ان دونوں استاذہ کی سخت ممانعت کے باوجود بھی مسلک رائے و ارجاء کے پیرو ہو گئے، ان کی مدح سرائی کو اپنا شیوہ و شعار بنا لینے والے اور ان کی ثنا خوانی کو علمی و تحقیقی و دینی خدمت قرار دیتے پھرنے والے اپنے اختیار کردہ موقف میں کس قدر حق بجانب ہیں؟

امام نخی پر امام شعی کی علمی برتری اور فضیلت صرف اس بات سے ظاہر ہے کہ وہ امام شعی کے تربیت یافتہ شاگردوں میں سے ہیں، مصنف انوار نے لکھا ہے کہ ”مرتبہ استاذ کا بڑا ہے یا شاگرد کا؟“^①

یعنی کہ بدعویٰ مصنف انوار استاذ کا مرتبہ شاگرد کے بالمقابل بڑا ہے، اور مصنف انوار نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”امام شعی کو پانچ سو صحابہ کی زیارت کا شرف حاصل ہے۔“^②

اور مصنف انوار کی لکھی ہوئی یہ بات صحیح بھی ہے، اگرچہ انھوں نے اپنی اس بات کا ماخذ بتلایا ہے نہ اس کا حوالہ دیا ہے مگر کتب رجال میں یہ بات بسند صحیح مروی ہے۔^①

اس کے بالمقابل مصنف انوار نے لکھا ہے کہ ”امام نخعی چند صحابہ کی زیارت سے مشرف بھی ہوئے۔“^② مصنف انوار کی لکھی ہوئی یہ بات اگرچہ خلاف تحقیق ہے، کیونکہ نخعی صرف ایک دو صحابی کی زیارت سے مشرف ہو سکے تھے لیکن روایت کسی سے بھی نہیں کر سکے، جیسا کہ تقریب التہذیب میں ارجح الاقوال کے طور پر موصوف کو طبقہ خامسہ کا راوی کہا گیا ہے، جس کا مطلب ہے کہ موصوف صرف ایک دو صحابی کو دیکھ سکے تھے، کسی سے روایت نہیں کر سکے تھے، جبکہ امام شععی بدعویٰ مصنف انوار پانچ سو صحابہ کی زیارت سے مشرف تھے اور بہت سارے صحابہ کے شاگرد بھی تھے، دریں صورت ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اس اعتبار سے بھی امام نخعی پر امام شععی کو بدرجہا تفوق و فضیلت حاصل ہے۔

نیز مصنف انوار نے لکھا ہے:

”حضرت ابن عمر صحابی نے ایک بار شععی کو مغازی کا درس دیتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ تمام محدثین سے اور مجھ سے بھی زیادہ یہ مغازی کو جانتے تھے۔ یہ صحابہ کے سامنے درس دیتے تھے اور صحابہ بھی شریک درس ہوتے تھے۔“^③ مصنف انوار نے اپنے اس بیان کا ماخذ بتلایا ہے اور نہ ان الفاظ کے ساتھ یہ بات ہم کو کسی کتاب میں مل سکی ہے۔ اور ان الفاظ میں اس بات کا غلط ہونا بالکل واضح ہے، مگر اتنی بات ضرور صحیح ہے کہ حضرت ابن عمر نے شععی کو احوال مغازی بیان کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ تم ان احوال کو اس طرح بیان کرتے ہو گویا ہمارے ساتھ غزوات میں شریک رہ چکے ہو۔^④ نیز تذکرۃ الحفاظ (۱/۱۷۱) میں منقول ہے کہ ابن عمر نے شععی کو احوال مغازی بیان کرتے دیکھ کر کہا کہ تم ان باتوں کو مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ نیز ابن سیرین سے مروی ہے:

”قدمت الكوفة، وللشعبي حلقة عظيمة، وأصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يومئذ كثير.“^⑤ یعنی میں کوفہ آیا تو امام شععی کا حلقہ درس بہت عظیم تھا، حالانکہ اس زمانے میں بہت سے صحابہ کرام زندہ موجود تھے۔ ابوبکر ہذلی نے کہا:

قال لي ابن سيرين: الزم الشعبي فلقد رأيتہ يستفتي، والصحابة يتوافرون.^⑥ یعنی ابن سیرین نے کہا کہ امام شععی کی صحبت لازم پکڑو، کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ ان سے فتویٰ لیا جاتا تھا، حالانکہ اس زمانے میں بہت سارے صحابہ زندہ تھے۔

اس روایت کے راوی ابوبکر ہذلی ضعیف ہیں۔^⑦ مگر یہ بات بہر حال ثابت ہے کہ ۷۳ھ میں فوت ہونے والے صحابی ابن عمر کی زندگی میں امام شععی کا حلقہ درس قائم ہو چکا تھا اور وہ ۷۴ھ سے پہلے حدیث و فقہ و مغازی کے علوم کی تعلیم دینے لگے

① حلیۃ الأولیاء (۴/۳۲۳) و عام کتب رجال۔ ② مقدمہ انوار (۱/۳۸) ③ مقدمہ انوار (۱/۳۹)

④ خطیب (۱۲/۲۳۰) و جامع المسانید (۲/۲۹۷، ۲۹۸، باب: ۳۷)

⑤ تذکرۃ الحفاظ و حلیۃ الأولیاء (۴/۳۱۰) ⑥ تذکرۃ الحفاظ (۱/۷۱) و خطیب (۱۲/۲۳۰)

⑦ تہذیب التہذیب (۱۲/۴۵، ۴۶)

تھے، جبکہ امام نخعی ابھی تحصیل علم میں مشغول تھے۔ اس اعتبار سے بھی امام نخعی پر امام شععی کو تقدیم و فضیلت حاصل ہے مگر اس تفاوت کے ساتھ ساتھ یہ دونوں استاذ و شاگرد بلند پایہ اصحاب علم و فضل تھے۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ امام صاحب کے عام اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ مذہب قیاس و رائے سے بیزار تھے، ان میں سے ایک امام ابن سیرین بھی تھے۔ (وللتفصیل موضع آخر)

حماد کا ذکر مختل:

ہم اس بات کی طرف اشارہ کر آئے ہیں کہ مصنف انوار اپنی چھیڑی ہوئی ایک بات کو ادھوری چھوڑ کر دوسری بات شروع کر دینے اور پھر اس دوسری بات کو بھی ادھوری چھوڑ کر تیسری بات چھیڑ دینے کے عادی ہیں، چنانچہ انھوں نے تذکرہ شععی سے پہلے تذکرہ حماد چھیڑ رکھا تھا مگر اسے پورا کیے بغیر ادھورا چھوڑ کر تذکرہ شععی شروع کر دیا اور اس ادھورے تذکرہ حماد سے پہلے موصوف نے تذکرہ نخعی چھیڑ رکھا تھا مگر اسے بھی ادھورا چھوڑ کر موصوف نے تذکرہ حماد شروع کر دیا، پھر اپنے چھیڑے ہوئے تذکرہ حماد کو ادھورا چھوڑ کر تذکرہ شععی شروع کر دیا، لیکن تذکرہ شععی کے بعد دوبارہ پھر تذکرہ حماد چھیڑتے ہوئے حماد سے متعلق صرف ایک جملہ لکھ کر دوسری بات شروع کر دی، یعنی کہ دوسری بار چھیڑے ہوئے تذکرہ حماد کو بھی ادھورا چھوڑ کر دوسری بحث کا آغاز کر دیا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

”امام صاحب نے دس سال حضرت حماد کی خدمت میں رہ کر فقہ کی تحصیل کی اور دوسرے بزرگوں سے بھی استفادہ کیا، اس کے بعد حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور کوفہ میں کوئی محدث ایسا نہیں تھا جس سے آپ نے احادیث نہ سنی ہوں۔“¹

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اپنے اس بیان میں مصنف انوار نے واضح طور پر دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحب نے خدمت حماد میں دس سال رہ کر فقہ پڑھی اور حماد سے تحصیل فقہ کی، اسی دس سالہ مدت میں دوسرے بزرگوں سے بھی استفادہ کیا اور دس سال تک حماد سے فقہ پڑھنے اور دوسرے بزرگوں سے استفادہ کے بعد امام صاحب تحصیل علم حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور دس سال حماد اور دوسرے بزرگوں سے تحصیل فقہ کرنے کے بعد تحصیل علم حدیث کی طرف اس طرح متوجہ ہوئے کہ کوفہ کے کسی محدث کو بھی نہ چھوڑا جس سے موصوف نے علم حدیث نہ پڑھا ہو، مگر مصنف انوار نے اپنے کسی بھی بیان سے یہ نہیں ظاہر ہونے دیا ہے کہ حماد سے فقہ پڑھنے اور دوسرے اساتذہ سے استفادے کی یہ دس سالہ مدت کب سے شروع ہو کر کب ختم ہوئی جس کے بعد امام صاحب حدیث کی طرف متوجہ ہوئے؟ نیز مصنف انوار نے یہ بھی نہیں بتلایا کہ امام صاحب حماد اور دوسرے اساتذہ سے استفادہ کی جس دس سالہ مدت کے بعد حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اس دس سالہ مدت سے پہلے امام صاحب کا کیا مشغلہ تھا؟

ان دونوں معاملات کو مبہم رکھنے کے ساتھ مصنف انوار نے ایک بات یہ لکھی ہے کہ:

”حضرت حماد کے حلقہ درس میں امام صاحب کے سوا کوئی اور استاذ کے سامنے نہ بیٹھتا تھا، دس برس ان کی خدمت میں رہے تھے کہ ایک دفعہ اپنی جگہ پر بٹھا کر حماد باہر گئے، امام صاحب لوگوں کے سوالات کے جواب

دیتے رہے، استاذ کی واپسی پر وہ مسائل ان کی خدمت میں پیش کیے جن کی تعداد ساٹھ تھی، استاذ نے چالیس سے اتفاق اور بیس سے اختلاف کیا، امام صاحب نے قسم کھائی کہ ساری عمر حاضر رہوں گا، چنانچہ استاذ کی وفات تک ساتھ رہے۔ کل زمانہ رفاقت اٹھارہ سال ہوا۔¹

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس بیان میں مصنف انوار نے حماد سے امام صاحب کی مدت تحصیل علم اٹھارہ سال بتلائی ہے، ظاہر ہے کہ موصوف کا یہ بیان ان کے پہلے والے اس بیان کے معارض ہے کہ امام صاحب نے دس سال حضرت حماد کی خدمت میں رہ کر تحصیل فقہ کی، مصنف انوار کی اس تضاد بیانی کے ساتھ ساتھ ان کی تلبیس کاری (جس کی وضاحت آگے آرہی ہے) سے قطع نظر فی الوقت ہمیں یہ بتلانا ہے کہ مصنف انوار نے اپنے اس بیان میں یہ دعویٰ کر رکھا ہے کہ امام صاحب حماد کی وفات تک حماد سے اٹھارہ سال تک پڑھتے رہے تھے، اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ حماد کی وفات ۱۲۰ھ میں ہوئی جس کا مطلب یہ ہوا کہ بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ میں حماد کی درسگاہ میں داخل ہو کر امام حماد سے اٹھارہ سال تک پڑھتے رہے۔ اس سے قطع نظر کہ مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا دونوں بیانات میں کوئی صورت تطبیق نہیں بتلائی یہ سوال اپنی جگہ پر برقرار ہے کہ حماد اور دیگر اساتذہ سے استفادہ کی جس دس سالہ مدت کے بعد امام صاحب حدیث کی طرف متوجہ ہوئے وہ کب سے شروع ہو کر کب ختم ہوئی؟ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ دس سالہ مدت حماد کی وفات سے دس سال پہلے شروع ہو کر وفات حماد تک ختم ہوئی ہے، یعنی کہ ۱۱۲ھ سے شروع ہو کر ۱۲۰ھ پر ختم ہوئی تو مصنف انوار کے اس دعویٰ کے پیش نظر کہ حماد سے امام صاحب کی مدت استفادہ اٹھارہ سال ہے، لازمی طور پر یہ سوال اٹھے گا کہ ۱۱۲ھ سے لے کر ۱۲۰ھ تک کی دس سالہ مدت تحصیل فقہ کے پہلے آٹھ سال تک خدمت حماد میں رہ کر امام صاحب کیا حاصل کرتے رہے جبکہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ حماد سے دس سالہ تحصیل فقہ کی مدت کے بعد امام صاحب حدیث کی طرف متوجہ ہوئے، جس کا ظاہری مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس دس سالہ تحصیل فقہ کی مدت کے پہلے امام صاحب حدیث کی طرف متوجہ نہیں ہوئے تھے؟ اور اگر کہا جائے کہ حماد سے دس سالہ تحصیل فقہ کی مدت کے پہلے امام صاحب حماد کی خدمت میں مزید آٹھ سال رہے، اس طرح حماد سے امام صاحب کی کل مدت استفادہ اٹھارہ سال ہوتی ہے، تو لازم آئے گا کہ امام صاحب درسگاہ حماد میں ۱۰۲ھ سے لے کر ۱۱۲ھ تک تحصیل فقہ کرتے رہے اور اس کے بعد موصوف حدیث کی طرف متوجہ ہوئے، دریں صورت یہ سوال ہوگا کہ جب امام صاحب ۱۰۲ھ سے ۱۱۲ھ تک تحصیل فقہ کرتے رہے اور اس کے بعد حدیث کی طرف متوجہ ہوئے تو جو محدثین کرام ۱۱۲ھ کے پہلے وفات پا چکے تھے، ان سے امام صاحب ۱۱۲ھ کے بعد حدیث کیسے پڑھ سکے؟ مثلاً مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب نے ۹۵ھ یا ۹۶ھ میں فوت ہونے والے امام نخعی سے اور ۱۰۳ھ میں فوت ہونے والے امام شعبی سے، ۱۰۷ھ میں فوت ہونے والے عکرمہ مولیٰ ابن عباس سے، ۱۰۶ھ میں فوت ہونے والے امام سالم بن عبداللہ بن عمر سے اور ۱۰۰ھ کے لگ بھگ فوت ہونے والے امام سلیمان مولیٰ میمونہ سے حدیث پڑھی۔²

لیکن اس مفروضہ کی صورت میں کہ امام صاحب ۱۱۲ھ کے بعد تحصیل حدیث کی طرف متوجہ ہوئے، مذکورہ بالا حضرات

سے امام صاحب کے حدیث پڑھنے کا دعویٰ کیونکر صحیح ہوگا؟ اور اگر کہا جائے کہ امام صاحب تحصیل حدیث کی طرف ۱۱۲ھ سے پہلے ۱۰۲ھ میں یا اس سے بھی پہلے متوجہ ہوئے تو مصنف انوار کے اس دعویٰ کی کیا توجیہ ہوگی کہ حماد سے دس سال فقہ پڑھنے کے بعد امام صاحب حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ کہ امام صاحب نے حماد سے اٹھارہ سال تحصیل علم کیا؟ ان باتوں سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ حماد سے امام صاحب کی مدت تعلیم کے دس سال یا اٹھارہ سال ہونے کے دعویٰ پر کون سی معتبر دلیل قائم ہے جس کی بنا پر اسے اس گروہ کے ایجاد کردہ اکاذیب میں نہیں شمار کیا جاسکتا جو بقول مصنف انوار سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے والے جھوٹ کو کارخیر سمجھ کر مسلمانوں میں پھیلاتا رہا ہے؟ اپنے مذکورہ بالا پرنٹیج بیان میں یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ:

”امام صاحب نے حماد سے دس سال فقہ پڑھی اور دوسرے بزرگوں سے بھی استفادہ کیا، اس کے بعد حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور کوفہ میں کوئی محدث ایسا نہ تھا جس سے آپ نے احادیث نہ سنی ہوں۔“
مصنف انوار نے مزید کہا:

”ابوالحسان نے امام صاحب کے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں جن میں سے ۹۳ کوفہ کے ساکن یا نزیل کوفہ تھے، جن میں سے امام شعی کا ذکر ہو چکا ہے، چند دوسرے حسب ذیل ہیں۔“^①

ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے مذکورہ بالا دعاوی کے مطابق امام صاحب نے اپنے شیوخ حدیث سے درسگاہ حماد میں دس سال تک فقہ پڑھنے کے بعد حدیث پڑھی، جس کا لازمی مطلب مصنف انوار ہی کے دعاوی کے مطابق یہ ہے کہ ان شیوخ حدیث سے امام صاحب نے یا تو ۱۱۲ھ کے بعد حدیث پڑھی یا ۱۲۰ھ کے بعد، مگر ابوالحسان کے ذکر کردہ امام صاحب کے شیوخ حدیث میں بہت سارے حضرات ایسے ہیں جو ۱۲۰ھ ہی نہیں بلکہ ۱۱۲ھ سے پہلے حتیٰ کہ ۱۰۰ھ سے بھی قبل فوت ہو گئے، اور حقیقت یہ ہے کہ ابوالحسان کے ذکر کردہ متعدد شیوخ حدیث سے امام صاحب کا سماع معتبر طور پر ثابت نہیں یہاں سوال یہ ہے کہ جب مصنف انوار کا ایک طرف یہ دعویٰ ہے کہ حماد سے دس سال فقہ پڑھنے کے بعد امام صاحب حدیث کی طرف متوجہ ہوئے اور دوسری طرف مصنف انوار کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ امام شعی سے امام صاحب نے حدیث پڑھی جو ۱۰۳ھ میں فوت ہوئے تو مصنف انوار یہ کیوں نہیں بتلاتے کہ حماد سے دس سال فقہ پڑھ کر امام صاحب کس سال فارغ ہوئے جس کے بعد انھوں نے شعی سے حدیث پڑھی؟

مصنف انوار نے اس جگہ امام صاحب کے سات کوئی اساتذہ شعی، حماد، سلمہ بن کہیل، اعمش، سماک بن حرب، ہشام بن عروہ اور ابراہیم کا ذکر کیا ہے۔^② جن میں سے ابراہیم اور حماد کے ادھورے ذکر کے بعد شعی کا ذکر کیا ہے۔ شعی سے متعلق موصوف کے دعاوی کی حقیقت بیان کی جا چکی ہے، ان تینوں کے بعد سلمہ بن کہیل کا ذکر ہے۔

امام سلمہ بن کہیل:

مصنف انوار نے امام صاحب کے شیوخ حدیث میں سلمہ بن کہیل کا تذکرہ صرف دوسطروں میں کرنے پر اکتفا کیا ہے:

② مقدمہ انوار (۱/۳۹ تا ۴۵)

① مقدمہ انوار (۱/۴۰)

”سلمہ مشہور محدث و تابعی تھے، سفیان استاذ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سلمہ ایک رکن ہیں ارکان میں سے، ابن مہدی کا قول ہے کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایہ تھے، منصور، سلمہ، عمرو بن مرہ، ابو حصین¹۔ ہم کہتے ہیں کہ سفیان استاذ امام شافعی نے یہ بھی فرمایا ہے:

”قال سلمة بن كهيل: اجتمع الضحاك وميسرة وأبو البخترى فأجمعوا على أن الشهادة والإرجاء والبراء بدعة.“²

یعنی سلمہ بن کھیل نے کہا کہ ضحاک بن شراحیل ہمدانی، میسرہ بن یعقوب بن جمیلہ اور ابو البختری سعید بن فیروز نے متفق اللسان ہو کر کہا کہ مذہب ارجاء بدعت ہے۔

متفق اللسان ہو کر ارجاء کو بدعت قرار دینے والے مذکورہ بالا تینوں ہی حضرات اکابر تابعین اور حضرت ابن مسعود کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد ہیں، مصنف انوار نے امام اوزاعی کو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا استاذ قرار دیا ہے۔³ اور امام اوزاعی نے فرمایا کہ:

”قال الزهري: ما ابتدعت في الإسلام بدعة أعز على أهلها من هذا الإرجاء.“⁴

یعنی امام زہری نے فرمایا کہ اسلام میں ارجاء سے زیادہ خطرناک بدعت ایجاد نہیں کی گئی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سلمہ بن کھیل بھی مذہب ارجاء کو بدعت قرار دیتے تھے مگر جس حماد کی درسگاہ میں بقول مصنف انوار امام صاحب نے اٹھارہ سال تعلیم پائی وہ ان سب حضرات سے منحرف ہو کر مرجی المذہب ہو گئے، بنا بریں تلامذہ نخعی کے عتاب کے شکار ہوئے۔ سلمہ بن کھیل کے بعد مصنف انوار نے امام صاحب کے اساتذہ کی فہرست میں امام اعمش کا ذکر کیا ہے، لہذا اب ہم اس پر تبصرہ کریں گے۔

امام اعمش استاذ ابی حنیفہ کے فقیہ و غیر فقیہ ہونے کا متضاد دعوائے مصنف انوار:

مصنف انوار نے تذکرہ اعمش شروع کرتے ہوئے کہا:

”اعمش كوفه کے جلیل القدر محدث و فقیہ تابعی تھے، باوجودیکہ امام صاحب کے اساتذہ کے طبقہ میں تھے اور امام صاحب نے ان سے روایات بھی کی ہیں مگر امام صاحب کے تفقہ و اجتہاد کے بڑے مداح تھے۔“⁵

مصنف انوار نے اپنے اس بیان میں امام اعمش کو جلیل القدر محدث اور فقیہ تابعی قرار دیا ہے، مگر اس اقرار و اعتراف کے بعد ہی فوراً موصوف نے اپنے خالص علمی و تحقیقی نقطہ سے صحیح قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل روایت نقل کی جس کا لازمی مطلب ہے کہ امام اعمش فقیہ نہیں تھے۔ ملاحظہ ہو:

”ایک بار امام صاحب بھی اعمش کی مجلس میں تھے، کسی نے سوال کیا تو آپ نے جواب کے لیے امام صاحب ہی کو حکم دیا، امام صاحب نے جواب دیا تو اس کو بہت پسند فرمایا اور پوچھا کہ یہ جواب آپ نے کس دلیل سے

1 مقدمہ انوار (۱/ ۴۰) 2 کتاب الإیمان لأبي عبيد قاسم بن سلام (ص: ۶۴)

3 مقدمہ انوار (۱/ ۴۶) 4 کتاب الإیمان لأبي عبيد (ص: ۸۲) 5 مقدمہ انوار (۱/ ۴۰)

دیا؟ امام صاحب نے فرمایا کہ فلاں حدیث سے جو آپ ہی سے میں نے سنی ہے۔ امام اعمش اس پر متحیر ہوئے اور فرمایا: اے گروہ فقہاء! واقعی ہم لوگ تو صرف دو فروش ہیں اور تم طیب ہو! ¹

اس سے قطع نظر کہ مصنف انوار کی صحیح و معتبر قرار دی ہوئی یہ روایت کس معتبر دلیل پر قائم ہے؟ جس کی وجہ سے اسے ان لوگوں کے ایجاد کردہ اکاذیب میں نہیں شامل کیا جاسکتا جو بقول مصنف انوار جھوٹ کو کار خیر سمجھ کر سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے پھیلاتے تھے، ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس روایت میں امام اعمش کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ انھوں نے فقہاء و محدثین کو دو مختلف گروہ قرار دے کر فقہاء کو اطباء اور محدثین کو دو فروش کہہ کر اپنے کو گروہ فقہاء سے خارج اور گروہ دو فروش میں شمار کیا اور امام صاحب کو فقہاء میں، جس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ امام اعمش بقول خویش محدث تھے مگر فقیہ نہیں تھے، اس روایت کو بطور دلیل پیش کرنے سے لازم آیا کہ مصنف انوار امام اعمش کو گروہ فقہاء سے خارج یعنی انھیں غیر فقیہ کہتے ہیں اور موصوف کی یہ بات اس سے پہلے ان کی لکھی ہوئی اس بات کے معارض ہے کہ اعمش جلیل القدر محدث و فقیہ تھے۔ مزید براں یہ کہ مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی اس روایت کی سند میں ابراہیم بن عثمان بن سعید نامی ایک راوی موجود ہے۔ ² اور یہ مجہول ہے۔ ³ اور اس مجہول سے اس روایت کا ناقل محمد بن قاسم بن سفیان ہے، اس کی روایات کو امام ابن حزم نے کذب خالص و بلائے ظاہر قرار دیا ہے۔ ⁴

یعنی مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی یہ روایت مکذوبہ و سفید جھوٹ ہے، امام صاحب کے جلیل القدر محدث و فقیہ استاذ کو خود ہی ایک طرف فقیہ قرار دے کر دوسری طرف انھیں غیر فقیہ قرار دینے کے لیے جھوٹی و خانہ ساز روایت کو اس دعویٰ کے ساتھ انوار الباری میں لکھنا کہ خالص علمی، تحقیقی و دینی نقطہ نظر سے صرف صحیح و معتبر باتیں ہی اس میں لکھی گئی ہیں، کون سی دیانت داری ہے؟

مصنف انوار بہر حال معترف ہیں کہ امام اعمش استاذ ابی حنیفہ ہیں اور وہ مدعی ہیں کہ استاذ کا مرتبہ شاگرد سے بڑا ہوتا ہے، اس اعتبار سے امام صاحب پر امام اعمش کا تفوق ثابت شدہ حقیقت ہے لیکن یہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ کوئی جلیل القدر محدث و فقیہ استاذ اپنے سعادت مند شاگرد کی علمی صلاحیتوں کو دیکھ کر اس کی تعریف و مدح کے بغیر نہیں رہ سکتا، اس لیے یہ مستبعد نہیں کہ امام صاحب میں قابل مدح کوئی بات دیکھ کر امام اعمش نے ان کی کوئی مدح کی ہو مگر مصنف انوار نے یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ ”امام اعمش امام صاحب کے تفقہ و اجتہاد کے بڑے مداح تھے۔“ اپنے اس دعویٰ پر بطور دلیل مذکورہ بالا جو روایت پیش کی ہے اسے ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ مکذوب ہے اور اس سے امام صاحب کے جلیل القدر محدث و فقیہ استاذ کی قدر بھی ہوتی ہے۔ دریں صورت سوال یہ ہے کہ اکاذیب کے ذریعہ مدح ابی حنیفہ کی یہ کوشش کون سی تحقیقی و دینی خدمت ہے جبکہ اس سے امام صاحب کے جلیل القدر استاذ کی قدر بھی ہوتی ہے؟

مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی یہ مکذوبہ روایت بذات خود اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ امام صاحب امام اعمش کے

① مقدمہ انوار (۱/ ۴۰) بحوالہ عقود الجواهر المنیفة (۱/ ۱۰۴، ۱۰۵)

② جامع بیان العلم (۲/ ۱۳۱)

④ لسان المیزان (۵/ ۳۴۸، ۳۴۹)

③ لسان المیزان (۸/ ۱)

شاگرد تھے اور موصوف امام صاحب درسگاہِ اعمش میں پڑھنے کے لیے گئے ہوئے تھے کہ کسی آدمی نے امام اعمش سے کوئی مسئلہ پوچھا، امام اعمش نے اپنے تلامذہ کی مجلس پر ایک نظر ڈال کر امام صاحب سے کہا کہ تم ہی اس سوال کا جواب دو، جب امام صاحب نے جواب دیا تو اعمش نے اس پر مذکورہ بالا بات کہی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعمش کی مجلس میں پیش آنے والے جس واقعہ کا اس میں ذکر ہے، یہ اس زمانے میں پیش آیا تھا جبکہ امام صاحب درسگاہِ اعمش میں زیرِ تعلیم تھے اور امام اعمش نے سوال مذکور کا جواب دینے کی جو فرمائش امام صاحب سے کی وہ ان کی صلاحیت کا امتحان لینے کی غرض سے تھی، اس سوال کا جواب امام صاحب نے اس طرح دیا کہ اعمش کو یہ کہنے پر مجبور ہونا پڑا کہ تم لوگ اطبا ہو اور ہم دوا فروش، اپنی درسگاہ میں زیرِ تعلیم کسی طالب علم کے اس سوال کے جواب پر استاذ کا یہ تبصرہ عجیب ہے جو اس نے بطور امتحان اپنے اس شاگرد سے کیا ہو! بہر حال اس طرح کے اکاذیب کو صحیح و معتبر قرار دے کر خدمتِ علم و دین کے نام پر کتاب لکھنی عجیب طرح کی دیانتداری ہے۔

مصنف انوار نے آگے چل کر اس مکذوبہ روایت سے ملتی جلتی ہوئی ایک دوسری مکذوبہ روایت اس طرح نقل کی ہے:

”ایک بار امام صاحب سے امام اعمش نے چند مسائل میں گفتگو کی، آپ نے جواب دیے، پوچھا کہاں سے؟ امام صاحب نے احادیث بیان کرنی شروع کر دیں جو اعمش ہی سے سنی تھیں، اعمش نے کہا بس کافی ہے، آپ نے تو حد کردی، میں نے جو احادیث سودن میں آپ سے بیان کی تھیں، وہ آپ نے ایک ساعت میں سنا دیں، مجھے یہ علم نہ تھا کہ آپ ان پر عمل کر رہے ہیں، اے جماعتِ فقہاء! آپ لوگ طیب ہیں اور ہم دوا فروش، آپ نے دونوں طرف (فقہ وحدیث) سے حظ وافر حاصل کیا ہے۔“¹

مصنف انوار نے اپنی دلیل بنائی ہوئی اس روایت کو خیرات الحسان اور خطیب کے حوالہ سے نقل کیا ہے حالانکہ یہ روایت تاریخِ خطیب میں مصنف انوار کے ذکر کردہ الفاظ کے ساتھ نہیں بلکہ اس میں یہ روایت اس طرح ہے:

”عن أبي عباد شيخ لهم قال: قال الأعمش لأبي يوسف: كيف ترك صاحبك أبو حنيفة قول عبد الله: عتق الأمة طلاقها؟ قال: تركه لحديثك الذي حدثته عن إبراهيم عن الأسود عن عائشة أن بريرة حين أعتقت خيرت. قال الأعمش: إن أبا حنيفة لفظن، قال: وأعجبه ما أخذ به أبو حنيفة.“²

یعنی اعمش نے ابو یوسف سے کہا کہ تمہارے استاذ نے ابن مسعود کے فتویٰ ”عتق الامة طلاقها“ کے خلاف کیوں عمل کیا؟ ابو یوسف نے کہا کہ حضرت عائشہ کی بیان کردہ حدیث ”إن بريرة حين أعتقت خيرت“ کی وجہ سے جس کو آپ ہی نے ان سے بیان کیا ہے۔ اس پر امام اعمش نے کہا کہ امام صاحب سمجھدار آدمی ہیں، اعمش کو امام صاحب کا یہ طریق پسند آیا۔

① مقدمہ انوار (۱/ ۱۰۴، ۱۰۵) بحوالہ خیرات الحسان (ص: ۶۷) و خطیب عن أبي يوسف.

② خطیب (۱۳/ ۳۴۰)

ظاہر ہے کہ مصنف انوار کے بیان اور اصل روایت کے مضمون میں بہت زیادہ فرق ہے۔ اس میں اطبا و صیادلہ کا ذکر نہیں ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس میں امام صاحب کے ساتھ اعمش کے مکالمہ کا تذکرہ بھی نہیں ہے بلکہ وہ ابو یوسف کے ساتھ ہے پھر مصنف انوار نے تاریخ خطیب کے حوالے سے اسے امام صاحب کے ساتھ اعمش کے مکالمہ کی شکل میں کیوں پیش کر دیا؟ یہ کون سی دیانتداری ہے!

خطیب کے حوالے سے اس روایت کی نقل میں مصنف انوار کی دیانتداری اس تفصیل سے واضح ہوگئی جس میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ قول ابن مسعود کے خلاف حدیث نبوی پر عمل کرنے اور حدیث مذکور سے امام صاحب کے طرز استدلال کی اعمش نے تحسین کی۔ پھر بھی خطیب والی اس روایت کی سند کے راوی ابو عباد اور محمد بن عمر حنفی کا حال معلوم نہیں، یعنی یہ روایت بھی معتبر نہیں ہے۔

اس سے بڑی بات یہ کہ روایت مذکورہ کو مصنف انوار نے خیرات الحسان کے حوالہ سے بھی نقل کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ خیرات الحسان میں درج شدہ روایات کی سندیں حذف کر دی گئی ہیں، دریں صورت بلا سند دیکھے مصنف انوار نے یہ کیسے معلوم کر لیا کہ روایت مذکورہ خالص علمی و تحقیقی اور دینی نقطہ نظر سے صحیح ہے؟

کوئی شک نہیں کہ مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی یہ روایت مکذوب ہے اور یہ مکذوبہ روایت اگرچہ صرف ایک محدث امام اعمش کی طرف منسوب ہے مگر مصنف انوار ترنگ میں آ کر ایک جگہ فرماتے ہیں:

”بڑے بڑے حفاظ حدیث کو کہنا پڑا کہ ”نحن الصیادلة و أنتم الأطباء“ یعنی ہم لوگ صرف دوا فروش ہیں اور آپ لوگ طبیب ہیں۔“¹

صرف ایک محدث کی طرف مکذوب طور پر منسوب روایت میں وارد شدہ بات کو اپنے خانہ ساز اکاذیب کے زور پر ”بڑے بڑے حفاظ حدیث“ کی طرف منسوب کر دینا کون سی دیانت داری ہے؟

مصنف انوار (۱/۲۰) نے مذکورہ بالا مکذوبہ روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا:

”اسی طرح کا واقعہ امام اعمش ہی کا امام ابو یوسف کے ساتھ بھی پیش آیا تھا کہ امام اعمش نے فرمایا تھا کہ یہ حدیث مجھ کو اس وقت سے یاد ہے کہ تمہادی پیدائش کے آثار بھی نہیں تھے لیکن اس کے معانی پر آج تنبہ ہوا، بے شک ہم لوگ دوا فروش اور آپ لوگ اطباء ہیں۔“

حالانکہ ان الفاظ کے ساتھ اس روایت کا ذکر امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بلا سند جامع البیان (۲/۱۳۰، ۱۳۲) میں کیا ہے اور بلا سند والی روایت کیونکر صحیح و معتبر قرار دی جاسکتی ہے؟

آگے چل کر مصنف انوار (۱/۱۰۵) نے ابو یوسف اور اعمش کے مابین پیش آنے والے اس مکالمہ کا ذکر کیا ہے۔² جسے ہم تاریخ خطیب کے حوالہ سے نقل کر کے بتلا آئے ہیں کہ

اولاً یہ بھی معتبر نہیں۔ ثانیاً اس میں اطباء صیادلہ کا کوئی ذکر نہیں۔ اس مفہوم کی ایک روایت جامع المسانید (۱/۲۷) میں ابو

محمد حارثی بخاری سے نقل کی گئی ہے، اس میں اطباء و صیادلہ کا لفظ مذکور نہیں اور حارثی موصوف کذاب و وضاع ہے۔ اسی مفہوم کی ایک روایت بشر بن الولید سے تاریخ خطیب ترجمہ ابی یوسف میں مروی ہے۔¹ اس میں بھی اطباء و صیادلہ کا ذکر نہیں اور اس کی سند میں عبداللہ بن محمد الاسدی الاکفانی ہے، جو بقول خطیب ”لم یکن فی الحدیث شیئاً“ تھا۔² ایسی روایت کو معتبر قرار دینا کون سی دیانتداری ہے؟

مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی مذکورہ بالا روایت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ امام صاحب نے حضرت ابن مسعود کے فتویٰ و قول ”بیع الأمة طلاقها“ اور ”عتق الأمة طلاقها“ پر عمل کرنے کے بجائے حدیث نبوی پر عمل کیا، حالانکہ مصنف انوار دوسری طرف اقوال صحابہ کو حجت نہ ماننے والوں پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ نیز فرماتے ہیں کہ امام صاحب حضرت ابن مسعود ہی کے علوم کے وارث اور ان کے ہم مذہب تھے۔ مصنف انوار کی ان باتوں میں صورت تطبیق کیا ہے؟ اگر قول صحابی کو حجت نہ ماننا قابل طعن ہے تو امام صاحب نے قول ابن مسعود کو حجت کیوں نہیں مانا؟ اگر کہا جائے کہ حدیث نبوی کے مقابلے میں قول صحابی کو حجت نہیں ماننا تو پھر قول صحابی کو حجت شرعیہ قرار دینے پر اصرار کا معنی رکھتا ہے؟

مصنف انوار کا موضوع حدیث سے استدلال:

مصنف انوار اگرچہ اس حدیث نبوی سے واقف ہیں کہ ”من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعده من النار“³ نیز ”کفی بالمرء کذباً أن یحدث بکل ما سمع“⁴ جن کا حاصل یہ ہے کہ بے تحقیق سنی سنائی بات کو بھی حدیث نبوی کہنے والا کذاب ہے اور جان بوجھ کر ایسا کرنے والا جہنم رسید ہوگا مگر اس کے باوجود موصوف نے نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ کہا:

”امام اعمش محدثین کے مشہور و معروف شیخ الشیوخ ہیں، مسند خوارزمی میں امام اعمش کا قول منقول ہے کہ امام ابوحنیفہ مواضع فقہ و دقیقہ اور غوامض علم خفیہ کو بخوبی جانتے ہیں اور ان کو تاریک مقام میں بھی اپنے چراغ قلب کی وسیع نورانی روشنی سے اچھی طرح دیکھ لیتے ہیں، کیونکہ نبی ﷺ نے امام صاحب کو سراج امت فرمایا ہے، یعنی کہ وہ میری امت کے چراغ ہیں۔“⁵

اولاً: مصنف انوار اپنا یہ جملہ کہ ”امام اعمش محدثین کے مشہور شیخ الشیوخ ہیں۔“ لکھتے وقت یہ بھول گئے کہ وہ اعمش کو اپنے امام ابوحنیفہ کا بھی قابل فخر، جلیل القدر شیخ اور استاذ بتلا آئے ہیں۔⁶ امام صاحب جس استاذ کی درسگاہ میں تعلیم و تربیت پا کر درجہ امامت کو پہنچے اس استاذ کو آخر یہاں مصنف انوار نے کس مصلحت سے اس جملے کے ساتھ یاد کیا ہے؟

ثانیاً: مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی اس روایت کے مطابق امام اعمش یہ جانتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے امام صاب کو چراغ امت کہا ہے، تو انھوں نے امام صاحب کے اختیار کردہ مذہب ارچاء کو بدعت کیوں کہا؟ نیز انھوں نے کیوں امام صاحب

1 تاریخ خطیب (۲۴۶/۱۴) 2 میزان الاعتدال (۷۵/۲) 3 مقدمہ انوار (۱۹/۱)

4 مقدمہ انوار (۱۲۴/۱) 5 مقدمہ انوار (۱۰۴/۱) 6 مقدمہ انوار (۴۰/۱)

کے ہم مذہب استاذ حماد کے مرجی ہو جانے پر قطع تعلق کر لیا اور ان سے سلام و کلام بھی بند کر دیا؟ (کما سیأتی) ثلثاً: مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی مسند خوارزمی والی یہ بات کس دلیل معتبر پر قائم ہے جس کی وجہ سے اس کو اس گروہ کے ایجاد کردہ اکاذیب میں نہیں شمار کیا جاسکتا جو بقول مصنف انوار سفید کو سیاہ کر دکھانے کے لیے کارثواب سمجھ کر مسلمانوں میں جھوٹ کو پھیلاتا تھا، جب کہ مسند خوارزمی میں یہ بات ابو محمد حارثی کذاب و وضاع سے منقول ہے؟¹

رابعاً: کذاب شخص سے بلا سند مروی موضوع حدیث کو بطور حجت پیش کرنا کن لوگوں کا کام ہے؟ افسوس ہے ان لوگوں پر جو اکاذیب کی ترویج و اشاعت کو علمی و دینی خدمت کہتے پھریں!!

امام اعمش رضی اللہ عنہ پر مصنف انوار کی افترا پردازی:

مصنف انوار نے کہا:

”امام اعمش نے فرمایا کہ ابو حنیفہ وہ مسائل جانتے ہیں کہ نہ حسن بصری جانتے ہیں، نہ ابن سیرین جانتے ہیں، نہ قتادہ، نہ یحییٰ، نہ ان کے سوا کوئی اور۔“²

مصنف انوار نے اپنے اس بیان میں امام اعمش کی طرف منسوب کر کے جو بات کہی ہے، یعنی مذکورہ بالا حضرات بھی وہ مسائل نہیں جانتے جو امام صاحب جانتے ہیں، بلکہ جو مسائل امام صاحب جانتے ہیں وہ کوئی نہیں جانتا، وہ سراسر امام اعمش پر افترا ہے، اگر مصنف انوار میں ذرا بھی دینی و علمی غیرت ہے تو اس روایت کا معتبر ہونا ثابت کریں ورنہ بے سند ہونے کے سبب اس کا مذکور ہونا ظاہر ہے۔ نیز مذکورہ بالا حضرات میں سے سبھی لوگ امام صاحب کے اساتذہ یا اساتذہ کے اساتذہ ہیں، امام صاحب کے اساتذہ بلکہ دنیا کا کوئی آدمی جس علم سے واقف نہیں وہ کون سا علم ہو سکتا ہے جس سے واقف ہونا امام صاحب کے لیے باعث فضیلت ہو گیا؟

مصنف انوار نے اپنے مندرجہ ذیل بیان میں کہا ہے کہ امام اعمش مخالفین امام صاحب کے مخالفین میں سے تھے:

”واضح ہو کہ امام و کعب بھی امام اعمش و اوزاعی کی طرح ابتدا میں امام صاحب کے مخالف تھے، پھر صحیح حالات معلوم ہونے پر معتقد و مقلد ہو گئے۔“³

مصنف انوار نے اس بیان میں دو دعوے کیے ہیں، ایک یہ کہ ابتدا میں امام اعمش، اوزاعی اور و کعب مخالفین امام صاحب میں تھے، دوسرے یہ کہ یہ حضرات صحیح حالات معلوم ہونے پر بعد میں امام صاحب کے معتقد و مقلد ہو گئے، صاف ظاہر ہے کہ یہ کھلا ہوا سفید جھوٹ ہے، مصنف انوار تا قیامت ان دونوں دعاوی کا صحیح ہونا نہیں ثابت کر سکتے۔ مصنف انوار کی ان دونوں باتوں کا حاصل یہ ہوا کہ پہلے امام اعمش دوسرے اہل علم کی طرح امام صاحب کے مخالفین میں سے تھے، پھر بعد میں یہ کہنے لگے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چراغ امت کہا ہے۔ نیز یہ بھی کہنے لگے کہ امام صاحب ایسے علوم سے واقف ہیں جن سے دنیا میں کوئی بھی واقف نہیں، اور یہ کہ امام صاحب طیب ہیں۔ ان پچ در پچ اکاذیب کو خالص علمی و دینی و تحقیقی باتیں کہہ کر مسلمانوں میں پھیلانا آخر کون سی حرکت ہے؟ مصنف انوار یہ بتلائیں کہ امام اعمش کو ”سراج امتی“ والی حدیث نبوی کا علم

1 مسند خوارزمی (۲۷/۱)

2 مقدمہ انوار (۷۲/۱)

3 مقدمہ انوار (۷۲/۱)

کب ہوا تھا؟ امام صاحب کا مخالف ہونے سے پہلے یا بعد میں؟ اگر بعد میں تو انھوں نے یہ حدیث کس سے سنی تھی؟ نیز مصنف انوار نے کہا ہے:

”کسی نے اعمش سے مسئلہ پوچھا۔ کہا کہ اس کا جواب ابوحنیفہ خوب جانتے ہیں، میرا خیال ہے کہ ان کے علم میں برکت دی گئی ہے۔“^①

مصنف انوار نے یہ بات خیرات الحسان سے نقل کی ہے، جس میں درج شدہ روایات بلاسند منقول ہیں، پھر اس کا صحیح و معتبر ہونا کیسے معلوم ہو سکا؟ نیز امام اعمش نے مذہب حماد کو بدعت کہا ہے اور حماد نے جب یہ مذہب امام نخعی کی وصیت سے انحراف کر کے قبول کر لیا تھا تو اعمش نے ان سے سلام و کلام بند کر دیا تھا، پھر اعمش نے امام صاحب کے علم کو بابرکت کیوں اور کب کہا؟ علمی و دینی غیرت سے کام لے کر مصنف انوار اس روایت کا معتبر ہونا ثابت کریں۔ مصنف انوار نے کہا:

”اعمش نے امام صاحب سے کہا تھا کہ اگر طلب سے فضیلت حاصل ہوتی تو میں تم سے افقہ ہو جاتا مگر وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہے۔“^②

مصنف انوار نے مذکورہ بالا بات کردری کے حوالہ سے لکھی ہے جس میں درج شدہ روایات خیرات الحسان کی طرح بلاسند مذکور ہیں، پھر اس کا معتبر ہونا مصنف انوار کو کیسے معلوم ہوا؟ جو مذہب ارجاء اعمش کے نزدیک نو ایجاد بدعت ہے اور جس کے پیروکار سے وہ سلام کے روادار نہ تھے، اس کے کسی تابع کو انھوں نے اگر اپنے سے افقہ کہا ہے، باوجودیکہ وہ ان کا شاگرد بھی ہو تو موصوف کی ان دونوں باتوں میں صورت تطبیق بتلائی جائے، مگر پہلے یہ ثابت کر دیا جائے کہ اعمش کی طرف امام صاحب کے بارے میں منسوب شدہ مذکورہ بالا بات فی الواقع اعمش نے کہی بھی ہے۔ امام صاحب کے ذکر سے پہلے امام مالک کا ذکر کرنے کے سبب مصنف انوار صاحب مشکوٰۃ پر خفا ہیں، لیکن امام صاحب کے جلیل القدر اساتذہ کے بالمقابل خود امام صاحب کے خانہ ساز فضائل بیان کر کے وہ کون سائیک کام کر رہے ہیں؟

مرجی مذہب سے امام اعمش کی بیزاری:

مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب درساگہ حماد میں اٹھارہ سال تعلیم و تربیت پا کر امام بنے اور وہ مذہب حماد کے پیرو تھے۔ اہل قلم نے تصریح کر رکھی ہے کہ حماد مرجی المذہب تھے جس کے سبب ان سے تلامذہ نخعی بیزار تھے، چنانچہ امام صاحب کے یہ جلیل القدر فقیہ و محدث استاذ یعنی امام اعمش بھی امام صاحب کے عام اساتذہ، مثلاً امام شععی و نخعی کی طرح مرجی مذہب اور رائے و قیاس سے بہت نفرت رکھتے تھے، چنانچہ وفات نخعی کے بعد جب حماد مذہب نخعی چھوڑ کر مرجی اور مذہب قیاس کے پیرو ہو گئے تو انھوں نے حماد سے سلام و کلام بھی امام نخعی کی وصیت کے مطابق بند کر دیا۔^③

امام جریر بن حازم نے کہا:

ذکر الإرجاء عند الأعمش، فقال ما ترجو من رأيي أنا أكبر منه.^④

① مقدمہ انوار (۱/ ۱۰۴ و ۷۲/ ۱) ② مقدمہ انوار (۱/ ۷۷ بحوالہ کردری)

③ تہذیب التہذیب ترجمہ حماد. ④ حلیۃ الأولیاء (۵/ ۴۸)

یعنی اعمش کے پاس مذہب ارجاء کا ذکر ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ اس مبتدعانہ مذہب سے تم کو کیا امید ہو سکتی ہے جس سے میں خود بڑی عمر والا ہوں۔ یعنی کہ یہ نومولود مذہب میری ولادت کے بعد ایجاد کیا گیا ہے۔ اعمش نے امام نخعی سے نقل کیا:

”ذکر عند إبراهيم المرجية فقال: واللّٰه إنّهم أبغض إليّ من أهل الكتاب.“¹

یعنی امام نخعی کے پاس مرجیہ کا ذکر آیا تو موصوف نے فرمایا کہ یہ لوگ مجھے اہل کتاب سے بھی زیادہ مبغوض ہیں۔ معلوم ہوا کہ امام اعمش مذہب ارجاء کو اپنے اساتذہ امام نخعی و شععی کی طرح مذموم سمجھتے تھے اور اہل علم کی تصریح ہے کہ حماد مرجی المذہب تھے اور مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب مذہب حماد کے پیرو تھے۔

علوم ابن مسعود میں اعمش کی مہارت:

امام اعمش امام شععی و نخعی کے شاگرد اور ان کے ہم مسلک تھے اور مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام نخعی علوم ابن مسعود کے وارث تھے۔ امام حاکم نے کہا:

”قال ابن معين: أجد الأسانيد: الأعمش عن إبراهيم عن علقمة عن عبد الله بن مسعود.“²

یعنی ابن معین نے کہا کہ سب سے عمدہ سند یہ ہے: اعمش عن ابراهيم عن علقمة عن ابن مسعود۔ مذکورہ بالا بات امام ابن معین نے کہی ہے جن کو مصنف انوار نے امام جرح و تعدیل تسلیم کیا ہے۔ امام سفیان بن عیینہ نے کہا:

”سبق الأعمش أصحابه بأربع، كان أقرأهم للقرآن، وأحفظهم للحديث، وأعلمهم بالفرائض، وذكر خصلة أخرى.“³

یعنی اعمش اپنے اصحاب میں چار باتوں کے اندر سب سے فائق ہیں، سب سے بڑے قاری قرآن ہیں، سب سے بڑے حافظ حدیث ہیں، سب سے بڑے ماہر علم فرائض ہیں اور ایک چوتھی فضیلت کا بھی ذکر کیا۔ امام اعمش کے علم و فضل سے متعلق دوسرے بہت سارے اقوال ہیں، اختصار کے پیش نظر بعض کے ذکر پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ قاسم بن عبدالرحمن نے کہا:

”ليس أحد أعلم بحديث عبد الله من الأعمش.“⁴

یعنی حدیث ابن مسعود کا جاننے والا اعمش سے زیادہ کوئی نہیں تھا۔

نیز یہ بھی منقول ہے کہ ”امام اعمش نے یحییٰ بن وثاب اور یحییٰ نے عبید بن نضلہ اور عبید نے علقمہ اور علقمہ نے ابن مسعود سے پڑھا۔“⁵

امام یحییٰ بن وثاب علوم ابن مسعود کے ماہر سمجھے جاتے تھے اور اعمش انھیں یحییٰ کے جانشین علم ہوئے۔ مگر نہ جانے

1 طبقات ابن سعد (۶/۲۷۴) 2 تہذیب التہذیب (۴/۲۲۵ وغیرہ) 3 تہذیب التہذیب (۴/۳۲۳)

4 حلیۃ الأولیاء (۵/۴۸) 5 طبقات ابن سعد (۶/۳۴۲) وجاء بمعناه في حلیۃ الأولیاء (۵/۴۶)

مصنف انوار نے یہ دعویٰ کیوں نہیں کیا کہ اعمش علوم ابن مسعود کے وارث تھے اور امام ابوحنیفہ امام اعمش کے ہم مذہب تھے؟ غالباً مصنف انوار نے ایسا دعویٰ اس لیے نہیں کیا کہ وہ حماد کو علوم ابن مسعود کا وارث قرار دے کر یہ دعویٰ کیے بیٹھے ہیں کہ امام صاحب انھیں حماد کے ہم مذہب تھے۔

اس جگہ مصنف انوار نے امام اعمش سے نقل کیا ہے کہ ”میں نے امام نخعی کے پاس جب کوئی حدیث پیش کی تو اس کا علم ضرور ان کے پاس پایا، نیز اعمش نے امام نخعی کو حدیث کا ”صیرفی“ (کھرا کھوٹا پہچاننے والا) کہا۔¹ ہم کہتے ہیں کہ امام نخعی اور اسی طرح شععی و اعمش کی ثابت شدہ علمی فضیلت اپنی جگہ پر مسلم ہے مگر ان جلیل القدر اماموں کے جن شاگردوں کے شاگردوں نے ان کے مسلک و مذہب سے انحراف کر کے ان کی وصیت و نصیحت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مذہب الارزاء والرائے اختیار کر لیا، انھیں کیا کہا جائے؟

مصنف انوار نے تذکرہ اعمش کے پہلے تذکرہ نخعی و حماد چھیڑ کر انھیں ادھورا چھوڑ دیا تھا مگر بعد میں اپنے بہترین طریقہ تصنیف کے مطابق اس جگہ تذکرہ اعمش ہی میں ذکر مختل کے طور پر موصوف نے پھر تذکرہ نخعی و حماد چھیڑ دیا ہے، جیسا کہ ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

مصنف انوار کے پیش کردہ قول اعمش سے امام صاحب پر ثبوت جرح:

مصنف انوار نے کہا:

”یز اعمش فرمایا کرتے تھے کہ جو حدیث فقہاء میں دائر و سائر ہو وہ اس سے بہتر ہے جو شیوخ (محدثین و رواة) میں دائر و سائر ہو۔“²

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے امام اعمش کے اصل قول ”شیوخ“ کے بعد قوسین میں جو لفظ محدثین و رواة لکھ رکھا ہے وہ ان کا اپنا اضافہ کردہ ہے، جو اہل علم کی نظر میں تحریف ہے مگر مصنف انوار کے دعویٰ کے مطابق دینی و علمی خدمت ہے۔ مصنف انوار کے حسب اعتراف امام ابن معین جرح و تعدیل کے ماہر امام ہیں، انھوں نے فرمایا:

”كان أبو حنيفة صدوقاً إلا في حديثه ما في حديث الشيوخ.“³

یعنی امام صاحب صدوق تھے مگر ان کی حدیث میں وہ ساری خرابیاں پائی جاتی ہیں جو شیوخ کی بیان کردہ حدیث میں پائی جاتی ہیں۔

مناقب ابی حنیفہ للذہبی میں اس امر کی توضیح موجود ہے کہ حدیث شیوخ کی خامیوں سے مراد ”خطا فی الحدیث“ ہے (مناقب ابی حنیفہ للذہبی) اور لفظ شیخ محدثین کی اصطلاح میں ایسا کلمہ توثیق ہے جو جرح سے قریب تر ہے۔⁴

معلوم ہوا کہ مصنف انوار نے امام اعمش کے جس قول کو فقہاء کے بالمقابل محدثین کی تنقیص میں نقل کر رکھا ہے، اس سے امام صاحب کا مجروح ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ امام ابن معین نے تصریح کر دی ہے کہ امام صاحب کی روایت کردہ حدیث

① مقدمہ انوار (۴۰/۱) ② مقدمہ انوار (۴۱/۱، ۴۲) ③ خطیب (۱۳/۴۱۹)

④ ظفر الأمانی للشیخ عبدالحی لکھنوی، بحث کلمات تعدیل.

میں وہ خرابیاں موجود ہوتی ہیں جو شیوخ کی بیان کردہ حدیثوں میں پائی جاتی ہیں۔

اس جگہ مصنف انوار نے بحوالہ تمہید لابن عبدالبر نقل کیا کہ اہل نقد امام نخعی کے مراسیل کو صحیح احادیث کے درجہ میں سمجھتے

تھے بلکہ ان کے مراسیل کو اپنے مسانید پر ترجیح دیتے تھے^①۔

مصنف انوار کی اس بات پر حدیث مرسل کی بحث میں گفتگو ہو چکی ہے، اگر اہل نقد کے یہاں مراسیل نخعی صحیح احادیث

کے درجہ میں فی الواقع سمجھی جاتی ہوں تو اس سے امام نخعی کے ان تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کی کون سی فضیلت ثابت ہو سکتی ہے

جو امام نخعی کی تاکید و نصیحت کے باوجود مذہب نخعی سے منحرف ہو کر مذہب رائے وارجاء کے پیروکار بن گئے؟

اس جگہ مصنف انوار نے اس بات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ امام شعی و نخعی وغیرہ مسجد میں جمع ہو کر مذاکرہ حدیث کرتے

تھے^②۔ اس کا لازمی مطلب ہوا کہ یہ حضرات احادیث نبویہ ﷺ کی تعلیم و تدریس و روایت کو اپنا شیوہ و شعار اور مشغلہ زندگی

بنائے ہوئے تھے، البتہ یہ حضرات ان بلند پایہ محدثین و رواۃ میں سے تھے جو احادیث نبویہ کی نقل و روایت کرتے وقت پوری

بیدار مغزی اور توجہ کے ساتھ اس بات کا بہت زیادہ خیال و لحاظ رکھتے تھے کہ ہماری کسی لغزش و کوتاہی اور غفلت و سستی کی بنا پر

کوئی حدیث نبی ﷺ کی طرف غلط طور پر منسوب نہ ہو جائے، اور یہ بات احادیث نبویہ کی روایت کرنے والوں کے لیے

ضروری بھی ہے، مگر احادیث نبویہ کی نقل و روایت اور تعلیم و تدریس اور ترویج و اشاعت میں پوری شدت و توجہ کے ساتھ اس

بات کا لحاظ رکھتے تھے کہ ذات نبویہ کی طرف کوئی حدیث غلط طور پر نہ منسوب ہو جائے، لیکن اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ

امام نخعی و شعی اور ان کے بلند پایہ اساتذہ و معاصر محدثین کرام احادیث نبویہ کی نقل و روایت اور تعلیم و تدریس اور ترویج و

اشاعت کا کام کرتے ہی نہیں تھے اور نہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ یہ حضرات شدت تقویٰ و تورع کی وجہ سے احادیث کی نقل

و روایت اور تعلیم و تدریس کی بجائے غیر وقوع پذیر واقعات سے متعلق بغیر پوچھے ہوئے فرضی سوالات قائم کر کے دن رات

ان کے جواب تیار کرنے میں مشغول رہا کرتے تھے، بلکہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام نخعی و شعی واقع شدہ امور سے متعلق

مسائل کا جواب بھی اس وقت دیتے تھے جب ان سے سوال کیا جاتا تھا، بلکہ ان حضرات کو ان وقوع پذیر امور سے متعلق کیے

گئے سوالات سے کبیدگی اور الجھن ہوا کرتی تھی اور جواب دینے سے چارہ کار نہ پا کر بدرجہ مجبوری زبان کھولتے تو اپنے ذاتی

قیاس و رائے سے جواب دینے میں پرہیز کرتے تھے، بلکہ ان کی کوشش ہوتی کہ پیش آمدہ مسائل سے متعلق وارد شدہ کتاب و

سنت کی نصوص کو یاد اور ضبط رکھیں اور ان کے مطابق خود عمل کریں اور دوسروں کو بھی فتویٰ دیں، کیونکہ ان کے سامنے حضرت عمر

فاروق کا ارشاد گرامی تھا کہ ”تم لوگ احادیث نبویہ کے حفظ و ضبط اور روایت کی صلاحیت سے محروم اہل الرائے کے طور و طریق

سے دور رہو، جو احادیث کے حفظ اور ضبط و روایت سے تو عاجز ہوتے ہیں مگر مسائل دین میں استعمال رائے و قیاس کرنے میں

بہت تیز ہوتے ہیں، بنا بریں خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔“

حاصل یہ کہ امام نخعی و شعی احادیث نبویہ کی تعلیم و تدریس اور نقل و روایت کو اپنا مشغلہ زندگی بنائے ہوئے تھے اور فرضی

مسائل خصوصاً غیر وقوع پذیر امور سے متعلق فرضی مسائل سے بہت پرہیز کرتے تھے، لیکن بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب

اگرچہ امام نخعی کے علمی و فقہی مورث تھے مگر انھوں نے روایت حدیث کا کام تو رعاً اور بوجہ اشتغال فقہ نہیں کیا۔¹

صرف یہی نہیں بلکہ مصنف انوار نے یہ پروپیگنڈہ بھی کر رکھا ہے کہ روایت حدیث سے اجتناب و پرہیز شدت احتیاط و تورع اور کمال تقویٰ ہے، گویا اساتذہ نخعی شدت احتیاط و تورع کے طریق پر گامزن نہیں تھے اور نہ نخعی ہی، کیونکہ وہ بھی روایت حدیث سے احتراز و اجتناب کرنے کے بجائے اپنے تلامذہ کو احادیث کی تعلیم دیتے تھے، البتہ اہل الرائے کے فقہی مسائل کے ساتھ اشتغال کو نخعی ناپسند کرتے تھے، مگر امام صاحب نخعی کے برعکس بدعویٰ مصنف انوار فقہی مسائل سے اشتغال کو پسند اور روایت حدیث سے اجتناب کو کمال تورع سمجھتے تھے، امام شععی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ امام نخعی کے استاد حدیث تھے مگر انھوں نے امام نخعی کے فضل و کمال خصوصاً فقہی صلاحیتوں کی جی بھر کر تعریف کی اور اس میں بخل سے کام نہیں لیا، محدثین کے یہاں اسی طرح کی فراخ قلبی اور وسعت فکری پائی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اصحاب الرائے اپنی پارٹی کی مدح تو بڑے مبالغہ آمیز طور پر کرتے ہیں مگر اہلحدیثوں کے کمالات کے اعتراف میں نہایت تنگ نظر اور متعصب واقع ہوئے ہیں، حتیٰ کہ اپنے اصحاب الرائے اماموں کے اساتذہ اہل حدیث کی عظمت و وقعت گرانے کے لیے طرح طرح کی جھوٹی داستانیں تحقیق و انصاف کے نام پر زیب قرطاس کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے استاذ عمش رحمۃ اللہ علیہ سے خارج تھے، وہ صرف دوا فروشوں کی طرح تھے مگر امام ابوحنیفہ طیب کی طرح تھے۔ وغیرہ

امام سعید بن جبیر کو امام نخعی کے علم و فضل کا اعتراف:

مصنف انوار نے کہا:

”حضرت سعید بن جبیر علمی حدیثی سوال کرنے والوں سے فریاد کرتے تھے کہ حیرت کی بات ہے کہ تم مجھ سے سوالات کرتے ہو حالانکہ تمہارے پاس امام نخعی موجود ہیں!“²

ظاہر ہے کہ سعید بن جبیر مکہ کے رہنے والے تھے، کوفہ کے لوگ طویل سفر کر کے ان سے سوال کریں گے تو انھیں سب سے پہلے یہی ہدایت کی جائے گی کہ اپنے یہاں کے اہل علم سے تحقیق مسائل کر لینا چاہیے، اگر کانپور کے بعض افراد دیوبند جا کر بعض مسائل دریافت کریں تو وہاں کے مفتی صاحبان ضرور کہیں گے کہ آپ نے مفتی کانپور کو چھوڑ کر تحقیق مسائل کے لیے دیوبند آنے کی اتنی زحمت کیوں کی؟

بہر حال سعید بن جبیر کے قول سے نخعی کی علمی عظمت ثابت ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ نخعی و سعید دونوں مرجی مذہب سے سخت تفرر رکھتے تھے اور مرجیہ سے ترک تعلق کا برتاؤ کرتے تھے، اور یہ معلوم ہے کہ حماد طریق نخعی چھوڑ کر مرجی مذہب کے پابند ہو گئے اور بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب انھیں مرجی المذہب حماد کے مذہب و مسلک کے پیروکار تھے۔

امام نخعی فقہی مسائل میں قیاس و رائے کا استعمال نہیں کرتے تھے:

مصنف انوار نے کہا:

”عمش یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے دیکھا کہ ابراہیم کبھی کوئی بات اپنی رائے سے نہیں کہتے تھے، معلوم ہوا

کہ ابراہیم نخعی سے جتنے فقہی اقوال نقل کیے جاتے ہیں، خواہ وہ امام ابو یوسف کی کتاب الآثار میں ہوں یا امام محمد کی کتاب الآثار میں یا ابن ابی شیبہ کے مصنف میں وہ سب آثار مرفوعہ کے حکم میں ہیں۔¹ ہم کہتے ہیں کہ اگر امام نخعی کے فقہی اقوال آثار مرفوعہ کے حکم میں ہیں تو کوئی شک نہیں کہ امام ابوحنیفہ نے بڑی کثرت سے نخعی کے اقوال فقیہ کی مخالفت کی ہے، جس سے یہ مستخرج ہوتا ہے کہ امام صاحب سے بکثرت احادیث نبویہ کی مخالفت سرزد ہوئی ہے، اس جگہ ہم امام نخعی کے وہ فقہی اقوال بطور نمونہ پیش کرتے ہیں جن کی امام ابوحنیفہ اور احناف نے مخالفت کی ہے۔

امام ابراہیم نخعی کے فقہی اقوال سے امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی مثالیں:

- ۱۔ امام نخعی مرجی لوگوں سے سلام و کلام بند کر دیتے تھے اور اپنے تلامذہ کو بھی ان سے پرہیز کرنے کا حکم دیتے تھے، نیز مرجی طلباء کو اپنی درسگاہ سے نکال باہر کرتے تھے، لیکن امام نخعی کے ان تمام فرامین کے خلاف امام ابوحنیفہ نے مرجیہ کو اپنا استاذ مان لیا اور انھیں صرف استاذ ہی نہیں بلکہ اپنا پیشوا بھی بنا لیا، حماد جیسے مرجی کو امام نخعی اپنی درسگاہ سے نکال باہر کرتے تھے مگر امام ابوحنیفہ نے ان سے اٹھارہ سال تک علوم دین سیکھے۔ ہر صاحب انصاف باسانی فیصلہ کر سکتا ہے کہ دریں صورت کیا امام ابوحنیفہ کو مذہب نخعی کا پابند کہا جاسکتا ہے؟
- ۲۔ امام نخعی نے کہا: وضو میں چہرہ دھوتے وقت کان کا وہ حصہ جو چہرے کی طرف ہے دھونا چاہیے، کان کا باقی حصہ سر کے مسح کے وقت مسح کرنا چاہیے، امام ابوحنیفہ نخعی کے اس فتویٰ کی مخالفت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پورے کان کا سر کے مسح کے ساتھ مسح کرنا چاہیے۔²
- ۳۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی نے وضو میں مضمضہ و استنشاق (کلی اور ناک میں پانی) نہیں کیا تو اس کا وضو صحیح نہیں ہوگا، اسے دوبارہ وضو کرنا ہوگا۔³ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مضمضہ و استنشاق کے بغیر ہی وضو صحیح ہو جائے گا۔
- ۴۔ امام نخعی نے فرمایا: بیوی اور غیر محرم کو بوسہ دینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔⁴ امام ابوحنیفہ کے نزدیک کسی عورت کو بھی بوسہ دینے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔⁵
- ۵۔ امام نخعی نے فرمایا کہ غیبت و چغل خوری سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔⁶ امام ابوحنیفہ کے نزدیک غیبت و چغل خوری سے وضو نہیں ٹوٹتا۔
- ۶۔ امام نخعی نے فرمایا کہ پورے سر کا مسح فرض ہے۔⁷ امام ابوحنیفہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح کافی ہے۔
- ۷۔ امام نخعی نے فرمایا: بچے کا پیشاب کپڑے یا جسم پر لگ جائے تو پانی کے چھڑکنے سے طہارت ہو جاتی ہے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک دھوئے بغیر طہارت نہیں ہو سکتی۔⁸

① مقدمہ انوار (۱/۴۱)

② ملاحظہ ہو: کتاب الآثار لمحمد (ص: ۱۰، باب الوضوء) و کتاب الآثار لأبي يوسف (ص: ۴، ۵، نمبر: ۱۲)

③ الآثار لأبي يوسف (ص: ۴ و ۱۴، نمبر: ۹ و ۶۳)

④ الآثار لمحمد (ص: ۱۳، ۱۴) الآثار لأبي يوسف (ص: ۶، نمبر: ۲۷)

⑤ کتب فقہ حنفی.

⑥ حلیۃ الأولیاء (۴/۲۲۷) و ابن ابی شیبہ. ⑦ الآثار لأبي يوسف (ص: ۶، نمبر: ۲۶) ⑧ الآثار لمحمد (ص: ۱۶)

- ۸۔ امام نخعی نے فرمایا: با وضو آدمی اگر ناخن یا سر کے بال تراشے تو ترشے ہوئے ناخنوں کو دوبارہ دھوئے اور سر کا مسح کرے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی ضرورت نہیں۔¹
- ۹۔ امام نخعی نے فرمایا: عورت اگر صرف کپٹی پر مسح کرے تو وضو صحیح نہیں ہوگا، پورے کا مسح کرنا ہوگا مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک کپٹی پر مسح کرنے سے عورت کا وضو صحیح ہو جائے گا۔²
- ۱۰۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کپڑے یا جسم میں ایک درہم بھر نجاست لگ جائے تو دھوئے بغیر نماز صحیح نہیں ہوگی مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک درہم بھر معاف ہے، اس کے ساتھ نماز صحیح ہو جائیگی، اس سے زیادہ پر دھونا ہوگا۔³
- ۱۱۔ امام نخعی نے فرمایا: مستحاضہ عورت ظہر و عصر کے مابین ایک غسل کے ساتھ جمع صوری کر لے، اسی طرح مغرب و عشاء کے درمیان بھی اور فجر کے لیے ایک علیحدہ غسل کر کے نماز پڑھے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہر نماز کے لیے صرف تازہ وضو بلا جمع صوری کافی ہے۔⁴
- ۱۲۔ امام نخعی نے فرمایا: بچہ پیدا ہونے والی عورت کے ایام نفاس کی اگر کوئی تعیین نہیں ہو سکی تو وہ اپنے خاندان کی عورت کی مدت نفاس گزارے مگر امام ابوحنیفہ و دیگر احناف نے کہا: ”ولسنا نأخذ بذلك“⁵
- ۱۳۔ امام نخعی کے نزدیک لعاب دہن پاک نہیں ہے، اسے دھوئے بغیر طہارت نہیں حاصل ہوگی۔⁶
مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک لعاب دہن پاک ہے۔
- ۱۴۔ امام نخعی نے فرمایا: شوہر اپنی مری ہوئی بیوی کو غسل دے سکتا ہے اور پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں تیمم کرا سکتا ہے مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک شوہر اپنی مردہ بیوی کو غسل یا تیمم نہیں کرا سکتا، البتہ زندہ کو سبھی کچھ کرا سکتا ہے۔⁷
- ۱۵۔ امام نخعی نے فرمایا: مؤذن کو اختیار ہے، خواہ اثنائے اذان میں بات کرے یا نہ کرے مگر امام ابوحنیفہ و احناف نے کہا: ”وأما نحن فنرى أن لا يفعل، وإن فعل فلم ينقض ذلك أذانه“⁸
- ۱۶۔ امام نخعی امامت فرماتے تو محراب کے سامنے نہیں بلکہ داہنے یا بائیں ہٹ کر کھڑے ہوتے مگر امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ محراب کے سامنے کھڑے ہو کر امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اندرون محراب نہ کھڑا ہو۔⁹
- ۱۷۔ امام نخعی نے فرمایا: سترہ کو کھڑا کر کے گاڑے بغیر سترہ نہیں کہا جا سکتا مگر امام ابوحنیفہ نے کہا کہ سترہ گاڑے بغیر بھی سترہ رہے گا، البتہ گاڑ دینا مستحب ہے۔¹⁰
- ۱۸۔ امام نخعی نے فرمایا: صبح صادق سے پہلے اگر نماز وتر نہیں پڑھی گئی تو اب وتر کی نماز نہ پڑھی جائے گی مگر امام ابوحنیفہ و دیگر احناف کہتے ہیں: ”لسنا نأخذ بهذا“¹¹

① ابن أبي شيبة وغيره. ② الآثار لمحمد (ص: ۱۷) ③ الآثار لمحمد (ص: ۱۶ و ۳۲ و ۳۳)
 ④ الآثار لمحمد (ص: ۱۸) و الآثار لأبي يوسف (ص: ۳۵، نمبر: ۱۷۵) ⑤ الآثار لمحمد (ص: ۱۹)
 ⑥ محلی لابن حزم (۱/۱۳۹) ⑦ الآثار لمحمد (ص: ۴۴ و لأبي يوسف (ص: ۱۷، نمبر ۸۴)
 ⑧ الآثار لمحمد (ص: ۱۹) و لأبي يوسف (ص: ۱۹، نمبر ۸۴) ⑨ الآثار لمحمد (ص: ۲۶)
 ⑩ الآثار لمحمد (ص: ۲۸) و لأبي يوسف (ص: ۴۷، نمبر ۲۴۱) ⑪ الآثار لمحمد (ص: ۲۹)

- ۱۹۔ امام نخعی نے فرمایا: جو شخص مسجد میں داخل ہوا اس حال میں کہ امام رکوع میں جا چکا ہو تو اسے بھی تیز دوڑے بغیر رکوع میں چلے جانا چاہیے مگر احناف کہتے ہیں: ”لسنا نأخذ بهذا“^۱
- ۲۰۔ امام نخعی نے فرمایا: نماز میں اگر کسی کو شک کی بنا پر عضو تناسل میں تری محسوس ہوئی تو اسے نماز چھوڑ کر از سر نو نماز پڑھی چاہیے، مگر امام ابوحنیفہ نے فرمایا جب تک یقینی طور پر تری محسوس نہ ہو نماز نہ چھوڑے اور نہ دوڑے۔^۲
- ۲۱۔ امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: خطبہ جمعہ کے درمیان سلام و چھینک کا جواب دے سکتا ہے، احناف نے کہا: ”لسنا نأخذ بهذا“^۳
- ۲۲۔ امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر مقتدی بقدر تشہد قعدہ میں بیٹھا رہا اور امام کے سلام سے پہلے نماز چھوڑ کر چلا آیا تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں نماز صحیح ہو جائے گی۔^۴
- ۲۳۔ امام نخعی سورہ ص میں سجدہ کے قائل نہیں تھے مگر احناف قائل ہیں۔^۵
- ۲۴۔ امام نخعی نے فرمایا: مرد کے کفن کے کپڑوں کی تعداد طاق ہونی چاہیے، مگر امام ابوحنیفہ نے کہا کہ خواہ طاق رہے یا جفت سب کا اختیار ہے۔^۶
- ۲۵۔ امام نخعی نے فرمایا: جھوٹ بولنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔^۷ مگر امام ابوحنیفہ اس کے خلاف ہیں۔
- ۲۶۔ امام نخعی نے فرمایا: جو روپیہ کسی نے کسی سے قرض لیا ہے، اس کی زکوٰۃ قرض لینے والے پر واجب ہے دینے والے پر نہیں مگر حنفیوں کے ائمہ کہتے ہیں: ”لسنا نأخذ بهذا“^۸
- ۲۷۔ امام نخعی نے فرمایا: جس عورت کا شوہر مرتد ہو گیا ہو وہ مطلقہ کے حکم میں ہوگی، مگر امام ابوحنیفہ اس کے خلاف ہیں۔^۹
- ۲۸۔ امام نخعی نے فرمایا جس نے ایلاء کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دی تو ایلاء باطل ہو جائے گا مگر حنفیوں کے ائمہ فرماتے ہیں: ”لسنا نأخذ بهذا“^{۱۰}
- ۲۹۔ امام نخعی نے فرمایا: جس شخص نے اپنے غلام کو قتل کر دیا تو اسے قصاص میں سزائے قتل دی جاسکتی ہے، بشرطیکہ مقتول کے اولیاء چاہیں مگر حنفیوں کے ائمہ کہتے ہیں: ”لسنا نأخذ بهذا“^{۱۱}
- ۳۰۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی نے عدت طلاق میں کسی مطلقہ عورت سے شادی کی اور اس نکاح کے طفیل بچہ پیدا ہوا، دریں صورت اگر اس عورت کا طلاق دینے والا شوہر اس بچہ کو اپنا کہے تو یہ بچہ اسی طلاق دینے والے کا ہوگا اور اگر اس نے انکار کیا اور دوسرے نے اپنا بچہ مانا تو اسی کا ہو جائے گا اور اگر دونوں انکار و شک کریں تو دونوں کا مشترک بچہ مانا جائے گا، مگر حنفیوں کے ائمہ نے کہا: ”ولسنا نأخذ بهذا“^{۱۲}

① الآثار لمحمد (ص: ۲۹) ② الآثار لمحمد (ص: ۳۴)

③ الآثار لمحمد (ص: ۳۷، ۳۸) ولأبي يوسف (ص: ۷۳، نمبر: ۳۶۲، ۳۶۳)

④ الآثار لمحمد (ص: ۳۸) ⑤ الآثار لمحمد (ص: ۴۲)

⑥ الآثار لمحمد (ص: ۴۴، باب الجنائز وغسل الميت) ⑦ حلیۃ الأولیاء (۴/ ۲۲۷ وغیرہ)

⑧ الآثار لمحمد (ص: ۵۴) ⑨ الآثار لمحمد (ص: ۷۶) ولأبي يوسف (ص: ۸۸، نمبر: ۴۳۰)

⑩ الآثار لمحمد (ص: ۹۵ وغیرہ) ⑪ الآثار لمحمد (ص: ۱۰۴) ⑫ الآثار لمحمد (ص: ۱۱۴)

- ۳۱۔ امام نخعی نے فرمایا: امور قصاص میں عورتوں کی شہادت مقبول نہیں، مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک مقبول ہے۔^۱
- ۳۲۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی نے وصیت کی کہ فلاں کو یہ غلام دیا جائے اور فلاں کو (۳/۱) مال تو پہلے غلام کو دیا جائے گا اور دوسرے کو (۳/۱) مال بشرطیکہ موصی نے مال چھوڑا ہو مگر ائمہ احناف کہتے ہیں: ”لسنا نأخذ بهذا“^۲
- ۳۳۔ امام نخعی نے فرمایا: مرتد ہونے والی عورت کو سزائے قتل دی جائے گی مگر ائمہ احناف کہتے ہیں: ”لسنا نأخذ بهذا“^۳
- ۳۴۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی مسلمان یا یہودی و نصرانی نے بسم اللہ پڑھے بغیر شکاری کتے کو شکار پر چھوڑ دیا تو اس کے شکار کا گوشت کھانا مکروہ ہے مگر ائمہ احناف نے کہا: ”لسنا نأخذ بهذا، لا بأس بأكله“^۴
- ۳۵۔ امام نخعی سے پوچھا گیا: خصی و غیر خصی جانوروں سے کس کی قربانی افضل ہے؟ جواب دیا کہ خصی کی مگر امام ابوحنیفہ نے کہا دونوں میں سے جو زیادہ موٹا تازہ ہو اس کی قربانی افضل ہے۔^۵
- ۳۶۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی نے نذر مانی کہ ہم چار میل پیدل چلیں گے اور وہ صرف ایک میل چل کر سوار ہو گیا تو اسے چاہیے کہ پھر سے چار میل چلے مگر ائمہ احناف کہتے ہیں: ”لسنا نأخذ بهذا“^۶
- ۳۷۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر چاندی کی انگٹھی ہو اور اس میں نگینہ بھی لگا ہو تو اسے جس چیز کے بدلے اور جس بھاؤ سے چاہے فروخت کیا جاسکتا ہے مگر ائمہ احناف نے کہا: ”لسنا نأخذ بهذا“^۷
- ۳۸۔ امام نخعی خالص سرخ و زرد رنگ کے کپڑے استعمال کرتے تھے۔^۸ ائمہ احناف مردوں کے لیے خالص سرخ و زرد کپڑے ممنوع کہتے ہیں۔^۹
- ۳۹۔ امام نخعی نے فرمایا: کفارہ میں مکاتب غلام آزاد کرنا کافی نہیں ہے، لیکن ائمہ احناف اسے جائز بتلاتے ہیں۔^{۱۰}
- ۴۰۔ امام نخعی نے فرمایا: جس شخص نے نذر مانی کہ اپنے بچے کو ذبح کرے گا تو اسے کفارہ میں سواونٹ ذبح کرنا چاہیے، مگر ائمہ احناف کہتے ہیں: ”لسنا نأخذ بهذا“^{۱۱}
- ۴۱۔ امام نخعی نے فرمایا: لعان کرنے والوں کا بچہ اگر مر جائے اور اس کے ورثہ میں ماں اور ایک بہن اور ایک بھائی ہوں تو بھائی بہن کو (۳/۱) ملے گا اور باقی ماں کو ملے گا مگر ائمہ احناف کہتے ہیں: ”لسنا نأخذ بهذا“^{۱۲}
- ۴۲۔ امام نخعی نے فرمایا: لعان کرنے والی عورت کا بچہ اگر مر جائے اور اس کی ماں زندہ ہے تو اس کا سارا مال ماں کو ملے گا اور ماں زندہ نہیں ہے تو ماں کے قریب ترین وارث کو ملے گا مگر ائمہ احناف کہتے ہیں کہ ماں کی عدم موجودگی میں سارا مال متونی لڑکے کے قریبی رشتہ دار کو ملے گا۔^{۱۳}
- ۴۳۔ امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر کسی نے حاملہ لونڈی خریدی اور بائع و مشتری دونوں نے دعویٰ کیا کہ بچہ ہمارا ہے تو بچہ مشتری

① الآثار لمحمد (ص: ۱۱۲) ② الآثار لمحمد (ص: ۱۱۴)

③ الآثار لمحمد ۱۰۳ و أبی یوسف (ص: ۱۶۱، نمبر: ۷۳۵) ④ الآثار لمحمد (ص: ۱۴۰)

⑤ الآثار لمحمد (ص: ۱۳۶) ⑥ الآثار لمحمد (ص: ۱۲۵) ⑦ الآثار لمحمد (ص: ۱۳۱)

⑧ ابن سعد (۶/۱۹۷) ⑨ کتب فقہ حنفی. ⑩ الآثار لمحمد (ص: ۱۲۳)

⑪ الآثار لمحمد (ص: ۱۲۴) ⑫ الآثار لمحمد (ص: ۱۲۱) ⑬ الآثار لمحمد (ص: ۱۲۱)

- کا ہوگا مگر ائمہ احناف کہتے ہیں: ”لسنا نأخذ بهذا“¹
- ۴۴۔ امام نخعی نے فرمایا: کفن چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا مگر احناف کہتے ہیں کہ نہیں۔²
- ۴۵۔ امام نخعی نے فرمایا: چور کا ہاتھ کاٹنے کے ساتھ چوری شدہ مال کا تاوان بھی لیا جائے گا مگر ائمہ احناف کہتے ہیں: ”لسنا نأخذ بهذا“³
- ۴۶۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر ایک طہر میں کسی مملوکہ سے تین افراد نے وطی کی اور وہ حاملہ ہوگئی، تو بچہ اس کا ہوگا جس نے آخر میں وطی کی مگر ائمہ احناف نے کہا: ”لسنا نأخذ بهذا“⁴
- ۴۷۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی کو ڈاکو قتل کر دیں تو مقتول کے ورثہ کو اختیار ہے کہ ڈاکو کے ہاتھ پاؤں کاٹ لیں اور اس کے بعد اسے قتل بھی کر دیں مگر ائمہ احناف کہتے ہیں کہ ڈاکو کو صرف قتل کیا جاسکتا ہے، ہاتھ پاؤں کا کاٹنا جائز نہیں۔⁵
- ۴۸۔ امام نخعی نے فرمایا: لوٹی زانی کے حکم میں ہے، یعنی جو سزا زانی کی وہی لوٹی کی۔⁶ مگر ائمہ احناف لوٹی کو زانی نہیں مانتے۔⁷
- ۴۹۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی نے ادھار چاندی کسی کو دی اور ادھار لینے والے نے اس کی چاندی سے اچھی چاندی اسی مقدار میں ادا کی تو جائز نہیں، کیونکہ یہ سود ہو گیا مگر ائمہ احناف نے کہا: ”لسنا نأخذ بهذا“⁸
- ۵۰۔ امام نخعی نے فرمایا: شرابی کو کوڑے لگاتے وقت اس کے کپڑے نہ اتارے جائیں، مگر امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ کپڑے اتار لیے جائیں۔⁹
- ۵۱۔ امام نخعی نے فرمایا: جس بچے کی ماں کے شوہر نے ماں پر الزام لگا کر بچے کو اپنا بچہ ماننے سے انکار کر دیا تو اس عورت پر اگر کوئی شخص الزام زنا لگائے تو اسے سزائے قذف دی جائے گی مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسی عورت کو متہم کرنے والے پر سزائے قذف نہیں ہے۔¹⁰
- ۵۲۔ امام نخعی نے فرمایا: اگر کسی نے قربانی کے لیے صحیح سالم جانور خریدا اور بعد میں یہ جانور معیوب ہو گیا تو اس کی قربانی درست ہے مگر ائمہ احناف نے کہا: ”لسنا نأخذ بهذا“¹¹
- ۵۳۔ امام نخعی لوہے کی انگشتری پہنتے تھے مگر ائمہ احناف مردوں کے لیے لوہے کی انگشتری ناجائز بتلاتے ہیں۔¹²

چوتھائی مسائل میں امام ابوحنیفہ کی امام نخعی سے مخالفت:

مندرجہ بالا تفصیل ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول زیادہ سے زیادہ دو سو مسائل سے ماخوذ ہے، ان دو سو مسائل میں سے باون (۵۲) میں امام ابوحنیفہ امام نخعی کے مخالف اور ایک سو اڑتالیس میں موافق ہیں۔ اس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ کم سے کم پچیس فیصد یعنی ایک چوتھائی مسائل میں امام ابوحنیفہ نخعی کے مخالف ہیں، ظاہر ہے کہ یہ بہت زیادہ مخالفت ہوئی اور اختلاف کی یہ

① الآثار لمحمد (ص: ۱۲۷) ② الآثار لمحمد (ص: ۱۱۱) ③ الآثار لمحمد (ص: ۱۱۱)
 ④ الآثار لمحمد (ص: ۱۲۷) ⑤ الآثار لمحمد (ص: ۱۱۰) ⑥ الآثار لمحمد (ص: ۱۰۷)
 ⑦ کتب فقہ حنفی. ⑧ الآثار لمحمد (ص: ۱۳۲) ⑨ الآثار لمحمد (ص: ۱۰۵، ۱۰۶)
 ⑩ الآثار لمحمد (ص: ۱۰۴) ⑪ الآثار لمحمد (ص: ۱۳۶) ⑫ الآثار لمحمد (ص: ۱۴۴)

فہرست صرف ان مسائل میں ہے جو واقع شدہ امور سے متعلق ہیں ورنہ امام نخعی فرضی و غیر واقع شدہ مسائل کے جواب ہی نہیں دیتے تھے، اس اعتبار سے امام نخعی سے امام ابوحنیفہ کے اختلاف کردہ مسائل کی تعداد بہت زیادہ ہو جائے گی، یعنی امام نخعی کے کم از کم تین لاکھ مسائل سے امام ابوحنیفہ نے مخالفت کی ہے، کیونکہ بقول مصنف انوار امام صاحب نے ساڑھے بارہ لاکھ مسائل وضع کیے، اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ چوتھائی مسائل میں امام صاحب نے نخعی سے مخالفت کی ہے، وہ بھی واقع شدہ مسائل میں، بلقظ دیگر امام صاحب نے تین لاکھ احادیث مرفوعہ کی مخالفت کی ہے، کیونکہ مصنف انوار اقوال نخعی کو احادیث مرفوعہ قرار دیتے ہیں، اور مدعی ہیں کہ امام نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے سارے فتاویٰ احادیث مرفوعہ کے درجہ میں ہیں۔

حضرت ابن مسعود اور علی بن ابی طالب سے امام ابوحنیفہ کی بکثرت مخالفت:

لہذا معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ نے احادیث مرفوعہ سے بکثرت مخالفت کی ہے۔ یہاں ایک اہم سوال یہ ہے کہ امام صاحب نے امام نخعی سے جن فتاویٰ میں اختلاف کیا ہے، ان میں امام نخعی ابن مسعود اور علی کے موافق تھے یا مخالف؟ اگر موافق تھے تو احناف نے آثار صحابہ سے بکثرت مخالفت کی اور مخالف تھے تو لازم آیا کہ امام نخعی آثار صحابہ سے بکثرت اختلاف کرتے تھے، جس کا دوسرا مطلب یہ ہوا کہ امام نخعی بھی آثار صحابہ کو مطلقاً حجت نہیں مانتے تھے، یا پھر امام ابوحنیفہ ہی آثار صحابہ و فتاویٰ تابعین کو حجت نہیں مانتے تھے، پھر مصنف انوار خواہ مخواہ کے لیے دوسری صدی کے بعد کے محدثین پر الزام لگاتے ہیں کہ ان لوگوں نے آثار صحابہ و فتاویٰ تابعین کی حجت سے انکار کیا، ورنہ پہلے اہل اسلام کا عمل اس کے خلاف تھا۔ حاصل یہ کہ یا تو امام ابوحنیفہ ابن مسعود کے فقہی مسلک کے کلی طور پر وارث نہیں یا ابراہیم نخعی وارث نہیں۔ پھر مصنف انوار کا یہ دعویٰ کیونکر صحیح ہوا کہ حنفی مذہب میراث ابن مسعود ہے؟ لطف کی بات یہ ہے کہ ایک طرف مصنف انوار مدعی ہیں کہ نخعی کوئی بات اپنی رائے سے نہیں کہتے تھے، کیونکہ اسی بات کی بنیاد پر وہ مدعی ہیں کہ اقوال نخعی رحمۃ اللہ علیہ آثار مرفوعہ کے حکم میں ہیں مگر دوسری طرف تضاد بیانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

روایت و درایت:

”حق یہ ہے کہ نخعی رحمۃ اللہ علیہ روایت بھی کرتے تھے اور درایت سے بھی کام لیتے تھے، جب وہ روایت کرتے تو علم حدیث کے امام بلکہ حجت تھے اور جب اجتہاد کرتے تو ایسے دریائے صافی تھے جس میں شاہد بکدر نہ تھا، کیونکہ تمام اسباب و شرائط اجتہاد ان میں موجود تھے، اس لیے حسب روایت ابی نعیم وہ خود فرمایا کرتے کہ ”نہ کوئی رائے بغیر حدیث کے مستقیم ہے اور نہ کوئی حدیث بغیر رائے کے“ اور یہی بہترین طریقہ ہے حدیث و رائے کو جمع کرنے کا۔ خطیب نے بھی ”الفرقیہ والمتفقہ“ میں ابراہیم نخعی کا قول نقل کیا ہے کہ جب حدیث صریح مل جاتی ہے تو اس سے مسائل کا جواب دیتا ہوں اور جب حدیث نہیں ملتی تو میں دوسری احادیث کی روشنی میں قیاس کر کے جواب دیتا ہوں۔ غرض یہی صحیح فقہ ہے۔“¹

غیر منصوص مسائل میں امام نخی اجتہاد کرتے تھے:

مصنف انوار کے مندرجہ بالا طویل بیان میں اس حقیقت کا پوری صراحت کے ساتھ اعتراف کیا گیا ہے کہ امام ابراہیم نخی رحمۃ اللہ علیہ احادیث کی غیر موجودگی میں قیاس و رائے اور اجتہاد و استنباط کا استعمال کرتے تھے، اور مصنف انوار نے امام نخی کے اس طریق عمل کو صحیح و درست قرار دیتے ہوئے اس بات کی بھی صراحت کر دی ہے کہ ”غرض یہی صحیح فقہ ہے“ یعنی احادیث کی غیر موجودگی میں قیاس و رائے اور اجتہاد و استنباط کا استعمال صحیح فقہ ہے، جس کا لازمی مطلب یہ ہوا کہ مصنف انوار اس بات کے بھی معترف ہیں کہ امام نخی احادیث کی موجودگی میں اگرچہ قیاس و رائے استعمال نہیں کرتے تھے مگر احادیث کی غیر موجودگی میں کرتے تھے۔ پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس اعتراف کے باوجود دوسری طرف مصنف انوار نے امام اعمش کی طرف منسوب اس بات کو کہ ”ابراہیم کوئی بات کبھی اپنی رائے سے نہیں کہتے تھے“ صحیح قرار دے کر اور بنیاد مان کر یہ کیوں کہہ دیا کہ امام نخی سے منقول تمام فقہی اقوال آثار مرفوعہ یعنی احادیث نبویہ کے حکم میں ہیں، جس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے لاکھوں احادیث نبویہ کی مخالفت کر رکھی ہے؟

جب ایک طرف مصنف انوار اس بات کو صحیح مانتے ہیں کہ امام نخی احادیث کی غیر موجودگی میں قیاس و رائے سے کام لیتے تھے تو دوسری طرف اس بات کو صحیح ماننا کہ ”امام نخی کبھی کوئی بات اپنی رائے سے نہیں کہتے تھے“ کیا معنی رکھتا ہے؟ اور یہی نہیں بلکہ اسے صحیح مان کر اس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کہ امام نخی سے منقول تمام فقہی اقوال احادیث نبویہ کے حکم میں ہیں، کون سی خالص علمی اور دینی خدمت ہے؟ خصوصاً ایسی صورت میں کہ ہم دیکھتے ہیں کہ علم و فضل میں امام نخی سے بدرجہا بڑھے ہوئے صحابہ کرام نے قیاس و رائے و اجتہاد کے ذریعہ جو مسائل مستنبط کیے ہوئے ہیں ان میں سے بہت سارے مسائل نصوص کتاب و سنت کے صریح خلاف ہیں، مثلاً حضرت عمار بن یاسر جیسے جلیل القدر صحابی اپنے قیاس و رائے سے یہ مسئلہ مستنبط کیے ہوئے تھے کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں دھول اور مٹی میں جانور کی طرح خوب لوٹ کر جنبی آدمی کو تیمم کرنا چاہیے، مگر حضرت عمار کے استنباط کردہ اس مسئلہ کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تغلیط کرتے ہوئے فرمایا کہ جنبی آدمی کو مٹی پر مارے ہوئے ہاتھوں کو چہرہ و ہتھیلیوں پر مل لینا کافی ہے۔¹

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمار کا یہ اجتہادی و قیاسی مسئلہ صریح حدیث کے بالکل خلاف تھا، اس طرح کی دیگر بہت ساری مثالیں ہیں مگر مثال کے لیے صرف ایک ہی کا تذکرہ کافی ہے۔ دریں صورت یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام نخی سے علم و فضل میں بدرجہا بڑے ہوئے صحابہ کے قیاسی مسائل جب احادیث کے خلاف ہو جایا کرتے تھے تو امام نخی کے قیاسی مسائل کو علی الاطلاق احادیث نبویہ کے حکم میں قرار دینا کون سی علمی دیانت داری ہے؟

نیز یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ حدیث صریح اور اقوال صحابہ میں صراحت ہے کہ غیر وقوع پذیر امور سے متعلق فرضی مسائل نہ بیان کیے جائیں، ظاہر ہے کہ امام نخی بھی اس حدیث نبوی و طریق صحابہ کے پابند تھے، مگر بدعویٰ مصنف انوار امام ابوحنیفہ اس حدیث نبوی و طریق صحابہ و مذہب نخی کے خلاف بہت بڑے پیمانے پر غیر واقع شدہ امور سے متعلق مسائل مدون کیے ہوئے

ہیں، پھر امام صاحب مسلک نغنی کے پابند کس طرح تھے؟ اور یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام نغنی عام اسلاف صحابہ و تابعین کی طرح اہل الرائے والقیاس اور مرجیہ سے بہت بیزار و ناراض اور کبیدہ خاطر رہا کرتے تھے، حتیٰ کہ موصوف اہل الرائے اور مرجیہ سے سلام و کلام کے بھی روادار نہ تھے، مگر موصوف کے مسلک سے موصوف کی وفات کے کچھ دنوں بعد منحرف ہو جانے والے موصوف کے شاگرد حمدانہ جانے کیوں خود اہل الرائے والقیاس میں شامل ہو گئے اور مذہب نغنی کے بجائے مذہب ارجاء اور مسلک اہل الرائے کے پیروکار اور پابند ہو کر اس کی ترویج و اشاعت میں لگ گئے۔ ہم اس جگہ وہ روایات نقل کر رہے ہیں، جن سے اہل الرائے والقیاس اور مرجیہ کی بابت امام نغنی کی واضح پالیسی کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ ناظرین کرام آنے والی سطور کو بغور ملاحظہ فرمائیں۔

اہل الرائے اور مرجیہ سے امام ابراہیم نغنی کی نفرت:

امام ابو نعیم اصہبانی ناقل ہیں:

”عن أبي حمزة عن إبراهيم قال: واللّٰه ما رأيت فيما أحدثوا مثقال حبة من خير يعني أهل الأهواء والرأي والقياس.“¹

یعنی امام نغنی نے فرمایا کہ میں نے موجدین بدعات میں دانہ برابر بھی خیر نہیں دیکھا، موجدین بدعات سے موصوف کی مراد اصحاب الاہواء و اصحاب الرائے والقیاس ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ موصوف اصحاب الاہواء و اصحاب الرائے کو سخت مبغوض و ناپسندیدہ سمجھتے تھے اور انھیں خیر و فلاح سے عاری و خالی جانتے تھے۔ ناظرین کرام اصحاب الرائے کا مطلب اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ امیر المؤمنین عمر بن الخطاب کے قول کے مطابق اعداء السنن ہوتے ہیں، کیونکہ وہ احادیث نبویہ کے حفظ و ضبط اور روایت سے عاجز ہونے کے سبب قیاس و رائے کے تابع ہوتے ہیں اور اپنی اس پالیسی کی وجہ سے اس لائق ہوتے ہیں کہ ان سے احتراز اور پرہیز اور اجتناب کیا جائے۔ امام نغنی نے بھی بال تصریح کہا:

”أصحاب الرأي أعداء أصحاب السنن.“²

یعنی اصحاب الرائے اصحاب السنن کے دشمن ہوتے ہیں۔

اور ”أصحاب الأهواء“ میں مرجیہ و اہل کلام داخل ہیں۔ اہل کلام کو ”أصحاب المقالات“ بھی کہا جاتا ہے، کوفہ میں جب اصحاب المقالات یعنی اہل کلام کا زور بڑھنے لگا تو ابو حمزہ عمور نے امام نغنی رضی اللہ عنہ سے پوچھا:

”يا أبا عمران أما ترى ما ظهر بالكوفة من المقالات؟ فقال: ... دققوا قولاً، واختر عوا دينا من قبل أنفسهم، ليس من كتاب الله، ولا من سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا: هذا هو الحق، وما مخالفه باطل، لقد تركوا دين محمد صلى الله عليه وسلم، إياك وإياهم.“³

یعنی آپ کوفہ میں ”المقالات“ کے ظہور و نمود کو نہیں دیکھ رہے ہیں! امام نغنی نے جواباً کہا ان لوگوں نے بال کی کھال نکالنی شروع کی ہے اور نیا دین و مذہب ایجاد کر لیا ہے۔ اس کا تعلق کتاب و سنت سے نہیں ہے، اپنے

① حلیۃ الأولیاء (۴/ ۲۲۴ وغیرہ)

② حلیۃ الأولیاء (۴/ ۲۲۲)

③ حلیۃ الأولیاء (۴/ ۲۲۳ وغیرہ)

اختزاعی دین کو یہ لوگ حق اور اس کے خلاف کو باطل کہتے ہیں، ان لوگوں نے دین محمدی کو ترک کر دیا ہے، ان سے اپنے آپ کو بچاؤ اور پرہیز کرو۔

ناظرین مطلع رہیں کہ امام ابوحنیفہ بدعوئی احناف خصوصاً کوثری و شبلی اپنی عمر کے ابتدائی بائیس سال تک اہل الکلام ہی کے مسلک و مذہب سے وابستہ تھے، امام صاحب کا اصل مسلک و مذہب مذہب الکلام اور ان کا اصل علم و فن علم الکلام ہی تھا۔ (کما سیأتی)

امام اعمش یعنی استاذ و شیخ امام ابوحنیفہ نے فرمایا:

”ذکر عند إبراهيم المرجية، فقال: واللّٰه هم أبغض إلي من أهل الكتاب.“¹

یعنی امام نخعی کی مجلس میں فرقہ مرجیہ کا ذکر آ گیا تو انھوں نے فرمایا مرجی لوگ میرے نزدیک یہود و نصاریٰ سے بھی زیادہ مبغوض و ناپسندیدہ ہیں۔

چنانچہ امام نخعی اگرچہ یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے کے روادار تھے اور ان سے تعلقات و روابط میں بھی مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔² مگر مرجیہ کے سلام کا جواب دینا بھی گوارا نہیں فرماتے تھے اور نہ ان سے کسی قسم کا رابطہ رکھنا پسند کرتے تھے، بلکہ انھوں نے یہ فتویٰ و حکم صادر فرمایا تھا:

”عن الحارث العكلي عن إبراهيم قال: إياكم وأهل هذا الرأي المحدث يعني المرجية.“³

یعنی امام نخعی نے فرمایا کہ تم اس مبتدعانہ رائے والوں مراد مرجیہ سے بچ کر رہو۔

نیز مروی ہے:

”عن غالب أبي الهذيل أنه كان عند إبراهيم فدخل عليه قوم من المرجية، فقال: فكلموه

فغضب، وقال: إن كان هذا كلامكم فلا تدخلوا علي“

”وعن محل قال لنا إبراهيم: لا تجالسوا المرجية“⁴ وعن حكيم بن جبير عن إبراهيم: قال

لأنا على هذه الأمة من المرجية أخوف عليهم من عدتهم من الأزارقة“

”وقال محل: كان رجل يجالس إبراهيم، يقال له: محمد، فبلغ إبراهيم أنه يتكلم في

الإرجاء، فقال له إبراهيم: لا تجالسنا.“⁵

یعنی امام نخعی نے فرمایا کہ مرجیہ میری مجلس درس گاہ میں داخل نہ ہوں اور اپنے تلامذہ سے کہا کہ تم مرجیہ سے مت ملو

جلو، نہ ان کی مصاحبت اختیار کرو، کیونکہ یہ امت محمدیہ کے لیے خوارج سے بھی زیادہ مہلک و تباہ کن ہیں۔ موصوف

امام نخعی کو اپنے ایک شاگرد کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ مرجی ہے تو انھوں نے اسے اپنی درس گاہ سے نکال باہر کیا۔

ان تمام امور سے ثابت ہوا کہ ابراہیم نخعی مرجیہ سے سخت برہم و برافروختہ تھے اور انھیں سخت مبغوض و مکروہ جانتے تھے،

1 حلیۃ الأولیاء (۲۲۳/۴) طبقات ابن سعد (۱۹۲/۶)

2 حلیۃ الأولیاء (۲۲۶/۴) وغیرہ

3 طبقات ابن سعد (۱۹۱/۶) وغیرہ

4 المعرفة والتاریخ للفسوی (۶۰۶، ۶۰۵/۲)

5 ابن سعد (۱۹۱/۶)

کیونکہ انھیں یہود و نصاریٰ اور خوارج سے بھی زیادہ خطرناک سمجھتے تھے اور اپنی درسگاہ سے ایسے طلباء کو خارج کر دیتے تھے جن کے بارے میں انھیں اطلاع ملتی کہ وہ مرجی ہیں۔

مذہب نخعی سے جانشین نخعی حماد بن ابی سلیمان کا اعراض و انحراف:

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام نخعی کے معتمد علیہ تلامذہ میں حماد کو خصوصی مقام حاصل تھا اور امام نخعی رضی اللہ عنہ حماد کی صلاحیت کے معترف تھے۔ انھوں نے بقول مصنف انوار فرمایا بھی تھا کہ میری وفات کے بعد تم لوگ حماد کی طرف رجوع کرنا۔ چنانچہ امام نخعی کی حسب وصیت درسگاہ نخعی سے تعلق رکھنے والوں نے حماد کو ان کا جانشین سمجھا مگر:

”قال مغيرة: لما مات إبراهيم جلس الحكم وأصحابه إلى حماد حتى أحدث ما أحدث يعني الإرجاء.“²

یعنی امام نخعی کے بعد حکم بن عتیبہ اور ان کے اصحاب نے حماد کو نخعی کے جانشین کے طور پر اپنا مرکز توجہ بنایا مگر جب حماد نے نخعی کے مسلک و مذہب کو چھوڑ کر مبتدعانہ مذہب یعنی مذہب مرجیہ اختیار کر لیا تو لوگوں نے ان سے ترک تعلق کر لیا۔

یہ روایت صاف طور پر اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ حماد نے ابراہیم نخعی کے مسلک و مذہب کو ترک کر کے مذہب مرجیہ اختیار کر لیا تھا اور ان کی اس تبدیلی سے دل برداشتہ ہو کر ان کے اصحاب و احباب نے بھی ان سے ترک تعلق کر لیا تھا، کیونکہ امام ابراہیم نخعی کی یہ وصیت و ہدایت تھی کہ ”لا تجالسوا المرجیة“ مرجیہ سے رابطہ و تعلق مت رکھو۔

تہذیب التہذیب (۳/ ۱۶ تا ۱۸) وغیرہ تذکرہ حماد میں منقول ہے:

”قال الثوري: كان الأعمش يلقى حمادا حين تكلم في الإرجاء، فلم يكن يسلم عليه، وقال شعبة: كنت مع زبيد، فمررنا بحماد، فقال: تنح عن هذا فإنه قد أحدث.“

یعنی امام سفیان ثوری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ امام اعمش استاذ ابی حنیفہ جب حماد کے مرجی ہونے کے بعد ان سے ملتے تھے تو سلام نہیں کرتے تھے، اور امام شعبہ نے کہا کہ ہم لوگ زبید کے ساتھ حماد کے پاس سے گزرے تو زبید نے کہا کہ اس شخص یعنی حماد سے دور رہو، کیونکہ یہ بدعتی یعنی مرجی ہو گیا ہے۔

”قال سفیان الثوري: كنت ألقى حمادا بعد ما أحدث فما كنت أسلم عليه.“³

یعنی امام سفیان ثوری نے کہا کہ حماد جب مرجی ہو گئے تو میں نے ان سے سلام بند کر دیا۔

ان روایات سے صاف ظاہر ہے کہ ابراہیم نخعی کی وفات کے بعد کچھ دنوں تک حماد مذہب نخعی پر قائم تھے، پھر انھوں نے مسلک نخعی سے انحراف کر کے مرجیہ مذہب اختیار کر لیا تھا اور ان کے اس طرز عمل سے امام نخعی کے متوسلین و اصحاب بے حد

① مقدمہ انوار (۱/ ۴۲)

② الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (۲/ ۱۴۶، قسم ثانی) ورجاله ثقات، التنكيل (۱/ ۱۸۹) تذکرہ أحمد بن محمد بن الصلت بن المغلس الحماني. ③ فسوي (۲/ ۷۹۱)

برہم ہوئے تھے، حتیٰ کہ ان حضرات نے حماد سے سلام و کلام بند کر دیا امام ابن سعد رضی اللہ عنہ اہل علم سے ناقل ہیں:

”قالوا: وكان حماد ضعيفا في الحديث، فاختلط في آخر أمره، وكان مرجيا، وكان كثير الحديث.“¹

یعنی اہل علم کا فیصلہ ہے کہ حماد ضعیف الحدیث ہیں، آخری عمر میں مخلط ہو گئے تھے اور مرجی بھی تھے، نیز کثیر الحدیث تھے۔

مغیرہ نے کہا کہ وفات نخعی کے بعد ہم سمجھتے تھے کہ ابراہیم نخعی کے جانشین اعمش ہوں گے مگر وہ علم حرام و حلال میں کچے نکلے اور حماد کی طرف رجوع کیا گیا تو وہ علم فرائض میں کچے نکلے، لہذا ہم نے حلال و حرام کا علم حماد اور فرائض کا علم اعمش سے سیکھا۔² ابو شعیبہ صلت بن دینار نے کہا:

”قلت لحمد أنت راوي إبراهيم؟ أكان إبراهيم مرجيا؟ قال: لا، كان شاكاً مثلك.“³
”میں نے حماد سے کہا: تم ابراہیم کے شاگرد ہو، کیا ابراہیم بھی تمہاری طرح مرجی تھے؟ حماد نے کہا: نہیں، وہ مرجی نہیں بلکہ تمہارا ہی طرح ”شاک“ تھے۔“

واضح رہے کہ مرجیہ کی اصطلاح میں اہل سنت کو ”شاکین“ کہا جاتا ہے، اس روایت میں حماد کی زبانی یہ بات واضح طور پر بتلائی گئی ہے کہ ابراہیم نخعی اگرچہ مرجی نہیں تھے مگر ان کے جانشین حماد مرجی بن گئے تھے، ابو شعیبہ مذکور اگرچہ ضعیف ہیں مگر ان کی یہ روایت سابقہ روایات کی تائید و متابعت میں پیش کی گئی ہے، حماد مرجی ہونے کے ساتھ اہل الرائے بھی بن گئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ابراہیم نخعی کی جو درسگاہ مذہب اہل الرائے و القیاس اور مسلک اہل الارحاء والاہواء کے خلاف ایک مستحکم قلعہ تھی، وہ حماد کے ہاتھوں مذہب اہل الرائے و القیاس اور مسلک ارجاء کی ترویج و اشاعت کا مرکز بن گئی، حماد کے اس طرز عمل سے تلامذہ نخعی کو بے حد کبیدگی ہوئی اور اگر اپنی وفات کے بعد امام نخعی حماد کو دیکھتے کہ وہ مرجی بن گئے تو ان سے اپنی دی ہوئی یہ سند ضرور چھین لیتے جس کا ذکر مصنف انوار نے بڑے فخر سے کیا ہے:

”بتصریح ابن عدی ابراہیم سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد ہم کس سے تحقیق مسائل کریں گے؟ تو نخعی نے کہا کہ امام حماد سے۔“⁴

امام نخعی کو علم غیب تھوڑا ہی تھا کہ میری وفات کے بعد حماد مرجی ہو جائیں گے۔ کوفہ کے باہر بھی حماد کے اس طریق کار کی سخت مذمت کی گئی، حتیٰ کہ امام دارالبحرہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”كان الناس عندنا هم أهل العراق حتى وثب منهم إنسان يقال له حماد، فاعترض هذا الدين فقال فيه برأيه.“⁵

یعنی عراق کے لوگ اچھے تھے حتیٰ کہ ان میں حماد نامی ایک شخص نمودار ہوئے جنہوں نے دین میں نئی بات پیدا کی

1 طبقات ابن سعد (۶/۲۳۲) 2 طبقات ابن سعد. 3 میزان (۱/۲۷۹)

4 مقدمہ انوار (۱/۴۲) 5 تہذیب التہذیب (۳/۱۸)

اور رائے و قیاس کا استعمال کیا۔

ہم عرض کر چکے ہیں کہ بصرہ کے امام وقت ایوب سختیانی اور ان کے ساتھ دوسرے اہل علم نے حماد کا پوری طرح بائیکاٹ کر دیا تھا اور ان سے ملنا بھی گوارا نہیں کیا۔ اندلس کے امام وقت امام ابو عمر یوسف بن عبدالبرؒ نے فرمایا:

”حماد پر مرجی المذہب ہونے کے سبب عیب لگا، انھیں سے سیکھ کر امام ابوحنیفہؒ بھی مرجی بن گئے۔“¹

یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ وفات نخعی کے کتنے دنوں بعد حماد نے مذہب نخعی چھوڑ کر مرجی مذہب اور اہل الرائے و القیاس کا مسلک اختیار کیا مگر یہ طے شدہ بات ہے کہ موصوف وفات نخعی کے بعد کچھ دنوں تک ان کے طریق پر قائم رہے تھے۔ نیز قابل ذراغ سے تبدیلی مذہب کے اسباب نہیں معلوم ہو سکے، لیکن مصنف انوار اور ان کے استاذ کوثری و مقلدین کوثری کی ایک مستدل روایت سے تبدیلی مذہب کے سبب پر روشنی پڑتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

مذہب نخعی چھوڑ کر حماد کے مرجی بننے کا سبب:

مصنف انوار کے استاذ کوثری ناقل ہیں:

”قال العقيلي في الضعفاء: حدثنا أحمد بن محمود الهروي قال: حدثنا محمد بن المغيرة البلخي قال: حدثنا إسماعيل بن إبراهيم قال: حدثنا محمد بن سليمان الأصفهاني قال: لما مات إبراهيم، اجتمع خمسة من أهل الكوفة، فيهم عمر بن قيس الماصر، وأبو حنيفة، فجمعوا أربعين ألف درهم، وجاؤا إلى الحكم بن عتيبة، فقالوا: إنا قد جمعنا أربعين ألف درهم، نأتيك بها، وتكون رئيسنا في الإرجاء فأبى عليهم الحكم، فأتوا حماد بن أبي سليمان فقالوا له، فأجابهم، وأخذ الأربعين الف درهم.“²

یعنی ابراہیم نخعی کے بعد کوفہ کے پانچ اشخاص جمع ہوئے، ان پانچوں میں ایک عمر بن قیس ماصر اور دوسرے امام ابوحنیفہ بھی تھے۔ ان حضرات نے مل کر چالیس ہزار درہم فراہم کیے اور حکم بن عتیبہ (شاگرد نخعی و شعی) کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ ہم نے چالیس ہزار درہم فراہم کیے ہیں، یہ درہم ہم آپ کو اس شرط پر دینا چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے مرجی مذہب و جماعت کے سرپرست و صدر بن جائیے! حکم بن عتیبہ نے ان پانچوں حضرات کی یہ مشروط پیش کش ٹھکرا دی اور ان کی درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیا، وہاں سے یہ لوگ حماد کے پاس گئے اور ان سے بھی یہی درخواست کی تو انھوں نے قبول کر لیا اور چالیس ہزار درہم کی رقم لے کر مرجی مذہب کے مرجی و سرپرست بن گئے۔

ظاہر ہے کہ مصنف انوار اور کوثری نے اپنے خالص دینی نقطہ نظر سے یہ روایت معتبر و صحیح قرار دے کر ہی معرض استدلال میں پیش کی ہے، جس کے الفاظ ”إنا قد جمعنا أربعين ألف درهم نأتيك بها، وتكون رئيسنا في“

1 جامع بیان العلم (۲/۱۵۳)

2 تعليق الكوثري على مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ۷) و تانيب الخطيب (ص: ۲۰) و مقدمه انوار (۱/۴۲)

الإرجاء“ (یعنی ہم آپ کو چالیس ہزار دیں گے، اس صلے میں کہ آپ ہمارے مرجی مذہب کے سرپرست بن جائیے) سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحب اور ان کے ساتھیوں نے بعوض چالیس ہزار درہم حماد کو مرجی مذہب کا سرپرست بنانے میں کامیابی حاصل کی اور اس سے یہ بھی صاف طور پر ظاہر ہے کہ چالیس ہزار درہم دے کر حماد کو سرپرست مرجیہ بنانے والے خود بھی مرجی تھے، مگر اس روایت کو اپنے خالص دینی و علمی نقطہ نظر سے معتبر کہہ کر حجت بنانے والے مصنف انوار اور کوثری نے اس کے اصل مضمون کو بدل کر کہا کہ امام صاحب اور ان کے ساتھیوں نے یہ رقم اہل علم کے تکفل کے لیے دی تھی۔¹

مصنف انوار اور کوثری کی دیانت داری کی بڑی مثالوں میں سے ایک یہ بھی ہے، اس روایت میں چالیس ہزار درہم لے کر خدمت حماد میں جانے والے پانچ اشخاص میں سے صرف دو کے نام لیے گئے ہیں، یعنی امام صاحب اور عمر بن قیس ماصر اور یہ معلوم ہے کہ عمر بن قیس ماصر اور ان کے باپ قیس ماصر مرجی المذہب تھے، حتیٰ کہ امام اوزاعی نے کہا:

”أول من تكلم في الإرجاء رجل من أهل الكوفة يقال له قيس الماصر.“²

یعنی مرجی مذہب کے بانی یہی قیس ماصر تھے۔

گویا عمر بن قیس ماصر موروثی مرجی تھے، البتہ مرجی ہونے کے باوجود نقل روایت میں ثقہ تھے۔³ اہل علم جانتے ہیں کہ ثقہ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ موصوف کا مذہب ارجاء بھی محمود ہے، کتنے خارجی و دیگر بدعتی مبعوض المذہب ہونے کے باوجود ثقہ ہوتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ اگرچہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ حماد مذہب نخعی چھوڑ کر مرجی بن گئے تھے مگر امام عقیلی کی نقل کردہ زیر بحث روایت یعنی کہ حماد چالیس ہزار درہم لے کر مرجی ہو گئے، سنداً ضعیف ہے، کیونکہ امام عقیلی (ابو جعفر محمد بن عمرو بن موسیٰ متوفی ۳۲۲ھ) نے اسے مؤرخ ہرات احمد بن محمد بن یاسین حداد ہروی (متوفی ۳۳۳ھ) سے نقل کیا ہے اور یہ مؤرخ ہرات احمد بن محمد بن یاسین ہروی علم و فضل میں شہرت رکھنے کے باوجود بقول امام دارقطنی کذاب ہے اور دوسرے اہل علم نے بھی اسے غیر ثقہ و ساقط الاعتبار کہا ہے۔⁴

نیز اس کی سند کے دو راوی محمد بن مغیرہ بلخی اور اسماعیل بن ابراہیم متعین و معروف نہیں اور محمد بن سلیمان الاصہبانی (متوفی ۱۸۱ھ) صدوق ہونے کے باوجود بقول ابو حاتم ”لا یحتج بہ“ اور بقول نسائی ”ضعیف“ اور بقول ابن عدی ”مضطرب الحدیث“ تھے۔⁵ دریں صورت اس روایت کو معتبر و صحیح قرار دے کر نقل کرنا کون سی دیانت داری ہے؟

چونکہ مصنف انوار اور کوثری نے اس روایت کو تحریف کر کے اور صحیح و معتبر قرار دے کر زیب قرطاس کیا ہے، اس لیے دونوں حضرات کی تحریف اور علمی دیانت داری واضح کرنے کے لیے ہم نے اس پر یہ مختصر سی علمی بحث کر دی ہے ورنہ ہمیں اس سے دلچسپی نہیں تھی۔ بہر حال اسے چونکہ مصنف انوار نے حجت بنایا ہے اس لیے یہ ان کے خلاف حجت ہے۔

1 مقدمہ انوار (۴۲/۱) و تانیب الخطیب (ص: ۲۰)

2 تہذیب التہذیب (۷/۴۶۰)

3 تہذیب التہذیب (۷/۴۸۹، ب ۴۹۰) و طبقات ابن سعد (۶/۲۳۶) و کتاب الجرح والتعديل (۳/۱۲۹، قسم دوم) و

انساب للسمعانی (۲/۵۰۲)

4 ملاحظہ ہو: تذکرۃ الحفاظ (۳/۹۳) و لسان المیزان (۱/۲۹۱) 5 التنکیل (۱/۱۸۸) و تہذیب التہذیب (۲/۲۰۱)

مصنف انوار کی مستدل روایت سے امام صاحب کے مرجی ہونے کا ثبوت:

یہ بتلایا جا چکا ہے کہ مصنف انوار اور کوثری کی مستدل مذکورہ بالا زیر بحث روایت ساقط الاعتبار و کمذوبہ ہے، جسے ان دونوں حضرات نے اپنے خالص علمی و دینی نقطہ نظر سے معتدل شاہ راہ پر چلتے ہوئے صحیح و معتبر قرار دے کر بطور دلیل و حجت نقل کر رکھا ہے، مگر ان حضرات کی مستدل روایت میں نہایت واضح طور پر یہ بات موجود ہے کہ امام ابوحنیفہ بذات خود مرجی المذہب تھے اور انہوں نے اپنے ہم مذہب مرجیہ کے تعاون سے چالیس ہزار درہم جمع کر کے اپنے استاذ حماد کو اس مقصد سے دیے کہ وہ مرجی مذہب اور مرجی فرقہ کے صدر و سرپرست بن جائیں، چنانچہ حماد یہ پیش کش قبول کر کے مرجی مذہب و فرقہ کے صدر اور سرپرست بن گئے، جیسا کہ اس روایت میں امام صاحب اور ان کے ساتھیوں کا یہ قول منقول ہے:

”إنا قد جمعنا أربعمائة ألف درهم نأتيك بها وتكون رئيسنا في الإرجاء.“

یعنی ہم چالیس ہزار درہم جمع کیے ہوئے ہیں اور آپ کو اس شرط پر دیں گے کہ ہمارے مرجی مذہب و مرجی فرقہ کے صدر و سرپرست بن جائیں۔“

لیکن مصنف انوار نے اپنی مستدل روایت کے اس اہم جملہ کو بالکل حذف و ساقط کر دیا اور اس کی طرف کسی طرح کا اشارہ بھی نہیں کیا۔ مصنف انوار کی یہ کارستانی علمی نقطہ نظر سے کیا معنی رکھتی ہے؟ مصنف انوار کے استاذ کوثری نے اس جملہ کے اندر معنوی تحریف کر کے کہا کہ ارجاء سے مراد وہ مذہب حق ہے جس کو مخالفین احناف ارجاء کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔¹ مگر سوال یہ ہے کہ یہ الفاظ تو خود امام صاحب اور ان کے ساتھیوں کی طرف منسوب کر کے نقل کیے گئے ہیں، یعنی کہ کوثری اور مصنف انوار کی مستدل روایت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ امام صاحب نے خود اپنے آپ کو مرجی المذہب اور مرجی فرقے کا ایک فرد قرار دیا ہے، پھر یہ معنوی تحریف کیا معنی رکھتی ہے؟

مذکورہ بالا تفصیل سے واقفیت رکھنے والے اہل نظر پر یہ ثابت شدہ حقیقت کسی طرح بھی مخفی نہیں رہ سکتی کہ حماد وفات نخعی کے کچھ دنوں بعد مسلک نخعی و مذہب سلف سے منحرف ہو کر اس مرجی مذہب کے پیروکار اور پابند ہو گئے، جس کو امام نخعی اور سلف مغضوب و مذموم قرار دے کر اپنے تلامذہ و متوسلین کو ہدایت اور وصیت کرتے رہتے تھے کہ اس مذہب اور اس کے معتقدین سے قطع تعلق و پرہیز رکھنا اور عام تلامذہ نخعی نے ان کی اس ہدایت و وصیت پر عمل بھی کیا۔ اس سلسلے میں حماد کے معاصر اور غیر معاصر اہل علم کے واضح اور صریح اقوال و بیانات اتنی کثرت کے ساتھ باسانید صحیحہ مروی و منقول ہیں کہ بڑے بڑے منکرین حقائق بے پناہ جذبہ انکار حقائق رکھنے کے باوجود یہ محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے کہ حماد کے مرجی المذہب ہونے کی حقیقت سے ایک دم اور ایک قلم سخن سازی کے بغیر انکار کر دینا اور اس حقیقت ثابتہ پر پردہ ڈال دینا آسان کام نہیں ہے۔ اس لیے انہوں نے ضروری سمجھا کہ کسی سخن سازی، تاویل و توجیہ اور تدریق کے ذریعہ حماد اور ان کے ہم مسلک حضرات کے مرجی ہونے کا کوئی ایسا معنی و مطلب بیان کریں جس کے سہارے ایک طرف یہ بات بنائی جاسکے کہ ان کے مرجی ہونے کے سلسلے میں وارد شدہ روایات صحیحہ سے ہم کو انکار نہیں اور دوسری طرف یہ کہا جاسکے کہ ان حضرات کے مرجی مذہب سے مراد وہ مرجی مذہب نہیں

ہے جس کو امام نخعی اور دیگر اسلاف نے مذموم و مبغوض و بدعت قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ بہر قیمت رد و مسخ حقائق کا بے پناہ جذبہ و ذوق رکھنے والے مصنف انوار اور ان کے ممدوح استاذ کوثری نے اس کام کو کرنا بہت ضروری سمجھا ہوگا، چنانچہ انھوں نے یہ کام کیا بھی ہے، جس کی حقیقت آئندہ صفحات میں واضح کی جائے گی۔

اصحاب الکلام سے امام نخعی کی بیزاری:

یہ بات گزر چکی ہے کہ کوفہ میں اصحاب المقالات یعنی اہل الکلام کے ظہور پذیر ہونے سے امام نخعی غمگین و متأسف تھے اور ان سے موصوف امام نخعی نے اظہار بیزاری کرتے ہوئے کہا تھا:

”أوه! دققوا قولاً، واخترعوا دیناً من قبل أنفسهم، ليس من كتاب الله، ولا من سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقالوا: هذا هو الحق، وما خالفه باطل، لقد تركوا دين محمد صلى الله عليه وسلم فيأياك وإياهم.“¹

یعنی افسوس ہے کہ ان لوگوں نے تدقیق سے کام لے کر خود ساختہ مذہب ایجاد کر رکھا ہے، جس کا کتاب و سنت سے کوئی لگاؤ اور تعلق نہیں ہے، یہ لوگ حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دیے ہوئے ہیں اور دین محمدی کو چھوڑ بیٹھے ہیں، ان سے تم لوگ بچ کر رہو، ان کے فتنہ میں پڑنے سے تم ہوشیار رہو۔“

اس میں شک نہیں کہ مرجی المذہب لوگ بھی اسلاف کے یہاں اصحاب المقالات، اہل الکلام اور اہل الایواء میں شمار کیے جاتے ہیں، جن کا وصف خاص اسلاف نے خصام و جدال و تدقیق و اختراع بدعات اور ابطال حق و احقاق باطل و رائے پرستی بتلایا ہے۔ امام نخعی نے اس طریق کار کی قباحت و خرابی ظاہر کرتے ہوئے قرآنی آیت ﴿فَاغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ کی تفسیر میں فرمایا:

”أغرى بينهم في الخصومات والجدال في الدين.“²

یعنی اللہ نے ان کے درمیان دینی امور میں جدال و خصام کے ذریعہ بغض و عداوت پیدا کر دیا۔ امام نخعی خصام و جدال سے بذات خود اس قدر پرہیز کرتے تھے کہ بقول امام حسن بن عمرو فقہی تیمی کوفی (متوفی ۱۳۲ھ) موصوف امام نخعی نے فرمایا:

”ما خاصمت رجلاً قط.“³ یعنی میں نے کسی بھی شخص سے کبھی کوئی خصام نہیں کیا۔

مصنف انوار کی ممدوح و معتبر قرار دی ہوئی کتابوں میں مندرج اس مضمون کی بہت ساری روایات دیکھ کر ہم کو قدرے تسکین و تسلی سی ہونے لگتی ہے کہ امام صاحب اپنی ابتدائی زندگی میں اگرچہ اہل کلام و اصحاب المقالات کے طور و طریق اور مسلک و مذہب سے وابستہ تھے مگر موصوف ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ میں، جبکہ بقول صحیح بائیس سال اور بدعویٰ مصنف انوار تیس سال اور بقول احناف اکتالیس سال کے تھے، تو مختلف اسباب کے تحت اہل کلام و متکلمین کے طور و طریق اور مذہب و مشرب سے

① حلیۃ الأولیاء (۲۲۳/۴) ② حلیۃ الأولیاء (۲۲۳/۴) و عام کتب تفسیر.

③ طبقات ابن سعد (۲۷۳/۶) فسوی (۶۰۴/۲) و حلیۃ الأولیاء (۲۲۲/۴)

نکل کر علوم فقہ و حدیث پڑھنے اور مسلک سلف سے وابستہ ہونے کے لیے ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ میں درسگاہ حماد میں داخل ہو گئے، لیکن پھر یہ دیکھ کر شدید افسوس و غم ہوتا ہے کہ مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں کی دلیل و حجت بنائی ہوئی روایات میں یہ بتلایا گیا ہے کہ امام نخعی کے علمی و فقہی جانشین حماد کو امام صاحب نے اپنے مزید چار رفقاء کی مدد و معاونت سے چالیس ہزار درہم دے کر مذہب نخعی سے ہٹا کر اس مرجی مذہب کا سرپرست و مربی بنا لیا جس مذہب سے اور اس کے معتقدین سے امام نخعی اور دوسرے اسلاف سخت بیزار و ناراض تھے، کیونکہ مرجی مذہب بھی اہل کلام ہی کے مذاہب میں سے ایک مذہب ہے اور اس مذہب کے ماننے والے مرجیہ بھی اہل کلام و اصحاب المقالات میں سے ہیں۔

پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں کی دلیل و حجت بنائی ہوئی ایک روایت میں کہا گیا ہے کہ درسگاہ حماد میں ایک زمانہ تک پڑھتے رہنے کے بعد تحصیل علم کے زمانہ ہی میں امام صاحب رضی اللہ عنہ ”تدقیق“ کے راستہ پر گامزن ہو گئے، حالانکہ مصنف انوار کی معتبر و ممدوح کتابوں میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ امام صاحب طریق اہل کلام سے متفرق و بیزار ہو کر درسگاہ حماد میں فقہ و حدیث پڑھنے اور مسلک سلف سے وابستگی اختیار کرنے کے لیے داخل ہوئے تھے۔ جب مصنف انوار کی معتبر و ممدوح قرار دی ہوئی کتابوں میں ایک طرف بہت ساری روایات اس مضمون کی مندرج ہیں کہ علم کلام اور طریق اہل کلام سے کبیدہ خاطر و بیزار ہو کر امام صاحب ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ میں درسگاہ حماد میں داخل ہوئے تھے تو دوسری طرف انہیں کتابوں میں منقول اور مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی اس مضمون کی روایت کہ ”درسگاہ حماد میں ایک عرصہ تک تعلیم پانے کے بعد تحصیل علم کے زمانہ ہی میں امام صاحب ”تدقیق“ کے راستے پر گامزن ہو گئے۔“ کا معنی و مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کتابوں میں یہ بتلانے اور ظاہر و باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ امام صاحب اگرچہ ایک زمانہ تک علم کلام و مذہب اہل کلام سے وابستہ رہنے کے بعد اس سے وقتی طور پر غیر مطمئن ہو کر درسگاہ حماد میں داخل ہو کر علوم فقہ و حدیث پڑھنے لگے تھے، مگر درسگاہ حماد میں ایک عرصہ تک پڑھتے رہنے کے بعد دوبارہ پھر موصوف امام صاحب طریق اہل کلام پر گامزن ہو کر اصحاب المقالات و اہل کلام کی طرح ”تدقیق“ سے کام لینے لگے!

مصنف انوار رقم طراز ہیں:

”امام شعبہ امام صاحب کو حسن الفہم اور جید الحفظ فرمایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان پر تشبیح کی ہے، واللہ وہ خدا کے یہاں اس کا نتیجہ دیکھ لیں گے الخ“^①

مصنف انوار نے اپنی نقل کردہ مذکورہ بالا روایت خیرات الحسان (ص: ۳۴) سے نقل کی ہے اور مقام مذکور پر یہ روایت حذف سند کے ساتھ منقول ہے، جیسا کہ اس کتاب میں درج شدہ عام روایات کے ساتھ کیا گیا ہے، کیونکہ اس کتاب کے مصنف نے تصریح کر رکھی ہے کہ میری یہ کتاب علامہ محمد صالح دمشقی شافعی کی کتاب ”عقود الجمان فی مناقب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان“ کی تلخیص ہے۔^②

اور خیرات الحسان کی اصل کا یہ حال ہے کہ اس عقود الجمان میں درج کردہ بیشتر روایات کی اسانید کو حذف کر دیا گیا

② الخیرات الحسان (ص: ۲)

① مقدمہ انوار (۱/ ۱۰۰) بحوالہ خیرات الحسان (۱/ ۳۴ و ۱۱۸)

ہے، البتہ اصل ماخذ کا عام طور سے حوالہ دے دیا گیا ہے، عقود الجمان میں روایت مذکورہ (ص: ۲۰۲) بحوالہ اخبار ابی حنیفہ للصیبری پر منقول ہے اور اصل روایت کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت کئی سطروں پر مشتمل ہے جسے الخیرات الحسان میں تلخیص کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اخبار ابی حنیفہ للصیبری میں روایت مذکورہ اس طرح منقول ہے کہ ”امام شعی نے کہا کہ میں نے حماد بن ابی سلیمان کو کہتے ہوئے سنا کہ ابوحنیفہ ہمارے پاس سنجیدگی، وقار اور تقویٰ شعاری کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے اور ہم انھیں علمی غذا فراہم کرتے تھے:

”حتى دقق السؤال فخفت عليه من ذلك... الخ.“^①

یعنی کہ ابوحنیفہ کچھ دنوں تک ہم سے پڑھتے رہنے کے بعد سوالات کرنے میں ”تدقیق“ سے کام لینے لگے جس سے مجھ کو ان کے لیے خطرہ و خوف محسوس ہونے لگا۔

روایت مذکورہ طویل ہے، جس کو ہم آگے چل کر زیر بحث لائیں گے۔ یہاں صرف یہ دکھلانا ہے کہ مصنف انوار کی مستدل روایت میں امام صاحب کے استاذ خاص حماد کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ ہماری درسگاہ میں امام ابوحنیفہ ایک عرصہ تک سنجیدگی، وقار اور تقویٰ شعاری کے ساتھ تحصیل علم کے لیے بیٹھے رہے اور انھیں ہم پڑھاتے رہے، مگر بعد میں موصوف امام ابوحنیفہ اپنے اس طریق کے خلاف طریق تدقیق پر گامزن ہو گئے، جس کے سبب مجھے ان کے حق میں خوف و خطر محسوس ہونے لگا۔ ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ امام نخعی نے ”تدقیق“ کو اصحاب المقالات اور اہل کلام کا وصف خاص بتلایا ہے اور تدقیق و اہل تدقیق کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی ہے۔ شعبہ کی طرف منسوب مصنف انوار کی دلیل بنائی ہوئی زیر بحث روایت میں بتلایا گیا ہے کہ امام نخعی ہی کی طرح حماد بھی تدقیق کو خوفناک اور خطرناک چیز سمجھتے تھے اور اسے سنجیدگی، وقار اور تقویٰ شعاری کے منافی ایک مذموم شے جانتے تھے۔ تدقیق کے بارے میں حماد کا یہ موقف و نظریہ ظاہر ہے کہ صرف اس زمانے تک رہا تھا جب تک کہ موصوف اپنے علمی و فقہی مورث و استاذ امام نخعی کے اس مسلک سلف پر قائم تھے جو اصحاب المقالات و اہل کلام اور ان کے مذاہب و طریق کار کو مبغوض و ناپسندیدہ قرار دیتا ہے، مگر بعد میں جب یہی حماد مسلک نخعی چھوڑ کر خود مرجی مذہب اور مسلک رائے و قیاس کے پیروکار و پابند ہو گئے تو اپنے جلیل القدر استاذ امام شعی کے بقول اصحاب الرائے والقیاس والارجاء کے طور و طریق پر گامزن ہو کر مسجد میں اتنے شور و غل غپاڑہ کے ساتھ زیر بحث مسائل پر مباحثہ و مناظرہ اور مباحثہ کرنے لگے کہ امام عامر شعی حماد اور اصحاب حماد کو صفاقہ، بنو استہا، الآرائیوں اور اصحاب الرائے وغیرہ کہہ کر مطعون کرنے لگے اور یہ بھی فرمانے لگے کہ اپنے طرز عمل سے ان صفاقہ نے خانہ خدا کو کوڑا خانہ سے بھی زیادہ مبغوض بنا دیا ہے۔ حماد سے مروی زیر نظر روایت اگرچہ باعتبار سند ساقط و غیر معتبر ہے، کیونکہ اس کی سند میں ابن المغلس کذاب ہے، مگر یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ مذہب الرائے والارجاء اختیار کرنے سے پہلے جب حماد اپنے استاذ اور علمی و فقہی مورث امام نخعی کے مسلک پر قائم تھے تو موصوف مذہب نخعی کے اصول کی پابندی کرتے ہوئے اصحاب المقالات و اہل کلام کی تدقیق کو مذموم و مبغوض قرار دیا کرتے ہوں گے۔

① اخبار أبی حنیفہ للصیبری (ص: ۹)

اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں کے ممدوح و معتمد علیہ اسماعیل بن حماد بن امام صاحب یعنی امام صاحب کے پوتے تک پہنچنے والی صحیح سند سے مروی ہے کہ اسماعیل موصوف نے کہا کہ امام صاحب اور ان کے صاحبزادے حماد بن ابی حنیفہ خلق قرآن کے معتقد تھے۔ امام صاحب کے ان صاحبزادے کو مصنف انوار نے چہل رکنی مجلس تدوین کارکن قرار دے رکھا ہے اور یہ معلوم ہے کہ عقیدہ خلق قرآن اصحاب المقالات و اہل الکلام کے ایک خاص طبقہ کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اس عقیدہ سے عام اسلاف حتیٰ کہ امام صاحب کے استاذ خاص حماد بھی مرتبی المذہب اور اصحاب المقالات کا ایک فرد ہونے کے باوجود سخت بیزار و برہم تھے، یہاں تک کہ آنے والی تفصیل کے مطابق موصوف حماد نے بعض معتقدین خلق قرآن کے خلاف حکومت کے پاس شکایت کی اور ان کے خلاف حکومت سے تادیبی کارروائی کی درخواست کی۔ اسماعیل کے بیان مذکور کا لازمی مطلب ہے کہ امام صاحب عقیدہ خلق قرآن کے معاملہ میں اہل الکلام کے مذہب پر عامل تھے۔

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ اسماعیل موصوف بذات خود غیر ثقہ تھے، اس لیے امام صاحب کی طرف انہوں نے جو عقیدہ خلق قرآن کی نسبت کر رکھی ہے وہ ساقط الاعتبار ہے، لیکن اس معاملہ میں امام صاحب کے موقف و مذہب سے متعلق تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں آئے گی۔ نیز اس بات کی تفصیل بھی آئندہ صفحات میں آئے گی کہ مصنف انوار کے ہم مزاج لوگوں خصوصاً کوثری نے یہ بلند بانگ دعویٰ کر رکھا ہے کہ وفات حماد کے بعد حماد کے مسند نشین ہونے اور چہل رکنی مجلس تدوین کی تشکیل کر کے تدوین فقہ حنفی میں مشغول ہونے کے بعد بھی امام صاحب اور ان کے خصوصی تلامذہ علم کلام سے اشتغال رکھتے تھے۔ مصنف انوار نے نفعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا فضائل کے ساتھ یہ بھی تحریر کیا ہے:

”اور شاہ صاحب (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی) نے بھی حجۃ اللہ میں لمبی بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام صاحب کے استاذ الاستاذ حضرت ابراہیم نخعی نے اپنے مذہب کی بنیاد حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ کے مسائل و فتاویٰ پر قائم کی، ابراہیم تمام علمائے کوفہ کے علوم کے مخزن تھے، ابن المسیب اور ابراہیم کے فقہ کے اکثر مسائل اصل میں سلف یعنی صحابہ سے مروی ہیں، ابراہیم کے فضل و کمال اور تفقہ و جلالتِ قدر پر تمام فقہائے کوفہ متفق ہو گئے تھے اور سب نے ان کی شاگردی کا فخر حاصل کیا۔ ابراہیم نے وہی مسائل جمع کیے تھے جن کو مشہور احادیث اور قوی دلائل کی کسوٹی پر کس لیا تھا۔¹ پھر آگے چل کر شاہ صاحب نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ ”ان مسائل کو ابراہیم سے امام صاحب نے اخذ کیا۔“² الخ

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے مذکورہ بات کو شاہ ولی اللہ کی لمبی بحث کا خلاصہ قرار دے کر امام نخعی اور امام ابوحنیفہ کی علمی اور فقہی فضیلت ظاہر کرنے نیز یہ ثابت کرنے کے لیے لکھ چھوڑا ہے کہ امام ابوحنیفہ مذہب نخعی کے پیرو تھے اور انہوں نے امام نخعی سے مذہب نخعی کو حاصل کیا تھا اس جگہ مصنف انوار نے شاہ صاحب کی عبارت کی تلخیص کرنے اور اسے حجت بنانے میں جو کارستانی دکھائی ہے اس کی وضاحت آگے چل کر دی جائے گی، مگر فی الوقت یہ عرض ہے کہ مصنف انوار نے شاہ صاحب کی جس عبارت کی تلخیص اوپر پیش کی ہے، اس میں یہ صراحت ہے:

”أصل مذہبہ فتاویٰ ابن مسعود، و قضایا علی و فتادۃ، و قضایا شریح وغیرہ من قضایة

الکوفۃ... الخ

یعنی امام نخعی کے مذہب کی اصل حضرت علی، ابن مسعود اور قاضی شریح وغیرہ کے مسائل و فتاویٰ ہیں۔

مصنف انوار کے طریق تلخیص کے مطابق شاہ صاحب کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ امام نخعی نے اپنے مذہب کی بنیاد جن حضرات کے مسائل و فتاویٰ پر رکھی تھی ان میں قاضی شریح بھی ایک تھے مگر مصنف انوار نے اپنے بیان میں قاضی شریح کا نام نہیں آنے دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ موصوف نے قاضی شریح اور امام صاحب کا ایک عجیب انداز میں موازنہ کیا ہے، حتیٰ کہ امام نخعی، علقمہ، حماد اور امام صاحب کا تقابلی بھی عجیب طرح سے کیا ہے، جو قابل ملاحظہ ہے۔

امام صاحب اور امام صاحب کے علمی و فقہی مورثین کے درمیان مصنف انوار کا موازنہ:

مصنف انوار فرماتے ہیں:

”قاضی شریح کو خود حضرت علی نے ”أقضى العرب“ کا خطاب مرحمت فرمایا، یہ بات اور ہے کہ آگے چل کر امام اعظم کے تفقہ کے سامنے ان کے تفقہ کا رنگ بھی پھیکا پڑ گیا، اور ایسا ہوتا بھی چاہیے تھا کیونکہ قاضی شریح کی توثیق و توصیف اگر حضرت علی نے فرمائی تھی تو امام صاحب کے تفقہ یا علمی و دینی بصیرت کی شہادت بطور بشارت و پیش گوئی سید الانبیاء رحمت دو عالم ﷺ نے دی تھی۔“¹

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ ایک طرف مصنف انوار کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ قاضی شریح امام ابوحنیفہ کے علمی و فقہی مورثین میں سے تھے اور دوسری طرف امام ابوحنیفہ کے تفقہ کے سامنے قاضی شریح کی علمی و فقہی حیثیت وہ تھی جو مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا بیان میں ظاہر کی ہے۔ معلوم نہیں کیوں مصنف انوار نے اس جگہ قاضی شریح اور امام ابوحنیفہ کا موازنہ کرنے کے لیے قاضی شریح کی بابت قول علی اور امام صاحب کی بابت نبی ﷺ کی طرف منسوب پیشگوئی کے ذکر ہی پر اکتفا کیا ہے، جب کہ مصنف انوار کے ہم مزاج و ہم مشرب اسلاف نے حضرت علی کی طرف بھی یہ منسوب کر رکھا ہے کہ انھوں نے امام صاحب کے تفقہ اور دینی و علمی بصیرت کی شہادت بطور بشارت دی ہے، چنانچہ مصنف انوار کے ہم مشرب اسلاف نے سید الانبیاء پر ہزاروں افترا پردازوں کی طرح حضرت علی ﷺ پر بھی افترا پردازی کرتے ہوئے کہا:

”عن عبد الله بن معقل قال: سمعت أمير المؤمنين علي بن أبي طالب يقول: ألا أنبئكم برجل من كوفة من بلدتكم هذه يكنى بأبي حنيفة، قد ملئ قلبه علما و حلما، وسيهلك به قوم من آخر الزمان، الغالب عليهم التنابز، يقال لهم البنانية، كما هلك الرافضه بأبي بكر و عمر رضي الله عنهما.“²

یعنی عبد اللہ بن معقل صحابی نے کہا کہ میں نے حضرت علی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوفہ میں ابوحنیفہ نامی ایک شخص ہوں گے، جن کا قلب علم و حکمت سے پر ہوگا اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والی ایک قوم آخری زمانے میں اسی طرح ہلاک ہوگی جس طرح شان ابی بکر و عمر میں گستاخی کر کے روانہ ہلاک ہوئے، اس قوم کو بنانہ کہا جائے گا۔“

صرف یہی نہیں بلکہ مصنف انوار کے ہم مزاج و ہم مسلک اسلاف نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر بھی افترا پردازی کی:

1 مقدمہ انوار (۱/۴۳ و ۴۴) 2 جامع مسانید الإمام الأعظم (۱/۱۷) و موفق (۱/۱۸ وغیرہ)

”عن ابن عباس أنه قال: إن الرأي الحسن أن يفتي صاحبه، وأنه سيكون من بعدنا رأي حنيف، يجري الأحكام ما بقي الإسلام، وأنه كرأينا وأحكامنا، يقوم به رجل يقال له النعمان بن ثابت، ويكنى أبا حنيفة، وهو من أهل الكوفة جهبذ في الإسلام والفقهاء، يصرف الأحكام والفقهاء على وجهها حنيفي الدين والرأي الحسن.“¹

یعنی ابن عباس نے کہا کہ ”رأى حسن“ والے کو فتویٰ دینا چاہیے اور عقرب ہمارے بعد رائے حسن و رائے حنیف رکھنے والے نعمان ابوحنیفہ نامی ایک کوئی فقیہ پیدا ہونے والے ہیں جن کی رائے و احکام بالکل ہماری رائے و احکام کی طرح ہوں گے، ان کے یہ احکام اسلام کے قائم رہنے کے زمانہ تک قائم رہیں گے۔“

نیز مصنف انوار نے جن امام نغنی کے بارے میں کہا کہ انھیں سے امام صاحب نے مسائل حاصل کیے اور یہ کہ امام صاحب مذہب نغنی کے پیرو تھے، ان پر بھی افترا پردازی کرتے ہوئے مصنف انوار کے ہم مزاج اسلاف نے کہا:

”عن الهزهان قال: شهدت حماداً وجاءه أبو حنيفة فقال له حماد يا أبا حنيفة أنت النعمان الذي ذكر لنا إبراهيم قال: سقى الله زمانا يكون فيه رجل، يقال له النعمان يكنى بأبي حنيفة يحيى أحكام الله ورسوله، وتجري بعده أبداً ما بقي الإسلام، ولا يهلك من اتخذها، وعمل بها، فإن أنت لقيته فاقراه مني السلام“²

یعنی ہر باز نے کہا کہ میری موجودگی میں حماد کے پاس امام ابوحنیفہ آئے، ان سے حماد نے کہا کہ آپ وہی نعمان ہیں جن کا ذکر امام نغنی نے ہم سے کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ زمانہ رحمت خداوندی کی بارش کا زمانہ ہوگا جس میں امام ابوحنیفہ ہوں گے، وہ اللہ و رسول کے احکام کو زندہ کر دیں گے اور ان کے بعد یہ احکام تا آخر جاری رہیں گے، جو شخص بھی احکام ابی حنیفہ پر عمل پیرا ہوگا وہ ہلاک نہ ہوگا، اگر ان نعمان سے تمہاری ملاقات ہو تو تم انہیں میری طرف سے سلام کہنا۔“

اس قسم کے بہت سارے دوسرے اکاذیب بھی مصنف انوار کے ہم مزاج اسلاف نے گھڑ رکھے ہیں جن میں سے کچھ اکاذیب کو مصنف انوار نے بھی دلیل و حجت بنا کر صحیح و معتبر قرار دے رکھا ہے اور کچھ اکاذیب کے ذکر سے نہ جانے کن مصالحوں کے پیش نظر اعراض کر رکھا ہے۔ آخر الذکر مکذوبہ روایت جو امام نغنی کی طرف منسوب کی گئی ہے، اسے دلیل و حجت بنا کر صحیح و معتبر قرار دینے سے مصنف انوار کے انحراف و اعراض کا ایک سبب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس روایت کا ایک مفاد یہ بھی ہے کہ امام نغنی سے امام صاحب کی ملاقات نہیں ہو سکتی تھی ورنہ انھیں حماد کے سامنے بطور پیش گوئی امام صاحب کے ظہور پذیر ہونے کی خبر دیتے ہوئے ان سے یہ کہنے کی ضرورت نہ پیش آتی کہ اگر تمہاری امام صاحب سے ملاقات ہو جائے تو انہیں میری طرف سے سلام کہنا۔ چونکہ مصنف انوار مدعی ہیں کہ امام صاحب امام نغنی سے مذہب نغنی کا علم حاصل کر کے مذہب نغنی کے پیرو بنے اور امام نغنی کی طرف منسوب مذکورہ روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام نغنی سے امام صاحب کی ملاقات تک نہیں ہوئی، اس لیے مصنف

① جامع مسانید أبي حنيفة (١٩/١) و موفق (١٩/١) وغيره

② جامع المسانيد (١٧/١) و موفق (١٩/١٨) وغيره

انوار نے اس کے ذکر کرنے تک سے اعتراض کیا، اسے دلیل و حجت بنانا درکنار لیکن سوال یہ ہے کہ اپنے ہم مزاج اسلاف کے ایجاد کردہ بعض اکاذیب کے ذکر تک سے اعراض کرنا، جبکہ وہ مصنف انوار کے نفس کو ناپسند ہوں، مگر اسی طرح کے دوسرے لوگوں کی ایجاد کردہ باتوں کو صحیح و معتبر کہہ کر دلیل و حجت بنا لینا جب کہ وہ مصنف انوار کے نفس کو پسند ہوں، کیا معنی رکھتا ہے؟

مذکورہ بالا روایات اور ان جیسی دوسری روایات کا مکذوبہ ہونا ان کی اسانید سے خود بخود ظاہر ہے، جسے ہر صاحب علم باسانی معلوم کر سکتا ہے۔ یہاں یہ کہنا ہے کہ جو امام نجفی بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب کے علمی و فقہی مورثین میں سے ہیں، ان ابراہیم کے اساتذہ میں سے مصنف انوار ہی کی تحقیق کے مطابق امام قاضی شریح بھی ہیں، جن کی شان میں مصنف انوار نے مذکورہ بالا قسم کی ہرزہ سرائی کر رکھی ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ مصنف انوار نے درج ذیل باتیں بھی لکھ چھوڑی ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

۱۔ ”محدث عثمان المدنی فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ اپنے استاذ حماد سے زیادہ فقیہ تھے بلکہ ابراہیم، علقمہ اور اسود سے بھی زیادہ اُفقہ تھے۔“¹

۲۔ محدث جریر کا بیان ہے کہ حضرت مغیرہ مجھے تاکید کیا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی مجلسوں میں بیٹھا کرو، اگر ابراہیم نجفی امام صاحب کے استاذ بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی ان کی مجلس میں بیٹھتے۔“²

۳۔ خطیب بغدادی نے محمد بن بشیر سے نقل کیا ہے کہ میں ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کے پاس جایا کرتا تھا، پس جب ابوحنیفہ کے پاس جاتا تو وہ پوچھتے کہاں سے آئے ہو؟ میں کہتا کہ سفیان کے پاس سے، وہ فرماتے کہ تم ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو کہ اگر علقمہ اور اسود بھی موجود ہوتے تو ان کے محتاج ہوتے اور جب میں سفیان کے پاس جاتا تو وہ پوچھتے کہاں سے آئے؟ میں کہتا کہ ابوحنیفہ کے پاس سے، وہ فرماتے کہ ایسے شخص کے پاس سے آئے ہو جو ساری دنیا کے فقہاء سے فقہ میں بڑھ کر ہے۔“³

۴۔ ”اعمش نے کہا کہ ابوحنیفہ وہ مسائل جانتے ہیں کہ نہ حسن بصری جانتے ہیں، نہ ابن سیرین نہ قتادہ، نہ عقی نہ ان کے سوا کوئی اور۔“⁴

۵۔ ابن مبارک فرمایا کرتے تھے کہ اگر امام ابوحنیفہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو تابعین بھی ان کے محتاج ہوتے۔⁵

۶۔ ”مقاتل نے کہا کہ میں نے تابعین اور تابع تابعین کو دیکھا، مگر ان میں ابوحنیفہ جیسا کلتہ رس اور بصیرت والا شخص نہیں دیکھا۔“⁶

۷۔ امام اہل بلخ حضرت مقاتل بن حیان فرماتے تھے کہ میں نے تابعین کا دور پایا لیکن ابوحنیفہ سے اجتہادی مسائل میں بالغ نظر، جس کا ظاہر، باطن سے مطابق و مشابہ ہو، کسی کو نہیں دیکھا۔ بعض کتب منزلہ سابقہ میں امت محمدیہ کے تین شخصوں کے اوصاف مذکور ہوئے ہیں، جو اپنے زمانہ کے سب لوگوں پر فقہ و علم میں فائق ہوئے، ابوحنیفہ، مقاتل بن سلیمان، وہب بن منبہ، بعض روایتوں میں وہب کی جگہ کعب احبار کا نام ہے، مقاتل اکثر امام صاحب کی تعریف کرتے اور فرماتے کہ امام ابوحنیفہ کے پندرہ منتقبتیں وہ ہیں جن میں ان کا کوئی شریک و سہم نہیں ہے۔“⁷

① مقدمہ انوار (۱/۷۲ و ۱/۱۰۶)

② مقدمہ انوار (۱/۷۲ و ۱/۱۰۹)

③ مقدمہ انوار (۱/۱۰۹)

④ مقدمہ انوار (۱/۷۲)

⑤ مقدمہ انوار (۱/۷۰ و ۱/۹۷)

⑥ مقدمہ انوار (۱/۷۲)

⑦ مقدمہ انوار (۱/۱۲۲)

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ مصنف انوار نے اپنے مندرجہ بالا بیانات میں امام صاحب کو علم و فضل میں تمام تابعین خصوصاً موصوف کے جلیل القدر اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ مثلاً حماد، نخعی، علقمہ، اسود، حسن بصری، ابن سیرین، قتادہ، قاضی شریح، بتی (یعنی عثمان بن مسلم بن جرّموز بصری بتی جو امام صاحب کے استاذ اور شعبہ و ثوری کے استاذ ہیں) وغیرہ سے بہت زیادہ اُفقہ و فائق بتلایا ہے، بلکہ موصوف کا یہ بیان کہ ”امام ابوحنیفہ کی پندرہ معتبتیں وہ ہیں جن میں ان کا کوئی ہم عصر شریک نہیں“ اس امر کو مستلزم ہے کہ امام صاحب پندرہ ایسے اوصاف جمیلہ سے آراستہ تھے جن سے نعوذ باللہ وہ صحابہ بھی محروم تھے جنہیں مصنف انوار امام صاحب کے معاصر بلکہ اساتذہ حدیث کہتے ہیں۔ مصنف انوار نے جن حضرات کو امام صاحب کا علمی و فقہی مورث و پیشوا قرار دیا ہے، یعنی حماد، ابراہیم، علقمہ اور قاضی شریح وغیرہ ان کے بالمقابل امام صاحب کو بہت زیادہ افقہ و فائق قرار دینے کے لیے مذکورہ بالا قسم کے اکاذیب کو خالص علمی و دینی خدمت کے نام پر صحیح و معتبر کہہ کر نقل کرنے کا آخر کیا معنی ہے؟

خصوصاً جبکہ مصنف انوار نے صاحب مشکوٰۃ کے اس طرز عمل پر اعتراض کر رکھا ہے کہ انھوں نے امام مالک کا ذکر اپنی کتاب اکمال میں امام صاحب سے پہلے کیوں کر دیا ہے، جب کہ امام صاحب امام مالک کے استاذ اور عمر میں امام مالک سے بڑے ہیں، حالانکہ استاذ کا مرتبہ شاگرد سے بڑا ہوتا ہے؟ صاحب مشکوٰۃ پر مصنف انوار کی اس بے معنی برہمی کی حقیقت آگے چل کر واضح کی جائے گی۔

اس سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ جس ابراہیم نخعی کو امام صاحب کا استاذ اور استاذ الاساتذہ قرار دے کر مصنف انوار نے یہ دعویٰ کیا کہ انھیں سے امام صاحب نے اپنا فقہی مذہب و علم فقہ حاصل کیا اور یہ امام صاحب کے علمی و فقہی مورثین و مؤسّسین میں سے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ موصوف امام نخعی کے بہت سارے علمی و فقہی فضائل بیان کیے ہیں، انھیں اور ان کے اساتذہ کو مصنف انوار نے علم و فقہ میں ان اکاذیب کو دلیل بنا کر کیونکر بہت کتر قرار دیا جو درحقیقت کذابین کے اس گروہ کے ایجاد کردہ ہیں جس کی بابت مصنف انوار کا ارشاد ہے کہ وہ سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے جھوٹ کو کار خیر و ثواب سمجھ کر مسلمانوں میں پھیلاتا ہے اور اس مقصد میں حصول کامیابی کے لیے وہ دن و رات کو ایک کیے رہتا ہے؟¹

چنانچہ انوار الباری کے مذکورہ بالا اقتباسات میں سے عثمان المدنی کی طرف منسوب کردہ روایت کو مصنف انوار نے بحوالہ موفق (۳۷/۲) نقل کیا ہے۔²

اور موفق کے مقام مذکور پر یہ روایت درج ذیل سند کے ساتھ منقول ہے:

”وبہ قال: أخبرنا القاسم بن عباد، حدثني من سمع أبا يحيى الحمانى قال: قال عثمان

المدني ... الخ.“

اور ہر صاحب علم موفق کی کتاب کو دیکھ کر باسانی یہ معلوم کر سکتا ہے کہ اس سند میں مذکور قول ”وبہ قال: أخبرنا القاسم“ میں لفظ قال کی ضمیر کا مرجع ابو محمد البخاری الحارثی عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الکلاباذی السبذمونی المعروف بالاستاذ (مولود ۲۵۸ھ و متوفی ۳۲۵ھ) ہے۔³

اور یہ بتلایا جا چکا ہے کہ حارثی مذکور کذاب اور وضاع ہے اور اس کذاب نے اس مکذوبہ روایت کے لیے اپنی گھڑی ہوئی سند میں جس شخص کو اپنا استاذ ظاہر کیا ہے، یعنی قاسم بن عباد، اس کا حال معلوم نہیں اور اس مجہول الحال شخص نے بھی ایک مجہول ہی سے یہ روایت نقل کی ہے، چنانچہ اس نے کہا: ”حدثني من سمع أبا يحيى الحماني الخ“ ظاہر ہے کہ ”من سمع“ مجہول راوی ہے اور مجہول کی روایت کو مصنف انوار، کوثری اور امام ابوحنیفہ نیز تمام اہل علم ساقط الاعتبار مانتے ہیں۔ (کما مر) معلوم ہوا کہ عثمان المدنی کی طرف اس روایت کو مکذوب طور پر منسوب کر دیا گیا ہے، مزید برآں یہ کہ جس عثمان المدنی کی طرف یہ روایت منسوب ہے وہ متعین نہیں، امام ابوحنیفہ کے معاصرین میں اس نام کے کئی اشخاص مجروح ہیں، مثلاً: عثمان بن عبدالرحمن بن عمر الزہری الوقاصی المدنی کذاب و متروک ہے۔^① دریں صورت روایت مذکورہ کو صحیح و معتبر قرار دینا اور اسے دلیل و حجت بنا لینا کون سی دیانت داری ہے؟ خصوصاً اس صورت میں کہ اس مکذوبہ روایت سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب کے علمی و فقہی مورثین علم و فقہ میں امام صاحب سے کمتر تھے!

مصنف انوار نے محدث جریر کی طرف منسوب جو قول نقل کر رکھا ہے، یعنی کہ مغیرہ مجھے تاکید کیا کرتے تھے کہ امام ابوحنیفہ کی مجلسوں میں بیٹھا کرو۔ وہ مناقب ابی حنیفہ للموفق میں درج ذیل سند سے منقول ہے:

”وبه قال: حدثنا إبراهيم بن علي بن الحسن أبنأ أحمد بن حبان عن يحيى بن أكنثم عن جرير ... الخ.“^②

اس سند میں ”وبه قال: حدثنا إبراهيم بن علي بن الحسن أبنأ أحمد بن حبان عن يحيى بن أكنثم عن جرير ... الخ.“ میں لفظ قال کی ضمیر کا مرجع حارثی کذاب ہے اور اس کی فٹ کردہ سند میں ابراہیم و احمد غیر معروف ہیں اور یہ روایت اخبار ابی حنیفہ للصیرمی (ص: ۷۱) میں احمد بن محمد بن المغلس کذاب سے مروی ہے۔ حاصل یہ کہ روایت مذکورہ بھی مکذوبہ ہے۔ ان دونوں روایتوں میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ امام صاحب اپنے مورثین سے علم سے فائق و افضل ہیں اور ان کے بعد مصنف انوار کی نقل کردہ روایت میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ خود امام صاحب نے امام سفیان کو امام صاحب کے مورثین علم عاتقہ و اسود سے فائق بتلایا اور امام صاحب کو امام ثوری نے پوری دنیا کے فقہاء سے بڑھ کر بتلایا مگر اس کی سند میں جنرل بن والیق کوئی (متوفی ۲۲۶ھ) ہیں۔^③ انھیں امام مسلم نے متروک اور امام بزار نے ”لیس بالقوی“ کہا۔^④ حاصل یہ کہ روایت مذکورہ بھی ساقط الاعتبار ہے۔

مذکورہ بالا تینوں مکذوبہ روایات کے بعد اعمش کی طرف منسوب جو روایت انوار الباری سے نقل کی گئی ہے، اسے مصنف انوار نے بحوالہ الخیرات الحسان نقل کیا ہے اور یہ معلوم ہے کہ الخیرات الحسان میں منقول روایات بلا سند نقل کی گئی ہیں۔ پھر مصنف انوار کو روایت مذکورہ کا صحیح و معتبر ہونا کیسے معلوم ہو گیا کہ انھوں نے اسے بطور حجت صحیح کہہ کر نقل کر دیا ہے؟ امام اعمش سے مرفوعاً مروی ہے کہ ”نبطی لوگ دین کے لیے آفت ہیں، ان سے دور رہو۔“^⑤ بعض روایات کے مطابق امام صاحب بھی نبطی ہیں۔ (کما سیأتی) کیا امام اعمش کی طرف منسوب اس حدیث کو حجت بنا کر امام صاحب پر منطبق

① تہذیب التہذیب (۷/ ۱۳۳، ۱۳۴) و میزان الاعتدال. ② موفق (۲/ ۳۴)

③ تاریخ بغداد للخطیب (۱۳/ ۳۴۴) ④ تہذیب التہذیب (۲/ ۱۲۰) و میزان الاعتدال.

⑤ لسان المیزان (۴/ ۳۶۹) ترجمہ عمرو بن عبدالغفار

کرنا مصنف انوار جائز قرار دیتے ہیں؟ اگر نہیں تو دوسرے اکاذیب کو انھوں نے کیوں صحیح قرار دے کر حجت بنا لیا ہے؟ مندرجہ بالا چاروں مکذوبہ روایات کے ساتھ امام ابن مبارک کی طرف منسوب جو روایت مصنف انوار نے نقل کر رکھی ہے، یعنی کہ امام صاحب تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو تابعین بھی ان کے محتاج ہوتے، یہ روایت موفق نے درج ذیل سند سے نقل کر رکھی ہے:

”وبہ قال: حدثنا محمد بن علي بن سهل سمعت عمرو بن صالح سمعت ابن المبارك الخ.“¹
اس میں ”قال: حدثنا محمد“ کے لفظ قال کا فاعل حارثی کذاب ہے اور عمرو بن صالح اور محمد بن علی بن سهل مجہول ہیں، یعنی کہ روایت مذکورہ بھی مکذوبہ ہے۔ نیز اس سے امام صاحب کے تابعی ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ (کما مر)
امام اہل بلخ مقاتل بن حیان کی طرف منسوب جو روایت مصنف انوار نے نقل کر رکھی ہے وہ بھی حارثی کذاب کی وضع کردہ ہے۔² مقاتل موصوف نبطی ہیں۔³ اور نبطی کے متعلق اوپر ایک موضوع حدیث نقل کی گئی ہے، کیا اسے حجت بنا کر مقاتل موصوف کو آفت دین قرار دینا درست ہے؟ اگر نہیں تو مصنف انوار نے بہت سارے اکاذیب کو کیوں صحیح کہہ کر حجت بنا لیا ہے؟ مقاتل مذکور کی طرف منسوب روایت میں جو یہ منقول ہے کہ کتب سابقہ میں امام صاحب، مقاتل بن سلیمان اور وہب یا کعب احبار کا ذکر موجود ہے، تو مقاتل بن سلیمان کو مصنف انوار نے ایک طرف اگرچہ ”حضرت مقاتل بن سلیمان علم تفسیر کے مشہور امام“ کہا۔⁴

مگر دوسری جگہ کہا:

”امام صاحب نے فرمایا: خدا جہم بن صفوان اور مقاتل بن سلیمان کو ہلاک کرے، ایک نے نفی میں افراط کی، دوسرا تشبیہ میں حد سے بڑھ گیا۔“⁵

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ بدعویٰ مصنف انوار جس مقاتل کو امام صاحب نے اتنے سخت الفاظ میں مطعون کیا، اس کی مدح میں وارد شدہ مذکورہ بالا روایت کو بھی موصوف نے حجت بنا لیا، اس سے مصنف انوار کی دیانت داری کا بخوبی پتہ چلتا ہے، مقاتل بن سلیمان کو اہل علم نے کذاب اور گمراہ قرار دیا ہے۔⁶

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ ایک طرف مصنف انوار نے ان مکذوبہ روایات کو دلیل بنا رکھا ہے جن میں امام صاحب کو امام صاحب کے علمی و فقہی مورثین سے فائق و افضل کہا گیا ہے مگر دوسری طرف امام صاحب سے یہ بھی مروی ہے:

”عن أبي يوسف قيل لأبي حنيفة أيهما أفضل علقمة والأسود؟ فقال: واللّه ما قدرني أن أذكرهما إلا بالدعاء والاستغفار إجلالاً لهما فكيف أفضل بينهما؟“⁷

یعنی امام صاحب سے پوچھا گیا کہ علقمہ و اسود میں سے کون افضل ہے؟ امام صاحب نے کہا کہ دونوں کی عظمت شان کے سامنے میری مجال نہیں کہ ان میں سے کسی کو افضل کہوں۔

1 موفق (۵۱/۲) 2 موفق (۵۹، ۵۸/۲) 3 تہذیب التہذیب.

4 مقدمہ انوار (۱۲۲/۱) 5 مقدمہ انوار (۱۲۸/۱) 6 تہذیب التہذیب و میزان الاعتدال.

7 عقود الجمان (ص: ۲۲۸) و أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ۴)

جس سند کے ساتھ مذکورہ بالا روایت مروی ہے اسی سند سے مروی متعدد روایات کو مصنف انوار نے حجت بنا رکھا ہے، پھر نہ جانے کیوں موصوف نے اسے حجت نہیں بنایا، حالانکہ وہ اسے حجت بنا کر کہہ سکتے تھے کہ چونکہ امام صاحب اپنے مورثین علم کے بارے میں تفضیل کی ہمت نہیں کر سکتے تھے، اس لیے امام صاحب کی تقلید کا دم بھرنے والوں کو بھی ان مذبذب روایات کو حجت و دلیل بنانے سے احتراز کرنا چاہیے جن میں امام صاحب کو ان کے مورثین علم و فقہ سے افضل کہا گیا ہے، ویسے یہ روایت بھی مذبذب ہی ہے، کیونکہ اس کی سند میں احمد بن محمد بن مغلس کذاب ہے، مگر اسے حجت بنانے سے مصنف انوار نے اس کے مذبذب ہونے کے سبب اعراض نہیں کیا بلکہ اس کا کچھ اور ہی سبب ہوگا، کیونکہ موصوف نے ابن مغلس کی سند سے مروی بہت سارے اکاذیب کو صحیح کہہ کر حجت بنا رکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی مبالغہ آمیز مدح سے بھی منع کیا اور مبالغہ آمیز مدح سرائی کو یہود و نصاریٰ کی خصلت قرار دیا مگر مصنف انوار نے خانہ ساز اکاذیب کو دینی و تحقیقی خدمت کے نام پر صحیح و معتبر باتیں قرار دے کر امام صاحب کی مدح میں یہ دعویٰ کر دیا کہ موصوف اپنے اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ بلکہ تمام ہی تابعین اور پوری دنیا سے زیادہ علم و فضل رکھتے تھے۔ لطف یہ کہ مصنف انوار نے ایک عنوان ہی یہ قائم کر رکھا ہے کہ ”امام صاحب کی مدح افضل الاعمال ہے“ پھر اس کے تحت موصوف نے شتیق بلخی کی طرف منسوب ایک طویل افسانہ کو نقل کیا جس کا ایک جملہ یہ ہے کہ شتیق نے کہا کہ: ”افسوس کہ تم لوگ امام ابوحنیفہ کے ذکر کو اور ان کے مناقب کو افضل الاعمال نہیں سمجھتے!“¹

اور یحییٰ بن آدم کی طرف منسوب یہ قول نقل کیا کہ ”امام شعبہ امام صاحب کی تعریف و توصیف میں بہت اطناب کرتے۔“ شیخ یاسین زیات کی طرف منسوب یہ بات نقل کی کہ ”موصوف امام صاحب کی تعریف حد سے زیادہ کرتے۔“²

چونکہ مصنف انوار کا دین و ایمان یہ ہے کہ مذبذب و خانہ ساز افسانوں کو دلیل بنا کر امام صاحب کی ایسی مبالغہ آمیز مدح سرائی افضل الاعمال ہے جس سے لازم آئے کہ امام صاحب اپنے مورثین علم و فقہ، اسود، نخعی، ابن سیرین، حسن بصری اور قتادہ سے کہیں زیادہ علم و فضل رکھتے تھے، اس لیے وہ اس طرح کے اکاذیب کی ترویج و اشاعت میں تن من دھن کے ساتھ کمر بستہ ہیں، مگر دوسری طرف موصوف یہ بھی فرماتے ہیں:

”یہی امام جلیل امام ابراہیم نخعی تھے، جن سے حدیث و فقہ حماد نے حاصل کیا اور ان کے جانشین ہوئے اور امام اعظم ان حماد سے حدیث و فقہ کا علم حاصل کر کے ان کے جانشین ہوئے۔“³

حالانکہ ناظرین کرام کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وفات نخعی کے بعد حماد مذہب نخعی سے منحرف اور برگشتہ ہو گئے تھے۔

حماد امام نخعی کے معنوی جانشین نہیں تھے:

اس حدیث نبوی کا ذکر آچکا ہے کہ بنو اسرائیل میں کچھ لونڈی زادے دینی امور میں قیاس و رائے سے کام لے کر اپنی اور دوسروں کی تباہی کا باعث بنے۔ نیز حدیث نبوی میں ہے کہ گزشتہ ام میں بہتر فرقے ہوئے تو اس امت میں تہتر فرقے

② ملاحظہ ہو: مقدمہ انوار (۱/ ۷۷، ۷۸، ۶۳، ۷۳ و ۷۰، ۱۰۶ وغیرہ)

① مقدمہ انوار (۱/ ۷۷، ۷۸)

③ مقدمہ انوار (۱/ ۴۱)

ہوں گے، جن میں سے بہتر فرقے بدعتی مذاہب ایجاد کے ان مبتدعانہ مذاہب کی پیروی کریں گے اور کچھ لوگ دین میں قیاس و رائے سے کام لے کر اپنی اور دوسروں کی گمراہی و ہلاکت کا سبب بنیں گے، اس کے ساتھ یہ تفصیل بھی گزر چکی ہے کہ ابراہیم نخعی و شععی تمام بدعتی مذاہب و بدعتی فرقوں خصوصاً اہل الرائے والا رجاء سے سخت بیزار و نالاں تھے، مگر ان کے شاگرد حماد بن ابی سلیمان اپنے ان اساتذہ و اسلاف کے طریق سے منحرف ہو کر مذہب رائے و ارجاء کے پیرو ہو گئے، حماد کے اس اقدام سے پہلے ہی امام نخعی انتقال کر گئے تھے مگر امام شععی زندہ تھے اور انھوں نے عام تلامذہ نخعی کی طرح حماد کے اس طرز عمل سے اظہار بیزاری کیا تھا۔ امام شععی نے حماد اور ان کے ہم مذہب اصحاب کو آرائیوں، صعا فقہ اور ہواستہا جیسے الفاظ کے ساتھ مطعون کیا تھا۔ دریں صورت ہر صاحب عقل باسانی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ بعنوان ”شیخ حماد“ مصنف انوار کا ایک سطر پر مشتمل مندرجہ ذیل دعویٰ لغو و لایعنی ہے کہ ”یہی امام جلیل ابراہیم نخعی تھے جن سے حدیث و فقہ حماد نے حاصل کیا اور ان کے جانشین ہوئے۔“¹ مصنف انوار کا یہ دعویٰ لغو و لایعنی اس لیے ہے کہ حماد وفات نخعی کے بعد مذہب نخعی چھوڑ کر ایسے مذہب کے پیرو ہو گئے تھے جسے امام نخعی بیدکر وہ و ناپسندیدہ سمجھتے تھے، لہذا حماد امام نخعی کے حقیقی و معنوی جانشین نہیں تھے۔

حماد سے امام صاحب کا تلمذ:

ایک عنوان کے تحت مصنف انوار نے اپنے مذکورہ بالا ایک سطر میں مضمون کے بعد دوسرا عنوان ”امام اعظم“ قائم کیا اور اس کے تحت فرمایا:

”امام اعظم رضی اللہ عنہ ان حماد سے حدیث و فقہ کا علم حاصل کر کے ان کے جانشین ہوئے۔“²

اس میں شک نہیں کہ صدیوں سے ایک طبقہ یہ شور و شغب مچاتا چلا آ رہا ہے کہ امام صاحب ایک طویل عرصہ تک حماد سے فقہ و حدیث پڑھتے رہے تھے اور وفات حماد کے بعد حماد کے جانشین بنے تھے، اس طرح کا شور و غل مچانے والوں میں مصنف انوار اور کوثری بھی ہیں، کوثری نے کہا:

”بل الصواب أنه اتصل به في عهد النخعي فلأزمه إلى وفاته سنة ۱۲۰ھ۔“³

یعنی صحیح بات یہ ہے کہ امام صاحب التزام کے ساتھ امام نخعی کے زمانہ سے لے کر وفات حماد تک حماد سے پڑھتے رہے تھے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام صاحب ۱۹۵ھ یا ۱۹۶ھ) سے بھی قبل درگاہ حماد میں داخل ہو کر ۱۲۰ھ تک یعنی چوبیس پچیس سال سے بھی زیادہ حماد سے پڑھتے رہے تھے۔ تعجب ہے کہ ترویج اکاذیب میں کوثری کے نقش قدم پر چلنے والے مصنف انوار نے کوثری کی طرح یہ دعویٰ کیوں نہیں کیا کہ امام صاحب نے درگاہ حماد میں پچیس سال سے بھی زیادہ حدیث و فقہ پڑھی۔ مصنف انوار نے دس یا اٹھارہ سال کے دعویٰ پر ہی اکتفا کیوں کیا ہے؟

البتہ ترویج اکاذیب کرنے والوں کے برخلاف سنجیدگی سے اظہار حقیقت کرنے والے امام عبداللہ بن المبارک

① مقدمہ انوار (۴۱/۱)

② مقدمہ انوار (۴۱/۱)

③ تعلیق الكوثری علی مناقب أبي حنيفة للذهبي (ص: ۱۱)

سے بسند صحیح منقول ہے:

”وقال عبد الرحمن: أنا أحمد بن منصور المروزي قال: سمعت سلمة بن سليمان قال: قال ابن المبارك: إن أصحابي يلوموني في الرواية عن أبي حنيفة، وذلك أنه أخذ كتاب محمد بن جابر اليمامي عن حماد بن أبي سليمان فروى عن حماد ولم يسمعه منه.“¹

امام ابن المبارک نے فرمایا کہ میرے اصحاب مجھے امام ابوحنیفہ سے روایت کرنے پر ملامت کرتے ہیں، وہ اس لیے کہ امام ابوحنیفہ نے محمد بن جابر یمامی کے یہاں رکھی ہوئی حماد کی کتابیں حاصل کر لیں، پھر موصوف امام ابوحنیفہ حماد سے ان کتابوں کی روایت کرنے لگے، حالانکہ انھوں نے یہ کتابیں حماد سے سنی نہیں تھیں۔“

واضح رہے کہ مذکورہ بالا روایت کی سند نہایت مستحکم اور صحیح ہے۔ اس کے بیان کنندہ امام عبداللہ بن المبارک بدعوائے مصنف انوار امام صاحب کی چہل رکنی مجلس تدوین فقہ کے رکن رکین ہیں، جنھوں نے امام صاحب سے تعلیم و تربیت پا کر امام صاحب کی چہل رکنی مجلس کے ممبر کی حیثیت سے امام صاحب کی سرپرستی میں تیس سال تک مجلس مذکور کے چہل ارکان کے ساتھ مل کر فقہ حنفی کی تدوین و ترتیب کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔²

یہی نہیں بلکہ بدعوائے مصنف انوار امام ابن المبارک نے امام صاحب کے بہت سارے حیرت انگیز فضائل و مناقب بیان کیے، جن میں سے ایک کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ امام صاحب زمانہ تابعین میں ہوتے تو تابعین بھی ان کے محتاج ہوتے۔³

امام ابن مبارک کی طرف مصنف انوار کی منسوب کردہ ان باتوں کی حقیقت ہم آئندہ صفحات میں واضح کریں گے، یہاں صرف یہ کہنا ہے کہ موصوف مصنف انوار نے جس امام ابن المبارک کو امام صاحب کی چہل رکنی مجلس تدوین کا رکن قرار دے رکھا ہے، ان کا یہ ارشاد ہے کہ محمد بن جابر کے یہاں رکھی ہوئی حماد کی کتابوں کو حاصل کر کے امام صاحب حماد سے ان کتابوں کو سنے بغیر روایت کرنے لگے۔ امام ابن المبارک کے اس بیان کو امام ابن المبارک سے نقل کرنے والے امام سلمہ بن سلیمان ابو سلیمان مودب مروزی (متوفی ۲۰۳ھ یا ۲۰۴ھ) ہیں جو امام ابن المبارک کے وراق اور خصوصی شاگرد اور ثقہ محدث تھے امام ابو حاتم نے ان کے بارے میں کہا:

”كان من أجلة أصحاب ابن المبارك.“ یعنی موصوف امام سلمہ امام ابن المبارک کے جلیل القدر اصحاب میں سے تھے۔

امام ابو رجاء محمد بن حمدیہ نے تاریخ مرو میں کہا:

”كان وراقا لابن المبارك وهو من ثقات أصحابه مات سنة ۲۰۴ھ.“

یعنی موصوف سلمہ امام ابن المبارک کے وراق اور ثقہ اصحاب میں سے تھے۔

امام احمد بن منصور مروزی نے کہا:

”حدثنا بنحو من عشرة آلاف حديث من حفظه، وقال: هل يمكن أحداً منكم أن يقول:

غلطت في شيء؟“

② مقدمہ انوار (۱/۱۷۲)

① کتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (۱، ۴/ ۴۵۰)

③ مقدمہ انوار (۱/ ۶۰ تا ۶۲ و ۹۵، ۹۶)

”موصوف سلمہ نے تقریباً دس ہزار حدیثیں ہمارے سامنے اپنے حفظ سے بیان کر کے کہا کہ کیا ان میں سے کسی میں کوئی شخص کسی طرح کی غلطی نکال سکتا ہے؟“

موصوف سلمہ کو امام نسائی اور ابن حبان نے ثقہ کہا ہے، صحیحین میں ان کی احادیث منقول ہیں^①۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ موصوف متفق علیہ طور پر ثقہ ہیں، ایسے ثقہ امام سے روایت مذکورہ کے راوی امام احمد بن منصور

بن راشد ابوصالح حنظلی مروزی (متوفی ۲۵۷ھ یا ۲۵۸ھ) ہیں جن کو تقریب التہذیب میں صدوق کہا گیا ہے۔^②

موصوف امام احمد بن منصور مروزی سے اس روایت کے ناقل امام ابو محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم کتاب الجرح والتعديل

کے مرتب ہیں جن کی امامت وثقاہت مسلم و معروف ہے۔

یہاں مصنف انوار اور ان جیسے لوگوں سے یہ سوال ہے کہ آپ لوگوں نے امام صاحب کے اتنے جلیل القدر شاگرد اور

چہل رکنی مجلس تدوین کے رکن امام ابن المبارک کی منقولہ بالا بات کو کیوں دلیل و حجت بنا کر یہ نہیں کہا کہ امام صاحب نے

کتب حماد و حماد سے سن کر نہیں پڑھا تھا، بلکہ محمد بن جابر یمامی کے یہاں حماد کی رکھی ہوئی کتابوں کو حاصل کر کے امام صاحب

علوم حماد سے مستفید ہو سکے تھے؟

امام ابن المبارک کے اس بیان سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صرف ابن المبارک ہی کو نہیں بلکہ ان کے تمام

اصحاب کو یہ بات معلوم تھی کہ حماد سے سن کر پڑھے بغیر کتب حماد کو امام صاحب نے یمامی کے یہاں سے حاصل کیا تھا۔ بنا

بریں اصحاب ابن المبارک امام صاحب سے روایت کرنے پر امام ابن المبارک کو ملامت کیا کرتے تھے، کیونکہ ان کی نظر میں

امام صاحب اپنے اس طرز عمل کے سبب قابل ترک تھے، بالآخر امام ابن المبارک نے اپنے اصحاب کی ملامت کی معقولیت کا

احساس کرتے ہوئے نیز دوسرے اسباب کی وجہ سے (جن کی تفصیل آگے آئے گی) امام صاحب کو متروک قرار دے دیا،

مذکورہ بالا روایت صحیحہ کی تائید مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے:

”عن محمد بن جابر قال: جاءني أبو حنيفة يسألني كتاباً من كتب حماد فلم أعطه فندس

إلي ابنه فدفعته إليه كتبي فغفها إلى أبيه فرواها أبو حنيفة من كتبي عن حماد.“^③

یعنی محمد بن جابر یمامی نے کہا کہ امام ابو حنیفہ میرے پاس حماد کی ایک کتاب مانگنے آئے، میں نے نہیں دی، پھر

انھوں نے حکمت عملی کے ساتھ میرے پاس اپنے بیٹے کو بھیجا جسے میں نے اپنے پاس کی تمام کتب حماد دے دیں،

اس نے یہ کتابیں اپنے باپ کو دیں، پھر امام ابو حنیفہ ان کتابوں کی روایت حماد سے کرنے لگے۔“

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اس روایت میں اس امر کی تفصیل بھی ہے کہ امام صاحب یمامی سے کتب حماد کیسے

حاصل کر سکے تھے، لیکن اس روایت کو ساقط الاعتبار قرار دیتے ہوئے کوثری نے کہا کہ اس کی سند میں ابراہیم بن سعید جوہری

اور محمد بن حمید رازی مجروح ہیں۔^④ مگر صاحب التنکیل نے بتلایا کہ ابراہیم موصوف ثقہ ہیں، ان کی تخریج میں کوثری حق بجانب

① تہذیب التہذیب (۴/ ۱۴۵) و الجمع بین رجال الصحیحین.

② نیز ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب (۱/ ۸۲، ۸۳) و کاشف اللذہبی رحمہ اللہ.

③ تانیب (ص: ۱۱۵) و التنکیل (۱/ ۴۳۳، بحوالہ عقیلی)

④ تانیب (ص: ۱۱۵)

نہیں، البتہ محمد بن حمید رازی غیر معتمد ہیں۔¹

ہم کہتے ہیں کہ مصنف انوار نے کہا:

”بعض لوگوں نے کہا کہ اسد بن عمرو ضعیف ہیں، لیکن امام احمد کا ان سے روایت کرنا ان کی توثیق کے لیے کافی ہے۔“²

حالانکہ بعض اماموں نے اسد کو کذاب کہا ہے۔ (کما سیأتی) جب اسد سے امام احمد کی روایت مصنف انوار کے نزدیک توثیق ہے تو محمد بن حمید رازی سے بھی امام احمد اور دوسرے جلیل القدر اماموں نے روایت کی ہے اور امام احمد، ابن معین، نیز بعض دوسرے اماموں نے بھی انھیں ثقہ اور بعض نے مجروح کہا۔³

اس اعتبار سے مصنف انوار کے یہاں روایت مذکورہ کو معتبر ہونا چاہیے، ہمارے نزدیک چونکہ اس روایت کی اصل امام ابن المبارک سے مروی روایت میں موجود ہے، اس لیے اسے ساقط الاعتبار نہیں قرار دے سکتے، خصوصاً اس صورت میں کہ محمد بن جابر یمامی تک پہنچنے والی ایک صحیح سند سے امام ابن ابی حاتم کی کتاب الجرح میں منقول ہے:

”أخبرنا إبراهيم بن يعقوب الجوزجاني حدثني إسحاق بن راهويه قال: سمعت جبريراً

يقول: قال محمد بن جابر اليمامي: سرق أبو حنيفة كتب حماد مني.“⁴

”یعنی محمد بن جابر یمامی نے کہا کہ امام ابو حنیفہ نے میرے یہاں سے کتب حماد کو سرقہ کر کے حاصل کر لیا۔“

مصنف انوار کے استاذ کوثری نے اس روایت پر یہ کلام کیا ہے کہ محمد بن جابر یمامی ضعیف و غیر معتبر ہیں۔⁵ حالانکہ امام ابن المبارک اور ان کے اصحاب سے بسند صحیح منقول مذکورہ بالا روایت کے ہوتے ہوئے اگر یمامی کے بیان کو غلط بھی مان لیا جائے، جیسا کہ کوثری چاہتے ہیں، تو بھی یہ حقیقت اپنی جگہ پر ثابت شدہ ہے کہ امام صاحب یمامی کے پاس رکھی ہوئی کتب حماد کو حاصل کر کے ان کی روایت کرنے لگے تھے، یمامی کے بیان مذکورہ کو زیادہ سے زیادہ اس اعتبار سے غلط کہا جاسکتا ہے کہ انھوں نے اپنے پاس رکھی ہوئی کتب حماد کے حصول کے لیے امام صاحب کے اختیار کردہ طریق کو ”سرقہ“ کے فوج لفظ سے تعبیر کیا، جس کو امام ابن المبارک نے ”اخذ“ جیسے لطیف لفظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے، ورنہ ہر صاحب نظر باسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ امام ابن المبارک اور ان کے اصحاب کے بیان اور یمامی کے بیان میں کوئی معنوی اور حقیقی فرق نہیں ہے، صرف تعبیر کا فرق ہے اور یمامی مذکور فی نفسہ صدوق بھی ہیں، جیسا کہ امام ابو حاتم، ابوزرعہ، ابن عدی، ذہلی، ابن المبارک اور دارقطنی وغیرہم نے تصریح کی ہے۔⁶

البتہ موصوف آخری عمر میں اختلاط اور کثرت وہم کے شکار ہو کر بعض محدثین کے نزدیک ساقط الاعتبار قرار پائے اور اکثر کے نزدیک متابع ملنے کی صورت میں قابل اعتبار بتلائے گئے، تفصیل کے لیے کتب رجال تہذیب التہذیب، میزان الاعتدال، کتاب الجرح والتعديل وغیرہ ملاحظہ ہو۔ تقریب التہذیب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اعدل الاقوال لکھنے کا التزام کیا ہے، وہ یمامی موصوف کی بابت فرماتے ہیں:

1 التنکیل (۱/ ۴۳۴)

2 مقدمہ انوار (۱/ ۱۹۲)

3 ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب، و میزان الاعتدال، و تاریخ خطیب ترجمہ محمد بن حمید رازی.

4 کتاب الجرح (۴/ ۴۵۰) و تانیب (ص: ۱۱۵) و التنکیل (۱/ ۴۳۲) 5 تانیب (ص: ۱۱۶)

6 تہذیب التہذیب و کتاب الجرح والتعديل، ترجمہ یمامی.

”صدوق، ذہبت کتبہ فساء حفظہ، و خلط کثیراً، وعمی فصار یلقن و رجحہ أبو حاتم علی ابن لہیعہ، من السابعة مات بعد السبعین.“

یعنی موصوف صدوق ہیں، مگر ان کی کتابیں گم ہو گئیں، اس لیے کتابوں کا مطالعہ چھوٹ گیا، جس سے حافظہ پر خراب اثر پڑا، اس لیے بہت سی روایات کی نقل میں تخیل واقع ہو گئی، نیز موصوف آخر میں اندھے بھی ہو گئے، امام ابو حاتم نے انھیں ابن لہیعہ پر ترجیح دی ہے، ان کا انتقال ۷۰ھ کے بعد ہوا۔

حاصل یہ کہ موصوف فی نفسہ صدوق تھے مگر آخر میں سوء حفظ اور اختلاط و کثرت وہم کا شکار ہو گئے تھے، اور یہ معلوم ہے کہ اس طرح کے راوی کی جس بات کے بارے میں کسی دوسرے ذریعہ و قرینہ سے معلوم ہو جائے کہ اس میں وہم و غلطی کا وقوع نہیں ہوا ہے وہ معتبر و صحیح ہے، اور ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ یمامی موصوف کی کہی ہوئی یہ بات معنوی طور پر امام ابن المبارک اور ان کے اصحاب نے بھی کہی ہے، اس لیے یمامی موصوف کی اس بات کو ساقط الاعتبار قرار دینا صحیح نہیں۔ پھر یمامی موصوف کی طرف سے وہم و تخیل کے وقوع کا اصل خدشہ و خطرہ روایت حدیث میں ہے، امام صاحب سے متعلق زیر نظر بات کا تعلق حدیث سے نہیں ہے کہ اس میں وہم و تخیل کے وقوع کا خطرہ محسوس کیا جائے، خصوصاً جب کہ ان کی یہ بات معنوی طور پر امام ابن المبارک نے بھی بیان کی ہے۔ نیز یمامی سے یہ بات امام جریر بن عبدالمجید بن قرط الضحی الرازی (مولود ۱۱۰ھ و متوفی ۱۸۸ھ) نے نقل کی ہے، جن کے بارے میں امام محمد بن عمرو بنیح طیاسی (متوفی ۲۴۰ھ یا ۲۴۱ھ) نے کہا:

”سمعت جریراً قال: رأیت ابن ابي نجیح وجابراً الجعفی و ابن جریج فلم اکتب عن واحد منهم، فقیل له: ضیعت! فقال: لا، أما جابر فکان یؤمن بالرجعة، وأما ابن ابي نجیح فکان یری القدر، وأما ابن جریج فکان یری المتعة.“^۱

یعنی میں نے جریر سے یہ سنا کہ میں نے اگرچہ جابر، ابن ابی نیح اور ابن جریج کو دیکھا مگر ان میں سے کسی کے علم کو نہیں لکھا، ان سے کہا گیا کہ آپ نے اپنے اس طرز عمل سے اچھا خاصا موقع ضائع کر دیا، موصوف نے کہا نہیں، جابر رجعت علی کا معتقد تھا، ابن ابی نیح قدری تھا، ابن جریج نکاح متعہ کے قائل تھے۔

امام جریر کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نقل روایت میں بہت محتاط تھے، اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ ان کا نقل کردہ مذکورہ بالا قول یمامی کے اختلاط سے پہلے سنا ہوا ہے۔

اس روایت صحیحہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امام صاحب نے یمامی کے یہاں سے کتب حماد کو وفات حماد کے بعد حاصل کیا تھا، کیونکہ اگر موصوف حیات حماد ہی میں کتب حماد حاصل کرنا چاہتے تو بڑی آسانی کے ساتھ حماد سے رابطہ قائم کر کے براہ راست حاصل کر لیتے، یمامی کے یہاں جانے کی ضرورت نہ ہوتی، یہ بات (یعنی کہ امام صاحب نے حماد سے کتب حماد نہیں پڑھیں) اس امر کے منافی نہیں ہے کہ امام صاحب طویل مدت تک حماد سے رائے و قیاس اور اجراء کے مسائل کی تعلیم حاصل کرنے اور سیاسی امور پر بحث و تمحیص کے لیے حماد کے پاس آمد و رفت اور مجالست رکھتے ہوں، اور یہ بھی بعید نہیں کہ قیاسی و

سیاسی اور ارجائی مسائل پر درس دیتے وقت حماد کبھی کبھی بعض بعض احادیث و آثار و اقوال سلف بھی بطور استدلال نقل کر دیتے ہوں، جنہیں امام صاحب حماد کی زبان سے سن کر یاد کر لیا کرتے ہوں، جیسا کہ فقہی اور سیاسی موضوع پر درس دینے اور تقریر کرنے والوں کی مجلسوں میں دیکھا جاتا ہے۔

حماد سے امام صاحب کی روایت کردہ مرویات کی تعداد:

اہل علم اس بات سے واقف ہیں کہ جن کتابوں میں امام صاحب کی طرف منسوب مرویات کو اہتمام بلیغ کے ساتھ جمع کیا گیا ہے، ان میں حماد سے امام صاحب کی نقل کردہ جملہ مرویات کی تعداد سات سو کے لگ بھگ دکھائی گئی ہے اور ظاہر یہ کیا گیا ہے کہ چھ سو سے زیادہ مرویات کو امام صاحب نے حماد سے عنعنہ کے ساتھ اور اسی سے بھی کم کو تحدیث کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ حماد سے سنی ہوئی اور غیر سنی ہوئی روایات کو نقل کرنے میں امام صاحب نے یہ فرق ملحوظ رکھا ہے کہ انہوں نے حماد کی زبانی قیاسی و سیاسی و ارجائی مسائل پر بحث و درس کے دوران جن روایات کو سنا تھا، انہیں صیغہ تحدیث کے ساتھ روایت کیا اور جن کو یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کے ذریعہ حماد سے سننے بغیر روایت کیا، انہیں عنعنہ کے ساتھ بیان کیا۔

یہ بات اس صورت میں ہے کہ امام صاحب کی طرف منسوب ان مرویات کو فی الواقع امام صاحب کی روایت کردہ فرض کر لیا جائے ورنہ درحقیقت ان مرویات کا بیشتر حصہ امام صاحب کی طرف غلط طور پر منسوب کر دیا گیا ہے، یعنی کہ حماد سے صیغہ تحدیث کے ساتھ امام صاحب کی مرویات کی تعداد بہت ہی کم ہیں، جنہیں انہوں نے غالباً حماد سے فقہی و سیاسی بحثوں کے درمیان سن لیا تھا۔

حماد کا طریق درس:

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وفات نخعی کے بعد ایک زمانہ تک حماد مذہب نخعی یعنی مسلک سلف پر تھے، پھر مذہب الرائے والارجاء کے پیرو ہو گئے، ظاہر ہے کہ تبدیلی مذہب کے ساتھ موصوف نے اہل الرائے والارجاء کا طریق درس بھی اختیار کر لیا تھا، یعنی طریق محدثین پر درس حدیث کے بجائے طریق اہل الرائے پر فقہ اہل الرائے کی تعلیم دینے لگے، موصوف کے اسی طریق کار پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے موصوف کے استاذ امام عامر شععی رحمۃ اللہ علیہ موصوف کو اور ان کے اصحاب کو اصحاب الرائے، الآرائیوں، صعا فقہ، بنواستہا وغیرہ کے نام سے موسوم کر کے فرماتے کہ قیاسی مسائل کے درس و تدریس کے سلسلے میں شور و شغب کا مشغلہ و معمول اختیار کر کے ان لوگوں نے مسجد کو کوڑا خانہ سے بھی زیادہ مبغوض بنا دیا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے اہل علم نے بھی حماد کی اس روش پر اظہار بیزاری کیا تھا۔ لہذا حماد کی بابت بعض روایات میں کثیر الحدیث والروایہ ہونے کی جو بات کہی گئی ہے اسے صحیح فرض کرنے کی صورت میں اس زمانہ سے متعلق ماننا چاہیے جب حماد مذہب نخعی پر قائم تھے۔

امام حماد بن سلمہ نے کہا:

”كنت أسأل حماد بن أبي سليمان عن المسندات، وكانوا يسألونه عن رأيه فكنت إذا

جئت قال: لا جاء الله بك.¹

یعنی درسگاہ حماد میں لوگ ان کی رائے معلوم کرتے تھے اور میں جب آتا تو احادیث دریافت کرتا، اس لیے حماد مجھے دیکھتے ہی کہتے کہ اللہ تمہیں میرے پاس نہ لائے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حماد درس حدیث نہیں بلکہ درس فقہ اہل الرائے دیتے تھے اور دوران درس میں علم حدیث سے متعلق موصوف کو کسی قسم کا سوال کیا جانا پسند نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ حماد کے اندر یہ بات مذہب رائے و ارجاء اختیار کرنے کے بعد پیدا ہوئی تھی، فقہ اہل الرائے سے شدت اشتغال اور حدیث سے عدم اعتناء عام اہل الرائے فقیہوں کا وصف خاص ہے۔ حماد کے اس طریق کو اس زمانے کے اہل علم طبقہ نے بہت ناپسند کیا تھا، حتیٰ کہ اس زمانہ میں موصوف اتفاق سے بصرہ گئے تو بقول امام حماد بن زید یہ ہوا کہ:

”فجعل فتیان البصرة يسخرون به، قال له رجل: ما تقول في رجل وطى دجاجة ميتة فخرج من بطنها بيضة، وقال له آخر: ما تقول في رجل طلق امرأته مثل سكرجة.“²

”بصرہ کے نوجوان لوگ حماد کا مذاق اڑانے لگے، کوئی کہتا کہ آپ اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے ایک مردار مرغی روند ڈالی جس کے پیٹ سے انڈا نکل آیا، نیز آپ اس آدمی کی بابت کیا فتویٰ دیتے ہیں جس نے اپنی بیوی کو سکرچہ بھر طلاق دے ڈالی؟“

بصرہ کے نوجوانوں نے موصوف کے ساتھ یہ کیا اور مشائخ موصوف سے ملنے تک نہیں آئے۔³

”حدثنا سليمان بن حرب قال: قدم حماد بن أبي سليمان فلم يأتيه أيوب السجستاني، وقلما كان يقدم عالم إلا أتاه أيوب، قال: فلم نأته لأن أيوب لم يأتيه، قال: وأتاه الصلت بن دينار، فقال له: من أنت؟ قال: صلت، فسأله عن البند فقال له أيوب: رأيت إتيانك حمادا وكلامه، قال: ولامه ونحو هذا.“

اختلاف حماد:

فقہ اہل الرائے سے شدت اشتغال اور حدیث سے عدم اعتناء کے نتیجے میں موصوف حماد علم حدیث میں بتدریج بہت کمزور ہو گئے حتیٰ کہ امام ابو حاتم نے فرمایا:

”صدوق لا يحتج به، مستقيم في الفقه، فإذا جاء الأثر شوش.“⁴

یعنی حماد فی نفسہ صدوق تو ہیں مگر حدیث میں حجت نہیں فقہ میں (یعنی فقہ اہل الرائے میں) ٹھیک ہیں، لیکن حدیث میں ٹھیک نہیں۔

یہ بات دوسرے اہل علم نے بھی کہی ہے، علم حدیث سے عدم اعتناء کے ساتھ اور بھی کچھ اسباب ہوئے جن کی وجہ سے حماد آخری عمر میں تخلیط یعنی خرابی دماغ کے شکار ہو گئے، ان اسباب میں سے ایک بات یہ تھی کہ موصوف کو مرگی کا دورہ اور

1 میزان الاعتدال: ۱/۲۴۷ 2 میزان الاعتدال (۱/۲۴۷)

3 طبقات ابن سعد (۶/۳۳۳) 4 میزان الاعتدال (۱/۲۴۷) و تہذیب التہذیب (۳/۱۶، ۱۷)

آسیب آنے لگا تھا۔^①

ان کے بدلے ہوئے حالات کے تحت ماہرین فن اور ائمہ جرح و تعدیل کو یہ فیصلہ کرنا پڑا:
”لا يقبل من حديث حماد الا ما رواه عنه القدماء شعبة و سفیان الثوري والدستوائي، ومن
عدا هؤلاء رروا عنه بعد الاختلاط.“^②

”حماد سے قدیم ایام میں سماع حدیث کرنے والے شعبہ و سفیان ثوری و ہشام دستوائی کی روایت قابل قبول ہے،
ان کے علاوہ دوسرے لوگوں نے چونکہ اختلاط کے بعد سماع کیا ہے اس لیے ان کی روایت مقبول نہیں۔“

مذکورہ بالا بات امام بیہقی کی نقل کردہ ہے، امام احمد نے بھی یہی بات کہی ہے، اس تحقیق کی روشنی میں کسی صاحب عقل پر
یہ حقیقت مخفی نہیں رہ سکتی کہ حماد سے امام ابوحنیفہ نے بھی اختلاط کے بعد ہی سماع کیا ہے کیونکہ اوپر کی عبارت میں بتلایا گیا ہے
کہ تین حضرات کے علاوہ دوسروں نے اختلاط کے بعد روایت کیا ہے۔ جواہر المصنیہ (۱/ ۲۲۶) میں حماد کو حنفی المذہب قرار
دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ موصوف پر جنون اور دیوانگی کا دورہ آیا کرتا تھا، اس سے موصوف کو ہوش آتا تو وضو کرتے تھے۔

مدح کوفہ میں حماد کی مبالغہ آرائی اور اس پر نظر:

اس بات کا تذکرہ آچکا ہے کہ مسجد میں تعلیم و تدریس کے نام پر حماد اور اصحاب حماد کی پرشور، نامناسب اور ناروا باتوں
سے امام عامر شععی سخت متنفر و متوجس تھے، حماد کی ان باتوں میں سے ایک کا ذکر مصنف انوار نے اس طرح کیا:

”تمہذیب الہندیہ میں ہے کہ جب حماد فقیہ عراق حج سے واپس آئے تو فرمایا اے اہل کوفہ! میں تمہیں خوشخبری
دیتا ہوں کہ کوفہ کے کم سن لڑکے عطا، طاؤس اور مجاہد محدثین مکہ سے اُفقہ ہیں!“^③

”ابن عدی نے کامل میں بطریق ابن معین نقل کیا ہے کہ شیخ حماد نے فرمایا میں قتادہ، طاؤس اور مجاہد سے ملا
ہوں، تمہارے بچے ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں بلکہ بچوں کے بچے بھی، اور یہ حماد نے کسی شیخی اور بڑائی سے نہیں
کہی تھی بلکہ تحدیث نعمت کے طور پر اس وجہ سے کہا کہ اس زمانے کے بعض اہل حدیث جنہیں فقہ سے مناسبت
نہیں تھی، فقہاء پر بیجا تنقیدیں کیا کرتے تھے، مسجد کوفہ میں بیٹھ کر غلط فتویٰ دیتے اور ساتھ ہی ساتھ بطور تعلیٰ یہ بھی
کہتے کہ شاید یہاں کے کچھ بچے کچھ مسائل میں ہماری مخالفت کریں۔“^④

ہم کہتے ہیں کہ مذکورہ بالا بات اور اس سے ملتی ہوئی جتنی باتیں بھی حماد اور اصحاب حماد اور ان کے طریق پر چلنے والے
لوگوں نے کہی ہیں، ان کی حقیقت حماد کے جلیل القدر استاذ امام شععی کے ان فرامین سے ظاہر ہے جن کا تذکرہ آچکا ہے کہ ان
اصحاب الرائے و صفاقہ اور بنواستہبا لوگوں نے اپنی لغو طرازیوں سے مسجد کو کوڑا خانہ سے بدتر بنا دیا ہے، لیکن محدثین مذکورین
کے بارے میں حماد کی مندرجہ بالا بات کا اصل سبب یہ ہے کہ بتصریح کتب رجال حماد پر صرع یعنی مرگی کا دورہ آیا کرتا تھا اور
وہ آسیب زدہ بھی تھے، حافظ ذہبی ناقل ہیں:

① میزان الاعتدال (۱/ ۲۴۷) ② مجمع الزوائد (۱/ ۱۱۹) و تعليقات علل المتنہة لابن الجوزي.

③ مقدمہ انوار (۱/ ۳۵) ④ مقدمہ انوار (۱/ ۴۲)

”کان حماد یصرع فإذا أفاق توضأ... وکان حماد یصیبه المس.“¹
 ”حماد پر دورہ مرگی آتا تھا، دورہ کے بعد جب انھیں ہوش آتا تو وہ وضو کرتے تھے، اس طرح موصوف کو آسیب بھی لگا کرتا تھا۔“

نیز موصوف حماد تخلیط یعنی خرابیِ دماغ کے بھی شکار ہو گئے تھے۔ (عام کتب رجال) یہ معلوم ہے کہ مرگی و آسیب لگنے کی حالت میں بھی آدمی پر دیوانگی و جنون کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، بنا بریں موصوف کی زبان سے غیر ارادی طور پر اس طرح کی بات نکل گئی ورنہ ظاہر ہے کہ کوئی معمولی عقل والا انسان بھی ہوش و حواس کے عالم میں اس طرح کی بات نہیں کہہ سکتا۔ حالت دیوانگی میں موصوف کی زبان سے نکلی ہوئی غلط باتوں سے بعض لوگوں کو موصوف پر کذب بیانی کا بھی شبہ ہوتا تھا، چنانچہ حبیب بن ابی حبیب نے حماد سے ایک بار کہا:

”والله إنك تكذب على إبراهيم أو إن إبراهيم ليخطيء.“²
 یعنی آپ یا تو ابراہیم پر جھوٹ بولتے ہیں یا ابراہیم غلطی کرتے تھے۔
 امام عمش نے کہا:

”حدثنا حماد وما كنا نصدقه.“³ یعنی ہم حماد کو سچا نہیں سمجھتے تھے۔

حالانکہ حماد فی نفسہ صدوق تھے، صرف اختلاط و آسیب و مرگی کے باعث حالت مدہوشی میں غیر ارادی طور پر ان کے منہ سے غلط باتیں نکل جاتی تھیں اور یہ بات انھیں بتصریح اہل علم عمر کے آخری زمانے میں لاحق ہوئی تھی، امام احمد بن حنبل نے فرمایا:

”مقارب، ما روی عنہ القدماء سفیان وشعبہ... الخ.“⁴

یعنی حماد کے اختلاط سے پہلے جن لوگوں نے حماد سے روایت کی ہے، یعنی سفیان ثوری وشعبہ و ہشام دستوائی وہ ٹھیک ہے۔

مطلب یہ کہ ان تینوں کے علاوہ دوسروں کی روایت ٹھیک نہیں ہے۔ امام ابن سعد نے فرمایا:

”قالوا: کان حماد ضعيفا في الحديث، واختلط في آخر أمره، وکان مرجيا وکان کثیر الحديث... إلى أن قال: قال عثمان البتي: کان حماد إذا قال برأي أصاب، وإذا قال عن غير إبراهيم اخطأ.“⁵

یعنی اہل علم نے کہا کہ حماد ضعیف الحدیث تھے، آخری عمر میں اختلاط کے شکار ہو گئے تھے اور مرجی المذہب بھی تھے، عثمان بقی نے ان کی بابت کہا کہ فقہ اہل الرائے کو حماد ٹھیک سے بیان کرتے ہیں مگر ابراہیم کے علاوہ جب کسی اور سے روایت کرتے ہیں تو غلطی کرتے ہیں۔“

امام ابو حاتم نے کہا:

1 میزان الاعتدال (۲۷۹/۱)

2 تہذیب التہذیب (۱۷/۱) و میزان الاعتدال.

3 فسوی (۷۹۲/۲) و میزان الاعتدال (۲۷۹/۱)

4 تہذیب التہذیب (۱۶/۳)

5 طبقات ابن سعد (۳۳۳/۶) و تہذیب التہذیب (۱۷/۳)

”هو صدوق لا يحتج بحديثه، وهو مستقيم في الفقه فإذا جاء الآثار شوش“¹
یعنی حماد فی نفسہ صدوق ہیں مگر ان کی بیان کردہ حدیث ناقابل حجت ہے، فقہ (مراد فقہ اہل الرائے) میں وہ
ٹھیک ہیں، مگر حدیث میں ٹھیک نہیں ہیں۔

امام ذہلی نے کہا:

”کثیر الخطأ والوهم“² یعنی موصوف کثیر الخطا والوہم تھے۔

امام شعبہ نے موصوف کو صدوق اللسان کہا اور ان سے روایت بھی کی مگر آخری زمانے کے اختلاط و آسیب زدگی کا اعتبار کرتے ہوئے فرمایا کہ ”کان لا یحفظ“³ حماد نے خود امام شعمی کے سامنے اپنے بتلائے نسیان ہونے و خرابی حفظ لاحق ہونے کا اعتراف کیا تھا۔⁴

مجمع الزوائد کی یہ تصریح گزر چکی ہے کہ سفیان، شعبہ اور دستوائی کے علاوہ حماد سے کسی کی روایت قابل قبول نہیں کیونکہ یہ اختلاط کے بعد ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات مستخرج ہوتی ہے کہ روایت حدیث میں حماد پر ضعیف ہونے کا حکم ان کی آخری عمر کے حالات کے لحاظ سے لگایا گیا ہے، لہذا اختلاط سے پہلے ان سے جن لوگوں کا روایت کرنا معلوم ہو، انھوں نے حماد سے جو روایتیں نقل کی ہیں وہ معتبر ہیں، اور اختلاط کے پہلے موصوف سے جن لوگوں کا روایت کرنا معلوم و معروف نہیں ان کی روایت کردہ احادیث معتبر نہیں۔ موصوف حماد کے اختلاط کے پہلے موصوف سے امام ابوحنیفہ کا روایت حدیث کرنا نہ صرف یہ کہ غیر معروف و غیر معلوم ہے بلکہ امام ابن المبارک و اصحاب ابن المبارک و یمامی کا بیان ہے کہ حماد سے کتب حماد سے بغیر یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کے ذریعہ امام صاحب حماد سے روایت کرتے تھے۔ اگرچہ ہم یہ کہہ آئے ہیں کہ امام صاحب کی یہ بات اس امر کے منافی نہیں کہ انھوں نے حماد سے فقہ اہل الرائے اور سیاسی مسائل کی تعلیم حاصل کی ہو اور فقہ اہل الرائے و سیاسی مسائل کی تعلیم کے دوران حماد کی بعض بعض جگہ بیان کردہ بعض احادیث و آثار بھی امام صاحب نے سن لیے ہوں، مگر یہ بات بہر حال کسی معتبر دلیل سے ثابت نہیں کہ امام صاحب نے حماد سے فقہ اہل الرائے اور سیاسی مسائل کی تعلیم حماد کے اختلاط سے پہلے حاصل کی اور اگر بالفرض موصوف نے اختلاط سے پہلے بھی حاصل کی ہو تو اس کی تمیز ممکن نہیں کہ کون کون سی باتیں قبل اختلاط حاصل کیں اور کون کون سی بعد از اختلاط؟، لہذا اصولی طور پر حماد سے امام صاحب کی نقل کردہ احادیث کے ساتھ حماد کی بیان کردہ وہ فقہی و سیاسی آراء بھی باعتبار سند غیر معتبر ہیں جو امام صاحب نے حماد سے نقل کر رکھی ہیں، اور کوثری و اراکین تحریک کوثری کا یہ پروپیگنڈہ کہ امام صاحب خدمت حماد میں زمانہ ابراہیم نخی سے بالاتر رہنے لگے تھے اور مرتے وقت تک ان کے ساتھ رہے، بلا شک و شبہ اس جھوٹے گروہ کے ایجاد کردہ اکاذیب سے ہے، جو بقول مصنف انوار سفید کو سیاہ ثابت کر دکھانے کے لیے کارثواب سمجھ کر جھوٹ کو مسلمانوں میں پھیلاتا ہے۔ اسی طرح وہ بات بھی معتبر نہیں کہ امام صاحب حماد سے اٹھارہ یا پندرہ یا دس سال فقہ پڑھتے رہے تھے اور بالفرض یہ صحیح بھی ہو تو یہ تعیین کے ساتھ معلوم نہیں کہ حماد کا زمانہ

² تہذیب التہذیب وغیرہ۔

¹ کتاب الجرح والتعديل، ترجمة حماد و تہذیب التہذیب و میزان الاعتدال۔

³ تہذیب التہذیب۔

⁴ مقدمة الجرح لابن أبي حاتم (ص: ۱۶۵)۔

اختلاط کب سے شروع ہوا اور وہ کب آسیب زدہ اور مرگی کے مریض ہوئے اور نہ اس کی تعیین و تمیز ہو سکتی ہے کہ حماد سے امام صاحب کی سنی ہوئی فقہی و قیاسی باتیں اور احادیث و آثار میں سے کون کون سی قبل اختلاط ہیں اور کون کون بعد از اختلاط، دریں صورت حماد سے امام صاحب کی نقل کردہ فقہی آراء اور اقوال و مسائل نیز احادیث کا حال اللہ ہی کو بخوبی معلوم ہے، البتہ از روئے اصول اہل علم وہ غیر معتبر ہیں۔

حماد کی زیر بحث بات کو (یعنی کہ کوفہ کے بچوں کے بچے بھی امام طاؤس و قتادہ و مجاہد وغیرہ سے زیادہ فقیہ ہیں) خود امام ابوحنیفہ نے بھی ناقابل التفات سمجھا اور یہ چیز مصنف انوار ہی کے دعاوی سے ثابت ہے، وہ اس طرح کہ یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب درسگاہ حماد میں ۱۰۲ھ سے لے کر ۱۲۰ھ یعنی وفات حماد تک بالالتزام حماد سے پڑھتے رہے تھے، اس کے بعد وہ بصرہ و مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ گئے اور قتادہ وغیرہ سے تحصیل علم کیا۔ مصنف انوار فرماتے ہیں:

”کوفہ کے بعد امام صاحب نے بصرہ کا رخ کیا اور قتادہ سے حدیث حاصل کی، بصرہ کے بعد امام صاحب نے تکمیل علم حدیث کے لیے مکہ معظمہ کے شیوخ حدیث سے استفادہ کیا، مکہ معظمہ کے بعد امام صاحب نے مدینہ طیبہ کا رخ کیا اور وہاں کے شیوخ سے استفادہ کیا... الخ“^۱

حماد کی اس بات کو غالباً امام صاحب نے اختلاط و آسیب اور مرگی کا اثر سمجھ کر ناقابل التفات قرار دیا۔

امام صاحب کی تعظیم امام مالک رحمہ اللہ:

چنانچہ امام صاحب اپنے استاذ الاساتذہ امام دارالہجرۃ امام مالک بن انس کی تعظیم و توقیر کے پیش نظر نہایت ادب و احترام کے ساتھ با تمیز بچوں کی طرح امام مالک کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے۔ (کما تقدم)

اور موصوف امام ابوحنیفہ امام مالک کے علوم کے اس قدر شائق و دلدادہ تھے کہ بعض مجبور یوں کے باعث براہ راست امام مالک سے علوم مالک حاصل نہیں کر سکتے تو موصوف نے ان کے بعض تلامذہ، مثلاً ابراہیم بن طہمان سے علوم مالک حاصل کیے۔ (کما تقدم)

امام صاحب کی تعظیم امام ربیعہ رحمہ اللہ:

اسی طرح امام صاحب ایک دوسرے مجازی امام ربیعہ بن ابی عبدالرحمن مدنی کی درسگاہ میں بیٹھ کر ان کی درسی باتیں بخوبی سمجھنے کے لیے پوری قوت و کوشش صرف کرتے۔ (کما تقدم)

امام صاحب رحمہ اللہ کی تعظیم امام عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ:

یہ بات گزر چکی ہے کہ امام صاحب نے اپنے مجازی استاذ امام عطاء کے بارے میں فرمایا کہ میں نے ان سے زیادہ افضل کسی کو نہیں دیکھا اور اپنے کوئی استاذ جابر جعفی کے بارے میں فرمایا کہ ان سے بڑا کذاب میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ امام کعب سے مروی ہے:

”مجھ سے امام صاحب نے کہا کہ مکہ مکرمہ میں مجھ سے مناسک حج کے پانچ ابواب میں غلطی سرزد ہوگئی، جس کی

اصلاح امام عطاء کے صحبت یافتہ ایک حجام کے ذریعہ ہوئی:

- ۱- میں نے حجام سے بال منڈوانے کی اجرت پوچھی، اس نے کہا کہ حج کے موقع پر اس کی اجرت طے نہیں کی جاتی۔
- ۲- میں بال منڈوانے کے لیے حجام کے سامنے جب بیٹھا تو قبلہ رو ہو کر نہیں بیٹھا حجام نے کہا کہ قبلہ رو ہو کر بیٹھو۔
- ۳- میں نے حجام کے سامنے پہلے سر کی بانیں جانب موٹنے کے لیے پیش کی، اس نے کہا وہی طرف سے سر سامنے کرو۔
- ۴- حجام بال موٹ رہا تھا تو میں خاموش تھا، حجام نے کہا کہ تکبیر پڑھتے رہو، میں نے اس کی تعمیل کی۔
- ۵- میں اس کام سے فارغ ہو کر اپنے ڈیرہ جانے لگا تو حجام نے کہا پہلے دو رکعت نماز پڑھو تب ڈیرہ جاؤ۔

امام صاحب کہتے ہیں کہ میں نے دل میں سوچا کہ اس حجام کے پاس ضرور علم دین ہے، چنانچہ میں نے اس سے کہا کہ یہ علمی و دینی باتیں تم کو کیسے معلوم ہوئیں جن کا تم نے اس طرح حکم دیا؟ حجام نے کہا امام عطاء بن ابی رباح سے۔^①

یہ روایت امام بخاری نے بھی بسند صحیح نقل کی ہے جس میں امام عطا کا ذکر نہیں ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے ایک حجازی حجام سے یہ باتیں سیکیں۔ مصنف انوار نے مذکورہ بالا بات کو نہ جانے کیوں دلیل نہیں بنایا جس سے امام صاحب کے جلیل القدر استاذ امام عطاء کی عظمت شان اور بھی نمایاں ہو جاتی، اگر مصنف انوار اس روایت کی سند پر حسب عادت رد و قدر کریں تو ناظرین کرام ان کی دیانت داری کی داد دیں کہ مدح امام صاحب میں وارد شدہ اکاذیب کو صحیح کہہ کر بکثرت دلیل بنانے والے مصنف انوار امام بخاری کی نقل کردہ روایت صحیحہ کی کیونکر تضعیف کرتے ہیں؟ حاصل یہ کہ امام صاحب حجازی حجام کی علمی عظمت کے بہت قائل تھے، بقول موفقی امام صاحب نے امام عطا کو تمام علوم کا سب سے زیادہ جامع کہا۔ (کما سیأتی)

امام صاحب کی مدح امام زید بن علی:

خاندان نبوت کے مشہور و معروف حجازی امام زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (متوفی ۱۲۲ھ) کے بارے میں امام صاحب کا یہ قول مصنف انوار کے ہم مزاج اسلاف نے نقل کیا ہے:

”ما رأیت أحضر جواباً من زید بن علي، قلت له أ قدر الله المعاصي؟ قال: أيعصى قهراً؟ فألقمني حجراً.“^②

یعنی میں نے زید سے زیادہ حاضر جواب کسی کو نہیں دیکھا، میں نے ان سے کہا کہ کیا اللہ نے معاصی کو مقدر کر رکھا ہے تو موصوف نے فوراً یہ جواب دے کر مجھ کو خاموش کر دیا کہ اللہ کو مغلوب کر کے معصیت کی جاسکتی ہے؟ یہ بھی مروی ہے کہ امام صاحب نے امام زید سے دو سال تعلیم حاصل کی اور ان کی بابت فرمایا:

”شاهدت زید بن علی کما شاهدت أهله، فما رأيت في زمانه أ فقه منه ولا أعلم ولا أسرع جواباً ولا أبين قولاً.“^③

① وفيات الأعيان لابن خلكان (۳/ ۲۶۲، ۲۶۳) ومثير العزم الساكن لابن الجوزي، و تلخيص الحبير وغيره.

② جامع المسانيد (۱/ ۱۲۲) و عام كتب مناقب.

③ حياة أبي حنيفة لأبي زهرة بحواله الروض النضير (ص: ۶۸) و الأعلام للزركلي، جلد سوم، طبع سوم بحواله كتاب المقاتلين و طبقات الكوفيين.

یعنی میں نے امام زید اور ان کے خاندان کو دیکھا، میں نے زمانہ زید میں زید سے زیادہ حاضر جواب، فقیہ و عالم اور واضح بات کرنے والا کوئی نہیں پایا۔

نہ جانے کیوں مصنف انوار نے مذکورہ بالا باتوں کو دلیل و حجت نہیں بنایا؟ امام صاحب نے موصوف زید کے ساتھ اس قدر عقیدت کا اظہار کیا، اس کے ساتھ یہ بھی مروی ہے:

”امام زید نے امام صاحب کو بنی امیہ کے خلاف جنگ میں شرکت کی دعوت دی، امام صاحب نے قاصد کے ذریعہ اس کا جواب یہ دیا کہ مجھے اگر یہ علم نہ ہوتا کہ لوگ آپ کا ساتھ اسی طرح چھوڑ دیں گے جس طرح آپ کے باپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا تو میں آپ کا ساتھ دیتا اور جہاد میں شریک ہوتا، کیونکہ آپ امام برحق ہیں، البتہ میں مالی معاونت کروں گا، پھر قاصد سے موصوف نے کہا کہ میرا یہ عذر امام زید کے سامنے تفصیل سے بیان کر دینا اور اس کے ساتھ موصوف نے دس ہزار درہم بھجوائے۔“

ایک روایت میں ہے کہ امام صاحب نے عذر بیماری کیا تھا، ایک روایت میں ہے کہ امام صاحب نے کہا کہ امام زید کے ساتھ بنو امیہ کے خلاف جنگ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ غزوہ بدر تھا، مگر میرے لیے مشکل یہ ہے کہ لوگوں کی امانتیں میرے پاس رکھی ہیں، کہیں میں قتل ہو گیا تو یہ امانتیں ضائع ہو جائیں گی، میں نے ان امانتوں کو ابن ابی لیلیٰ کے حوالہ کرنا چاہا مگر وہ راضی نہ ہوئے، بنا بریں میں شریک جہاد نہیں ہو سکتا، البتہ امام زید جب مقتول ہو گئے تو امام صاحب ان کو یاد کر کے رویا کرتے تھے۔¹

اس سے بھی امام زید کے ساتھ امام صاحب کی عقیدت مندی ظاہر ہوتی ہے، اس میں روافض کے لیے بھی خوب مواد فراہم کیا گیا ہے۔ امام زید ایک مجازی فرد تھے، جن کے بارے میں امام صاحب سے یہ باتیں منقول ہیں، بشرط صحت امام زید بن علی کی بابت امام صاحب کی یہ بات کہ میں نے ان سے زیادہ فقیہ و عالم و حاضر جواب کسی کو نہیں دیکھا زمانہ زید کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ خود روایت کے اندر تصریح ہے اور موصوف زید کی وفات (۱۲۲ھ یا ۱۲۱ھ) کے بعد کے زمانہ میں ہوئی، امام صاحب کے نزدیک سب سے زیادہ فقیہ و عالم موصوف امام زید کے بھتیجے امام جعفر بن محمد بن علی صادق (متوفی ۱۲۸ھ) تھے، جیسا کہ مندرجہ ذیل روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

امام صاحب کی مدح امام جعفر صادق:

امام صاحب نے امام زید کے بھتیجے امام جعفر صادق کے بارے میں فرمایا:

”ما رأیت أفضھ منه.“² یعنی امام جعفر صادق سے بڑا فقیہ میں نے نہیں دیکھا۔

مصنف انوار کی تصنیف ابی حنیفہ قرار دی ہوئی کتاب جامع مسانید ابی حنیفہ میں ہے:

”قال أبو حنیفة: جعفر بن محمد أفضھ من رأیت، ولقد بعث إلي أبو جعفر المنصور أن الناس قد فتنوا بجعفر بن محمد فھي له مسائل شدادا، فلخصت أربعين مسألة، وبعثت

1 موفق (۱/ ۲۹۰، ۲۹۱) و عام کتب مناقب.

2 تذکرۃ الحفاظ (۱/ ۱۷۵)

بها إلى المنصور بالحيرة، ثم أبرد إلي فوافيته على سريره، وجعفر بن محمد عن يمينه فتداخطني من جعفر هيبة لم أجد لها من المنصور، فأجلسني ثم التفت إلى أبي حنيفة قائلاً سله يا أبا حنيفة ما بدا لك، فجعلت أسأله، ويجيب الإجابة الحسنة، ويفهم حتى أجاب أربعين مسألة فرأيته أعلم الناس باختلاف الفقهاء، فلذلك أحكم أنه أفقه من رأيت.¹

یعنی میں نے سب سے زیادہ فقیہ امام جعفر بن محمد صادق کو دیکھا، میرے پاس خلیفہ منصور نے یہ خبر بھجوائی کہ عراقی لوگ امام صادق کی علمی عظمت پر فریفتہ ہوتے چلے جا رہے ہیں، آپ انھیں لا جواب کرنے اور علمی شکست دینے کے لیے مشکل مسائل مہیا کریں، چنانچہ میں نے چالیس مسائل مرتب کر کے منصور کے پاس بھیج دیے، پھر منصور نے مجھے اپنے دربار میں بلایا، میں گیا تو اس وقت امام صادق کی بغل میں تخت پر بیٹھے تھے، دیکھتے ہی مجھ پر موصوف کا اتنا رعب طاری ہوا کہ خلیفہ منصور کا رعب بھی اتنا نہیں طاری ہوتا تھا، مجھے منصور نے حکم دیا کہ امام صادق سے جو چاہو پوچھو، میں ان چالیس مسائل کو ایک ایک کر کے پوچھتا رہا اور موصوف نہایت اچھے اور مسکت و خاموش کن جواب دیتے رہے، میں نے دیکھا کہ وہ علماء کے اختلافی اقوال کا بخوبی علم رکھتے ہیں، بنا بریں میرا فیصلہ ہے کہ موصوف سب سے زیادہ فقیہ ہیں۔²

مصنف انوار کے مدوح موفق رافضی و معتزلی نے اس روایت کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

قال أبو حنيفة، حين سئل من أفقه من رأيت؟ قال: ما رأيت أفقه من حماد، وفي رواية أخرى: ما رأيت أفقه من جعفر بن محمد، و تاويله إن شاء الله في أئمة أهل البيت، وكلامه في حماد يحمل على الإطلاق.³

یعنی امام صاحب سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ سب سے أفقه میں نے حماد کو پایا اور دوسری روایت یہ ہے کہ سب سے أفقه امام صادق کو پایا، اس کی تاویل یہ ہے کہ اہل بیت نبوی میں سب سے زیادہ فقیہ امام صاحب نے امام صادق کو کہا اور حماد کو مطلقاً سب سے زیادہ فقیہ کہا۔

ہم کہتے ہیں کہ حماد کے بارے میں یہ بات امام صاحب سے بسند صحیح ثابت نہیں اور مذکورہ بالا روایت کے مطابق امام صادق کے بارے میں امام صاحب نے یہ بات حماد کی وفات کے کئی سالوں کے بعد خلیفہ منصور کے دور خلافت میں کہی ہے، آخر موفق رافضی نے دونوں روایتوں میں یہ کہہ کر کیوں نہیں تطبیق دی کہ امام جعفر صادق کو دیکھنے سے پہلے حماد کے بارے میں امام صاحب کا یہ خیال تھا مگر بعد میں امام صادق کو دیکھ کر وہ حماد کو بھول گئے اور انھیں معلوم ہو گیا کہ امام صادق حماد سے کہیں زیادہ افقہ ہیں۔ موفق امام زید کی بابت امام صاحب کے قول کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

موفق کی ذکر کردہ ایک طویل روایت کا خلاصہ یہ ہے:

”امام جعفر صادق ایک بار کوفہ آئے، اُن کی خدمت میں امام صاحب اور ان کے اصحاب نہایت تعظیم و توقیر کے

1 جامع المسانید (۱/۲۲۲، ۲۲۳) و عام کتب مناقب. 2 نیز ملاحظہ ہو: موفق (۱/۱۷۳)

3 موفق (۱/۵۳) و کردری (۱/۸۸)

انداز میں حاضر ہوئے، امام صادق نے پوچھا تو لوگوں نے امام صاحب کا یہ تعارف کرایا کہ موصوف بے نظیر فقیہ و دیندار و عقیف آدمی ہیں، امام صادق نے فرمایا کہ ان کا نام تو میں نے سنا ہے مگر اس سے پہلے انھیں دیکھا نہیں تھا، پھر انھوں نے امام صاحب کو خطاب کر کے کہا کہ جو کچھ معلوم کرنا ہو کر لو، امام صاحب نے جملہ سوالات میں سے ایک چیز یہ پوچھی کہ امر بالمعروف سے کیا مراد ہے؟ امام صادق نے کہا: کہ تم اس کا کیا مطلب سمجھتے ہو؟ امام صاحب نے کہا کہ اللہ کی اطاعت کا حکم کرنا اور معصیت سے روکنا، امام صادق نے کہا جی نہیں، معروف سے مراد حضرت علی بن ابی طالب ہیں، کیا تم کو میری اس بات پر کوئی اعتراض ہے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ کسی کو اس پر اعتراض کی کیا مجال ہو سکتی ہے؟ امام صاحب نے پوچھا کہ ﴿لَتَسْتَلْنَ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ کی آیت میں نعیم کا کیا مطلب ہے، میں تو اس کا مطلب کھانے پینے میں امن اور صحت و عافیت سمجھتا ہوں، امام صادق نے فرمایا کہ یہ غلط ہے، نعیم سے مراد ہم اہل بیت ہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ آپ کا ارشاد حکمت محکمہ اور قول مقبول ہے۔¹

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب امام صادق کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتے تھے، نہ جانے کیوں مصنف انوار نے اس روایت کو صحیح و معتبر کہہ کر دلیل نہیں بنایا؟ اس میں موفق کے رافضی مذہب کے لیے بھی کافی مواد موجود ہے۔

امام ابو یوسف سے مروی ہے:

”امام صاحب مسجد میں فوٹی دے رہے تھے، ان کی مجلس کے پاس امام جعفر صادق آ کر کھڑے ہو گئے، امام صاحب فوراً ان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ ”اے ابن رسول! میں آپ کے سامنے بیٹھا نہیں رہ سکتا۔“²

کتاب المصائد و المطارد سے امام ابن خلکان ناقل ہیں:

”امام جعفر نے امام صاحب سے پوچھا کہ محرم اگر ہرن کے رباعی دانت توڑ دے تو کیا کفارہ دینا ہوگا؟ اس پر امام صاحب نے عرض کیا کہ اے ابن رسول! مجھے یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے۔ امام جعفر نے کہا کہ تم اپنے تئیں بہت چالاک اور عقلمند بننے ہو مگر اتنا بھی نہیں جانتے کہ ہرن کے رباعی دانت ہوتے ہی نہیں ہیں!“³

معلوم نہیں کیوں مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگوں نے اس روایت کو دلیل بنا کر کہ نہیں کہا کہ امام صاحب اہل بیت اماموں کا بہت احترام کرتے تھے اور ان کے سامنے اظہار فقہات نہیں کر پاتے تھے، بلکہ ان کے سوالات کے جواب سے عاجز و لاچار اور ساکت رہا کرتے تھے۔ حافظ ابو نعیم نے دو مختلف سندوں سے اور امام علی بن عبدالعزیز بغوی نے تیسری سند سے ایک طویل روایت نقل کی ہے۔ جس کا خلاصہ ہے:

”امام عبداللہ بن شبرمہ اور عمرو بن جمح نے کہا کہ ہم امام ابو حنیفہ کے ساتھ امام جعفر کے پاس گئے، اس وقت تک امام جعفر امام صاحب سے متعارف نہیں تھے، ان لوگوں نے تعارف کرایا تو انھوں نے سمجھا کہ یہی ابو حنیفہ ہیں جو

1 موفق (۱/ ۱۳۴ تا ۱۳۶) و عام کتب مناقب.

2 ملخص از اخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ۸۱) و عام کتب مناقب.

3 وفيات الأعيان بحواله كتاب المصائد والمطارد، ترجمه جعفر.

قیاس و رائے میں شہرت رکھتے ہیں، امام جعفر نے امام صاحب سے کہا تم نے کبھی اپنے سر کا بھی قیاس کیا ہے؟ امام صاحب بولے کہ یہ کیسے کر سکتا ہوں! امام جعفر نے فرمایا کہ ”ما أراك تحسناً شیعياً“ میرا خیال ہے کہ تم کوئی بھی کام ٹھیک سے کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، میری ایک بات سنو! میرے باپ نے میرے دادا یعنی امام علی بن حسین بن علی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ”أول من قاس إبليس“ سب سے پہلا قیاس کرنے والا ابلیس پیدا ہوا جس نے حکم خداوندی سے سرتابی کرتے ہوئے آدم کو سجدہ نہیں کیا اور یہ قیاسی دلیل بیان کی کہ میں آدم سے افضل ہوں، لہذا جو شخص دین میں قیاس آرائی سے کام لے گا وہ بروز قیامت ابلیس کے ساتھ ہوگا۔ ذرا ابوحنیفہ یہ تو بتلاؤ کہ قتل و زنا میں سے کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ امام صاحب نے کہا قتل! امام جعفر نے فرمایا، پھر قتل میں دو ہی شہادوں کی شہادت مقبول ہوتی ہے اور زنا میں چار کی، اگر دینی امور قیاس پر قائم ہوتے تو ایسا نہیں ہوتا۔ اچھا یہ بتلاؤ کہ نماز اور روزے میں سے کون سی عبادت زیادہ عظمت رکھتی ہے؟ امام صاحب نے کہا کہ نماز! امام جعفر نے فرمایا: پھر حائضہ عورت کیوں نماز کی قضا نہیں کرتی مگر روزے کی کرتی ہے؟ دریں صورت دین میں قیاس آرائی تمہارے لیے کیونکر جائز ہوئی؟، خدا سے خوف کھاؤ اور دین میں قیاس آرائی ترک کر دو؟¹

قیامت کے روز اللہ کے سامنے ہمارا تمہارا حساب ہوگا، جب ہم کہیں گے اللہ ورسول کی باتوں کے بالمقابل ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رائے و قیاس سے کام لیتے تھے² مجموعی اعتبار سے مذکورہ بالا روایت کی سند امام جعفر تک صحیح ہے، اس کی کم از کم تین سندیں ہیں جو ایک دوسرے کی متابعت کرتی ہیں، البتہ جعفر نے اپنے اس بیان میں جو حدیث مرفوع بیان کی ہے وہ مرسل ہے، کیونکہ اس میں موصوف نے کہا ہے کہ ”حدثني أبي عن جدي“ یعنی میرے باپ نے میرے دادا سے یہ حدیث نبوی بیان کی ہے اور موصوف کے دادا یعنی علی بن حسین بن علی بن ابی طالب زین العابدین کا لقاء نبی ﷺ سے نہیں ہے مگر حدیث مرسل مصنف انوار کے مذہب میں حجت اور صحیح ہے۔

اس روایت سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ پورے عالم اسلام میں یہ چیز مشہور تھی کہ امام صاحب امور دین میں استعمال قیاس کرتے ہیں۔ دوسری بات اس روایت سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ امام صاحب نے اپنی بابت دینی امور میں استعمال قیاس کے الزام کی تردید امام جعفر کے سامنے نہیں کی بلکہ امام جعفر کی قیاس شکن باتوں کو سن کر لا جواب و سکت رہے یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ واقعہ کس زمانہ میں پیش آیا اور امام صاحب پر نصیحت جعفر کا کیا اثر پڑا مگر ہم دیکھتے ہیں کہ امام صاحب نے اپنی آخری عمر میں واضح طور پر فرمایا تھا کہ ”إن عامة ما أحدثكم به خطأ“ میری بیان کردہ تمام علمی باتیں غلط ہیں، اسی لیے امام صاحب نے اپنی علمی باتوں کو لکھنے سے بھی منع کر دیا تھا، اس موضوع پر مفصل بحث آگے آئے گی۔ روایت مذکورہ سے اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے امام جعفر کے سامنے امور دین میں اپنے قیاس کرنے کی نفی نہیں کی مگر مصنف انوار کے ہم مزاج بعض لوگوں نے روایت مذکورہ کے جواب میں ایک روایت وضع کر کے یہ ظاہر کرنا چاہا کہ امام صاحب نے امام جعفر کے باپ امام باقر محمد بن علی بن حسین کے سامنے اپنے اوپر لگائے گئے اس الزام کی اتنے مدلل طور پر تردید کی کہ وہ

① حلیۃ الأولیاء (۱۹۶/۳، ۱۹۷) و إعلام الموقعین (۱/۹۳)

② إعلام الموقعین والإحكام لابن حزم (۳۴/۸) أخبار القضاة لوكيع (۳/۷۷، ۷۸)

اس بات کے قائل ہو گئے کہ امام صاحب پر یہ الزام غلط ہے، یہ خانہ ساز افسانوی روایت ناظرین کرام بھی ملاحظہ فرمائیں: ”امام ابن المبارک نے کہا کہ امام صاحب کی ملاقات سفر حج کے موقع پر امام باقر محمد بن علی سے ہوئی، امام باقر نے فرمایا کہ آپ میرے نانا کے دین اور حدیثوں کو اپنے قیاس سے بدل دیا کرتے ہیں۔ امام صاحب نے انکار کیا تو موصوف نے پھر یہی بات زور دے کر اور قسم کھا کر دہرائی، امام صاحب نے عرض کیا کہ ذرا آپ اچھی طرح بیٹھ جائیے، میرے نزدیک دور نبوی میں آپ کے نانا (رسول اللہ ﷺ) کی جو تعظیم و توقیر صحابہ کرتے تھے، اس زمانہ میں اسی طرح کی تعظیم و توقیر آپ کی ہونی چاہیے، مجھے آپ تین باتیں بتلائیے:

(۱) عورت زیادہ کمزور ہے یا مرد (۲) نماز زیادہ افضل ہے یا روزہ (۳) پیشاب زیادہ نجس ہے یا منی؟ امام باقر نے فرمایا عورت زیادہ کمزور ہے، نماز زیادہ افضل ہے، پیشاب زیادہ نجس ہے۔ امام صاحب نے عرض کیا کہ اس صورت میں قیاس کہتا ہے کہ عورت کو میراث میں مرد سے زیادہ حصہ ملنا چاہیے۔ حیض سے فراغت کے بعد نماز کی قضا روزہ کے مقابلہ میں زیادہ ضروری ہونی چاہیے اور خروج منی کے مقابلہ میں پیشاب کرنے سے غسل واجب ہونا چاہیے مگر میں احکام شرعیہ کی پیروی میں قیاس کو رد کرتا ہوں، پھر مجھ پر استعمال قیاس کا الزام کیونکر صحیح ہے؟ یہ سن کر امام باقر نے امام صاحب کی تعظیم و توقیر کرنے کے ساتھ امام صاحب کو بوسہ دیا اور ان سے معانقہ کیا اور ان سے بہت خوش ہوئے۔^①

یہ روایت مناقب موفق وغیرہ میں بلا ذکر سند منقول ہے اور بے سند روایت بالاتفاق ساقط الاعتبار ہے، تین مسائل میں ترک قیاس سے تمام امور میں ترک قیاس نہیں لازم آتا، تعجب ہے کہ جو امام ابوحنیفہ امام جعفر کے سامنے اپنے اوپر لگائے گئے الزام استعمال قیاس کی تردید نہیں کر سکے وہ والد امام جعفر کے سامنے اس طرح کی لب کشائی کی ہمت کیسے کر سکے؟ جبکہ وفات امام باقر کے وقت یعنی ۱۱۴ھ یا ۱۱۵ھ میں امام صاحب درسگاہ حماد میں زیر تعلیم تھے۔ ظاہر ہے کہ ۱۱۴ھ سے پہلے ہی امام باقر کے ساتھ امام صاحب کے اس مکالمہ کے وقوع پذیر ہونے کا تصور ہو سکتا ہے۔ بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب ۱۲۰ھ تک درسگاہ حماد میں زیر تعلیم رہے اور اس کے بعد دوسری درسگاہوں میں پڑھنے لگے۔

امام صاحب کے اہل الرائے ہونے کی نفی کرنے والی ایک روایت پر بحث:

اصل معاملہ یہ ہے کہ مناقب ابی حنیفہ کی افسانوی داستانوں کے واضعین کو امور دین میں استعمال قیاس کی قباحت و شاعت کا کسی طرح احساس ہو گیا، بنا بریں انھوں نے مذکورہ بالا داستان وضع کی، اسی احساس کے تحت حارثی نے بھی یہ وضعی روایت بیان کی:

”قال عبد العزيز بن أبي رواد: أصحاب الرأي أعداء السنن، وهم الحرورية، وأهل الأهواء، وزاد في رواية ياسين الزيات: فأما أبو حنيفة وأصحابه فإنهم قاسوا على السنة.“
”بقول عبدالعزیز بن ابی رواد اصحاب الرائے دشمنان سنت ہیں اور وہ خوارج و ہوا پرست لوگ ہیں، یاسین زیات

① موفق (۱/۱۶۷، ۱۶۸) و عام کتب مناقب. ② موفق (۲/۸۶) و عام کتب مناقب.

کی روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ امام صاحب اور ان کے اصحاب اصحاب الرائے نہیں ہیں کیونکہ انھوں نے سنت کی روشنی میں قیاس کیا ہے۔“

ان روایتوں کے ذریعہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اصحاب الرائے مذموم ضرور ہیں مگر امام صاحب اور ان کے اصحاب اصحاب الرائے ہیں ہی نہیں بلکہ اصحاب الرائے خوارج و اہل بدعت ہیں امام صاحب اور ان کے اصحاب کے اصحاب الرائے ہونے کی نفی یاسین بن معاذ زیات والی روایت میں کی گئی ہے۔ عبدالعزیز والی میں نہیں، عبدالعزیز والی روایت معنوی طور پر اس اعتبار سے صحیح ہے کہ خوارج و اہل الاہواء اصحاب الرائے ہی کے فرقوں میں سے ہیں، اگرچہ اس روایت کے لیے حاشی کی فٹ کردہ سند موضوع ہے۔ عبدالعزیز موصوف بقول راجح فی نفسہ صدوق ہونے کے باوجود بتصریح اہل علم مرجی المذہب تھے اور بقول جوزجانی عالی مرجی تھے۔¹

امام ابن حبان فرماتے ہیں:

”لم یصل علیہ الثوری لأنه کان یری الإرجاء، وکان ممن غلب علیہ التقشف حتی کان لا یدری ما یحدث بہ، روی عن نافع أشیاء ولا یشک من الحدیث صناعته إذا سمعها إنها موضوعة، کان یحدث بها توہما لا تعمداء، ومن حدث علی الحسبان، وروی علی التوہم حتی کثر ذلك منه سقط الاحتجاج بہ، وإن کان فاضلاً فی نفسہ، وکیف یکون التقی فی نفسہ من کان شدید الصلابۃ فی الإرجاء، کثیر البغض لمن انتحل السنن، ثنا عبد الملك بن محمد أبو نعیم ثنا عمر بن شبہ أبو زید ثنا أبو عاصم قال: جاء عكرمة بن عمار إلى عبد العزيز بن أبي رواد فدق عليه الباب، وقال: أين الضال؟ قال خويل: قلت لعبد العزيز: الإيمان قول وعمل يزيد وينقص، قال: الإيمان واحد، ولكن يتفاضل أصحاب الجنة، قلت أصحابنا يقولون: الإيمان يزيد وينقص، قال: ومن أصحابك؟ قال: أيوب ويونس، ابن عون، فقال: لا أكثر الله في المسلمين ضربهم.“²

”عبدالعزیز کے مرجی ہونے کی وجہ سے امام سفیان ثوری نے موصوف کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، اس شخص پر تقشف کا غلبہ اس قدر ہو گیا تھا کہ یہی نہیں جان پاتا تھا کہ وہ کس قسم کی باتیں بیان کرتا ہے؟ امام نافع سے کتنی باتیں اس نے اس طرح نقل کیں کہ ماہر فن ان کے موضوع ہونے میں شک نہیں کرے گا، مگر یہ بات موصوف سے عدا نہیں بلکہ توہمًا سرزد ہوتی تھی، اور غلبہ توہم و نسیان کی بنا پر جس سے اس طرح کی چیز بکثرت صادر ہو وہ ساقط الاعتبار ہوتا ہے اگرچہ فی نفسہ صاحب فضیلت ہو لیکن وہ شخص فی نفسہ متقی کیسے قرار دیا جاسکتا ہے جو کٹر قسم کا متشدد مرجی اور اہلسنت سے بغض رکھنے والا ہو، ابو عاصم نے کہا کہ عکرمہ بن عمار نے اس کا دروازہ کھٹکھا کر کہا یہ گمراہ یعنی متشدد مرجی کہاں ہے؟ خویل نے عبدالعزیز سے کہا کہ ایمان قول و عمل ہے اور گھٹتا بڑھتا ہے، اس شخص

¹ تہذیب التہذیب (۶/۳۳۸، ۳۳۹)

² کتاب المجروحین لابن حبان (۲/۱۳۱) ومیزان الاعتدال (۲/۱۲۳ وغیرہ)

نے کہا کہ نہیں، میں نے کہا کہ ہمارے اصحاب ایوب سختیانی و یونس و ابن عون تو یہی کہتے ہیں کہ ایمان قول و عمل ہے اور گھٹتا بڑھتا ہے، اس شخص نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں میں ایسے لوگ پیدا نہ کرے۔“
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عبدالعزیز بنی نفعہ اگرچہ صدوق اور تقویٰ شعاری میں شہرت رکھتے تھے مگر غلبہ نقشب کے سبب اس قدر کثیر الاوہام والغلط ہو گئے تھے کہ امام ابن حبان کے نزدیک ساقط الاعتبار تھے۔ علاوہ ازیں موصوف بہت ہی عالی مرتبی تھے کہ امام ایوب سختیانی و یونس و ابن عون جیسے ائمہ سنت سے بھی نفرت رکھتے تھے۔

دریں صورت یہ مستبعد نہیں کہ انھوں نے اپنا ہم مسلک ہونے کی بنا پر امام صاحب اور خود کو زمرہ اصحاب الرائے سے خارج ثابت کرنے کے لیے یہ بات کہی ہو، ان سے مدح امام صاحب میں متعدد روایات کتب مناقب ابی حنیفہ میں منقول ہیں مگر عموماً ان کی طرف ان روایات کی نسبت صحیح نہیں۔ زیر بحث روایت کی نسبت بھی موصوف کی طرف موفق کی ذکر کردہ سند کے مطابق صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کے اور حارثی کذاب کے مابین مذکورہ سند کے بعض رواۃ معروف و متعین نہیں ہیں اور حارثی بذات خود بھی کذاب ہے۔

یاسین زیات کا تعارف:

یاسین بن معاذ زیات متروک اور موضوعات ہے۔^① یاسین پر اس جرح شدید کے باوجود موفق نے کہا: ”کان من فقهاء أصحاب الحدیث“^② یعنی موصوف اہل حدیث فقہاء میں سے تھا۔ حالانکہ جواہر المصنیف فی طبقات الحنفیہ (۲/۲۱۰) میں ہے کہ ”عن ابن معین کان یفتی برأي أبي حنیفة“ یعنی بقول ابن معین یہ شخص حنفی المذہب تھا۔ امام ابو داؤد نے فرمایا: کان یدھب إلى الإرجاء۔^③ یعنی یہ شخص مرجی المذہب تھا مگر موفق نے بات الٹ دی اور اس پر وارد شدہ جرح کے ذکر سے اعراض کیا۔ مصنف انوار کے ہم مزاج لوگوں کا حال ہی یہی ہے، یاسین سے مروی مناقب ابی حنیفہ کی متعدد داستانیں اپنے اسلاف کی پیروی میں مصنف انوار بھی صحیح قرار دے کر حجت بنائے ہوئے ہیں۔^④

یاسین سے روایت مذکورہ کا ناقل حماد بن قیراط نیساپوری کو ظاہر کیا گیا ہے۔ ابن حبان نے اس کی بابت کہا: ”لا تجوز الروایة عنه یجیء بالطامات“ اور ابن عدی نے کہا: ”عامۃ ما یرویه فیہ نظر“ اس جرح شدید کے بالمقابل ابو زرہ نے موصوف کو صدوق کہا۔ اور صدوق ہونا ساقط الاعتبار ہونے کے منافی نہیں ہے۔ الحاصل روایت مذکورہ مکذوبہ ہے۔ مناقب موفق کے جس صفحہ پر یہ روایت مذکور ہے اسی پر اس کی تردید کرنے والی بعض روایات بھی منقول ہیں، مثلاً امام سفیان بن عیینہ کا قول ہے:

”میرا گز مسجد کی طرف ہوا جس میں امام صاحب اپنے اصحاب کے ساتھ شور و غل کر رہے تھے، میں نے امام صاحب سے کہا کہ مسجد میں شور و غل نہیں ہونا چاہیے، امام صاحب نے کہا ضرور ہونا چاہیے، اس کے بغیر علم فقہ حاصل ہی نہیں ہو سکتا۔“^⑤

① لسان المیزان (۶/۲۳۸، ۲۳۹) ومیزان الاعتدال (۲/۵۷۰، ۵۷۱)
② موفق (۲/۸۶)
③ لسان المیزان (۶/۲۳۹) ④ مقدمہ انوار (۱/۷۰ و ۷۸ و ۱۰۶)
⑤ لسان المیزان (۲/۳۵۲)
⑥ موفق (۲/۸۶) و جامع بیان العلم.

معلوم ہوا کہ امام صاحب حصول فقہ کے لیے مسجد میں شور وغل کو ضروری سمجھتے تھے، حالانکہ احادیث نبویہ میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ امام ابن عیینہ نے بھی امام صاحب کو اشارۃً انھیں احادیث کی طرف توجہ لانی تھی مگر امام صاحب نے یہ کہہ کر ان احادیث کو نظر انداز کر دیا کہ مسجد میں شور وغل کے بغیر فقہ آ ہی نہیں سکتی۔ امام صاحب کا یہ طرز عمل نصوص کے مقابلہ میں استعمال قیاس نہیں ہے تو کیا ہے؟ جو فقہ احادیث نبویہ کے خلاف عمل کیے بغیر حاصل ہی نہ ہو سکے وہ کون سی فقہ ہے؟ واضح رہے کہ امام سفیان بن عیینہ والی مذکورہ بالا روایت جامع بیان العلم میں بسند صحیح مروی ہے۔

حدیث کے خلاف مرغ کو امام صاحب کی گالی:

مناقب موفق کے جس صفحہ پر یہ روایات مندرج ہیں اسی پر درج ذیل روایت بھی منقول ہے:

”عن بلال بن أبي بلال الفزاري قال: كان أبو حنيفة يسهر مع جماعة من أصحابه عند حماد في الفقه، وكان لحماد ديك يصيح من أول الليل، فكانت العلامة بين حماد وبين أصحابه أن يصيح الديك، فكان إذا صاح حماد فيقول أبو حنيفة: مالك من ديك قبحك الله قطعت حديثنا إن شرا الديكة ما صاح أول الليل.“¹

”حماد کے پاس فقہ پڑھنے کے لیے امام صاحب اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ہمراہ رات جاگا کرتے تھے، حماد کے پاس ایک مرغ تھا جو اول شب ہی میں بانگ دینے لگتا تھا اور مرغ کی بانگ ہی حماد اور ان کے تلامذہ کے مابین جدائی کی علامت ہوتی تھی، چنانچہ مرغ کے بولتے ہی حماد درس ختم کر کے اٹھ کھڑے ہوتے تھے، امام صاحب مرغ کو گالی دیتے ہوئے کہتے کہ اللہ تمہارا برے کرے تم نے ہمارا سلسلہ گفتگو منقطع کر دیا، سب سے زیادہ بدترین مرغ وہ ہے جو اول شب میں بانگ دے۔“

باسانید صحیح حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نبوی مروی ہے:

”لا تسبوا الديك فإنه يوقظ للصلاة.“² ”مرغ کو گالی مت دو کیونکہ وہ نماز کے لیے بیدار کرتا ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث نبوی مروی ہے:

”إذا سمعتم صياح الديكة فسلوا الله من فضله فإنها رأت ملگا.“³

”تم مرغ کی بانگ سنو تو اللہ سے دعائے خیر کرو کیونکہ وہ فرشتہ رحمت کو دیکھ کر بانگ دیتا ہے۔“

ظاہر ہے کہ امام صاحب کی طرف اوپر جو بات کذابین نے منسوب کی ہے اس سے لازم آتا ہے کہ امام صاحب کا عمل فرمان نبوی کے خلاف تھا، اگر یہ کہیے کہ امام صاحب ان احادیث نبویہ سے ناواقف تھے تو یہ بات مصنف انوار کے دعاوی کے خلاف ہے۔ اگر امام صاحب ان احادیث سے واقف تھے تو یہ بتلایا جائے کہ کس وجہ سے انھوں نے ان کے خلاف عمل کیا؟ دراصل یہ روایت بھی خانہ ساز ہے، اس کا واضح یا تو حارثی کذاب ہے یا اس کے اوپر کا کوئی راوی، اس روایت کے لیے حارثی کی فٹ کردہ سند کا بنیادی و مرکزی راوی بلال بن ابی بلال فزاری دراصل بلال بن مرداس ابی موسیٰ فزاری موصیٰ

① موفق (۲/ ۸۶) ② أبو داود ونسائي وغيره. ③ صحيح بخاری ومسلم و أبو داود وترمذي وغيره.

ہیں، ان کو ابن قطان نے مجہول اور زدی نے ”لا یصح حدیثہ“ کہا مگر بعض نے اثقات میں ذکر کیا، بقول راجح ابن حجر کے نزدیک موصوف مقبول ہیں یعنی کہ متابع کی صورت میں ان کی روایت معتبر ہے ورنہ نہیں۔^①

لیکن ان سے روایت مذکورہ کا ناقل حکم بن ظہیر فزاری (متوفی ۱۸۰ھ) وضاع اور کذاب و متروک ہے۔^② اس متروک و کذاب شخص اور حارثی کذاب کے مابین کے رواۃ غیر معروف ہیں۔ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ مناقب ابی حنیفہ کی داستان مرتب کرنے والوں نے عجیب عجیب گل کھلائے ہیں۔ ایک طرف ان لوگوں نے یہ کہا کہ امام صاحب حضرت ابو بکر کو تمام صحابہ میں افضل و افضل اور ع ماننے تھے۔^③ دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ امام صاحب حضرت ابو بکر صدیق کے بجائے حضرت عباس بن عبدالمطلب کو خیر الناس کہا کرتے تھے۔^④

امام صاحب کی مدح ابراہیم طالبی:

خاندان نبوت کے حجازی امام ابراہیم بن عبداللہ بن حسن طالبی سے حسن عقیدت رکھنے اور حکومت کے خلاف ان کی تحریک بغاوت میں سرگرم حصہ لینے کے سبب امام صاحب کو خلیفہ منصور نے ہلاک کیا تھا، مصنف انوار کے ہم مزاج لوگوں کی تصنیف کردہ کتابوں میں مذکور ہے:

”ایک عورت نے آکر امام صاحب سے کہا کہ میرا بیٹا ابراہیم طالبی کی تحریک میں شریک ہو کر جنگ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اور میں اسے روکتی ہوں وہ مانتا نہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ اسے اس کا خیر سے مت روکو۔“^⑤ ایک آدمی سے امام صاحب نے کہا کہ امام ابراہیم طالبی کے ساتھ شریک جہاد ہونا پچاسوں حج کرنے سے افضل ہے۔“^⑥

حکومت وقت کے خلاف خروج کرنے والے امام محمد بن عبداللہ بن حسن المعروف بذوالنفس ذکیہ کے مقتول ہو جانے پر بھی امام صاحب انھیں یاد کر کے روتے تھے۔^⑦ اور جب امام صاحب اسلاف مصنف انوار کے دعویٰ کے مطابق امام ابراہیم طالبی کے ساتھ خروج کو پچاسوں حج سے افضل سمجھتے تھے تو لازمی طور پر امام ذوالنفس ذکیہ کی تحریک سے بھی یہی عقیدت رکھتے ہوں گے کیونکہ دونوں حضرات کی تحریک ایک ہی چیز تھی، چنانچہ بالصرحت مروی ہے کہ امام ابواسحاق ابراہیم بن محمد فزاری سے امام صاحب نے فرمایا کہ کفار کے خلاف جہاد کے مقابلہ میں امام ابراہیم طالبی کے ساتھ خروج کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ابواسحاق فزاری کا ایک بھائی ابراہیم طالبی کے ساتھ مقتول ہو گیا تھا اور ابواسحاق کفار کے خلاف غزوہ میں مصروف تھے، ابواسحاق وہاں سے واپس آکر امام صاحب سے ملے اور سلسلے میں ان سے بات چیت کی تو امام صاحب نے فرمایا:

”لو أنك قتلت مع أخیک کان خیرا لك من المكان الذی جئت منه، قلت: فما منعک أنت من

ذک؟ قال لولا ودائع کانت عندی وأشیاء للناس ما استأنت فی ذک۔“^⑧

① تقریب التہذیب و تہذیب التہذیب و میزان الاعتدال.

② تہذیب التہذیب (۲/ ۴۲۸) و میزان الاعتدال (۱/ ۲۳۶)

③ موفق (۱/ ۹۲) و عام کتب مناقب.

④ موفق (ص: ۱۰۶) و کردری (۱/ ۱۵۹)

⑤ موفق (۲/ ۸۲) و عام کتب مناقب.

⑥ موفق (۲/ ۸۳)

⑦ موفق (۲/ ۸۴)

⑧ خطیب (۱۳/ ۳۸۵)

”امام صاحب نے فرمایا کہ اگر تم بھی اپنے بھائی کے ساتھ ابراہیم طالبی کے ساتھ خروج میں قتل ہو جاتے تو کفار کے خلاف جو جہاد کرنے گئے تھے اس سے بہتر ہوتا! فزاری نے امام صاحب سے کہا کہ جب یہ بات ہے تو آپ خود اس کارنبر میں کیوں شریک ہو کر شہید نہیں ہوئے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ میرے پاس لوگوں کی امانتیں تھیں اور کچھ اور بھی مجبوریاں تھیں ورنہ میں میں ضرور شریک ہوا ہوتا۔“

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ امام صاحب اپنے کوئی استاذ حماد کی زیر بحث بات کے باوجود بھی حجازی اماموں سے اس قدر عقیدت رکھتے تھے۔ مذکورہ بالا روایت کی سند صحیح ہے۔

اہل کوفہ حجازی اماموں کی نظر میں:

اس روایت کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے کہ امام عطاء بن ابی رباح کے پوچھنے پر امام صاحب نے کہا کہ میں کوفہ کا رہنے والا ہوں، امام عطاء نے یہ سن کر فرمایا کہ آپ اسی شہر کوفہ کے ہیں جنہوں نے دین میں انتشار و تفرقہ پیدا کر کے باہم بہت سے فرقے بنا لیے ہیں امام صاحب نے عرض کیا کہ ہاں۔¹

یہ عجیب ماجرا ہے کہ ایک طرف اہل کوفہ خاندان نبوت کے حجازی اماموں کے سامنے غیر معمولی عقیدت و محبت کا اظہار کرتے اور حکومتوں کے خلاف انہیں خروج و بغاوت پر کتاب و سنت اور اللہ و رسول کا واسطہ دے کر ابھارتے اور بہر طور ان کی مدد و معاونت کا بظاہر بہت پختہ وعدہ و عہد کرتے مگر عین وقت پر نہ صرف یہ کہ کسی نہ کسی بہانے سے ان کا ساتھ چھوڑ کر مدد سے دست کشی اختیار کرتے تھے بلکہ اندر ہی اندر حکومت وقت سے مراسم و تعلقات بھی رکھتے تھے حتیٰ کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ ائمہ اہل بیت کے خلاف حکومت وقت کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔

اہل کوفہ کو اس منافقانہ حرکت پر موقع بہ موقع اپنے کیے کی سزا بھی ملتی رہتی تھی۔ ہم اشارہ کر آئے ہیں کہ تعمیر کوفہ کے بعد ہی دار الخلافہ مدینہ منورہ کی جانب سے کوفہ پر مقرر کیے گئے، جلیل القدر حکام کے خلاف بھی اہل کوفہ ریشہ دوانیاں کرتے رہے تھے۔ خلافت عثمانی کے خلاف بغاوت کے اصل علم بردار اہل کوفہ ہی تھے۔ حضرت علیؑ کے ساتھ غدروخیانت اور خروج و رفض کا رویہ اختیار کرنے والے اور ان کے قتل کی سازش مرتب کرنے والے اہل کوفہ ہی تھے۔ حضرت حسنؑ اور حسینؑ و علیؑ کو اپنی منافقانہ حرکت سے پریشان کرنے والے ہی تھے حتیٰ کہ انہیں کی بدولت خاندان رسالت پر میدان کربلا میں بھاری آفت آئی۔ حضرت زید بن علیؑ کے ساتھ امام ابوحنیفہ کے پیش آمدہ اس واقعہ کا ذکر اوپر آچکا ہے کہ مصنف انوار کی ممدوح کتابوں کے مطابق امام صاحب نے کہا تھا کہ مجھے معلوم ہے کہ جو لوگ بظاہر اس وقت حکومت کے خلاف بغاوت کے معاملہ میں آپ کے ساتھ ہیں وہ بالکل اسی طرح آپ کے ساتھ بھی کریں گے جس طرح آپ کے باپ کے ساتھ میدان کربلا اور دوسرے مواقع پر کر چکے ہیں۔ آخر امام صاحب بھی معقول اسباب کے تحت امام زید کا ساتھ نہیں دے سکے، حالانکہ وہ خروج زید کو غزوہ بدر میں شرکت کے مترادف قرار دیتے تھے اور وہ اور ان کے استاد حماد اس خروج کی بہر طور ہمت افزائی کرتے تھے۔ ابراہیم طالبی کے ساتھ خروج کو امام صاحب نے کفار کے خلاف جہاد سے زیادہ افضل قرار دیا تھا، ہم اس

① خطیب (۱۳/۳۲۱) وحلیۃ الأولیاء (۳/۳۱۴)

موضوع پر تفصیل میں نہیں پڑنا چاہتے۔ اس جگہ صرف ایک روایت اور نقل کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں جو مصنف انوار کی تصنیف ابی حنیفہ قرار دی ہوئی مسانید ابی حنیفہ میں بھی موجود ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام باقر جملہ اہل عراق کو بشمول امام صاحب ناقابل وثوق و نالائق اعتماد سمجھتے تھے۔ امام صاحب ہی کی طرف یہ بیان منسوب ہے:

”میں امام ابو جعفر محمد بن علی باقر سے مدینہ میں ملنے گیا تو انھوں نے کہا کہ اے عراقی آدمی! تم میرے پاس ابو بیٹھو، ان کے منع کرنے کے باوجود میں نے ان کے پاس بیٹھ کر کہا کہ آپ حضرت ابوبکر و عمر کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ ہمارے ملک عراق میں لوگ کہتے ہیں کہ آپ ان سے اظہار بیزاری کرتے ہیں۔ امام باقر نے فرمایا عراقی لوگ جھوٹ بولتے ہیں، امام صاحب نے عرض کیا کہ عراقیوں کو لکھ کر اصل حقیقت سے مطلع کر دیجیے، امام باقر نے فرمایا کہ میرے لکھنے سے عراقی لوگ میری بات نہیں مانیں گے، تم اپنا ہی معاملہ دیکھ لو کہ میں نے تم سے واضح طور پر کہا کہ میرے پاس مت بیٹھو مگر تم ہماری بات نہیں مانے اور بیٹھ ہی گئے، حالانکہ تم مجھ سے زیادہ تعلق رکھتے ہو پھر بھلا دوسرے عراقی میری بات کیونکر مان لیں گے؟“¹

مصنف انوار نے اس روایت کو دلیل بنا کر نہ جانے کیوں یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی کہ بقول امام صاحب کوفہ میں ایسے لوگ بکثرت موجود تھے جو حضرت امام باقر کی صراحت کے خلاف یہ پروپیگنڈہ کرتے پھرتے تھے کہ وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے اظہار بیزاری کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ اہل کوفہ کو امام باقر نے جھوٹا قرار دیا ہے اور یہ کہ ائمہ اہل بیت سے اظہار عقیدت کے باوجود کوئی لوگ ان اماموں کی بات نہیں مانتے تھے۔ بنا بریں امام باقر انھیں ناقابل اعتماد قرار دیتے تھے۔ ہم اس جگہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتے کہ عام مورخین اور اہل علم نے اہل کوفہ کے بارے میں کیا کہا ہے؟ مصنف انوار نے ان حقائق سے آنکھیں بند کر کے اپنے عام ہم مزاج لوگوں کی طرح مدح کوفہ میں حماد کی زبان سے عالم دیوانگی میں نکلی ہوئی اس بات کو دلیل بنا لیا کہ کوفہ کے بچوں کے بچے بھی حجاز کے عظیم ترین اماموں سے زیادہ فقیہ ہیں۔ لطف کی بات یہ کہ حماد کی اس بات کے ناقل امام مغیرہ بن مقسم (متوفی ۱۳۶ھ) نے حماد کے اس قول کو نقل کر کے اس پر یہ تبصرہ کیا:

”فرأینا ذلک بغیا منه“² ”حماد کی یہ بات ہمارے نزدیک بے راہ روی اور شرارت ہے۔“

مصنف انوار کے مدوح حافظ ابن عبدالبر نے حماد کے اس بیان پر تبصرہ کیا:

”فهذا حماد، وهو فقیہ الکوفة بعد النخعی، القائم بفتواها، وهو معلم أبي حنیفة، وقعد مقعده بعده، يقول في عطاء وطاؤس ومجاهد، وهم عند الجميع أَرْضَى منه، وأعلم، وفوقه في كل حال ما نرى، ولم ينسب واحد منهم إلى الإرجاء، وقد نسب إليه حماد، وعیب به، وعنه أخذہ أبو حنیفة.“³

”امام نخعی کے جانشین بننے والے اور کوفہ کے منصب افتا کو سنبھالنے والے حماد جو استاذ ابی حنیفہ ہیں، امام عطاء و طاؤس و مجاہد جیسے لوگوں کے بارے میں ایسی بات کہہ بیٹھے جبکہ تمام ہی لوگوں کے نزدیک یہ حضرات

¹ موفق (۱۶۵/۲) و جامع المسانید (۱/۲۰۴، ۲۰۵) و عام کتب مناقب.

² تہذیب التہذیب (۳/۱۷) و میزان الاعتدال (۱/۲۴۷) و جامع بیان العلم. ³ جامع البیان (۲/۱۵۳، ۱۵۴)

حماد سے کہیں زیادہ پسندیدہ و صاحب علم و فضل اور ہر چیز میں فائق ہیں، ان حضرات میں سے کوئی مرجی نہیں ہے مگر حماد مرجی بھی ہیں اور انھیں سے امام ابوحنیفہ نے مذہب ارجا سیکھا اور اس مذہب کے پیرو ہوئے، حالانکہ یہ معیوب چیز ہے۔“

مصنف انوار نے نہ جانے کیوں حماد کی اس بات پر مذکورہ بالا دونوں حضرات کے تبصرے نہیں نقل کیے، البتہ ان تبصروں کی جگہ پر حماد کے بیان کی تصویب و تائید اور حمایت کرتے ہوئے مصنف انوار نے بعض دوسری خود ساختہ باتیں لکھ ماریں، جیسا کہ ناظرین کرام ان کے ذکر کردہ اقتباس میں ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

حماد کے بیان مذکور پر مندرجہ بالا تبصرہ کرنے والے مغیرہ نے بھی یہ بیان کیا ہے کہ حماد کو آسیب لگا کرتا تھا، ہمارے خیال میں حماد نے مذکورہ بالا قول اختلاط اور مرگی و آسیب زدگی کے اثر کے تحت کہا تھا، اس لیے وہ معذور ہیں لیکن حماد کے اس قول کو مدح کوفہ کی دلیل بنانے والے (جس سے اتنے عظیم المرتبت اماموں کا کوفہ کے بچوں کے بچوں سے بھی فقہ میں کمتر ہونا ثابت ہوتا ہے) یقیناً بے راہ و اور غلط کار ہیں، خصوصاً جبکہ طاؤس حماد کے استاذ بھی ہیں^① اور یہ سبھی حضرات بدعویٰ مصنف انوار امام صاحب کے استاذ ہیں، نیز قتادہ بصرہ کے اور طاؤس یمن کے محدثین ہیں، انھیں محدثین مکہ قرار دینے میں مصنف انوار نے اپنی معروف و معتاد تحقیق پسندی سے کام لیا ہے۔

مصنف انوار کی مدوح کتابوں میں حماد کی مدح سرائی:

حماد کی مدح میں مصنف انوار کی ذکر کردہ باتوں سے بھی زیادہ کتب مناقب ابی حنیفہ میں حماد کی مدح سرائی عجیب و غریب انداز میں کی گئی ہے۔ اوپر اس مکذوبہ روایت کا ذکر آچکا ہے کہ امام صاحب نے علی الاطلاق حماد کو سب سے اُفقہ قرار دیا ہے، جیسا کہ ہم نے عرض کیا یہ روایت مکذوبہ ہے اور امام صاحب ہی سے مروی دوسری روایات کے معارض بھی مگر بایں ہمہ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ حماد محض ایک فن فقہ میں امام صاحب کی نگاہ میں سب سے فائق تھے لیکن موفق معتزلی کے بیان کے مطابق امام صاحب نے اپنے حجازی استاذ امام عطاء بن ابی رباح کے بارے میں فرمایا:

”وقد سئل أبوحنيفة عن أفضقه من رأي فقال: ما رأي أفضقه من حماد، وما رأي أجمع لجميع العلوم من عطاء بن أبي رباح، أكثر عنه أبوحنيفة الرواية.“^②

یعنی پوچھنے پر امام صاحب نے بتلایا کہ فقہ میں حماد سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں دیکھا مگر تمام علوم میں عطا سے زیادہ جامع کسی کو نہیں دیکھا۔

امام صادق سے امام صاحب بقول خویش بہت زیادہ مرعوب تھے اور اس بات کے معترف کہ خالص فقہی مسائل میں بھی انھوں نے مجھے لا جواب و سکت کر دیا مگر مصنف انوار کے معتمد علیہ موفق اور ان جیسے لوگ ناقل ہیں:

”كان حماد يقول: ربما تركت رأيي برأي أبي حنيفة فأقول بقوله.“^③

① کتاب الآثار لمحمد باب الحج (ص: ۵۰) وجامع المسانيد (۱/۱۷۷)

② موفق (۱/۸۸)

③ موفق (۱/۱۱۴)

”حماد کہا کرتے تھے کہ میں بسا اوقات امام ابوحنیفہ کے بتلائے ہوئے قیاسی مسائل کے مقابلہ میں اپنے قیاسی مذہب کو ترک کر کے مذہب ابی حنیفہ کی پیروی کرتا ہوں۔“

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ مصنف انوار نے کہا ہے کہ امام صاحب حماد، ابراہیم نخعی، علقمہ، اسود، ابن سیرین، قتادہ، حسن بصری، شریح اور تمام لوگوں سے زیادہ فقیہ ہیں۔^① نیز یہ کہ حماد امام صاحب سے چالیس ہزار روپے لے کر مرجی مذہب کے سرپرست اور صدر بنے تھے۔ (کما تقدم)

یہ عجیب ماجرا ہے کہ ایک طرف مصنف انوار اور کوثری کی مستدل روایت میں یہ صراحت ہے کہ حماد امام صاحب کی مالی معاونت کے اتنے ضرورت مند تھے کہ وہ امام نخعی کی وفات کے بعد امام صاحب اور ان کے بعض رفقاء سے چالیس ہزار روپے کے بدلے مذہب نخعی چھوڑ کر مرجی مذہب اور اہل الارجاء کا صدر و سرپرست بننے پر راضی ہو گئے مگر دوسری طرف ابو یوسف سے مروی ہے کہ امام صاحب نے فرمایا کہ دس سال تک حماد نے میری اور میرے اہل و عیال کی مالی سرپرستی کی۔^②

جب مصنف انوار کی ممدوح کتابوں میں مندرجہ اس روایت کے مطابق امام صاحب اور ان کے اہل و عیال تک حماد کی کفالت میں دس سال زندگی گزارتے رہے تو بھلا موصوف نے امام صاحب اور ان کے رفقاء سے چالیس ہزار درہم کے بدلے مرجی مذہب اور مرجیہ کا سرپرست بننا کیسے گوارا کر لیا؟ وہ امام صاحب کے اس مالی تعاون کے بغیر یہ سرپرستی نہیں کر سکتے تھے؟ جبکہ حماد کا فیاضی و سخی اور مالدار ہونا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔^③ مگر یہ بات دلچسپ ہے کہ ایک طرف مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج لوگ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ امام صاحب ہمیشہ اتنے مال دار رہے کہ دوسروں کی مالی پرستی کرتے رہے حتیٰ کہ حماد کو بھی مالی مدد دیتے تھے اور دوسری طرف موصوف کی ممدوح کتابوں میں یہ ہے کہ امام صاحب اپنے اہل و عیال کے ساتھ حماد کے زیر کفالت رہے۔

ناظرین کرام نے دیکھا کہ مصنف انوار کی مستدل روایت کے مطابق امام صاحب اور ان کے رفقاء سے چالیس ہزار درہم لے کر مرجی مذہب اور اہل الارجاء کا صدر و سرپرست بن جانے والے حماد کے بارے میں اسی طرح کی سند سے مروی روایت کے مطابق یہ کہا گیا ہے کہ وہ بقول خویش بسا اوقات امام صاحب کے مقابلہ میں اپنے فتاویٰ و نظریات کو ترک کر کے امام صاحب کے تابع بن جایا کرتے تھے، اور ناظرین کرام دیکھ آئے ہیں کہ اسی طرح کی اسانید سے یہ مروی ہے کہ حماد کو اپنی قوت استدلال سے اپنا مطیع و تابع بنا لینے والے امام صاحب حجاز کے اماموں کے سامنے لب کشائی بھی نہیں کر سکتے تھے، پھر بھی مصنف انوار کا یہی دعویٰ ہے کہ ائمہ حجاز کے بالمقابل کوفہ کے بچوں کے بچے بھی زیادہ فقیہ تھے۔ مصنف انوار کی دیانتداری، امانت شعاری، اعتدال پسندی اور تحقیقی و دینی خدمت کی حد ہی ہو گئی!!

متعدد روایات میں ہے کہ حجاز کیا کوفہ کی بعض عورتوں، دیہاتیوں اور دوسرے لوگوں کے معمولی قسم کے فقہی سوال کے جواب سے امام صاحب عاجز رہے، حالانکہ وہ اس زمانے میں اپنے حریفوں کو لاجواب کر دیا کرتے تھے۔ (کما سیأتی)

① مقدمہ انوار (۱/ ۷۲) ② موفق (۱/ ۲۵۹) و کردری (۱/ ۲۵۴، ۲۵۵) و عام کتب مناقب.

③ تاریخ أصبھان للحافظ أبي نعیم (۱/ ۲۸۹، ۲۹۰) و تہذیب التہذیب.

مصنف انوار کی تصنیف ابی حنیفہ قراردی ہوئی جامع مسانید ابی حنیفہ میں ہے:

”أبو حنیفة استقبل بهلول بن عمرو الصیرفی المعروف بالمجنون، وهو يأكل فی السوق، فقال أبو حنیفة: تجالس مثل محمد بن جعفر الصادق وتأكل وأنت تمشي؟ فقال بهلول: حدثنا مالك بن أنس...“¹

”امام صاحب کی ملاقات بہلول صیرفی سے اس حال میں ہو گئی کہ وہ بازار میں کھا رہے تھے اور چلتے بھی تھے، امام صاحب نے ان سے کہا کہ آپ امام محمد بن جعفر صادق کی مصاحبت رکھتے ہیں پھر بھی چلتے ہوئے کھاتے ہیں؟ بہلول نے فوراً ایک حدیث امام مالک کی سند سے مرفوعاً پڑھ سنائی تو امام صاحب لاجواب ہو گئے۔“

روایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ مجازی امام جعفر صادق اور مالک بن انس کے فیض یافتہ آدمی نے امام صاحب کے اعتراض کا مدلل جواب دے کر امام صاحب کو ساکت و لاجواب کر دیا، جب امام صاحب مجازی امام مالک اور امام صادق کے فیض یافتہ آدمی کے سامنے لاجواب ہو گئے تو بھلا یہ باتیں کیونکر صحیح ہو سکتی ہیں کہ امام صاحب نے امام صادق کے والد محترم اور دوسرے مجازی اماموں کو اپنی باتوں سے خاموش و لاجواب کر دیا، جب امام عطاء بن ابی رباح کے فیض یافتہ حجام کے سامنے امام صاحب کچھ بول نہیں سکے بلکہ اس کی متابعت کی تو مصنف کے ہم مزاج اسلاف نے بہت ساری مکذوبہ روایات کو گھڑ کر جو یہ ظاہر کیا ہے کہ امام صاحب کے سامنے امام صاحب کے جلیل القدر اساتذہ عاجز و ساکت ہو جایا کرتے تھے کیا معنی رکھتا ہے؟

امام صاحب کے جلیل القدر اساتذہ کی شان میں مصنف انوار کے اسلاف کی گستاخیاں:

مصنف انوار کے ہم مزاج اسلاف داستاں سرائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ابراہیم صالح نے کہا کہ میں امام عطاء بن ابی رباح کے پاس تھا، وہاں امام صاحب بھی تھے، امام عطاء سے آیت قرآنی ﴿وَ اتَيْنَاهُ اَهْلَهُ وَ مِثْلَهُمْ مَعَهُمْ﴾ کی تفسیر پوچھی گئی تو انھوں نے کہا کہ حضرت ایوب کو ان کے ہلاک شدہ اہل و عیال واپس کر دیے گئے اور ان کا دو گنا بھی انھیں دیا گیا، امام صاحب نے اس پر اعتراض کیا تو امام عطاء دفع اعتراض نہیں کر سکے بلکہ امام صاحب ہی سے استفسار کرنے لگے، امام صاحب نے بتلایا کہ اہل و عیال کے ساتھ ان کی اولاد کے ثواب بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب عليه السلام کو دیے۔ امام عطاء نے کہا یہ بہتر جواب ہے۔“²

روایت مذکورہ کی سند میں احمد بن عطیہ المعروف بابن المغلس کذاب ہے اور اسی کذاب نے یہ روایت گھڑی ہے۔ اس طرح کی بہت ساری مکذوبہ روایات امام صاحب کے مقابلہ میں امام صاحب کے اساتذہ کے عاجز ہونے کے سلسلے میں وضع کی گئی ہیں، ہم نے صرف مثال کے طور پر ایک کا ذکر کر دیا، تفصیل باعث تطویل ہوگی، اس لیے نظر انداز کرتے ہیں۔ البتہ اہل مدینہ کے ساتھ امام صاحب کے ایک افسانوی مناظرہ کی مکذوبہ اور دلچسپ کہانی بیان کی جا رہی ہے۔

1 جامع مسانید ابی حنیفہ (۲/ ۳۰۵، باب: ۳۸)

2 أخبار ابی حنیفہ للصیمري (ص: ۲۴) و عام کتب مناقب.

اہل مدینہ سے فاتحہ خلف الامام کی بابت امام صاحب کا فرضی مناظرہ:

موفق معتزلی نے یہ افسانہ بلا سند کی بیان کیا ہے اور دوسرے اصحاب مناقب نے بھی اس کو لکھ مارا ہے:

”مدینہ منورہ کے کچھ لوگ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں امام صاحب سے مناظرہ کرنے آئے اور امام صاحب پر طعن و تشنیع بھی۔ امام صاحب نے ان سے کہا کہ میں بیک وقت سب سے مناظرہ نہیں کر سکتا تم اپنے میں سے بڑے عالم کو منتخب کر لو اور اسی سے میں مناظرہ کروں، سب نے ایک طرف اشارہ کیا کہ یہی سب سے بڑے عالم ہیں، امام صاحب نے فرمایا کہ یہ بتلاؤ کہ اس شخص کا مناظرہ تمہارا مناظرہ اور اس کی شکست و فتح تمہاری شکست و فتح مانی جائے گی یا نہیں؟ سب نے کہا مانی جائے گی۔ امام صاحب نے فرمایا کہ تمہارے خلاف ہماری حجت ثابت ہوگی، لوگوں نے کہا وہ کیسے؟ امام صاحب نے فرمایا کہ اپنے مناظر کو منتخب کر کے تم نے اس کے مناظرہ اور ہار جیت کو اپنا مناظرہ اور ہار جیت قرار دیا اور ہم نماز میں اپنا امام بنا کر اس کی قراءت کو اپنی قراءت قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ ہماری قائم مقامی کرتا ہے۔ اہل مدینہ نے امام صاحب کی بات کو صحیح تسلیم کر کے اپنی شکست مان لی۔“¹

یہ مکذوبہ روایت موفق نے بلا ذکر سند اور بلا بیان ماخذ نقل کی ہے اور عقود الجمان میں یہ روایت بحوالہ مناقب ابی حنیفہ للزرنجری نقل کی گئی ہے، چنانچہ اس روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا کہ ”وفیہا“² اور ”فیہا“ میں ”ہا“ کی ضمیر کا مرجع صفحہ (۲۷۵) پر بتلایا ہوا ہے، اصل الفاظ یہ ہیں کہ ”وروي الإمام أبو بكر بن محمد الزرنجری في مناقبه“ اور زرنجری یعنی بکر بن محمد بن علی بن فضل بن الحسن المعروف بہ نئس الائمہ، ان کو ابو حنیفہ صغیر بھی کہا جاتا ہے، موصوف ۴۲۷ھ میں پیدا اور ۵۱۲ھ میں فوت ہوئے، انھوں نے روایت مذکورہ کی سند بیان نہیں کی، ظاہر ہے کہ بے سند روایت مردود ہے، البتہ طبقات الحنفیہ میں صراحت کی گئی ہے کہ موصوف زرنجری بدو واسطہ حارثی سند موونی کذاب کے شاگرد ہیں۔³ اور ظاہر ہے کہ اسی کذاب کے فرام کردہ مواد وچربہ سے زرنجری نے مناقب ابی حنیفہ تصنیف کی ہے۔ یہ حکایت بذات خود اپنے مکذوب ہونے پر شاہد ہے، نماز جیسی خالص عبادت کو مناظرہ پر قیاس کرنا اور اس سلسلے میں شرعی دلائل سے بحث و نظر نہ کرنا نہ تو اہل مدینہ گوارہ کر سکتے تھے اور نہ امام صاحب اس موضوع پر مفصل بحث آگے آگے کی۔

امام صاحب کے بالمقابل حماد کی عاجزی:

موفق معتزلی ناقل ہیں:

”عن محمد بن جابر يقول: كنا نجالس حمادا، ويكلمه أبو حنيفة، فإذا خالفه ضيق عليه الكلام، وربما قال حماد: كيف أصنع وهذا قول إبراهيم... وهو قول ابن مسعود؟“⁴

”محمد بن جابر یہی فرماتے ہیں کہ ہم حماد کے پاس بیٹھے تھے تو انھیں امام ابو حنیفہ اپنی باتوں سے تنگ کر دیتے

① موفق (۱/۱۷۸) و عقود الجمان (ص: ۲۸۳، بحوالہ مناقب ابی حنیفہ للزرنجری) ② عقود الجمان (ص: ۲۸۳)

③ فوائد البهية (ص: ۵۶) وجواهر المضية. ④ موفق (۱/۱۴) و عام کتب مناقب.

تھے، بسا اوقات حماد ابوحنیفہ کے سامنے عاجز و لاجواب ہو کر کہتے کہ میں آپ کی بات کیونکر مان لوں جبکہ امام ابراہیم اور ابن مسعود کی باتیں اس کے خلاف ہیں؟“

موفق کی نقل کردہ ان دونوں روایتوں سے مستخرج ہوتا ہے کہ حماد بسا اوقات امام صاحب کے دلائل و اعتراضات کی تاب نہ لا کر امام صاحب کے سامنے سپر انداز ہو جاتے تھے اور ان کی بات مان لیتے تھے مگر بسا اوقات امام صاحب کے سامنے لاجواب و عاجز ہونے کے باوجود ان کی بات نہیں مانتے تھے، اور یہ وجہ بیان کر دیتے تھے کہ امام صاحب کی بات امام نخعی اور ابن مسعود کے خلاف ہے لیکن معلوم نہیں کیوں حماد نے مرجی اور رائے و قیاس کا مذہب اختیار کر لیا جبکہ امام نخعی اور ابن مسعود اس کے سخت خلاف تھے۔ اس معاملہ میں نہ جانے کیوں موصوف امام صاحب ہی کے ہم مسلک تھے؟

واضح رہے کہ مذکورہ بات کو موفق نے محمد بن جابر یمامی کی طرف منسوب کر رکھا ہے جن سے بسند صحیح یہ مروی ہے کہ امام صاحب ان کے یہاں سے کتب حماد کو حاصل کر کے حماد سے پڑھے بغیر روایت کرتے تھے۔

موفق معتزلی نے یہ بھی نقل کیا:

”عن أبي حنيفة لزمتم حمادًا لزومًا ما أعلم أن أحدا لزم أحدًا مثل ما لزمته، وكنت أكثر السؤال، فربما تبرم مني، ويقول: يا أبا حنيفة قد انتفخ جنبي وضاق صدري.“¹

”امام صاحب نے کہا کہ حماد کے ساتھ جس التزام کے ساتھ میں رہا ہوں کوئی کسی کے ساتھ نہ رہا ہے، میں ان سے بکثرت اس قدر سوال کرتا کہ وہ بسا اوقات عاجز و پریشان ہو کر فرماتے کہ اے ابوحنیفہ میں تمہارے سوالات کی کثرت سے تنگ و پریشان ہو گیا ہوں۔“

موفق معتزلی اس بات کے بھی ناقل ہیں: ”حتى قال (حماد) لي يوما: أنزفتني يا أبا حنيفة“²

”امام صاحب نے فرمایا کہ مجھ سے ایک روز حماد نے کہا کہ تم نے میرا سارا علم حاصل کر کے مجھے علم سے خالی کر دیا۔“ ناظرین کرام دیکھ آئے ہیں کہ موفق ہی نے یہ نقل کر رکھا ہے کہ حماد کو اپنی باتوں سے لاجواب کر دینے والے اور انھیں اپنی باتوں کا پیرو بنا لینے والے امام صاحب نے انشراح صدر کے ساتھ اعتراف کیا کہ امام جعفر علم کے وہ بحر ناپیدا کنار ہیں کہ انھوں نے مجھے لاجواب کر دیا!

حماد سے امام صاحب نے فقہ اہل الرائے پڑھی یا حدیث؟

یہ بیان ہو چکا ہے کہ حماد کے مرجی و صاحب الرائے ہو جانے کے بعد ان کی درسگاہ میں فقہ اہل الرائے کی تعلیم ہوتی تھی اور حدیث کی تعلیم بند ہو گئی، بنا بریں ان سے عام اہل علم نے خفا ہو کر ترک تعلق کر لیا اور ان پر رد و قدح بھی کرنے لگے، ادھر حدیث سے عدم اعتناء اور فقہ اہل الرائے سے شدت اشتغال کے باعث حماد علم حدیث میں کمزور بھی ہوتے گئے، دریں اثنا وہ اختلاط یعنی خرابی دماغ اور دورہ مرگی و آسیب کے بھی شکار ہو گئے، اس کی وجہ سے اہل علم نے فیصلہ کر لیا کہ پرانے زمانہ میں حماد کی دی ہوئی تعلیم اور بیان کردہ حدیث معتبر ہے اور بعد کی معتبر نہیں، یہ بھی کہا جا چکا ہے کہ بتصریح اہل علم امام صاحب

¹ موفق (۵۸/۱) و عام کتب مناقب.

² موفق (۶۵/۱) و عام کتاب مناقب.

بھی حماد کے انھیں تلامذہ میں سے ہیں جنھوں نے حماد سے اختلاط کے بعد تعلیم حاصل کی جب کہ حماد قابل وثوق والائق اعتماد نہیں رہ گئے تھے اور اس زمانے میں موصوف صرف فقہ اہل الرائے کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

اس تفصیل کی روشنی میں ہر صحیح المزاج اعتدال پسند اور حق پرست صاحب نظر اصل معاملہ کی تہ تک بڑی آسانی کے ساتھ پہنچ سکتا ہے کہ اہل الرائے خصوصاً مصنف انوار کے اس دعویٰ کو صحیح فرض کر لینے کی صورت میں کہ امام صاحب نے طویل زمانہ تک درسگاہ حماد میں تعلیم حاصل کی۔ اس بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حماد کے اختلاط کے بعد ہی امام صاحب نے درسگاہ حماد میں پڑھا، اس حقیقت کو مصنف انوار کے استاذ کوثری وغیرہ نے محسوس کر کے یہ ثابت کرنے پر زور صرف کیا کہ امام صاحب وفات نخعی سے پہلے ہی درسگاہ حماد میں داخل ہو کر حماد سے پڑھنے لگے تھے اور وفات حماد تک ان سے پڑھتے ہی رہے۔ اپنے اس دعویٰ کے اثبات کے لیے ان لوگوں نے استعمال اکاذیب اور ردّ و مسخ حقائق سے اسی طرح کام لیا جس طرح کی بات مصنف انوار نے ایک گروہ کے بارے میں کہی ہے کہ سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید ثابت کر دکھانے کے لیے یہ گروہ کارثواب سمجھ کر جھوٹ کو مسلمانوں میں پھیلاتا تھا، مگر ان لوگوں کی بات صحیح فرض لینے کی صورت میں یہ حقیقت اپنی جگہ پر موجود ہے کہ چونکہ اس بات کی تمیز ناممکن ہے کہ حماد سے امام صاحب نے کتنے علوم قبل اختلاط حاصل کیے اور کتنے بعد اختلاط، اس لیے اہل علم کے اصول کے مطابق حماد سے حاصل کردہ امام صاحب کے علوم ساقط الاعتبار ہیں۔

جس طرح کی اسانید سے مروی بہت سی روایات کو مصنف انوار اور ان کے ہم مزاج اہل قلم خصوصاً اراکین تحریک کوثری نے صحیح و معتبر قرار دے کر دلیل و جہت بنا رکھا ہے اسی طرح کی اسانید سے مروی متعدد روایات سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ امام صاحب نے علم حدیث پڑھا ہی نہیں۔ ابو یوسف سے مروی ایک طویل روایت کا خلاصہ یہ ہے:

”امام صاحب نے فرمایا کہ میں نے تحصیل علم کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ فقہ کے علاوہ جتنے علوم ہیں سب کے حاصل کرنے میں بڑی زحمتیں ہیں اور انجام کے اعتبار سے بے فائدہ بھی، نیز تمام علوم میں عیوب بھی ہیں حتیٰ کہ نعوذ باللہ تفسیر و حدیث کا بھی یہی حال ہے، اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ فقہ کے علاوہ کسی بھی علم کو حاصل نہیں کروں گا حتیٰ کہ علم حدیث کی بابت فرمایا ”لا حاجة لي في هذا“ مجھے علم حدیث حاصل کرنے کی کوئی بھی ضرورت نہیں، لہذا میں نے صرف علم فقہ حاصل کیا۔¹

یہ روایت مناقب موفق مطبوعہ دارۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۲۱ھ (۱/۵۷) میں حارثی سے ایک لفظ کی تحریف کے ساتھ منقول ہے، عام کتابوں میں ہے کہ ”لما أردت تعلم العلم جعلت العلوم كلها نصب عيني فرأيت فناً فانا، مگر مناقب موفق میں ”فرأيت“ کی جگہ پر ”فقراء“ کا لفظ چھپ گیا ہے، یہ طباعتی غلطی ہے، اس کی تصحیح ہو جانی چاہیے ورنہ اس کا مطلب ہو جائے گا کہ امام صاحب نے جب پڑھنے کا ارادہ کیا اور اس کے لیے کسی ایک فن کا انتخاب کرنا چاہا تو انھوں نے تمام ہی علوم کو ایک ایک کر کے پڑھ ڈالا، پھر فقہ کو اپنا مشغلہ بنایا، حالانکہ اولاً روایت کا سیاق و سباق اس کے خلاف ہے۔ ثانیاً:

① خطیب (۱۳/۳۳۱، ۳۳۲) و عقود الحمان (ص: ۱۶۳، ۱۶۴)، بحوالہ خطیب و حارثی) وأخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ۶، ۵)، و مناقب أبي حنيفة لابن كاس النخعي و مناقب أبي حنيفة لابن مغلص وغيره.

دوسری کتابوں میں اس معنی کی منقول روایات سے اس کی تکذیب ہوتی ہے۔ ثالثاً یہی روایت دوسری کتب مناقب میں ”فرأیت“ کے لفظ ہی سے ہے، کچھ مستبعد نہیں کہ موفق کی عبارت میں یہ تحریف صرف مطبعی تصحیف نہ ہو بلکہ حسب عادت اس کے مصححین و ناشرین نے عمداً و قصداً کاروائی کر ڈالی ہو مگر اسی ادارہ دائرۃ المعارف حیدرآباد سے مناقب موفق کی طباعت کے کئی سال بعد ۱۳۹۴ھ میں عقود الجمان شائع ہوئی۔ جس پر کوثری و افغانی کی تعلیق بھی ہے، اس میں ”فرأیت“ ہی کا لفظ برقرار رکھا گیا ہے، یعنی کہ اس میں تحریف نہیں کی جاسکی۔

واضح رہے کہ موفق اور صاحب عقود الجمان دونوں نے یہ روایت حارثی سے نقل کی ہے۔ اخبار ابی حنیفہ للصری میں یہ روایت مناقب ابی حنیفہ لکمترم و ابن المغلس سے اس لفظ کے ساتھ منقول ہے:

”لما أردت طلب العلم جعلت أتخیر و أشاور“

یعنی جب میں نے تحصیل علم کا ارادہ کیا تو کسی ایک فن کو اختیار کرنے کے سلسلے میں غور کرتا رہا اور لوگوں سے مشورہ لیتا رہا، جس کے نتیجے میں معلوم ہوا کہ فقہ کے علاوہ جملہ علوم میں بشمول حدیث (نعوذ باللہ) عیوب اور خرابیاں ہیں، اس لیے میں نے کسی علم کو سوائے فقہ کے نہیں حاصل کیا۔

اخبار ابی حنیفہ للصری بھی ۱۳۹۴ھ میں حیدرآباد سے شائع ہوئی، اس میں مندرجہ یہ روایت اس بات کی تعیین کر دیتی ہے کہ نسخہ موفق میں یہ حرف محرف ہو گیا ہے، یہی روایت خطیب نے مناقب ابی حنیفہ کے مصنف علی بن محمد المعروف ابن کاس نخعی کی سند سے بایں الفاظ نقل کی ہے:

”لما أردت طلب العلم جعلت أتخیر العلوم، وأسأل عن عواقبها فقیل لي...“

”میں نے جب تحصیل علم کا ارادہ کیا تو قابل تعلیم فن کا انتخاب کرنے لگا اور ہر علم کا انجام معلوم کرنے لگا۔“

اس روایت سے بھی موفق کے نسخہ میں تحریف و تصحیف واقع ہونے کی نشان دہی ہوتی ہے، اس کے باوجود نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تحریک کوثری کے ایک رکن استاذ ابوزہرہ نے اسی محرف لفظ کو دلیل بنا کر اسی طرح کی سخن آرائی کی ہے جو اس تحریک سے وابستہ لوگوں کی عادت ہے۔^①

یہ قوم پہلے اصل میں تحریف و ترمیم کرتی ہے، پھر اسے اپنے مقاصد کے لیے دلیل و حجت بناتی ہے، استاذ ابوزہرہ نے روایت مذکورہ کو تاریخ بغداد، موفق، کردری بزازی اور خیرات الحسان سے نقل کرنے کا دعویٰ کیا ہے، حالانکہ موفق کے محرف لفظ کے علاوہ ان کتابوں میں سے کسی ایک میں بھی ”فقرأت“ کا لفظ نہیں ہے بلکہ ان کتابوں سے نسخہ موفق کے اس لفظ کے محرف ہونے کی نشاندہی ہوتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مختلف طرق و الفاظ میں مروی یہ روایت مجموعی اعتبار سے معنوی طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امام صاحب نے علم حدیث پڑھا ہی نہیں، نہ جانے کیوں مصنف انوار نے اس روایت کو دلیل و حجت نہیں بنایا جبکہ ان کے ہم مزاج اسلاف نے اسے حجت بنایا ہے۔ مصنف انوار کے اسلاف کی دلیل بنائی ہوئی ایک روایت کا حاصل ہے:

① حیاة أبی حنیفہ لأبی زہرہ مطبوعہ ۱۹۵۵ء (ص: ۲۰، ۲۱)

”علم کلام سے تنفر ہو کر امام صاحب درسگاہِ حماد میں پڑھنے آئے، اس وقت وہ فقہ کا معمولی مسئلہ بھی نہ جانتے تھے، حماد نے ان سے پوچھا کہ میرے پاس کیوں آئے؟ امام صاحب نے کہا: ”أطلب الفقه“ فقہ پڑھنے! حماد نے کہا: ”تعلم کل یوم ثلاث مسائل، ولا تزد علیها“ روزانہ صرف تین فقہی مسئلے تم مجھ سے پڑھ اس سے زیادہ نہیں، چنانچہ امام صاحب نے ایسا ہی کیا۔¹

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب حماد سے روزانہ فقہ کے صرف تین مسائل پڑھتے تھے، یعنی کہ حدیث نہیں پڑھتے تھے۔ ایک اور روایت کا خلاصہ یہ ہے:

”امام صاحب نے فرمایا کہ علم کلام سے جب مجھے بددلی ہوئی اس وقت میں فقہ سے آشنا نہیں تھا، حماد کے ہاں آیا تو ”فكنت أسمع مسائله فأحفظ قوله“ میں حماد کے بیان کردہ مسائل پڑھتا اور یاد کرتا تھا۔²

اس روایت میں صرف اس بات کا ذکر ہے کہ امام صاحب محض حماد کے بیان کردہ ”مسائل و اقوال“ پڑھتے تھے اور اس سے پہلے والی روایت میں ذکر ہے کہ امام صاحب بقول خویش درسگاہِ حماد میں فقہ پڑھنے گئے تھے اور حماد نے ان سے کہا تھا کہ روزانہ صرف تین فقہی مسائل مجھ سے پڑھو، یعنی کہ حماد سے امام صاحب کے حدیث پڑھنے کا ذکر ان روایات میں نہیں ہے، امام صاحب کے تقویٰ و توریع اور احتیاط پسندی کے سلسلہ میں موفق وغیرہ نے یہ روایت نقل کی ہے:

”منصور بن عبد الحمید ابو نصر باوردی نے کہا کہ میں نے امام صاحب سے ایک آیت کی تفسیر پوچھی تو امام صاحب مجھ پر خفا ہو کر فرمانے لگے کہ تم کو مجھ سے تفسیر پوچھنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ کیونکہ میں اس بات کو معیوب سمجھتا ہوں کہ مجھ سے کوئی شخص تفسیر کے بارے میں استفسار کرے، یہ کہہ کر امام صاحب نے مجھ پر خفگی و درشتی کا اظہار کیا، مناقب صیمری میں ہے کہ ”متنی رأیتنی جلست مفسراً؟ وکان هذا من حفظ لسانہ۔ و رعه کان یتکلم فی علم خصه اللہ بہ۔“ امام صاحب نے منصور سے کہا کہ تم نے مجھے کب تفسیر بیان کرتے دیکھا ہے کہ تفسیری مسئلہ مجھ سے پوچھنے پہنچ گئے؟ راوی نے کہا کہ یہ امام صاحب کی تقویٰ و احتیاط پسندی کی بنا پر تھا کہ صرف اسی فن سے متعلق بات کرتے تھے جس کے ساتھ اللہ نے انھیں ”تخصص“ بخشا تھا۔“

اس روایت میں صاف طور پر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ امام صاحب کی تمام تر توجہ صرف ایک خصوصی علم کی طرف تھی اور وہ خصوصی علم سوائے فقہ کے اور کون سا ہے؟ جب تفسیر کے ساتھ امام صاحب کا حال یہ تھا تو حدیث کے ساتھ کیا ہوگا؟ ان ساری روایات سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ فقہ کے علاوہ دوسرے علوم، مثلاً: حدیث و تفسیر وغیرہ سے امام صاحب کا اشتغال نہیں تھا اور یہ ساری روایات مصنف انوار اوران کے ہم مزاج لوگوں کی دلیل بنائی ہوئی ان مکذوبہ روایات کے معارض ہیں جن میں علم حدیث وغیرہ کے ساتھ امام صاحب کے اشتغال کا زور و شور سے ذکر ہے۔ آخر ان روایات کو مصنف انوار کیوں حجت نہیں بناتے جن سے بسند صحیح مروی امام ابن المبارک اوران کے اصحاب، نیز یمامی کے اس بیان کی پوری تائید ہوتی ہے کہ امام صاحب نے حماد سے حماد کی کتب حدیث نہیں پڑھی تھیں؟

① أخبار أبي حنيفة للصيمري (ص: ٦١) وموفق (١/٦٢) وعمام كنب مناقب.

② موفق (١/٥٥) وخطيب (١٣/٣٣٣) موفق (١/٢٠٣) ③ موفق (١/٢٠٣)

ناظرین کرام کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ جلیل القدر تابعی امام عامر شععی حماد اور اصحاب حماد کے طریق تعلیم فقہ اور ان کے مذہب سے بیزار تھے اور انھیں اصحاب الراہی، الآرائیوں، صفاقہ اور بنواستہا وغیرہ کہہ کر مطعون کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ مسائل رائے و قیاس کی تعلیم و تدریس کے لیے مسجد میں درسگاہ قائم کر کے اس قدر شور و شغب اور ہنگامہ آرائی کرتے رہتے ہیں کہ مجھے مسجد کی بجائے اپنے گھر کا کوڑا خانہ زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ امام شععی نے جس درسگاہ حماد کا یہ وصف بیان کیا ہے بدعویٰ مصنف انوار اسی میں امام صاحب دس یا اٹھارہ سال اور بدعویٰ کوثری پچیس سال سے بھی زیادہ مدت تک تعلیم و تربیت پا کر درجہ امامت پر فائز ہوئے، اور ۱۲۰ھ میں وفات حماد کے بعد درسگاہ حماد کے جانشین بنے۔

روایت حدیث سے متعلق امام صاحب کا ایک اصول:

مذکورہ بالا تفصیل میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ یہ ایک ناقابل انکار ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام صاحب یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کو حماد سے سنے بغیر روایت کرتے تھے، بنا بریں اصحاب ابن المبارک امام صاحب کو قابل ترک سمجھتے تھے، اصحاب ابن المبارک کی نظر میں امام صاحب کا یہ طرز عمل فی نفسہ موجب قرح تھا، اس کے ساتھ ایک معاملہ یہ بھی ہے کہ کسی روایت سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ یمامی کے یہاں سے امام صاحب کی حاصل کردہ کتب حماد کے ہاتھ کی لکھی تھیں یا کسی دوسرے کی لکھی تھیں؟ بصورت دیگر دوسرے کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ان کتب حماد کی تصدیق و توثیق حماد سے کرائی گئی تھی یا نہیں؟ پھر بتدریج امام احمد بن حنبل و ابو حاتم و ابن حبان و عیسیٰ بن اسحاق وغیرہم کتب یمامی میں الحاق و اضافہ کر دیا گیا تھا۔^①

ظاہر ہے کہ یمامی کے یہاں سے امام صاحب کی حاصل کردہ کتب حماد میں بھی اس طرح کے الحاق کا اندیشہ موجود ہے۔ دریں صورت ان کتابوں کی روایت اور بھی زیادہ موجب قرح ہے خصوصاً اس صورت میں کہ یمامی کو کوثری نے مطلقاً ساقط الاعتبار کہا ہے اور جس طریقہ پر امام صاحب یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کی روایت کرتے تھے وہ تمام ہی محدثین کے نزدیک موجب قرح ہے۔ اپنی عادت کے مطابق کوثری نے اس حقیقت ثابتہ (یعنی کہ امام صاحب کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کو حماد سے سنے بغیر روایت کرتے تھے) کی تکذیب کے لیے ایک بات یہ کہی ہے: ”الروایة عن الخط مخالفة لمذهب أبي حنيفة.“^② یعنی الروایة عن الخط مذہب ابی حنیفہ کے خلاف ہے۔

”الروایة عن الخط“ کا مطلب ہے ان احادیث کا روایت کرنا جن کو راوی نے استاذ سے سن کر اپنے پاس لکھ چھوڑا ہو مگر وہ احادیث اس راوی کے حافظہ میں محفوظ نہ ہوں بلکہ وہ صرف اپنی تحریر پر اعتماد کر کے ان کی روایت کر رہا ہو۔ بدعویٰ کوثری یہ صورت روایت امام صاحب کے نزدیک جائز نہیں، کوثری کے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ جب امام صاحب کے نزدیک یہ صورت روایت جائز نہیں ہے تو ان کے نزدیک یمامی کے یہاں سے پائی جانے والی ان کتب حماد کی روایت بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگی جن کو امام صاحب نے حماد سے سنا نہیں، نیز معلوم نہیں کہ حماد نے ان کتابوں کو خود اپنے ہاتھ سے لکھا تھا یا کسی اور نے، اگر کسی اور نے لکھا تھا تو حماد کو دکھا کر ان کی توثیق و تصدیق کرانے اور اجازت روایت حاصل کرنے کا بھی پتہ نہیں۔

① تہذیب التہذیب (۹/ ۸۹، ۹۰) و میزان الاعتدال و کتاب الجرح و التعذیل لابن ابی حاتم

② تانیب (ص: ۱۱۵)

غرض یہ کہ کوثری اس بات کے مدعی ہیں کہ امام صاحب اپنے اختیار کردہ مذکورہ بالا اصول و مذہب کے پابند تھے، اس لیے یہ ممکن نہیں کہ انھوں نے یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کو حماد سے بغیر روایت کر ڈالا ہو لیکن اہل نظر پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ کوثری اور اراکین تحریک کوثری کی اس طرح کی شعبہ بازیوں سے امام ابن المبارک اور اصحاب ابن المبارک نیز محمد بن جابر یمامی کی بیان کردہ یہ حقیقت ثابتہ ہرگز نہیں بدل سکتی کہ امام صاحب یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کی روایت حماد سے سنے بغیر کرتے تھے کیونکہ اس حقیقت ثابتہ کی طرح یہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ امام صاحب کے موقف و نظریات اور مذہب میں آئے دن تبدیلی ہوا کرتی تھی، موصوف امام صاحب آج اگر کسی موقف و نظریہ پر کاربند ہیں تو دوسرے دن اس موقف و نظریہ کے بالکل خلاف دوسرے موقف و نظریہ کے پابند نظر آتے ہیں۔

امام صاحب کے نظریات و موقف کی تغیر پذیری:

بند صحیح امام صاحب کا یہ قول منقول ہے:

”فإنني أرى الرأي اليوم فأترك و أرى الرأي غدا و أتركه بعد غد.“¹

”میں آئے دن اپنے اختیار کردہ موقف و نظریات کو چھوڑ چھوڑ کر ان کے خلاف دوسرے موقف و نظریات اختیار کرتا رہتا ہوں۔“

امام حفص بن غیاث کو مصنف انوار نے چہل رکنی مجلس تدوین کارکن قرار دے رکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

”كنت أجلس إلى أبي حنيفة فأسمعه يسأل عن مسألة في اليوم الواحد فيفتني فيها بخمسة أفاويل فلما رأيت ذلك تركته وأقبلت على الحديث.“²

”میں امام صاحب کی مجلس میں جایا کرتا تھا، وہ ایک ہی دن میں ایک مسئلہ کے معاملہ میں پانچ قسم کے مختلف موقف اختیار کرتے تھے، یہ دیکھ کر میں نے ان کے یہاں جانا ترک کر دیا اور حدیث کی طرف متوجہ ہو گیا۔“

معلوم ہوا کہ امام صاحب کے اصول و نظریات ہمیشہ بدلتے رہتے تھے حتیٰ کہ امام صاحب کے اس طرز عمل کو کوثری اور مصنف انوار کے ہم مزاج اسلاف نے امام صاحب کے فضائل و محاسن میں شمار کیا ہے جس کی تفصیل عنقریب آئے گی، یہاں صرف چند روایات بطور نمونہ نقل کی جا رہی ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

”عن حفص بن عبد الرحمن قال: قال لي خارجة: كيف تركت أبا حنيفة، قال: فقلت يذکر أصحابه أنه يقول اليوم قولاً، ثم يرجع عنه غداً، قال، وصفوه بالورع من قال، ثم رجع، دل على أنه متورع.“³

”حفص بن عبد الرحمن بن عمر بن فروخ یعنی نیساپوری (متوفی ۱۹۹ھ) نے کہا کہ مجھ سے خارجہ نے پوچھا کہ امام ابوحنیفہ کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا کہ ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ امام صاحب آج ایک بات کہتے ہیں اور

② الفسوی (۲/ ۷۸۹) خطیب (۱۳/ ۴۰۲)

① خطیب (۱۳/ ۴۰۲) وحسن التقاضی (ص: ۱۲)

③ موفق (۱/ ۲۰۰) و مناقب کردری (۱/ ۲۲۴)

دوسرے دن اس سے رجوع کر کے دوسری بات کہتے ہیں یعنی روزانہ امام صاحب اپنا مذہب و موقف اور نظریہ و اصول بدلتے رہتے ہیں خارجہ نے کہا کہ امام صاحب کا یہ طریق عمل ان کے متورع و متقی ہونے کی دلیل ہے ان کے اصحاب نے ان کی یہ صفت بیان کر کے ان کے تقویٰ و تورع کا اظہار کیا ہے۔“

مذکورہ بالا روایت مصنف انوار کی معتمد علیہ کتابوں موفقی و کردری میں منقول ہے جن کے مندرجات کو مصنف انوار صحیح و معتبر قرار دے کر نقل کرتے چلے جاتے ہیں، اس روایت میں ظاہر کیا گیا ہے کہ امام صاحب کے عام اصحاب یعنی تلامذہ و معتمدین یہ بیان کرتے رہتے تھے کہ امام صاحب آئے دن اپنے موقف و نظریات بدلتے رہتے ہیں اور امام صاحب کے اس وصف کو خارجہ نے تقویٰ و تورع قرار دیا ہے۔ موفقی و کردری نے بھی امام صاحب کی فضیلت و مدح ظاہر کرنے کے لیے یہ روایت نقل کی ہے۔

موفقی و کردری نے کہا کہ اصحاب امام صاحب کے بیان کردہ مذکورہ بالا وصف امام صاحب کو اصحاب امام صاحب سے نقل کرنے والے حفص بن عبدالرحمن بلخی امام صاحب کی تجارت کے ساجھی دار تھے، وہ امام صاحب کے ساتھ تیس سال رہے اور اس طویل صحبت میں انھوں نے یہی دیکھا کہ امام صاحب کا ظاہر و باطن یکساں ہے۔¹ کردری نے کہا: ”والمسائل التي رجع فيها من القياس إلى الأثر كثيرة.“² یعنی امام صاحب کے نظریات میں بہت ساری تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ مذکورہ بالا بات کو قاضی ابوالقاسم بن کاس نخعی نے اس طرح نقل کیا ہے:

”عن عبد الله بن عون قال: كان أبو حنيفة صاحب ليل وعبادة، فقيل له: إنه يقول القول ثم يرجع عنه في غد، فقال ابن عون: هذا دليل على ورعه، لأنه يرجع من خطأ إلى صواب، ولو لا ذلك لنصر خطأه ودافع عنه.“³

”عبداللہ بن عون نے کہا کہ امام صاحب شب بیدار و تہجد گزار آدمی ہیں تو ان سے بعض لوگوں نے کہا کہ وہ آئے دن اپنے نظریات و موقف کو بدلتے رہتے ہیں، اس پر ابن عون نے کہا کہ امام صاحب کا یہ وصف ان کے تقویٰ کی دلیل ہے کیونکہ وہ غلطی سے صواب کی طرف رجوع کر لیا کرتے ہیں، اگر موصوف تقویٰ شعار نہ ہوتے تو غلطی پر قائم رہتے، اس کی تائید کرتے اور اس پر ہونے والے اعتراض کا جواب دیتے۔“

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ امام صاحب اپنے اختیار کردہ مذہب و موقف پر ہمیشہ قائم نہیں رہتے تھے بلکہ اس کے خلاف دوسرے موقف و مذہب پر بھی کار بند ہو جایا کرتے تھے۔

حتیٰ کہ مناقب صیمری میں ہے:

”أخبرنا عبد الله بن محمد البزاز قال: حدثنا مكرم ثنا ابن مغلث قال: حدثنا محمد ابن توبة حدثني حموية بن حاتم قال: سمعت توبة يقول: قال لي أبو حنيفة: لا تسألني عن أمر

① موفقی (۱/۲۰۰، ۲۰۱) و کردری (۱/۲۲۴) و عقود الجمال (ص: ۲۴۰، ۲۴۱) ② کردری (۱/۱۵۵)

③ عقود الجمال (ص: ۲۰۲، ۲۰۴) و أخبار أبي حنيفة وأصحابه للصيمري (ص: ۷۲)

الدين وأنا ماش، ولا تسألني وأنا أحدث الناس، ولا تسألني وأنا قائم، ولا تسألني وأنا متكئ، فإن هذه الأماكن لا يجتمع فيها عقل الرجل، قال: فخرج يوماً في حاجة، وتبعته فجعلت من حرصي أسئله، ومعني دفتر، وهو يمشي في الطريق فكلمنا خلوت علق ما يقول، فلما كان يوم الغد، واجتمع إليه أصحابه، سألته عن تلك المسائل فغير الجواب، فأعلمته ذلك، فقال: ألم أنهك عن السؤال وعن الشهادات في دين الله إلا في اجتماع العقول؟¹

”توبہ نے کہا کہ امام صاحب نے مجھے حکم دے رکھا تھا کہ تم مجھ سے چلنے، بات کرنے، کھڑے ہونے اور ٹیک لگائے رہنے کی حالت میں کوئی دینی مسئلہ مت پوچھنا کیونکہ اس طرح کے مواقع پر آدمی کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی، ایک دن امام صاحب کسی ضرورت سے باہر جا رہے تھے، میں ان کے پیچھے ہو گیا اور علمی حرص کی وجہ سے ان سے علمی مسائل پوچھنے لگا، میرے پاس ایک رجسٹر تھا میں اس میں چپکے سے امام صاحب کے جوابات نوٹ کرتا جاتا تھا، دوسرے دن جب ان کے پاس ان کے تلامذہ جمع ہوئے تو میں نے چلنے کی حالت میں کل کے پوچھے ہوئے مسائل پھر دریافت کیے امام صاحب نے ان مسائل کے جواب میں کل کے بالمقابل مختلف اور دوسری باتیں بتلائیں، میں نے انہیں کل والے تحریری جوابات دکھلائے تو موصوف فرمانے لگے کہ اسی لیے میں نے اس طرح کے مواقع پر علمی مسائل پوچھنے سے تم کو منع کر دیا تھا کیونکہ اس وقت عقل ٹھکانے نہیں رہتی، اس طرح کے مسائل اس وقت پوچھنے چاہیے جب آدمی کی عقل ٹھکانے رہے۔“

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ روایت مذکورہ کو بھی مصنف انوار کے ہم مزاج اسلاف نے امام صاحب کی تقویٰ شعاری و احتیاط پسندی ظاہر کرنے کے لیے نقل کیا ہے۔ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک ہی دن میں امام صاحب کے علمی و فقہی مذاہب و موقف میں تبدیلی پیدا ہو جایا کرتی تھی اور اس قسم کی تبدیلیوں کا سبب اس روایت کے مطابق بتصریح امام صاحب یہ تھا کہ فقہی و علمی مسائل بیان کرتے وقت موصوف کا ذہن کبھی غیر حاضر و پریشان اور منتشر رہتا تھا اور کبھی حاضر و پرسکون، یعنی کہ اس روایت میں فقہی و علمی مسائل کے اندر آئے دن امام صاحب کے موقف و مذہب میں تبدیلی کا سبب اس سے مختلف بتلایا گیا ہے جو اس سے پہلے والی روایت میں بتلایا گیا ہے۔

امام ابو عوانہ و ضاح بن عبداللہ بيشکری واسطی بزار (متوفی ۷۵ یا ۷۶ھ) نے کہا:

”اختلفت إلى أبي حنيفة حتى مهرت في كلامه، ثم خرجت حاجًا، فلما قدمت أتيت مجلسه، فجعل أصحابه يسألوني عن مسائل كنت عرفتها، وخالفوني فيها، فقلت: سمعت من أبي حنيفة على ما قلت، فلما خرج سألته عنها، فإذا هو قد رجع عنها، فقال: رأيت هذا أحسن منه، قلت: كل دين يتحول عنه فلا حاجة لي فيه، فنفضت ثيابي ثم لم أعد إليه“²

میں امام صاحب کے پاس آمدورفت رکھتا تھا حتیٰ کہ ان کے علم کا ماہر ہو گیا، پھر میں حج کرنے گیا تو ان کی مجلس

1 مناقب صیمري (ص: ۳۰) و عام کتب مناقب. 2 خطیب (۱۳/۴۰۱)

میں حاضر ہوا، اس وقت ان کے اصحاب مجھ سے ان مسائل کے بارے میں پوچھ گچھ کرنے لگے جن کو میں نے امام صاحب سے سیکھا تھا، میں نے امام صاحب کو جس طرح ان مسائل کا جواب دیتے سنا تھا اس کو دہرایا، امام صاحب کے اصحاب نے بتلایا کہ امام صاحب نے ان مسائل کے جوابات ہم کو ان سے مختلف بتلائے ہیں جنہیں آپ امام صاحب کے بیان کردہ جوابات کہہ رہے ہیں، میں نے اس سلسلے میں امام صاحب سے پوچھا تو موصوف نے بتلایا کہ میں نے تمہیں بتلائے ہوئے مسائل سے رجوع کر لیا ہے کیونکہ یہ نئے مسائل پہلے والے سے زیادہ اچھے ہیں۔ میں نے کہا کہ مجھے امام صاحب کے اس مذہب کی ضرورت نہیں جس میں اس طرح کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے، چنانچہ میں نے ہمیشہ کے لیے امام صاحب کو متروک قرار دے دیا۔

ناظرین کرام دیکھ رہے ہیں کہ اس روایت سے بھی امام صاحب کے فقہی و علمی موقف و مذہب میں آئے دن تبدیلی و تغیر کا ثبوت ملتا ہے اور اس روایت میں تبدیلی موقف کا سبب اس سبب سے مختلف ہے جو اس سے پہلے والی روایتوں میں ظاہر کیا گیا ہے۔

امام صاحب کے فتاویٰ و نظریات امام صاحب کی اپنی نظر میں:

امام مزاحم بن زفر نے کہا:

”قلت لأبي حنيفة: هذا الذي تفتي والذي وضعت في كتابك هو الحق الذي لا شك فيه؟ فقال: والله ما أدري، لعله الباطل الذي لا شك فيه.“¹

”مزاحم نے امام صاحب سے کہا کہ اس وقت آپ جو فتاویٰ دے رہے ہیں وہ آپ کے ان فتاویٰ کے خلاف ہیں جن کو آپ نے اپنی کتابوں میں لکھوا رکھا ہے، اور کتابوں میں آپ کے لکھوائے ہوئے فتاویٰ ہی صحیح ہیں، اس پر امام صاحب نے جواب دیا کہ بخدا مجھے پتہ نہیں کہ ان میں سے صحیح کون سے فتاویٰ ہیں، ہو سکتا ہے کہ کتابوں میں میرے لکھوائے ہوئے فتاویٰ اس طرح باطل ہوں جن کے باطل ہونے میں شک کی کوئی گنجائش نہ ہو۔“

ناظرین کرام ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ اس روایت سے بھی آئے دن امام صاحب کے فقہی و علمی موقف و مذہب میں تبدیلی و تغیر ہوتے رہنے کا ثبوت ملتا ہے، اور اس میں امام صاحب کے علمی و فقہی موقف میں آئے دن کی تبدیلی کا سبب ان اسباب سے مختلف بتلایا گیا ہے جن کا ذکر اس سے پہلے والی روایات میں ہے۔ اس روایت کا مفاد یہ ہے کہ امام صاحب آئے دن اپنے بیان کردہ مختلف و متضاد علمی و فقہی مسائل و فتاویٰ کی بابت خود ہی یہ نہیں جانتے تھے کہ ان میں سے کون صحیح ہیں اور کون غیر صحیح؟

مذکورہ بالا بات کو امام صاحب کے ایک دوسرے شاگرد ابو نعیم فضل بن دکین نے اس طرح بیان کیا ہے:

”سمعت أبا حنيفة يقول لأبي يوسف: لا ترو عني شيئاً، فإنني والله ما أدري مخطئاً أنا أم مصيب؟“²

”میں نے امام صاحب کو ابو یوسف سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میری بیان کردہ کسی علمی و فقہی بات کی روایت و نقل مت کرو کیونکہ مجھے پتہ نہیں کہ میری بیان کردہ علمی و فقہی باتیں صحیح ہیں یا غلط!“

① المعرفة والتاريخ للفوسوي (٧٨٢/٢) خطيب (٤٠٣/١٣) ② خطيب (٤٠٢/١٣) وتاريخ فضل بن دكين.

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کو اپنی بیان کردہ علمی و فقہی باتوں کے صحیح یا غیر صحیح ہونے میں شک رہا کرتا تھا مگر دوسری روایتوں کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ امام صاحب کی یہ کیفیت کسی ایک زمانہ میں تھی پھر ان کی یہ کیفیت ہو گئی کہ انھوں نے فرمادیا:

”إن عامة ما أحدثكم به خطأ.“¹ ”میری بیان کردہ عام علمی باتیں غلط ہیں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ بعد میں امام صاحب کو اپنی بیان کردہ علمی باتوں کے غلط ہونے میں شک و تردد نہیں رہا کہا۔ تعجب ہے کہ مصنف انوار نے ان ساری روایات کو امام صاحب کی احتیاط پسندی و تقویٰ شعاری کے ثبوت میں کیوں صحیح کہہ کر نہیں نقل کیا؟!

امام صاحب کی طرف مصنف انوار کے منسوب کردہ علمی اصول کی تحقیق:

اس سے قطع نظر امام صاحب کی طرف منسوب جس موقف و مذہب کی بنیاد پر کوثری نے امام ابن المبارک، اصحاب ابن المبارک اور یمامی کے اس بیان کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے کہ امام صاحب یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کی روایت حماد سے سنے بغیر کیا کرتے تھے، اس موقف و مذہب کا انتساب ہی دراصل امام صاحب کی طرف صحیح نہیں ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ امام صاحب کی طرف اس موقف و نظریہ کا انتساب امام یحییٰ بن معین سے مروی ایک روایت میں کیا گیا ہے۔ یہ روایت مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے جن کا حاصل معنی ایک ہے مگر اہل علم پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ ابن معین وفات ابی حنیفہ کے کئی سال بعد پیدا ہوئے اور ان کی بیان کردہ اس روایت میں یہ مذکور نہیں کہ انھوں نے کس سے امام صاحب کی یہ بات سنی ہے، یعنی کہ اس کی سند میں امام صاحب اور ابن معین کے مابین انقطاع ہے، اس لیے یہ روایت معتبر نہیں، نیز اس میں دوسری علل بھی ہیں۔ (کما سیأتی)

مصنف انوار نے بھی اس روایت کو نقل کرتے ہوئے کہا:

”کسی نے ان سے یعنی یحییٰ بن معین سے پوچھا کہ کسی شخص کے پاس حدیث لکھی ہوئی ہے مگر اب وہ اس کے حافظہ میں محفوظ نہیں رہی، کیا اس تحریر پر بھروسہ کر کے اس کی روایت کر سکتا ہے؟ فرمایا کہ امام ابوحنیفہ تو یہ فرمایا کرتے تھے کہ صرف وہی حدیث تم بیان کر سکتے ہو جس کو اچھی طرح پہنچانتے ہو اور وہ تمہارے حافظہ میں بھی اول سے لے کر آخر تک محفوظ رہے“² یعنی درمیانی مدت میں کسی وقت اگر حافظہ سے نکل گئی اور ذہول ہو گیا تو اس کو روایت کرنے کا حق نہیں رہا روایت حدیث میں امام صاحب کا یہ خاص ورع و تشدد تھا جو دوسرے محدثین کے یہاں نہیں، پھر بھی امام یحییٰ بن معین امام صاحب ہی کے قول سے استناد کر رہے ہیں کیونکہ امام صاحب کے علم اور فضل و کمال سے غیر معمولی طور پر متاثر تھے“³

”امام صاحب کی شرط روایت سب سے زیادہ سخت تھی کہ جس وقت سے حدیث سنی ہے وقت روایت تک کسی وقت بھی ذہن سے نہ نکلی ہو، اتنی کڑی شرط امام بخاری وغیرہ کے یہاں بھی نہیں تھی“⁴

① خطیب و سیاتی التفصیل. ② موفق (۱۹۳/۱) ③ مقدمہ انوار (۱۱۱/۱) ④ مقدمہ انوار (۱۱۸/۱)

امام صاحب نے فرمایا کہ حدیث کی روایت کسی سے اسی وقت درست ہے کہ جس وقت سے سنی ہے روایت کے وقت تک برابر یاد ہو، امام صاحب کی یہ شرط دوسرے محدثین کے مقابلہ میں بہت سخت تھی، اس لیے نیز دوسری احتیاطوں کے باعث امام صاحب نے روایت کم کی۔^①

ہم بھی کہتے ہیں کہ امام صاحب کی طرف منسوب یہ بات یقیناً بہت سخت ہے مگر وہ خود اپنے اس سخت موقف پر قائم نہیں رہ سکے۔ (کما لا یخفی) نیز امام ابن معین سے مروی مذکورہ بالا بات کو مصنف انوار نے موفق (ص: ۱۹۳) سے نقل کیا ہے اور موفق کے مقام مذکور پر یہ روایت جعابی (ابوبکر محمد بن عمر سبرہ) سے منقول ہے جو مجروح ہے (کما مر) پھر اسے صحیح قرار دے کر مصنف انوار کا نقل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ نیز اس روایت کو خطیب نے الکفایہ فی علم الروایۃ میں بھی نقل کیا ہے جس کی سند میں ابوبکر محمد بن حمید بن سہل مخزومی نامی راوی کو امام برقانی نے ضعیف قرار دیا ہے۔^② جعابی و مخزومی نے یہ روایت علی بن حسین بن حیان بن عمار بن واقد ابوالحسن مروزی (متوفی ۳۰۵ھ) سے نقل کی جو بذات خود ثقہ ہیں۔^③ مگر موصوف نے یہ روایت اپنے باپ حسین بن حیان سے نقل کی ہے اپنے باپ سے موصوف ”وجادہ“ (تحریر و خط اور کتاب سے سماع کے بغیر) روایت کرتے ہیں، چنانچہ اس روایت میں اس بات کی تصریح ہے کہ علی بن حسین بن حیان نے اپنے باپ حسین کی ایک تحریر میں یہ لکھا ہوا پایا:

”سئل ابن معین عن الرجل یجد الحدیث بخطه فقال: کان أبو حنیفة یقول: لا یحدث إلا بما یعرف، ویحفظ، وأما نحن فنقول إنه یحدث بكل شیء یجده فی کتابه بخطه عرفه أو لم یعرفه، قال الخطیب: قلت قوله أو لم یعرفه یعنی به أو لم یحفظه بعینه، لأنه إذا صح عنده سماع ما تضمن کتابه فی الجملة جاز له التحديث منه فلا یتحتاج إلى أن یتبر سماعه لكل حدیث بانفرادہ علی التفصیل والتعیین، واللہ أعلم.“^④

”امام ابن معین سے پوچھا گیا کہ جو آدمی اپنی لکھی ہوئی تحریر میں حدیث پائے مگر اسے یاد نہیں ہے کہ اس حدیث کو استاد سے سنا ہے تو کیا وہ تحریر کی بنیاد پر اس حدیث کی روایت کر سکتا ہے؟ امام ابن معین نے کہا کہ امام ابوحنیفہ ایسی صورت میں اس حدیث کی روایت کو شخص مذکور کے لیے جائز نہیں مانتے تھے بلکہ فرماتے تھے کہ صرف اسی حدیث کی روایت کر سکتا ہے جس کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ استاذ سے سنا ہے اور اسے یہ یاد بھی ہو۔ امام ابن معین نے فرمایا کہ امام صاحب کے اس نظریہ کے خلاف ہمارا فتویٰ یہ ہے کہ شخص مذکور کو اپنی تحریر پر اعتماد کرتے ہوئے حدیث کی روایت کرنی جائز ہے، خواہ اسے سماع کی بات یاد ہو یا نہ ہو، امام خطیب نے امام ابن معین کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ کتاب میں تحریر شدہ احادیث کے بارے میں جب اجمالی طور پر یہ معلوم ہو کہ یہ احادیث شیخ سے سنی ہوئی ہیں تو کتاب پر اعتماد کر کے روایت کرنی جائز ہے، خواہ ہر حدیث کے

① مقدمہ انوار (۱/۲۸) ② لسان المیزان (۵/۱۴۹، ۱۵۰) ③ خطیب (۱۲/۳۹۵) ④ الکفایہ فی علم الروایۃ (ص: ۲۳۱)

بارے میں تفصیل سے یہ بات یاد ہو یا نہ ہو کہ اسے استاد سے سنا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ محض اپنی تحریر پر اعتماد کر کے روایت حدیث کی اجازت امام صاحب نہیں دیتے تھے جب تک کہ اس تحریر میں مندرج احادیث میں سے ہر ایک کی بابت یہ تفصیلی علم نہ ہو کہ اسے استاذ سے سنا ہے۔ ایک طرف موصوف کا یہ تشدد اور دوسری طرف یہ حال کہ بقول ابن المبارک واصحاب ابن المبارک ویمامی موصوف یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کی روایت حماد سے سنے بغیر کرتے تھے جبکہ ان میں اندیشہ الحاق بھی تھا، اور حماد سے ان کتابوں کی تصدیق و توثیق بھی ثابت نہیں اور نہ یہ ثابت ہے کہ امام صاحب کو ان کتابوں کی روایت کرنے کی اجازت حماد سے حاصل تھی، اور سب سے بڑی بات یہ کہ جس یمامی کے یہاں سے امام صاحب نے کتب حماد حاصل کی تھیں وہ بدعویٰ کوثری مطلقاً ساقط الاعتبار ہیں۔

یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ امام صاحب کا یہ طرز عمل ان کے اس اصول و مذہب کے خلاف ہے جو کوثری اور مصنف انوار کے مذکورہ بالا اقتباس میں منقول ہے، اور امام صاحب سے اپنے مذہب کے خلاف عمل کا سرزد ہونا ایسا بعید از قیاس نہیں کہ یمامی کے یہاں سے حاصل کردہ کتب حماد کو حماد سے سنے بغیر امام صاحب کے روایت کرنے کی حقیقت ثابتہ کی تردید کے لیے امام صاحب کی طرف منسوب اس اصول کو دلیل قرار دے لیا جائے، خصوصاً اس صورت میں کہ امام صاحب کا یہ اصول ابن معین سے منقول ہے جو امام صاحب کی وفات کے کئی سال بعد پیدا ہوئے، امام صاحب کے اس اصول کو ابن معین نے بلا ذکر سند نقل کیا ہے، یعنی کہ امام صاحب اور ابن معین کے درمیان اس روایت کی سند منقطع ہے۔ نیز ابن معین سے اس روایت کے ناقل حسین بن حیان بن عمار بن واقد ابوالحسن مروزی (متوفی ۲۳۲ھ) ثقہ امام ہیں۔¹ مگر ان سے اس روایت کے ناقل ان کے بیٹے علی بن حسین ”وجادۃ“ روایت کرتے ہیں۔² روایت مذکورہ میں بھی یہ تصریح ہے:

”ثنا علی بن الحسین بن حیان قال: وجدت في كتاب أبي بخط يده.“³

”علی بن حسین نے کہا کہ روایت مذکورہ مجھے میرے باپ حسین بن حیان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر میں دست یاب ہوئی ہے۔“

اور ناظرین کرام کو معلوم ہو چکا ہے کہ بدعویٰ کوثری و مصنف انوار امام صاحب اپنی تحریر پر اعتماد کر کے روایت کرنے کو جائز نہیں مانتے تھے، پھر دوسرے کی تحریر پر اعتماد کردہ روایت کو وہ کیونکر درست مان سکتے تھے؟ اس اعتبار سے بھی یہ روایت ساقط قرار پائی جانی چاہیے، نیز علی بن حسین سے یہ روایت جمابنی و مخزومی جیسے غیر معتبر لوگوں نے نقل کی ہے، لہذا امام صاحب کی طرف اصول مذکور کی نسبت غیر صحیح ہے۔

امام ابن معین کی طرف منسوب اس روایت میں دراصل واضح طور پر یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ امام صاحب کی طرف منسوب یہ پُر تشدد نظریہ اور اصول ناقابل عمل ہے جس کی عام اہل علم نے مخالفت کی ہے، حتیٰ کہ خود امام صاحب کا عمل بھی اس پر تشدد نظریہ کے خلاف ہے، یعنی کہ امام ابن معین نے امام صاحب کی طرف منسوب اس اصول و نظریہ پر تنقید فرمائی اور اس کی تغلیط

① خطیب (۳۶/۸) ② خطیب (۳۹۵/۱۱)، ترجمۃ حسین بن حیان)

③ الکفایہ فی علم الروایۃ (ص: ۲۳۱) و موفق (۹۳/۱)

کر کے فرمایا کہ عام اہل علم نے اس کی مخالفت کر رکھی ہے مگر مصنف انوار نے کمال عقل مندی اور دیانت داری سے کام لے کر امام ابن معین کی اس بات کو بھی امام صاحب کی بہت بڑی فضیلت و مدح قرار دے لیا!!
عام کتب مناقب میں امام معین کی طرف منسوب جو یہ قول منقول ہے:

”کان أبو حنیفة ثقة لا یحدث بالحديث إلا ما یحفظ، و لا یحدث بما لا یحفظ.“^①

”امام صاحب ثقہ تھے صرف حفظ و ضبط شدہ احادیث بیان کرتے تھے۔“

تو ابن معین سے یہ روایت محمد بن سعد نے نقل کی ہے۔^② اور عوفی مذکور کو کوثری نے ساقط الاعتبار کہا ہے۔^③ امام خطیب نے موصوف کو ”لین“ اور دارقطنی نے ”لابأس به“ کہا عوفی سے یہ روایت محمد بن احمد بن عصام نے نقل کی جو مجہول ہے، پھر یہ روایت کیونکر معتبر ہے جبکہ ابن معین سے امام صاحب پر جرح شدید منقول ہے؟ ابن معین سے امام صاحب کی جرح و تعدیل سے متعلق اقوال پر تفصیلی بحث آگے آئے گی۔

واضح رہے کہ امام ابن معین کے اس بیان سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ اپنی تحریر پر اعتقاد کرتے ہوئے اجمالی طور پر یہ علم رکھنے کی صورت میں کہ اس میں لکھی ہوئی حدیثیں استاذ سے سنی ہیں آدمی ان کی روایت کر سکتا ہے، لیکن یہ ہرگز نہیں ثابت ہوتا کہ کسی راوی کی طرف منسوب کتابوں کو اس کے ایسے شاگرد کے پاس سے لے کر کوئی آدمی ان کی روایت کرنے لگے جن کی کتابوں میں الحاق کا ثبوت ہو، اور یہ نہ معلوم ہو کہ کتب مذکورہ اصل مصنف کی خود نوشتہ ہیں یا کسی اور کی لکھی ہیں۔ مزید برآں یہ روایت کنندہ ان کتابوں کو اصل مصنف سے سن کر نہ تو پڑھ سکا ہے نہ اس سے کتابیں لے کر اجازت روایت حاصل کر سکا ہے، پھر جس آدمی کے پاس سے یہ کتابیں اس نے حاصل کی ہیں اسے کوثری نے مجروح بھی قرار دے رکھا ہے۔

ان امور سے قطع نظر امام ابن المبارک سے صحیح طور پر منقول روایت، نیز قول یمامی کے مطابق امام صاحب کتب حماد کو حماد سے سنے بغیر یمامی سے حاصل کر کے روایت کرتے تھے۔ اس سے مصنف انوار کے اس بلند بانگ دعویٰ کی بہر حال تکذیب ہوتی ہے کہ امام صاحب حماد سے دس سال یا اٹھارہ سال حدیث و فقہ پڑھ کر حماد کے جانشین بنے، اور سب سے بڑی بات یہ کہ مصنف انوار کے اس بلند بانگ دعویٰ پر کوئی بھی قابل اعتبار دلیل نہیں ہے اور یہ دعویٰ ثابت شدہ امر واقع کے خلاف بھی ہے، یعنی کہ امام ابن المبارک کے بیان سے مستفاد ہونے والی حقیقت کے بالکل خلاف مصنف انوار نے انوکھا دعویٰ کر رکھا ہے۔

جلد اول ختم ہوئی

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین.

① تعلیق الکوثری علی مناقب أبي حنیفة للذهبی (ص: ۲۸، ۲۹) و عام کتب مناقب.

② خطیب (۱۳/۴۱۹) ③ تانیب (ص: ۱۸۷) ④ خطیب و لسان المیزان (۵/۱۷۴)